JULY 2011
ماہنامہ
کرن
اس شمارے کے ساتھ
کرن کتابچہ
اچار چٹنیاں مربے

عنوان	مصنف	صفحہ
حمد	[illegible]	11
نعت	[illegible]	11

انٹرویو

عنوان	مصنف	صفحہ
نیلم منیر	شاہین رشید	12
دو کا پہاڑہ	صدف آصف	17
میکال ذوالفقار	نازیہ کنول	25
مجھ سے ملیے	شگفتہ بھٹی	21
آواز کی دنیا	سمیہ سیفی	30

ناول

عنوان	مصنف	صفحہ
دستِ کوزہ گر	فوزیہ [illegible]	34
دردِ دل	نبیلہ [illegible]	104

مکمل ناول

عنوان	مصنف	صفحہ
آ و رے پیا	نایاب جیلانی	60
بات زندگی کی ہے	نازیہ کنول	128
بے داغ	نبیلہ عزیز	182

ناولٹ

عنوان	مصنف	صفحہ
اسیرِ موسمِ ہجراں	[illegible]	236

افسانے

عنوان	مصنف	صفحہ
[illegible]	شاہدہ ملک	56
[illegible]	حریم ملک	99
بلا عنوان	صبیحہ اقبال	175

مستقل سلسلے

عنوان	مصنف	صفحہ
کرن کرن خوشبو	شعاع عمیر	267
یادوں کے دریچے سے	بشریٰ محمود	270
مجھے یہ شعر پسند ہے	شگفتہ سلیمان	272
مسکراتی کرنیں	ریحانہ امجد بخاری	274
کرن کا دسترخوان	خالدہ جیلانی	276
حسن و صحت	ادارہ	278
نہلے پہ دہلا	ذوالقرنین	280
نامے میرے نام	مدیرہ کرن	282

جولائی 2011

جلد 34 شمارہ 4

قیمت 50 روپے

خط و کتابت کا پتہ

کرن

37- اردو بازار کراچی

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: khawateendigest@hotmail.com , info@khawateendigest.com

اداریہ

جولائی کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

ان دنوں موسم برسات پورے عروج پر ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ بجلی کی لوڈشیڈنگ اور پانی کی عدم دستیابی بھی۔ پورے ملک میں گرج چمک کے ساتھ بارشوں اور آندھیوں کا سلسلہ جاری ہے۔ ان بارشوں کے باعث بلدیاتی اداروں کی ناقص کارکردگی بھی سامنے آگئی ہے۔ جگہ جگہ سڑکوں پر لگے ہوئے خطرناک گڑھے ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے نقصان دہ ہیں۔

دوسری طرف پورے ملک میں خصوصاً کراچی میں ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات تشویشناک صورت اختیار کر چکے ہیں۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب کسی بھی علاقے سے لڑائی جھگڑے اور فائرنگ کی اطلاع نہ ملے۔ پاکستان جو اسلام کے نام پر بنا تھا۔ اس میں اس قسم کے واقعات افسوسناک ہیں۔

جو لوگ فرقہ بندی اور لسانیت کی بنیاد پر قتل و غارت گری کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں۔ انہیں سوچنا چاہیے۔ ہمارا مذہب یہ تو نہیں سکھاتا۔ اسلام تو مذہب انسانیت ہے۔ اور جس پیغمبر کے ہم پیروکار ہیں، وہ ساری دنیا کے لیے رحمت اللعٰلمین بن کر آئے تھے۔ دوستوں اور دشمنوں کے لیے سراپا رحمت تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں۔ اسی میں ہماری نجات اور فلاح کا راستہ ہے۔

اس شمارے میں،

- اداکارہ "نیلم منیر" سے شاہین رشید کی ملاقات،
- اداکارہ "صدف عمر" دو کے پہاڑے کے ساتھ،
- ماڈل و اداکار "میکال ذوالفقار" قارئین کی عدالت میں،
- "مجھے ملیے" شگفتہ بھٹی کی باتیں،
- "آواز کی دنیا سے" ایف ایم 105 کی پروڈیوسر "سیمبا سیلی" کی باتیں،
- "دست کوزہ گر" فوزیہ یاسمین کا سلسلے وار ناول،
- "دردِ دل" نبیلہ عزیز کا سلسلے وار ناول،
- "اور پھر بہار" نایاب جیلانی کا طویل مکمل ناول،
- "بات زندگی کی ہے" نازیہ کنول نازی کا مکمل ناول،
- "بے داغ" نبیلہ عزیز کا مکمل ناول،
- "اسیر موسم ہجراں" صنوبر ساجد کا ناولٹ،
- شاہدہ ملک، حریم ملک، اور صبیحہ اقبال کے افسانے اور باقی سلسلے،

تحفہ،

کرن کتاب "اچار، چٹنیاں اور مربے" ماہنامہ کرن کے ہر شمارے کے ساتھ مفت حاصل کریں۔

حمد باری تعالیٰ

کر رہے ہیں تری ثنا خوانی
سوچتی دھرتی بولتا پانی

تو ہے آئینہ ازل یارب
اور میں ہوں ابد کی حیرانی

تیرے جلووں کے دم سے لیل و نہار
تیرے سورج کی سب درخشانی

گونجتا ہے ثنا کے نغموں سے
گنبدِ جاں ہے میرا نورانی

پار ہوتی نہیں مرے مولا
درد کی سرحدیں ہیں طولانی

تجھ سے بخشش کا ہے تمنائی
تیرا بندہ صبیح رحمانی

صبیح رحمانی

نعت رسول مقبول

آقا ہمیں بلائیں گے پختہ یقین ہے
اک دن مدینے جائیں گے پختہ یقین ہے

اک روز روضۂ پاک کا در چومتے ہوئے
جھونکے ہوا کے آئیں گے پختہ یقین ہے

وہ در کہ جس پہ رحمتِ عالم لکھا گیا
اس در سے فیض پائیں گے پختہ یقین ہے

پہنچیں گے جب مدینے کی گلیوں میں دوستو
مستی سے جھوم جائیں گے پختہ یقین ہے

محشر کے روز دیکھنا دوزخ کی آگ سے
آقا ہمیں بچائیں گے پختہ یقین ہے

مضطر ملے گا آپ کا دیدار جس گھڑی
اک جشن ہم منائیں گے پختہ یقین ہے

مضطر بخاری

نیلم منیر سے ملاقات

شاہین رشید

نیلم منیر شوبز کا نیا نام بہت ہی کم عرصے میں اس فنکارہ نے اپنی پہچان کروائی ہے اور ان کی پہچان ان کی اچھی پرفارمنس تو ہے ہی مگر ان کے چہرے کا بھولپن بھی ہے جو ان کو نمایاں کرتا ہے۔ نیلم منیر آج کل ہر میدان میں بہت نمایاں نظر آرہی ہیں خواہ ماڈلنگ کا میدان ہو ہوسٹنگ کا یا پھر اداکاری کا۔ اس ماہ ہم نے نیلم منیر کا انٹرویو کیا ہے جو یقیناً قارئین کو پسند آئے گا۔

★ "کیسی ہیں نیلم، آج کل تو آپ اسکرین پہ چھائی ہوئی ہیں؟"

* "جی میں ٹھیک ہوں اور آپ میرا [illegible] ہیں اس کا شکریہ۔"

★ "صبح کی نشریات "گڈ مارننگ پاکستان" میں دیکھا بہت اچھا لگا۔ آپ نے اسے مستقل کرنے کا خیال نہیں آیا؟"

* "بس جتنے پروگراموں کے لیے انہوں نے بلایا میں نے کرلیا۔ ویسے بھی آج کل اداکاری میں مصروف ہوں۔ لیکن مجھے ایسا پروگرام کرنے کو ملے گا تو ضرور کروں گی۔"

★ "اور آج کل کیا ہو رہا ہے؟"

* "کمرشلز اور ڈرامے کر رہی ہوں، جب نادیہ خان شو ہوتا تھا تو اس کے ایک آئٹم کی کمپیئرنگ کیا کرتی تھی۔"

★ "کیا کیا آن ایئر ہو چکا ہے؟ کیا کیا ہونا ہے؟"

* "جو آن ایئر ہو چکے ہیں اس میں "دیا جلے"، "دل مضطرب"، "قید تنہائی"، "مشعل کے دروازے"، "میرا پیار" اور بھی کئی آن ایئر آچکے ہیں جو کہ اس وقت یاد نہیں آرہے۔ جبکہ انڈر پروڈکشن میں "کھنک"، "[illegible]" ابھی ناموں کا انتخاب نہیں کیا گیا۔"

★ "اپنے بارے میں کچھ بتائیں؟"

* "جی میں [illegible] پیدا ہوئی، پیار سے سب مجھے [illegible] کہتے ہیں۔ میرا ستارہ Pisces ہے۔ [illegible] ہم چار [illegible] میرا نمبر تیسرا [illegible] نہیں [illegible] ہمارا تعلق پشاور سے ہے اور ہم پٹھان ہیں۔"

★ "کیا مطلب بھائی ٹینشن ہوتے ہیں؟"

* "کبھی کبھی مجھے ایسا لگتا ہے کہ بھائی ٹینشن ہوتے ہیں۔۔۔ جب میں اپنی دوستوں کو دیکھتی ہوں تو سوچتی ہوں کہ کیا مسئلہ ہے۔ ادھر نہیں جاؤ ادھر نہیں جاؤ۔

یہ [illegible] نہیں کرو۔"

★ "والد صاحب کچھ نہیں کہتے؟"

* "میرے والد نہیں ہیں، والدہ ہیں اور وہ کچھ نہیں کہتیں ان کو ہم پر بہت اعتماد ہے۔"

★ "ڈراموں میں تو دلہن بن چکی ہیں اصل زندگی میں کیا ارادے ہیں اور کیا سوچ ہے؟"

* قہقہہ۔۔۔ "کافی مشکل سوال کردیا آپ نے۔۔۔ ویسے ابھی تو مجھے اس فیلڈ میں بہت کچھ کرنا ہے۔ چار سے پانچ سال تو کوئی ارادہ نہیں ہے اور امی کی طرف سے بالکل اجازت ہے کہ کوئی پسند آئے تو بتا دینا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ بندہ پڑھا لکھا ہو۔"

★ "اس فیلڈ میں کیسے آئیں؟"

* "مجھے اس فیلڈ میں آنے کا بہت زیادہ کریز تھا۔۔۔ لیکن آپ کو پتا ہی ہے کہ یہاں پہ لوگ آپ کو پلیٹ فارم نہیں دیتے۔ ایک دوسرے کی کوئی مدد نہیں کرتے۔ اور بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو میرے ساتھ ہی اس فیلڈ میں آئے تھے مگر وہ اپنی جگہ نہیں بنا سکے اور میں بھی بھاگ بھاگ کے تھک گئی تھی۔ لیکن جب کوئی ایک بار ڈرامے میں آجاتا ہے پھر اس کی جگہ بن ہی جاتی ہے۔ ہمارے اسکول میں آڈیشن ہوئے تھے اور میں ایک کمرشل کے لیے منتخب ہوئی تھی اور جب کمرشل کیا تو کچھ لوگوں نے میرا نمبر لیا اور یوں مجھے کمرشل ملنے لگے اور آپ کو بتاؤں کہ میں گزشتہ ساڑھے تین سال سے کمرشلز کر رہی ہوں۔ پھر نادیہ خان نے مجھے اپنے پروگرام میں ایک سیگمنٹ دیا جو کہ میں نے کیا اور لوگوں نے پسند کیا۔۔۔ پھر بابر جاوید نے میرا کمرشل اور نادیہ خان شو میں مجھے دیکھا تو انہوں نے مجھے اپنے ڈرامے کے لیے کال کی۔"

★ "مگر اس سے پہلے تو شاید آپ نے کاظم پاشا کے ڈرامے میں کام کیا تھا؟"

* "جی "تھوڑا سا آسمان" میں کام کیا تھا مگر اس میں رول مختصر تھا۔ لیکن جب میں نے بابر جاوید کے ڈرامے "دیا جلے" میں کام کیا۔ اس میں بابر جاوید کو میرا کام پسند آیا اور انہوں نے مجھ پر بھروسہ کرتے ہوئے ایک کے بعد ایک سیریل دیے۔۔۔ اور اس طرح میں پالش بھی ہوتی گئی اور کام بھی مسلسل ملتا رہا۔ میں اس لحاظ سے لکی ہوں کہ مجھے بابر جاوید جیسے ڈائریکٹر ملے اور میں بہت شکر گزار ہوں بابر جاوید کی کہ انہوں نے بغیر کسی مطلب کے اور بغیر کسی تجربے کے مجھے مسلسل کام دیا اور اداکاری میں میری تربیت کی اور میرے کام کو

دیکھ کر پھر وگرو واز کلبز ز ہتے بھی مجھ سے مرابطہ کیا اور اب آپ سب کے سامنے ہوں۔"

★ "اچھا لگ رہا ہے' ایک دم سے ڈراموں میں آنا اور فیم ہونا؟"

✻ "بہت اچھا لگ رہا ہے اور بہت زیادہ مزا آتا ہے۔ کام کر کے اچھا لگ رہا ہے اور اس فیلڈ میں آنا میرا خواب تھا۔"

★ "دیا جلے" سے آپ کو زیادہ شہرت ملی؟"

✻ "دیا جلے" نے واقعی مجھے بہت شہرت دی' اس میں میں نے آصف رضا میر کی بیٹی کا رول کیا تھا اور بابر جاوید کے ساتھ یہ میرا پہلا سیریل تھا اور "تھوڑا سا آسمان" میں میں نے سعدیہ امام کی بیٹی کا رول کیا تھا۔"

★ "ابتدا کمرشل ماڈلنگ سے کی سنا ہے کہ کمرشلز میں پیسہ بہت ملتا ہے۔ آپ کو پہلے کمرشل کا کیا ملا تھا؟"

✻ "سچی بات بتاؤں' میں پیسوں کے معاملے میں بہت فضول خرچ ہوں اور جب مجھے پیسے ملتے ہیں تو میرا پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ میں ایک عدد نیا موبائل خرید لیتی ہوں اور میرے پاس اتنے سارے موبائل ہیں کہ میری فیلڈ کے لوگ کہتے ہیں کہ تم پاگل ہو' اتنے موبائل کیوں لیتی ہو۔ تو میں یا تو کسی میں پیٹرول ڈلوا کر فل کروالیتی ہوں اور ایک نیا موبائل بھی لے لیتی ہوں۔ تو یقیناً" پہلی کمائی میں بھی ایسا ہی کچھ کیا ہوگا اور ہاں مجھے بیگ خریدنے کا بھی بہت شوق ہے اور بیگ بھی بے شمار ہیں تو پتا ہی نہیں چلتا کہ پیسے کہاں چلے گئے۔"

★ "عام زندگی سے خاص زندگی میں آنے کے بعد یعنی شہرت پانے کے بعد لوگوں کے رویوں میں کیا تبدیلی محسوس کرتی ہیں؟"

✻ "لوگوں کے رویوں میں تو خیر اتنی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ لیکن اس معاشرے میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے بارے میں ضرور کچھ کہوں گی خاص طور پر اپنے اساتذہ کو کہ وہ تعلیمی اداروں میں ٹھیک طرح سے نہیں پڑھاتے جس کی وجہ سے طالب علموں کو ٹیوشن کا سہارا لینا پڑتا ہے اور میں [illegible] سے اس [illegible] ہوں تو مجھ سے تو آرٹسٹ کے بارے میں ہی پوچھا جاتا ہے کہ فلاں کیسا ہے' فلاں کیسا ہے۔ یہ بات مجھے اچھی نہیں لگتی اور یہ بات بھی مجھے بہت عجیب سی بات لگتی ہے کہ کوئی لڑکی اگر جینز شرٹ میں کریم آباد' صدر اور اسی طرح کے دوسرے علاقے میں چلی جائے تو لوگ اسے گھور گھور کر اس کا برا حال کر دیتے ہیں اور وہی لڑکی اگر پارک ٹاور' فورم اور اسی طرح کے بڑے شاپنگ سینٹر میں چلی جائے تو کوئی اسے کچھ نہیں کہتا تو انسان بیگ میں دو طرح کے کپڑے ڈال کر تو نہیں گھوم سکتا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ سب کے مائنڈ تبدیل کر دوں۔"

★ "ویسے جب لوگ آپ سے ملتے ہیں تو بے ساختہ کیا بولتے ہیں؟"

✻ "ارے آپ تو اتنی چھوٹی سی ہیں اور اسکرین پہ تو بہت بڑی نظر آتی ہیں۔ تو میں یہی کہتی ہوں کہ ہر کوئی اسکرین پہ اپنی عمر سے تھوڑا بڑا ہی نظر آتا ہے۔"

★ "شوٹ کے لیے ملک سے باہر تو جاتی ہوں گی۔ دل چاہتا ہے کہ واپس پاکستان نہ جاؤں اور اسی ملک میں رہ جاؤں؟"

✻ "نہیں ایسا کچھ دل نہیں چاہتا۔ جہاں بھی جاتی ہوں دل چاہتا ہے کہ جلدی سے اپنے پاکستان چلی جاؤں اپنے ملک میں جو مزا ہے [illegible] وہ کہیں نہیں ہے جب ملک سے [illegible] آٹھ دن تو بہت مزا آتا ہے [illegible] ہوتا ہے تو کوفت اور [illegible] کہ میں کب پاکستان جاؤں [illegible] چاہے اپنا ملک اس سے بہتر [illegible]"

★ "[illegible] کام آپ کر چکی ہیں کوئی رول جو آپ کو پسند [illegible]"

✻ "مجھے مختلف قسم کے رول کرنے کا ہی شوق ہے کیونکہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ مجھ میں ورائٹی ہے اور میں کچھ کر سکتی ہوں۔ خواہ وہ گیٹ اپ والا رول ہو یا کوئی اور میں ہر طرح کا رول کرنے کو تیار ہوں۔"

★ "سنا ہے کہ شوبز میں سیاست بہت ہے؟"

✻ "جی بالکل ٹھیک سنا آپ نے اس فیلڈ میں جو بھی آئے بہت سوچ سمجھ کر آئے کیونکہ اس فیلڈ میں بہت سیاست ہے ہر کوئی ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے میں لگا رہتا ہے۔ اتنے اچھے دوست ہونے کے باوجود ایک دوسرے کی برائیاں کر رہے ہوتے ہیں۔"

★ "فلم' ماڈلنگ اور ٹی وی' آپ کی ترجیحات کیا ہیں؟"

✻ "تینوں میری ترجیحات ہیں۔ مجھے ایک انگریزی فلم میں کام کرنے کی آفر آئی مگر کچھ وجوہات کی بنا پر میں نے اس کے لیے منع کر دیا۔ ماڈلنگ بہت آسان ہے جبکہ اداکاری بہت مشکل ہے اور مجھے مشکل کام کرنا ہی پسند ہے۔"

★ "ماشاء اللہ آج کل بہت کامیاب جا رہی ہیں' اگر یہ دن نہ رہے تو پھر؟"

✻ "تو کوئی بات نہیں کیونکہ میں نے کبھی اس فیلڈ کو سر پر سوار نہیں کیا میں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ یہ فیلڈ ہے تو میں ہوں۔ بلکہ میں نے ہمیشہ یہ سوچا ہے کہ میں ہوں تو میرا وجود ہے اور یہ فیلڈ کسی انسان کو زیادہ دیر تک لے کر نہیں چلتی' جہاں محسوس کروں گی کہ مقبولیت کم ہو رہی ہے اس فیلڈ کو چھوڑ دوں گی۔"

★ "محبت کے بارے میں آپ کی کیا سوچ ہے۔ ایک بار ہوتی ہے یا بار بار ہوتی ہے؟"

✻ "پتا نہیں ابھی تک ایسے کسی تجربے سے گزری نہیں۔ لیکن میں نے اپنے اردگرد کی لڑکیوں کو دیکھا ہے انہیں تو بار بار محبت ہو رہی ہوتی ہے۔ بریک اپ ہو جاتا ہے تو کچھ دن بعد آکر کہتی ہیں کہ یار ایسا ہو گیا۔ ویسا ہو گیا اور پھر کچھ عرصے کے بعد ایک نئی محبت شروع ہو جاتی ہے تو میرا نہیں خیال کہ آج کے دور میں محبت ایک بار ہوتی ہے۔"

★ "کس قسم کے سین کرنے سے گھبراتی ہیں؟"

✻ "رومینٹک سین کرنے سے گھبراتی ہوں۔ دلہن والے سین سے بہت گھبراتی ہوں اور سب سے بڑی بات یہ کہ مختصر لباس پہننے سے بہت گھبراتی ہوں۔ کوشش کرتی ہوں کہ میں سلیولیس بھی نہ پہنوں بہت مجبوری ہوتی ہے تو پہن لیتی ہوں۔"

★ "پھر کردار لینے میں اور نبھانے میں مشکل تو ہوتی ہو گی کیونکہ آج کل تو جب تک لڑکیاں مختصر لباس نہ

سنتیں۔ ڈائریکٹر بات ہی نہیں کرتے۔"؟"

✻ "ہاں جی۔ مشکل تو ہوتی ہے اور بہت سارے ایسے کردار ہیں کہ جو میں نہیں کر پاتی کیونکہ وہ ہر لحاظ سے بولڈ ہوتے ہیں تو میں منع کر دیتی ہوں کیونکہ ہمارے پیچھے ہماری پوری فیملی ہوتی ہے۔ بھلا میں اس طرح کے رول کیسے کر سکتی ہوں.... اور میری فیملی تو ویسے ہی کہتی ہے کہ تم کام مکمل کر لو تو ہم تمہاری شادی کر دیں گے۔ تو میں اسی لیے میں بہت سنبھل کر کام کرتی ہوں۔"

★ "تو پھر آپ کو کون سے کردار پسند ہیں۔ کیونکہ ہر کردار میں تھوڑا بہت بولڈ تو ہونا ہی پڑتا ہے؟"

✻ "آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ لیکن ڈراموں میں جو چھوٹے چھوٹے کپڑے چل رہے ہیں خاص طور پر ریمپ کی ماڈلز وغیرہ جو پہنتی ہیں وہ تو نہ میں خود پہننا پسند کروں گی اور نہ ہی میرے گھر والے اس کی اجازت دیں گے۔"

★ "اس فیلڈ میں آنے کے بعد ذاتی طور پر کیا نقصان ہوا؟"

✻ "سچ بتاؤں۔ نہ دین کی رہی نہ دنیا کی" قہقہہ۔ "میری ساری نمازیں قضا ہو جاتی ہیں۔ کبھی وقت ملے تو پڑھ بھی لیتی ہوں لیکن رات کو جب گھر جاتی ہوں تو کافی تھکی ہوئی ہوتی ہوں۔ تو نماز پڑھنا دشوار ہو جاتا ہے اور دنیا سے یوں کہ مصروفیات اتنی زیادہ ہوتی ہیں کہ نہ گھر والوں کو ٹائم دے سکتی ہوں اور نہ ہی رشتے داروں کو۔"

★ "اپنے آپ میں کیا تبدیلی لانا چاہتی ہیں؟"

✻ "میں تھوڑی سخت مزاج ہونا چاہتی ہوں۔ کیونکہ جو نرم مزاج لوگ ہوتے ہیں لوگ ان کی نرمی سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں اور نقصان ہمارا ہی ہوتا ہے تو میں چاہتی ہوں کہ تھوڑی سخت ہو جاؤں۔"

★ "ویسے غصہ کب آتا ہے؟"

✻ "جب کوئی بات مجھے بری لگتی ہے اور میں اس کا اظہار نہیں کر پاتی" تو میں سوچتی ہوں کہ کیا کروں۔ ویسے آپ کو بتاؤں کہ میں زیادہ غصہ نہیں کرتی۔ اس لیے ایسا کوئی موقع ہو کہ میں کچھ نہ کر پا رہی ہوں تو پھر میں اس جگہ سے اٹھ کر چلی جاتی ہوں۔"

★ "اس فیلڈ میں دس سال بعد اپنے آپ کو کہاں دیکھتی ہیں؟"

✻ "دیکھتی ہوں کہ بہت آگے ہوں گی اور یہ بھی یقین ہے کہ لوگوں کو میرا نام یاد ہو گا خواہ میں اس فیلڈ میں ہوں یا نہ ہوں۔ خواہ شادی شدہ ہوں یا نہ ہوں۔ بس میرا نام لوگوں کو ضرور یاد ہو گا۔"

★ "کھانے کی شوقین ہیں' خود بھی پکا لیتی ہیں' کبھی غصے میں کھانا پینا چھوڑا؟"

✻ "جی میں خود بھی پکا لیتی ہوں اور کھانے پینے کی شوقین ہوں اور امی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا مجھے بہت پسند ہے اور غصے میں کھانا پینا بہت مرتبہ چھوڑا ہے۔"

★ "تو پھر موڈ ٹھیک کیسے ہوتا ہے؟"

✻ "بس خود ہی گھنٹہ دو گھنٹے کے بعد موڈ ٹھیک ہو جاتا ہے کسی کو منانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔"

★ "کہاں اور کس جگہ پر کھانا کھانے کا مزا آتا ہے؟"

✻ "میں بہت عام سی لڑکی ہوں۔ ہر جگہ [illegible] ہو جاتی ہوں۔ جہاں اچھا اور مزے دار [illegible] ہی مزا آتا ہے۔ خواہ چٹائی ہو' ڈائننگ [illegible] کوئی ڈھابہ ہو بس کھانا اچھا ہونا چاہیے۔"

اور اس کے ساتھ [illegible] سے اجازت چاہی۔

صدف عمیر

شاہین رشید

1 "اگر آپ کو اپنا نام بدلنا پڑے تو کن دو ناموں کو ترجیح دیں گی؟"

✻ "ملوشہ اور نمل۔"

2 "آپ کے دو لکی نمبر؟"

✻ "تین اور چھبیس اس لیے کہ میری سالگرہ کا دن ہے اور چھبیس اس لیے کہ عمیر کی سالگرہ کا دن ہے۔ یعنی تین اگست اور چھبیس نومبر۔"

3 "دو تاریخی ادوار جن میں آپ جانا چاہتی ہیں؟"

✻ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تاکہ دیکھ سکوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو کس طرح راہ راست پر لائے تھے اور مغلیہ دور میں تاکہ میں بھی شہزادیوں کا رہن سہن دیکھتی اور میں بھی شہزادیوں جیسا لباس پہنتی۔"

4 "کوئی دو افراد جن کے ایس ایم ایس کے جواب فوراً دیتی ہیں؟"

✻ "عمیر لغاری (میاں) اور جویریا سعود کے۔"

5 "کوئی دو بری عادتیں جن سے آپ نجات چاہتی ہیں؟"

✻ "میرا غصہ اور دوسروں پر جلدی بھروسہ کرنا۔"

6 "دو جھوٹ جو آپ اکثر بولتی ہیں؟"

✻ "ایک تو یہ کہ جب میں پرانی چیز پھینک دیتی ہوں اور پھر کچھ دنوں کے بعد کوئی پوچھے کہ وہ کہاں گئی تو میں صاف کہہ دیتی ہوں مجھے تو نہیں پتا اور دوسرا یہ کہ اگر کسی کی اچھائی کے لیے جھوٹ بولنا پڑے تو بول دیتی

ہوں۔"

7 "اپنے بارے میں کن دو باتوں کو سن کر غصہ آجاتا ہے؟"

* "ایک تو یہ کوئی مجھے Discourage نہ کرے اور دوسری یہ کہ میرے بارے میں کوئی جھوٹ نہ بولے۔"

8 "حالات حاضرہ کے دو اینکر جو آپ کے خیال میں پرچی سے آئے ہیں؟"

* "کیوں لڑائی کروائیں گی۔ ویسے آج کل سے دور میں پرچی ضروری ہے پھر اپنا ٹیلنٹ جن میں ٹیلنٹ تھا وہ چل رہے ہیں اور جن میں نہیں ہے وہ باہر بیٹھے ہیں۔"

9 "مارننگ شو کے دو اینکر جو بہترین ہیں؟"

* "شائستہ واحدی اور فیصل قریشی۔"

10 "وہ دوست جن پہ آپ بھروسہ کر سکتی ہیں؟"

* "دوست تو میرا ایک ہی ہے اور وہ میرا میاں ہے اور دوسرا نام جویریا سعود۔"

11 "دو مشہور شخصیات جن کے ساتھ آپ دنیا گھومنا چاہتی ہیں؟"

* "ایشوریا رائے اور شاہ رخ خان۔"

12 "دو شخصیات جن کی قسمت پر رشک آتا ہے؟"

* "یہی دو ہیں۔ شاہ رخ خان اور ایشوریا رائے۔ ویسے تو ہر انسان اپنی قسمت لکھوا کے لاتا ہے۔"

13 "دو تہوار جو آپ اہتمام سے مناتی ہیں؟"

* "عید اور نیو ایئر۔"

14 "دن کے چار پہر میں سے کون سے دو پہر اچھے لگتے ہیں؟"

* "رات کا وقت اور صبح کا وقت جب تازہ ہوا آپ کے اندر جا رہی ہوتی ہے۔"

15 "پہلی ملاقات میں کون سے دو جملے لازمی بولتی ہیں؟"

* "السلام علیکم، کیسے ہیں، ٹھیک ہیں۔"

16 "دو کھانے جنہیں کھا کر کبھی بور نہیں ہوتیں؟"

* "چائنیز باربی کیو۔"

17 "دو افراد جن سے معافی مانگنے میں شرم محسوس نہیں کرتیں؟"

* "اپنے امی ابو اور اپنے شوہر سے۔"

18 "دو پسندیدہ کھلاڑی جن کی وجہ سے کرکٹ دیکھتی ہیں؟"

* "عمران خان کی وجہ سے دیکھتی تھی اور اب شاہد آفریدی کی وجہ سے۔"

19 "کن دو خوب صورت دنوں کی منتظر ہیں؟"

* "اپنے بچوں کو اعلا مقام پر دیکھنا چاہتی ہوں اور ایک ایسا دن جب میں کہہ سکوں کہ ہاں اب زندگی مکمل ہو گئی ہے۔"

20 "دو چیزیں جنہیں لیے بغیر آپ گھر سے نہیں نکلتیں؟"

* "اپنا موبائل اور اپنا بیگ۔"

21 "دو الفاظ جو آپ بہت زیادہ استعمال کرتی ہیں؟"

* "توبہ ہے اور ہو ہی نہ جائے۔"

22 "دو پسندیدہ صحافی؟"

* "میں تو کسی کو نہیں جانتی کیونکہ میں جن کو نہیں پڑھتی اور نہ ہی مجھے ان کے بارے میں پتا ہے (لوگی انٹرویو دے رہی ہیں مگر صحافی کو نہیں جانتیں)۔"

23 "سات دنوں میں سے کون سے دو دن اچھے لگتے ہیں؟"

* "ہفتہ اور اتوار کیونکہ بچوں کی چھٹیاں ہوتی ہیں۔"

24 "بارہ مہینوں میں کون سے دو مہینے اچھے لگتے ہیں؟"

* "نومبر اور دسمبر کیونکہ سردیاں ہوتی ہیں۔"

25 "اپنے گھر میں دو پسندیدہ جگہیں؟"

* "اپنا بیڈ روم اور کچن جہاں میں مزے مزے کے کھانے پکاتی ہوں۔"

26 "دو پسندیدہ پکنک پوائنٹ؟"

* "نیا کیپ اور رفتار سے ہوا ہوئی۔"

27 "گھر کے دو کام جو آپ کو کرنا اچھا نہیں لگتا؟"

* "برتن دھونا اور کپڑے دھونا۔ دونوں پانی کے کام ہیں اور پانی سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔"

28 "کن دو ممالک کی ترقی سے متاثر ہیں؟"

* "چین اور انڈیا۔"

29 "کون سے دو رنگ کے لباس پسند ہیں؟"

* "پنک اور بلیک۔"

30 "اپنے ملک کے دو پسندیدہ شہر؟"

* "کراچی اور اسلام آباد۔"

31 "اگر ایک دن کے لیے ساری دنیا سو جائے سوائے آپ کے تو کیا کرنا پسند کریں گی؟"

* "دو کا پتا اور ڈھیر سارا پیسہ جو اپنے بچوں کے اکاؤنٹ میں ڈلواؤں گی۔"

32 "لڑکوں کے لیے دو نصیحتیں؟"

* "اپنے والدین کو خوش رکھیں اور عزت کمائیں اور دوسری یہ کہ زندگی میں کچھ کرنے کی طاقت رکھیں یہ مت سوچیں کہ منزل نہیں ملے گی۔ ہمت کریں گے تو راستے خود ہی نکل جائیں گے۔"

33 "سال کے چار موسموں میں سے کون سے دو موسم پسند ہیں؟"

* "بہار اور سردی۔"

34 "لڑکوں کی دو ناپسندیدہ عادتیں؟"

* "جو لڑکے نشہ کرتے ہیں برے لگتے ہیں اور جو ہمت ہار کر گھر بیٹھ جاتے ہیں ان کی یہ عادت بری لگتی ہے۔"

35 "صبح اٹھتے ہی کون سے دو کام پہلے کرتی ہیں؟"

* "صبح اٹھ کر جب تک میں نہا نہ لوں کوئی کام نہیں کر سکتی اور فریش ہونے کے بعد اپنا بستر صاف کرتی ہوں۔"

36 "دو مرد حضرات جنہوں نے آپ کی زندگی بنانے میں اہم رول ادا کیا ہو؟"

* "میرے بابا اور میرے میاں۔"

37 "آپ کے نزدیک دنیا کے دو خوب صورت ترین مرد؟"

* "میرے بیٹے جب بڑے ہوں گے تو اور بھی خوب صورت ہو جائیں گے عثمان اور طلال۔"

38 "دو پسندیدہ پروفیشن؟"

* "آرمی اور بزنس۔"

39 "والدین کی دو نصیحتیں جو گرہ سے باندھ لی ہوں؟"

* "بڑوں کی عزت کرو خواہ وہ آپ کا دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ میری یہ عادت ہے کہ جو میرے ساتھ برا ہے میں اس سے بات نہیں کرتی تو مجھے کہا جاتا ہے کہ ایسا مت کرو اور دوسری یہ کہ بچوں کو رشتوں کی پہچان کراؤ۔"

40 "دو کردار جو آپ کرنا چاہتی ہیں؟"

* "ایک تو پاگل لڑکی کا اور دوسرا اندھی لڑکی کا کردار۔"

41 "اپنے کیے گئے دو فیصلے جو غلط ثابت ہوئے ہوں؟"

* "میں نے بہت جلدی پڑھائی کو خیرباد کہہ دیا۔ مجھے پڑھائی ختم نہیں کرنی چاہیے تھی اور اکثر یہ سوچتی ہوں کہ اگر میں تعلیم مکمل کر لیتی تو کسی بڑی پوسٹ پر ہوتی

اور دوسرا غلط فیصلہ یہ تھا کہ پندرہ سولہ سال پہلے میں امریکہ والدین کے ساتھ گئی اور والد نے کہا کہ تم یہاں رک جاؤ اور تعلیم حاصل کرو مگر میں نے ان کی بات نہیں مانی اور جذباتی فیصلہ کیا کہ میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔

42 "کن دو باتوں سے پرہیز کرتی ہیں؟"
* "پیٹھ پیچھے کسی کی چغلی نہ کروں اور برائی سے۔"

43 "پانچ وقت کی نمازوں میں کون سے دو وقت کی نمازیں لازمی پڑھتی ہیں؟"
* "فجر اور عصر۔"

44 "بیرون ملک شاپنگ میں کون سی دو چیزیں لازمی خریدتی ہیں؟"
* "ڈیکوریشن پیس اور اپنے بچوں کے لیے چیزیں۔"

45 "دو لوگ جن کے غصے سے ڈر لگتا ہے؟"
* "اپنے ابا اور اپنے میاں کے غصے سے۔"

46 "کن دو لوگوں کی تعریف میں مبالغے سے کام نہیں لیتیں؟"
* "اپنے بچوں اور اپنے میاں کی۔"

47 "دو مشروب جن کے بغیر آپ نہیں رہ سکتیں؟"
* "پاکولا، لیموں پانی۔"

48 "ملک میں کون سی دو تبدیلیاں ضروری ہیں؟"
* "انقلاب کی اور لوگوں کی سوچ میں تبدیلی ضروری ہے۔"

49 "آج کے دور کے دو پسندیدہ گلوکار؟"
* "احمد جہاں زیب اور راحت فتح علی۔"

50 "شادی کی دو رسمیں جو آپ انجوائے کرتی ہیں؟"
* "دودھ پلائی اور جوتا چھپائی۔"

51 "دو باتیں جو آپ کا موڈ خراب کرتی ہیں؟"
* "اگر کوئی جھوٹ بولے تو میرا موڈ خراب ہو جاتا ہے اور اپنے گھر کو میں گندا نہیں دیکھ سکتی۔"

52 "اپنے لباس میں کن دو باتوں کا خیال رکھتی ہیں؟"
* "گلے بڑے نہ ہوں اور استری کیے ہوئے ہوں۔"

53 "کن دو کیڑوں سے ڈر لگتا ہے؟"
* "چھپکلی اور کاکروچ۔"

54 "کن دو افراد کے ساتھ بارش انجوائے کرتی ہیں؟"
* "میاں اور بچے۔"

55 "دو ریسٹورنٹ جہاں کھانا کھانے کا مزا آتا ہے؟"
* "باربی کیو ٹونائیٹ۔"

56 "دو چینل جو آپ شوق سے دیکھتی ہیں؟"
* "جیو اور ہم۔"

57 "دو تبدیلیاں جو آپ اپنی شخصیت میں لانا چاہتی ہیں؟"
* "غصے پہ قابو پالوں اور تھوڑی سی میچور ہو جاؤں۔"

5 "کھانے کی ٹیبل پہ کیا دو چیزیں نہ ہوں تو کھانے کا مزا نہیں آتا؟"
* "رائتہ اور سلاد۔"

59 "دو چیزیں جو آپ کے بیگ میں لازمی ہوتی ہیں؟"
* "پرفیوم اور والٹ۔"

60 "کن دو شخصیات کو اغوا کرنا چاہیں گی اور تاوان میں کیا وصول کریں گی؟"
* "اپنی بہترین دوست [illegible] کو اور اس کے میاں سے کنٹریکٹ لکھواؤں [illegible] ہر وقت ملنے کی اجازت دے اور [illegible] کرواؤں گی اور ان سے بھی لکھواؤں [illegible] بلائیں تو انہیں کوئی ٹینشن نہیں ہونی چاہیے۔"

☆ ☆

سرورق کی شخصیت	
ماڈل	نازیہ
میک اپ	روز بیوٹی پارلر
فوٹو	موسیٰ رضا

مجھ سے ملیے

شگفتہ [illegible]

○ "تاریخ پیدائش، ستارہ؟"
☆ "20 اپریل، حمل۔"
○ "خدا سے تعلق؟"
☆ "خدا سے تعلق بے حد قریبی اور سچے دوست والا۔"
○ "فرصت کا وقت گزارنے کا پسندیدہ طریقہ؟"
☆ "فرصت کے وقت کوئی اچھی کتاب پڑھنا یا ٹی وی پر کوئی اچھا پروگرام دیکھنا۔"
○ "کون سی چیز خوش گوار تاثر قائم کرتی ہے؟"
☆ "پرسکون خاموشی۔"
○ "وہ چیز جو موڈ خراب کردے؟"
☆ "جب کسی اور کام کرنے کا سوچوں اور کرنا کچھ اور پڑ جائے۔"
○ "مشکل ترین لمحہ؟"
☆ "جب اپنی صفائی کسی ایسی شخصیت کے سامنے پیش کرنی پڑ جائے جو غلط اور درست کی پہچان نہ رکھتی ہو۔"
○ "بہترین تعریف جو وصول کی؟"
☆ "میرے ابو جب ہسپتال میں تھے تو بار بار میرے ہاتھ پیار سے پکڑ کر اپنے چہرے کے ساتھ لگاتے اور کہتے تھے۔ "میری بیٹی جیسا کوئی نہیں" وہ ان کی زندگی کے آخری ایام تھے۔"
○ "وقت ضائع کرنے کا بہترین طریقہ؟"
☆ "وقت ضائع کرنے کا بہترین طریقہ کمپیوٹر پر چیٹنگ کرنا۔"
○ "زندگی کا خوفناک واقعہ؟"
☆ "جب ایک آپریشن کے بعد کچھ عرصے کے لیے میرا بائیں بازو اور ہاتھ کام کرنا چھوڑ گئے تھے اور ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ یہ اب ٹھیک نہ ہو سکیں گے۔" مگر اللہ کے فضل سے میں صحت یاب ہو گئی مگر میری

زندگی کے دو چار ماہ ایسے تھے جب میں رات را... سے عمر... اور ... سے ... رہتی تھی۔

○ "بہترین تحفہ میری نظر میں؟"

☆ "اچھی کتاب۔"

○ "ایسی تاریخی شخصیت جس سے ملنا چاہوں؟"

☆ "حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔"

○ "پسندیدہ ساتھی؟"

☆ "کتاب۔"

○ "پسندیدہ ہستی؟"

☆ "حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔"

○ "پسندیدہ فیشن؟"

☆ "شلوار قمیص (ہمیشہ)۔"

○ "بہترین کلوش؟"

☆ "زادِ راہ۔"

○ "پسندیدہ ملکیت؟"

☆ "میرے میاں جی کا دل میرے لیے ہی ملکیت ہے۔"

○ "زندگی کی خواہش؟"

☆ "مدینہ میں ہوں اور موت آجائے۔"

○ "پریشان کن لمحہ؟"

☆ "جب آٹا ختم ہو جائے اور میاں گندم ... لانے میں بہانے کرنے جائیں۔"

○ "جب موڈ آف ہو تو کیا کرتی ہوں؟"

☆ "موڈ آف ہو تو سونے کی کوشش کرتی ہوں ... نہ سو سکوں تو پھر خوب بول بول کر اپنا غصہ ٹھنڈا کرتی ہوں۔"

○ "کوئی ایسا فرد جس کے سامنے کھڑی نہ رہ سکوں؟"

☆ "آج سے تین چار برس پہلے تک میں ا... ابو جان سے اتنا ڈرتی تھی کہ ان کے سامنے کھڑی ... رہ سکتی تھی۔ مگر اب مجھے دلیل کے ساتھ اپنے ... بات کرنا اور کھڑا ہونا آگیا ہے۔"

○ "فیشن کب مسئلہ بنتا ہے؟"

☆ "میں کبھی بھی اتنی فیشن ایبل نہیں ... کہ میرے لیے فیشن مسئلہ بن جائے ... ویسے جب فیشن میں بے حیائی اور عریانی عام ہو جائے تو وہ اجتماعی مسئلہ بن جاتا ہے۔"

○ "انسان کا دل کب ٹوٹتا ہے؟"

☆ "جب کوئی اپنا غیریت برتتا ہے تو دل ٹوٹ جاتا ہے۔"

○ "کیا چیز جذباتی کرتی ہے؟"

☆ "مجھے کسی کے بھی آنسو جذباتی کر دیتے ہیں اور میں اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے پر تیار ہو جاتی ہوں۔"

○ "زندگی کا یادگار دن؟"

☆ "جب میں نے عمرے کے لیے رختِ سفر باندھا۔"

○ "موسیقی میرے نزدیک؟"

☆ "کبھی کبھار کا دل بہلاوا۔"

○ "پسندیدہ گانا؟"

☆ "نصرت فتح علی خان کا۔"

سن چرخے دی مٹھی مٹھی کوک
ماہیا میٹوں یاد آوندا

○ "پسندیدہ فقرہ؟"

☆ "آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔"

○ "پسندیدہ کردار؟"

☆ "اپنے ضمیر کا کردار۔"

○ "سب سے زیادہ قیمتی اثاثہ؟"

☆ "بار شتے ... میرے شوہر جن کے ساتھ میری بہت ... منتوں کی۔"

○ "اچھا اور خوب صورت موسم؟"

☆ "سردیوں میں گہرے سیاہ دھواں دھار برستے بادلوں کا موسم جب لحاف میں بھی سردی لگتی رہے۔"

○ "ناقابل فراموش واقعہ؟"

☆ "میرے پیارے بہنوئی جو میرے جیٹھ بھی تھے ان کی بالکل اچانک موت۔"

○ "پہلی کلوش شائع ہونے پر تاثرات؟"

☆ "ناقابل بیان مسرت حاصل ہوئی تھی بالکل اسی طرح جیسے کوئی عورت پہلی بار ماں بنے اور اس کی گود میں ایک صحت مند اور خوب صورت بیٹا ہو ... میرے تاثرات اپنی پہلی کتاب کی اشاعت پر ایسے ہی تھے۔"

○ "وہ رات جو کبھی نہ بھولے گی؟"

☆ "ایک رات ہم لوگ گھر سے بہاولنگر جانے کے لیے نکلے۔ بس میں جا کر بیٹھے تو معلوم ہوا گھر کی چابیاں (جہاں جانا تھا) وہ بھول آئے ... چلتی بس رکوا کر واپس گھر آئے۔ کار میں ... بے حد خراب سڑک پر جا کر CNG ختم ہو گئی ... کر CNG تک گئے ... پھر کچھ آگے ... گاڑی کا انجن خراب ہو گیا۔ یوں تمام رات ... دھکے کھا کر ... صبح فجر ایک رشتے ... واپس گھر آپہنچے ... وہ ایک خوفناک رات تھی۔"

○ "میرا خواب؟"

☆ "کاش جب میرا وقت اجل آئے تو ... خوش خبری دینے والے فرشتوں سے ملاقات ہو ... جو مسکرا کر جنت میں داخل ہونے کی نوید سنائیں۔"

○ "پسندیدہ مزاح؟"

☆ "ڈاکٹر منصور احمد باجوہ کی کتاب "روپ بہروپ""

○ "حسد محسوس کرتی ہوں؟"

☆ "جب میرا سوچا ہوا کام کوئی اور کر جائے ... مثلاً "میرے ذہن میں کسی کہانی کا ٹھیک وہی پلاٹ ہو اور اسے کسی اور نے لکھ دیا ہو مجھ سے پہلے۔"

○ "خوشبو پسند ہے تو کیوں؟"

☆ "جس طرح جسم روح کے بغیر مردہ ہے اسی طرح اچھی خوشبو انسانی احساسات کی جان ہے میں خوشبو کے بغیر خود کو پرسکون محسوس نہیں کرتی ... اچھی خوشبو میری بہت بڑی کمزوری ہے۔"

○ "پسندیدہ خوشبو؟"

☆ "پھولوں میں چنبیلی کی ... پرفیوم میں بے شمار۔"

○ "آخری کتاب جو میں نے پڑھی ہو؟"

☆ "جب تک انسان زندہ ہے پڑھتا ہی رہتا ہے میرے نزدیک کوئی کتاب زندگی میں تو آخری نہیں ہو سکتی۔"

○ "پسندیدہ جگہ؟"

☆ "خانہ کعبہ۔"

○ "وہ جگہ جہاں چھٹی گزارنا پسند کروں؟"

☆ "چھٹی گزارنے کی بہترین جگہ پہلے تو ماں کا گھر تھا۔ اب دل کرتا ہے بس گاڑی میں ایک اچھا سفر ہو یا پھر کچھ نہ ہو تو اپنا بستر ہو اور کوئی کتاب ہو ..." (جواب ممکن نہیں ہو سکتا)

○ "میری قوت ارادی؟"

☆ "بس نارمل سی ہے ... بہت مضبوط نہیں۔ میرے اکثر ارادے حالات کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں"

○ "گھر کا پسندیدہ کمرا؟"

☆ "گھر کا پسندیدہ کمرا ... ابھی تو میسر نہیں اگر کبھی ہو گیا تو میرا اسٹڈی روم ہو گا ... فی الحال تو جوائنٹ فیملی سسٹم ہے لہٰذا۔"

○ "کیا پہننا پسند کرتی ہوں لباس میں؟"

☆ "لباس میں مجھے ہر وقت، ہر جگہ شلوار قمیص پسند ہے۔"

○ "پسندیدہ رنگ؟"

☆ "سیاہ اور سفید۔"

○ "پسندیدہ مصنف؟"

☆ "ممتاز مفتی۔"

○ "پسندیدہ شاعر؟"

☆ "محسن نقوی اور جاوید اقبال۔"

○ "ویران سنسان جزیرے پر سب سے پہلا کام کیا کروں گی؟"

☆ "ویران جزیرے پر پہلا کام یہ کروں گی کہ سوچوں وہاں پر مستقل رہنے کے لیے کیا بندوبست کیا جا سکتا ہے۔"

○ "خود اپنی بری عادت؟"

☆ "آج کل بلاوجہ غصہ آنا اور غصے میں اپنے بچوں کو ڈانٹنا۔"

○ "کھانے کی پسندیدہ جگہ؟"

☆ "وہ پہلے تو ماں کا گھر ہی تھا۔۔۔ اب کوئی سا بھی ریسٹورنٹ جہاں سکون سے کھانا کھایا جائے۔"

○ "اگر میں مصنفہ نہ ہوتی تو؟"

☆ "اگر میں مصنفہ نہ ہوتی تو ڈاکٹر ہوتی۔ کیونکہ اس کہانیاں پڑھنے اور لکھنے کی لت نے مجھے میڈیکل میں نہیں جانے دیا۔"

○ "ایک لفظ جو مجھے واضح کردے؟"

☆ ایک عام سی عورت۔

○ "جنس مخالف کے بارے میں رائے؟"

☆ "جنس مخالف کا ہر رشتہ اگر محبت پر استوار ہوا ہو تو بے حد بے لوث اور مضبوط ہوتا ہے چاہے وہ باپ، بھائی، شوہر یا بیٹا ہو۔۔۔ تحفظ اور محبت کی علامت۔"

○ "محبت کے بارے میں خیال؟"

☆ "محبت کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں۔۔۔ حتیٰ کہ خود اپنے لیے جینا بھی۔"

○ "پسندیدہ رشتہ؟"

☆ "ماں اور بیٹی کی دوستی۔"

○ "اگر محبت کی تو کیا نتائج نکلیں گے؟"

☆ "ہر محبت کا نتیجہ سوائے محبت کے کچھ اور ہو نہیں سکتا۔۔۔ میں جب سے اپنے ہوش و حواس میں آئی تب سے محبت کرتی رہی ہوں اور محبت ہی پا رہی ہوں۔" (الحمد للہ ہر رشتے میں۔)

○ "کوئی ایسی فلم جو بار بار دیکھنا چاہیں؟"

☆ "پرانی انڈین فلم "پاکیزہ" بار بار دیکھنے کو جی کرتا ہے۔"

○ "چہرے پڑھ جاتے ہیں؟"

☆ "چہرے ہی ہیں جو حال دل کا آئینہ ہوتے ہیں۔"

○ "شاعری کے بارے میں خیال؟"

☆ "شاعری جذبات کے اظہار کا حسین ذریعہ ہے"

○ "میری جستجو میری کھوج؟"

☆ "میری جستجو میری کھوج یہی ہے کہ کاش کبھی اپنے آپ کو پا سکوں اور پھر اپنے بنانے والے [illegible] رسائی حاصل کرسکوں۔۔۔ کاش!"

○ "بہترین کامیابی؟"

☆ "ابھی تک تو کوئی نہیں جسے بہترین کہہ سکوں۔"

○ "وہم کا ازالہ کس طرح کرتی ہوں؟"

☆ "اللہ کا شکر ہے کہ مجھے "وہم" کا مرض لاحق نہیں ہے۔"

○ "سائنس کی بہترین ایجاد؟"

☆ "سائنس کی بہترین ایجاد میری نظر میں کمپیوٹر۔"

○ "بدترین ایجاد؟"

☆ "موبائل۔"

○ "ایسی شخصیت جو شدت سے یاد آتی ہے؟"

☆ "مجھے اپنی ماں اور باپ دونوں شدت سے یاد آتے ہیں۔"

○ "بستر پر جانے سے پہلے کیا جانے والا آخری کام؟"

☆ "بستر پر جانے سے پہلے بچوں کے یونیفارم تیار کرنا اور بستر پر جاکر سونے سے پہلے مخصوص دعائیں اور سورتیں پڑھنا۔"

○ "ایک بات جو ہمیشہ یاد رہی؟"

☆ "میں ایک مسلمان عورت ہوں اور میری زندگی کی مخصوص حدود و قیود ہیں۔۔۔ یہ بات مجھے ہمیشہ یاد رہتی ہے۔۔۔ الحمد للہ۔"

○ "زندگی کا خوب صورت ترین دن؟"

☆ "زندگی کا خوب صورت ترین دن جب میں اپنے بچوں کے ساتھ غار حرا میں موجود تھی۔"

○ "پیغام قارئین کے لیے؟"

☆ "قارئین سے [illegible] کہ وہ کہانی کو محض وقت گزاری یا Enjoyment کے لیے نہ پڑھیں بلکہ [illegible] میں موجود [illegible] کو سمجھیں۔۔۔ اچھا اور معیاری [illegible]"

○ "[illegible] بارے میں رائے؟"

☆ "[illegible] ایک بہترین دوست کا نام ہے۔۔۔ یہ رلاتا بھی ہے ہنساتا بھی ہے اور زندگی کے پیچ و خم کو سمجھاتا بھی ہے۔۔۔ تنہائی کا بہترین ساتھی ہے اور نوجوان نسل کو عملی زندگی کے رموز سے آگاہ کرتا ہے بشرطیکہ کوئی [illegible] نہیں سمجھے اور عمل کرے۔"

☆ ☆

قارئین کی عدالت میں

میکال ذوالفقار

نازیہ کنول نازی

آپ بہنوں کی فرمائش پر اس ماہ آپ کے بھیجے گئے سوالات ہم آپ کے فیورٹ اور ٹی وی کے چاکلیٹی ہیرو "میکال ذوالفقار" سے کررہے ہیں۔ آئندہ اسی سلسلے میں آپ کے دلچسپ سوالات ٹیلی وژن کی معروف فنکارہ "ماریہ واسطی اور نبیل" سے کیے جائیں گے۔ بہنوں سے التماس ہے کہ وہ اپنے سوالات بروقت بھجوادیا کریں تاکہ وہ سلسلے کی زینت بن سکیں، تاخیر سے موصول ہونے والے سوالات ضائع ہوجاتے ہیں۔

میکال ذوالفقار اس وقت ٹیلی وژن کے بہت معروف و مصروف فنکار ہیں اور اپنے فن کی وجہ سے اپنے ناظرین میں بھی مقبول ہیں۔ تاہم میکال ظاہری طور پر جتنے خوب صورت اور فٹ نظر آتے ہیں باطنی طور پر بھی اتنے ہی خوب صورت اور بے مثال ہیں۔ میکال سے یہ دلچسپ انٹرویو ملاحظہ فرمایئے۔

✡ "السلام علیکم میکال کہاں کی تیاری ہے؟"

♦ "وعلیکم السلام ائیرپورٹ جارہا ہوں۔"

✡ "خیریت؟"

♦ "ہوں، خیریت ہی ہے، اصل میں کل صبح کی فلائٹ سے ممبئی جارہا ہوں، اتنی مصروفیت اور ٹف ٹائم لگ رہا ہے کہ بتا نہیں سکتا۔"

✡ "اس کا مطلب ہے کہ انٹرویو پھر گول؟"

♦ (مسکراتے ہوئے) "نہیں۔۔۔ جو الزام آپ سے سن چکا ہوں اس کے بعد آپ سے بات گول نہیں کرسکتا۔"

✡ "اس کا مطلب ہے کہ آپ خود پسند، فلرٹی اور مغرور نہیں ہیں؟"

♦ "خود پسند کہہ سکتی ہیں کسی حد تک، مغرور بالکل نہیں ہوں اور فلرٹی تو خاص طور پر نہیں ہے ہوں کیونکہ اب تو میری شادی بھی ہوچکی ہے اور ایک بچہ بھی ہے۔"

✡ "ارے واہ یہ کب ہوا؟"

♦ "لاسٹ ایئر اپریل میں شادی ہوئی ہے اور اب ہماری ایک بچی بھی ہے۔"

✡ "بہت بہت مبارک ہو میکال، بہت ہارٹ ایشو تھی لوگوں کے لیے آپ کی شادی، شوبز میں کی یا شوبز سے باہر؟"

♦ "شوبز سے باہر کی ہے اور بہت شکریہ مبارک باد کے لیے۔"

✡ "اپنے ایک انٹرویو میں آپ نے کہا تھا کہ آپ

زندگی میں شادی کے بعد پہلے بچے کی آمد کے منتظر ہیں تو یہ خواہش تو پوری ہوئی آپ کی؟"

● "سوری... مجھے یاد نہیں ہے شاید میں نے ایسا کہا ہو' بہرحال میں نے زندگی میں بہت سی خوشیاں حاصل کی ہیں' مگر مجھے لگتا ہے شاید اتنی بڑی خوشی میں نے پہلے کبھی حاصل نہیں کی۔"

✲ "ہوں... یہ فلم کی کیا کہانی ہے؟"

● "کوئی کہانی نہیں' فلم میں پہلے بھی کر چکا ہوں' شاید آپ کو علم ہو' میری پہلی فلم "گاڈ فادر" تھی جو انڈیا' پاکستان دونوں میں ریلیز ہوئی۔ دوسری فلم جو تھی وہ "شوٹ آن سائیٹ" تھی جو انگلش فلم تھی اور وہ پاکستان میں ریلیز نہیں ہوئی' کیونکہ اس کا ٹاپک تھا وہ "دہشت گردی" تھا کچھ اور بھی وجوہات تھیں' جس کی بنا پر اسے پاکستان میں ریلیز ہونے کی اجازت نہیں دی گئی' بہرحال اس فلم میں میرے ساتھ نصیر الدین شاہ' اوم پوری اور کچھ بہت بڑے انگلش ایکٹر بھی تھے تو یہ ایک بڑا ونڈر فل تجربہ تھا میرے لیے زندگی کا اور ابھی جو میں نے کہا کہ میں ایئرپورٹ پر ہوں تو میں ممبئی جا رہا ہوں صبح اپنی تیسری فلم کی تکمیل میں حصہ لینے کے لیے اور یہ ایک انڈین لو اسٹوری فلم ہے' خالص انڈین پروجیکٹ اور ٹاپک ہے۔

جوئی کاسٹ سے شروع ہو رہا ہے' تو یہ آج کل چل رہا ہے اور فلم لازمی طور پر اس فیلڈ کا حصہ ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے پاکستان میں فلم کے لیے اتنے مواقع نہیں ہیں تو انہیں باہر تلاش کرنا پڑتا ہے۔ فلم میں کر رہا ہوں اور ان شاء اللہ آگے بھی کرتا رہوں گا۔ بہرحال میری خواہش ہے کہ میری یہ فلم بہت اچھی جائے اور مجھے آگے بھی انٹرنیشنلی کام کرنے کے مزید مواقع ملیں۔"

✲ "اللہ آپ کی خواہش پوری کرے میکال' ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں' اب کہیں تو سوالوں کی پٹاری کھول لوں؟"

● (مسکراتے ہوئے) "جی ضرور کیوں نہیں۔"

✲ بہت سارے سوال ہیں میکال آپ کے لیے' یہ پہلا سوال لاہور سے بہن صوفیہ ملک' مریم رشید اور صدف آرزو نے مشترکہ بھجوایا ہے۔

● "وہ بھی ٹی وی پر آپ کا جو ڈرامہ چلا "پانی جیسا پیار" اس میں آپ نے اپنی وائف ثنا کو جو جان دار تھپڑ رسید کیا جس سے ان کے چہرے پر سوجن بھی دکھائی دی' یہ سین حقیقی تھا یا صرف کیمرے کا کمال ہے؟"

✲ "وہ کیمرے کا کمال ہے۔ (مسکراتے ہوئے) ظاہر ہے اتنا خطرناک قسم کا سین حقیقت میں تو نہیں کیا جاسکتا اور نہ کرنا چاہیے' تو وہ سب کیمرے کا کمال تھا اور ہماری ایکٹنگ کا بھی' مگر میں یہ ضرور کہنا چاہوں گا کہ یہ میرے لیے ایک بہت مشکل سین تھا۔ اور آپ جانتی ہیں کہ وہ ایک بڑا منفی کردار تھا اور مجھے نہیں لگتا کہ وہ مجھے سوٹ کرتا ہے' جیسی میری نیچر ہے۔"

● ڈگری سے ثروت رشید گل پوچھتی ہیں؟

✲ (پانی جیسا پیار) میں آپ کا کردار حقیقت سے کتنا مختلف یا قریب ہے؟"

● "ہاں... میرا خیال ہے آپ لفظی قفظی کہہ سکتی ہیں۔ اصل میں جب کوئی اداکار کردار ادا کرتا ہے تو وہ اس کو وہی رنگ دیتا ہے جو رائٹر نے لکھا ہوتا ہے' تو اصل رنگ تو رائٹر نے ہی ڈالنا ہوتا ہے' [illegible] پر یہ اس بات پر ڈیپینڈ کرتا ہے کہ [illegible] ہوا ہے؟ "پانی جیسا پیار" میں مجھ سے [illegible] پوائنٹ آؤٹ نہیں کر سکتا مگر [illegible] پلے ہیں اور کچھ ایسے حصے تھے [illegible] پرفارم کرنا پڑا تو کہہ سکتی ہیں کہ [illegible] قریب تر ہے۔

✲ [illegible] سے ہماری بہن حفصہ سعد کا [illegible] میں آنے پر گھر والوں کا کیا رد عمل تھا' کس سے زیادہ ڈانٹ پڑی اور کس نے زیادہ سراہا؟"

● "دیکھیں میری فیملی نے ہمیشہ مجھے سپورٹ کیا ہے۔ میری فیملی بہت بولڈ نہیں' مگر اوپن مائنڈڈ فیملی ہے' دو ویلیوز' میں سمجھتا ہوں کہ شوبز کے بارے میں یہاں پاکستان میں جو لوگوں کی رائے ہے وہ ٹھیک نہیں ہے' یہ فیلڈ بری نہیں ہے' لوگ برے ہیں۔ کام کام ہوتا ہے اور میں اپنا کام پوری لگن اور محنت سے کرتا ہوں' شاید اسی لیے اللہ نے مجھے اتنا عروج دیا ہے۔ بہرحال میری فیملی سپورٹ ہے اور انہیں ہمیشہ میری ہر کامیابی پر خوشی ہوئی ہے۔"

✲ یہ سوال باغ آزاد کشمیر سے بہن ارم گل صاحبہ اور وہاڑی سے بہن عائشہ ملک کا ہے' پوچھتی ہیں۔ "آپ نے اب تک کتنے افیئرز چلائے اور کتنے اسکینڈلز کا سامنا کیا؟"

● "افیئرز پر تو میں نے کبھی یقین نہیں کیا' حالانکہ مجھے بہت زیادہ مواقع بھی حاصل ہیں' مگر میں نے کبھی اس کا فائدہ نہیں اٹھایا' جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا' میں ہمیشہ سے ایک "ریلیشن شپ" چاہتا تھا اور میری پوری زندگی میں ہی صرف دو تین لوگ ہیں جن سے [illegible] ہوں اور جسے میں صحیح کہہ سکتا ہوں۔ جہاں تک اسکینڈل کی بات ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ اسکینڈل تو شاید میرا کوئی بھی نہیں تھا۔"

✲ بھلوال ضلع سرگودھا سے یہ سوال شگفتہ خان نیازی نے آپ کے لیے ارسال کیا اور یہ آپ کی بہت بڑی فین ہیں' ان کا آپ سے سوال ہے۔ "اگر شوبز میں شادی کرنے کا موقع ملے تو کس کو اپنی ہم سفر بنانا پسند کریں گے؟"

● "یہ سوال مجھ سے اگر کچھ سال پہلے پوچھا جاتا تو شاید میں اس کا جواب دے سکتا' مگر اب میری کوئی ایسی خواہش نہیں رہی' مطلب شوبز میں شادی کی۔"

✲ "یہ تین مختلف مقامات سے تین مختلف بہنوں نے ایک ہی سوال ارسال کیا ہے۔ ساہیوال سے نرجس رانی۔ وزیر آباد سے ثوبیہ وزیر اور بہاولپور سے امین صادق پوچھتی ہیں۔

● "آپ صرف یوفون کے کمرشل ہی کیوں کرتے ہیں' دوسرے نیٹ ورک کے ساتھ کام کرنے پر پابندی ہے کیا؟"

✲ (مسکراتے ہوئے) "جی نہیں' ایسا نہیں ہے' یہ میری چوائس نہیں ہوتی' اگر کوئی اور بھی میرے ساتھ کام کرنا چاہے تو مجھے خوشی ہوگی' لیکن میں چونکہ ان

کے کمرشل زیادہ کرتا ہوں تو اس لیے شاید لوگوں کو ایسا لگتا ہے۔"

● "جی۔ ایسا لگتا ہے جیسے آپ پر یوفون کی چھاپ لگ گئی ہے؟"

✲ (ہنستے ہوئے) "بالکل صحیح کہا آپ نے' چھاپ ہی لگ گئی ہے' میں اگر کہیں بازار میں ہوں یا شاپنگ کر رہا ہوں تو یہ ہی ہوتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں وہ دیکھو یوفون جا رہا ہے۔ مجھے بہت خوشی ہوتی ہے' اور میں نے شاید ٹی وی پر اتنے کردار نہیں کیے جتنے میں نے یوفون کے کمرشل کیے ہیں۔"

● یہ ایک بہن ہیں دعا نور' لالہ موسیٰ سے سوال ارسال کیا ہے اور یہ ہی سوال میرپور آزاد کشمیر سے بہت پیاری بہن نادیہ اور مسکان کا بھی ہے کہ۔

"شوبز کی چکا چوند نگری کی طرف کیسے آئے اور کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا نامور ہونے کے لیے؟"

✲ "بس شوبز تو موسٹ میری جھولی میں آکے گر گیا۔ سب کچھ بائے چانس ہوا' شروع میں میں نے اسے محض مشغلے کے طور پر لیا' لیکن جب پھر کام ملنا

شروع ہوا اور معاوضہ بھی ملا تو میں نے سوچا کہ یہ مجھے کرنا چاہیے اور بہت ساری مشکلات کا مجھے سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ہاں اسکرین پر آنا اور پرفارم کرنا جو دیکھنے میں آسان لگ رہا ہوتا ہے بہت مشکل ہوتا ہے بہت محنت کرنی پڑتی ہے اس کے لیے اور میری زیادہ تر پچھلے دس سال سے جب سے میں کام کر رہا ہوں بہت زیادہ سفر میں رہا ہوں، کسی ایک جگہ پر میں نہیں ٹکا تو یہ بہت مشکل ہوتا ہے، مطلب اپنے گھر والوں اپنے دوستوں سے دور رہنا اور ہر وقت کام کرنا۔"

✿ بہاول نگر سے پروین افضل شاہین اور سیال موڑ سے منزہ سعید کا مشترکہ سوال ہے۔

"پانی جیسا پیار' اور 'دل ہے چھوٹا سا' دونوں ہی آپ کے سپرہٹ سیریل ہیں اور دونوں میں آپ کا کردار بہت خوب رہا' آپ نے خود دونوں میں سے کس کردار کو زیادہ انجوائے کیا؟"

☼ "دل ہے چھوٹا سا" کو بہت انجوائے کیا کیونکہ وہ کریکٹر بہت اچھا تھا۔ اینڈ میں ضرور تھوڑا ڈارک ہو گیا' مگر شروع میں وہ بڑا اچھا اور لائٹ تھا اور مجھے اس کریکٹر میں بہت زیادہ مزا آیا۔"

✿ کھوڑ پکا سے سدرہ اسلم نے سوال ارسال کیا ہے' آپ کی اور کرن ڈائجسٹ کی بڑی فین ہیں' پوچھتی ہیں۔ "ہمیں یوفون کے کمرشل میں آپ کی اور مہرین آپی کی لڑائی بہت مزے کی لگتی ہے' کیا یہ کمرشل حقیقت ہو سکتا ہے؟"

☼ (مسکراتے ہوئے) "نہیں' یہ ممکن نہیں ہے' کیونکہ مہرین بھی شادی شدہ ہیں اور میری بھی شادی ہو گئی ہے تو سوری یہ تو ہو نہیں سکتا۔"

✿ مری سے آمنہ ملک اور سرگودھا سے مسز ارشد محمود ارشد کا آپ کے لیے سوال ہے۔

☼ "اب تک کتنے ٹی وی پلے کر چکے ہیں اور کون سا کردار سب سے زیادہ یادگار رہا؟"

✿ "کتنے ڈرامے کیے یہ میں حتمی تو نہیں بتا سکتا شاید تیس چالیس تو کر ہی چکا ہوں۔ جہاں تک یادگار کی بات ہے تو ایک پلے تھا جو میں نے کیا۔ "بھروے مجیلی" جو نجی چینل سے آن ایئر ہوا تھا۔ اور میں اس میں "قوال" بنا تھا۔ یہ میرے لیے ایک ڈیفرنٹ اور مشکل رول تھا میں کافی دیر اس کے پروڈیوسر کو انکار کرتا رہا کہ میں یہ نہیں کر پاؤں گا۔ مگر وہ یہ ہی کہتے رہے کہ نہیں آپ کو ٹرائی کرنا چاہیے اور وہ یادگار اس لیے تھا کیونکہ ایک تو شوٹ بہت مشکل تھی' بہت گرمی میں کیا تھا وہ' اور دوسرا جو کریکٹر تھا وہ کافی ٹف تھا' تو ایسے یادگار تو ہر چیز ہوتی ہے جو بھی آپ کریں۔"

☼ بہاول پور سے بہت پیاری قاری بہن اریبہ شاہ اور کراچی سے زینب فاروقی کا مشترکہ سوال ہے۔

"آپ ٹیلی ویژن کے انتہائی مصروف فنکار ہیں' کوئی ایسا کردار جو پلے کرنے کی خواہش ہو؟"

✿ "ل۔ میں ان پیار محبت کے رول سے باہر نکلنا چاہتا ہوں' کیونکہ بور ہو گیا ہوں اب تو ولن بننا چاہتا ہوں۔ (ہنستے ہوئے) اگر موقع ملے تو بس ڈی ٹیکٹیو بننے کا شوق ہے' اگر کبھی بن پاؤں۔"

☼ میکال ان کا آپ سے دوسرا سوال ہے کہ۔ "محبت آپ کی زندگی میں کتنی اہمیت رکھتی ہے اور یہ ہی بہن ثروت رشید گل کا ڈگری سے دوسرا سوال ہے؟"

✿ "محبت ایک بہت قیمتی چیز ہے کیونکہ یہ ہر کسی سے نہیں کی جا سکتی اور میرے لیے یہ بہت اہمیت رکھتی ہے' کیونکہ میں ... جیسا کہ پہلے آپ کو بتایا' میں نے نہ ... پھر غلط کیا' میری ہمیشہ ... کوشش رہی کہ ایک اچھا رشتہ ہو جس میں ... اور اگر مجھے پیار نہ ہو تو میرا نہیں خیال ... کسی کے ساتھ رہ سکتا ہوں۔"

☼ فیصل آباد سے نگاہ علوی نے خصوصی سوال بھجوایا ہے۔

"زندگی کی کوئی ایسی غلطی جو آپ کے لیے پچھتاوا بن گئی ہو؟"

✿ "غلطی۔ جیسا کہ میں نے ابھی ذکر کیا کہ میں

ٹیکنیکو ... کے بارے میں زیادہ سوچتا نہیں ہوں تو پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر میں نے کوئی غلطی کی ہے تو میں اسے بھول چکا ہوں اور دوسری بات جیسا کہ آپ نے کہا میں شاید خود پسند ہوں تو اپنے آپ میں زیادہ رہتا ہوں' اس لیے شاید میں بتانا بھی نہ چاہوں۔"

☼ میرپور خاص سے ہماری مصنفہ بہن نازیہ آرائیں کا آپ کے لیے خصوصی سوال۔

"فین گرلز کو ہاتھ پر آٹوگراف دیتے ہیں کہ نہیں؟"

✿ (مسکراتے ہوئے) "ہاں' اگر مانگ لیں تو ضرور دے دیتا ہوں' کوئی بڑی بات نہیں۔"

☼ کوٹ رادھا کشن سے بہن حمیرا عرفان اور لبنیٰ نذیر چوہدری کا مشترکہ سوال ہے۔

"آپ کا کون سا ڈرامہ اور کردار وجہ شہرت بنا؟"

✿ "میرا خیال ہے کہ میرا جو پہلا پلے تھا جو میں نے ریما کے ساتھ کیا تھا۔ وہ ریما کا بھی فرسٹ پلے تھا اور شاید وہ ان ہی کی وجہ سے پاپولر بھی ہوا ہو مگر مجھے اس کا بہت اچھا رسپانس ملا۔ ابھی حال ہی میں نجی چینل پر میرا ایک ڈرامہ "دل ہے چھوٹا سا" چلا تھا تو وہ بہت زبردست رہا' بہت اچھا رسپانس ملا اس کا۔"

☼ اور میکال یہ ہمارے ہاتھ میں آخری سوال ہے فوزیہ ثمریٹ گجرات کا پوچھتی ہیں۔

"میکال کے معنی کیا ہیں اور کیا آپ فارنر ہیں؟"

✿ "جی میں انگلینڈ میں پیدا ہوا' ابتدائی تعلیم بھی وہیں سے حاصل کی اور میری ماما بھی برٹش ہیں تو آپ فارنر کہہ سکتی ہیں۔"

☼ میکال ان کا دوسرا سوال ہے کہ۔

"خواتین کی کون سی عادات پسند یا ناپسند ہیں اور آپ کو خود اپنے چہرے کے خدوخال میں کیا اچھا لگتا ہے؟"

✿ "خواتین نرم خو ہوں' صلح جو اور ناز نخرے نہ کریں۔ خوب صورت اور خوب سیرت دونوں ہوں اور اپنے چہرے میں مجھے سب کچھ ہی پسند ہے کیونکہ میں اللہ کا بڑا شکر گزار بندہ ہوں۔"

☼ بالکل صحیح کہا میکال آپ نے۔ بہت شکریہ اس انٹرویو کے لیے اور جناب اس کے ساتھ ہی ہم نے انٹرویو کا اختتام کیا۔

☼ ☼

سمیہا سیفی کی باتیں

شاہین رشید

اس ٹینشن زدہ ماحول میں اچھا میوزک اور خوب صورت باتیں ایک صحت مند خوراک سے کم نہیں اور یہ صحت مند خوراک ہمارے ریڈیو کے آر جے جنہیں ریڈیو جوکی کہا جاتا ہے فراہم کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب ایف ایم ریڈیو کی مقبولیت میں روز بہ روز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

ریڈیو جوکی "سمیہا سیفی" کافی عرصے سے سامعین کے دلوں پر راج کر رہی ہیں۔ خوب صورت آواز اور خوب صورت انداز گفتگو ان کو منفرد بنائے ہوئے ہے۔ آج کل آپ انہیں ایف ایم 105 سے سن رہے ہیں۔

★ "ہیلو سمیہا کیسی ہیں؟"

✲ "بالکل ٹھیک ٹھاک۔"

★ "کیا مصروفیات ہیں؟"

✲ "مصروفیات وہی پرانی ہیں۔ تھوڑی سی تبدیلی یہ آئی ہے کہ اب ایف ایم 100 کی بجائے ایف ایم 105 میں ہوتی ہوں اور ساتھ ہی یو بی ایل بینک میں اہم عہدے پر بھی فائز ہوں۔"

★ "ویری گڈ۔۔۔ گھر داری بھی چل رہی ہو گی ساتھ ساتھ؟"

✲ "گھر داری سے مراد آپ کی شادی ہے تو فی الحال اس قید سے آزاد ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری شادی کا فیصلہ ہو جائے گا تو شادی بھی ہو جائے گی۔"

★ "خوش ہیں اپنی زندگی سے؟"

✲ "بالکل الحمدللہ۔"

★ "تعلیم حاصل کرنے کا یہی فائدہ ہوتا ہے کہ انسان کسی کا محتاج نہیں ہوتا اور اپنی زندگی کو اپنے مطابق گزار سکتا ہے۔ آپ نے کہاں تک تعلیم حاصل کی؟"

✲ "جی آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔۔۔ اور جہاں تک میری تعلیم کا تعلق ہے تو میں نے انگریزی ادب میں ایم اے کیا۔ ایم بی اے اور پھر یو کے سے ایم ... مینجمنٹ کورس کیا اور آج یہی تعلیم میرے کام آ رہی ہے۔"

★ "ریڈیو کا سفر آپ نے ایف ایم 96 سے شروع کیا پھر کہاں کہاں گئیں؟"

✲ "ریڈیو سے میں بچپن سے ہی بہت متاثر ہوں بچپن میں سوچا کرتی تھی کہ کہاں سے آوازیں آتی ہیں۔ جب شعور آیا تو دل چاہا کہ میں بھی ریڈیو جاؤں تاکہ لوگ میری آواز بھی سنیں۔ تب 2004ء میں میں ریڈیو گئی اور آڈیشن دے دیا اور کامیاب ہو گئی۔"

★ "اتنی آسانی سے؟"

✲ "جی اتنی آسانی سے آپ یقین کریں کہ کسی کی سفارش سے نہیں گئی۔ مجھے جب معلوم ہوا کہ ایف ایم 96 کے لیے آڈیشن ہو رہے ہیں تو میں بھی چلی گئی۔ آڈیشن کے دوران دیگر سوالات کے علاوہ انہوں نے ایک سوال یہ بھی پوچھا کہ آپ کو کون سا ادیب پسند ہے تو میں نے منشی پریم چند کا نام لیا۔ تو انہوں نے کہا کہ آپ ان کے بارے میں کیا جانتی ہیں۔ میں جو کچھ جانتی تھی میں نے بتا دیا اور چند دن بعد مجھے پتا چلا کہ میں کامیاب ہو گئی ہوں اور یکم اگست 2004ء کو میں نے ریڈیو جوائن کر لیا اور اتفاق دیکھیں کہ بڑے شوق سے گئی اور صرف مہینہ بھر ہی کام کر سکی۔"

★ "کیوں؟"

✲ "کیونکہ یو کے کی یونیورسٹی میں میرا داخلہ ہو گیا تھا اور مجھے اس کو اللہ حافظ کہنا پڑا۔ لیکن میں نے ایف ایم میں ایک مہینہ کام کر کے بہت انجوائے کیا۔ مجھے کام کرنے کی بہت آزادی تھی۔۔۔ اور میں نے بہت کچھ سیکھا بھی۔ پڑھائی مکمل کر کے واپس آئی تو ایف ایم 100 پہ جا کر آڈیشن دیا اور کامیاب ہو گئی اور میں نے کافی سال کام کیا اور یہاں پر کام کر کے بھی مجھے بہت اچھا لگا۔ یہاں کا ماحول بھی بالکل فیملی ماحول تھا اور سب کو بہت کچھ سیکھنے کو بھی ملتا تھا۔ اس کے بعد ایف ایم 94.6 جوائن کیا اور اب ایف ایم 105 سے منسلک ہوں۔"

★ "ایف ایم 100 اور پھر ایف ایم 94.6 کو چھوڑنے کی وجہ؟"

✲ "ایف ایم 100 اس لیے چھوڑا کہ وہاں مجھے اب ٹائمنگ کی پرابلمز ہو رہی تھیں اور ایف ایم 94.6 اس لیے چھوڑا کہ شالیمار ریکارڈنگ کمپنی سے کنٹریکٹ ختم ہو گیا تھا۔"

★ "اور ایف ایم 105 کی ٹائمنگ کیا ہیں؟"

✲ "ہفتہ شام پانچ سے آٹھ بجے تک اور اتوار کو دوپہر ایک سے تین بجے تک پروگرام کرتی ہوں۔ آپ کو بتایا کہ بینک میں جاب کر رہی ہوں تو میں نہیں چاہتی کہ میری یہ جاب متاثر ہو اور چونکہ ایف ایم 100 کی ٹائمنگ میرے لیے ٹھیک نہیں تھی اس لیے اسے جوائن کیا۔"

★ "یہاں کا ماحول کیسا ہے؟"

✲ "بہت اچھا ہے۔ ریڈیو کا ماحول ہوتا ہی بہت اچھا ہے۔ سب پڑھے لکھے اور سلجھے ہوئے لوگ ہوتے ہیں۔ پھر دوسری اہم بات یہ کہ انسان خود اچھا ہو تو سب سیٹ ہوتا ہے۔"

★ "آپ ایف ایم کے علاوہ کیا کرتی ہیں؟"

✲ "جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ میں ایک بینک میں کام کرتی ہوں، بحیثیت اسسٹنٹ پروڈیوسر مینیجر سوشل میڈیا کے اور میرا کام یہ ہے کہ میں بچوں اور نوجوانوں میں "بچت" کی اہمیت کو اجاگر کروں اور میں نے دیکھا ہے کہ اس کے مثبت نتائج سامنے آئے ہیں۔"

★ "ایک وقت تھا کہ جب انسان میڈیا کو شوق کی وجہ سے جوائن کرتا تھا مگر اب شوق کے ساتھ ساتھ ضرورت بھی آڑے آتی ہے۔ کیا ایسا ہے؟"

✱ "بالکل ایسا ہے۔ اگرچہ گھر والوں کی طرف سے مالی طور پر مکمل سپورٹ حاصل ہوتی ہے لیکن اگر انسان پڑھ لکھ کر بھی شوق ہی پورا کرنا ہو تو پھر اتنی تعلیم کی کیا ضرورت ہے۔ اس لیے ریڈیو کو شوقیہ رکھا ہوا ہے اور جاب کو ضروری۔ مگر پھر بھی دل چاہتا ہے کہ جب ہم کسی ادارے کو اتنا ٹائم دیتے ہیں تو اس کا معاوضہ بھی ہمیں اچھا ملنا چاہیے۔"

★ "تو مطمئن ہیں ریڈیو کے معاوضوں سے؟"

✱ "جی پہلے کے مقابلے میں معاوضے اچھے ہو گئے ہیں اور میں تو ہفتے میں دو ہی دن پروگرام کرتی ہوں جو لوگ روز پروگرام کرتے ہیں وہ اس کا جواب بہتر طور پر دے سکتے ہیں کہ معاوضہ ان کی سوچ کے مطابق ہے یا نہیں۔"

★ "ہاں جنہیں گھر چلانا ہوتا ہے یقیناً انہیں دو تین کام تو کرنے ہی پڑتے ہیں اور جنہیں نہیں تو ان کی پاکٹ منی کے لیے بہت ہوتے ہیں۔ آپ اپنی آمدنی کا زیادہ حصہ کہاں خرچ کرتی ہو؟"

✱ "میں اتنی شاہ خرچ نہیں ہوں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ پیسہ کمانا کم سے کم آج کے دور میں اتنا آسان نہیں ہے اس لیے سوچ سمجھ کر ہی خرچ کرنا چاہیے۔ میں کپڑوں پر خرچ کرتی ہوں۔ مگر مہنگے کپڑے نہیں بناتی۔ کیونکہ ایک ہی سیزن کے لیے ہوتے ہیں۔ ہاں مجھے پرفیوم کا شوق ہے اس پر ضرور خرچ کرتی ہوں۔"

★ "شاپنگ کے دوران لوگ آواز سے پہچان لیتے ہیں؟"

✱ "آج کل لوگ اپنی دنیا میں اتنے مگن ہو گئے ہیں کہ کسی کو چہروں سے پہچاننے کی ضرورت نہیں تو آواز سے کیسے پہچان لیں گے۔ شاپنگ کے دوران زیادہ بات کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ ہاں چونکہ میں Voice over بھی کرتی ہوں تو اس حوالے سے لوگ پہچان لیتے ہیں یا پھر وہ لوگ جو بہت شوق سے سنتے ہیں اور بہت شوق سے سنتے ہیں وہ ضرور پوچھ لیتے ہیں کہ آپ تو ریڈیو پر پروگرام بھی کرتی ہیں نا۔"

★ "ایف ایم میں اب تک سب سے زیادہ پروگرام کس کے ساتھ کیے۔ کمپائن پروگرام کرنا اچھا لگتا ہے یا علیحدہ؟"

✱ "دونوں کمپائن میں بھی مزا آتا ہے اور علیحدہ میں بھی یہ نہیں کہہ سکتی کہ کس میں زیادہ مزا آتا ہے۔ ایف ایم۔100 میں میں نے سب سے زیادہ ایاز احمد کے ساتھ کام کیا اور مجھے بہت اچھا لگا اس کے ساتھ کام کرکے وہ نا صرف ایک اچھا آر جے ہے بلکہ وہ ایک اچھا سلجھا ہوا انسان بھی ہے۔"

★ "لائیو کالز میں کبھی کوئی گڑبڑ کی کسی نے اور ڈائریکٹ آپ ہی کال ریسیو کرتی ہیں کیا؟"

✱ "نہیں' اللہ کا بڑا شکر ہے کہ کبھی کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی۔ کالرز ہماری بہت عزت کرتے ہیں۔ ہم سے بات کرکے اچھا محسوس کرتے ہیں تو کوئی بدتمیزی نہیں کرتا اور کالز ہم ڈائریکٹ نہیں لیتے بلکہ پہلے آپریٹر بات کرتے ہیں پھر ہم۔"

★ "پھر بھی رسک تو ہوتا ہے نا گڑبڑ کا؟"

✱ "ہاں ہوتا تو ہے کہ کسی وقت بھی کوئی مسئلہ ہو سکتا ہے۔ مگر میں سمجھتی کہ لوگ خواتین کا احترام کرتے ہیں۔"

★ "محنت سے انسان کچھ حاصل کرتا ہے یا قسمت سے آپ کو قسمت نے نوازا ہے؟"

✱ "میرا خیال ہے محنت سے انسان سب کچھ حاصل کر لیتا ہے قسمت میں کیا لکھا ہے ہمیں نہیں معلوم لیکن ہم محنت کر کے قسمت کے لکھے کو حاصل کر سکتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت سی صلاحیتوں سے بھی نوازا ہے ان کو بروئے کار لانا چاہیے۔"

★ "اور اس کے باوجود اگر انسان کامیابی حاصل نہ کر پائے تو؟"

✱ "تو پھر اس میں قوت ارادی کی کمی ہو گی۔ ورنہ ایک نارمل اور پڑھا لکھا انسان ناکامی کا منہ ذرا کم ہی دیکھتا ہے۔"

★ "آج کل ملک کے جو حالات ہیں ان کے بارے میں کیا کہیں گی؟"

✱ "ملک کے حالات کے خراب ہونے کی ایک وجہ تو حکمران ہیں ہی' دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمارے ملک میں تعلیم کی بے انتہا کمی ہے۔"

★ "آپ جیسے نوجوانوں کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور آ جائے تو؟"

✱ "تو یقیناً" ملک کے حالات بہتر ہو جائیں گے ہم لوگ اگر پاور میں آ گئی تو کرپشن کا خاتمہ تو کر ہی دوں گی کیونکہ نوجوانوں کے پاس تازہ فریش دماغ اور سوچ ہوتی ہے۔"

★ "موڈ خراب ہو تو پروگرام کرنے میں مشکل تو ہوتی ہو گی؟"

✱ "مشکل ہوتی ہے۔ مگر میں کوشش کرتی ہوں کہ کچھ ظاہر نہ ہونے دوں کہ میرا موڈ خراب ہے یا کچھ ہوا ہے۔"

★ "آپ کو غصہ کس بات پر آتا ہے؟"

✱ "میں ایک نارمل انسان ہوں اور ہر نارمل انسان کو غصہ آتا ہے اور میری مرضی کے خلاف یا کوئی بھی غلط بات ہو رہی ہو تو مجھے غصہ آ جاتا ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ مجھ سے رہا بھی نہیں جاتا اور جو میرے دل میں ہوتا ہے وہ زبان پر لے آتی ہوں۔ بے شک کسی کو برا لگے یا اچھا' انسان میں اتنی جرات ضرور ہونی چاہیے کہ وہ برے کو برا اور اچھے کو اچھا اس کے منہ پر کہہ سکے۔"

★ "غصہ قدرتی ہوتا ہے یا اردگرد کے ماحول کی وجہ سے ہوتا ہے؟"

✱ "غصہ قدرتی ہوتا ہے لیکن اردگرد کا ماحول مزید غصے میں اضافہ کرتا ہے میری امی میرے غصے سے پریشان رہتی ہیں کہ لڑکیوں میں اتنا غصہ نہیں ہونا چاہیے لیکن میں کیا کروں کہ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔"

★ "اپنے بارے میں کن باتوں کو سن کر غصہ آتا ہے؟"

✱ "اگر کوئی کہے کہ تم موٹی ہو گئی ہو' تمہیں دبلا ہونا چاہیے تو بہت غصہ آتا ہے یہ میرا ذاتی معاملہ ہے کسی کو اس سے کیا۔ یا کوئی بلاوجہ کا سیانا بننے کی کوشش کرے تو۔"

★ "صبح کتنے بجے بیدار کب ہوتی ہیں؟"

✱ "بس ذرا دیر سے ہی بیدار ہوتی ہوں لیکن اب تو خیر جلدی اٹھ جاتی ہوں کیونکہ مجھے جاب پر بھی جانا ہوتا ہے۔ البتہ چھٹی کے دن دس بجے تک اٹھتی ہوں۔"

★ "چھٹی کا دن کیسے گزارتی ہیں اور فارغ اوقات میں کیا کرتی ہیں؟"

✱ "فارغ اوقات ہوں یا چھٹی کا دن میرے مخصوص مشاغل ہیں۔ مجھے اچھا میوزک سننے کا بہت شوق ہے اور میرے پروگرام میں بھی آپ کو بہت اچھا میوزک سننے کو ملے گا اور اسی طرح مجھے کتابیں پڑھنے کا بہت شوق ہے۔"

★ "کھیلوں سے گھرداری سے... اداکاری سے کچھ لگاؤ ہے؟"

✱ "کھیلوں سے صرف دیکھنے کی حد تک لگاؤ ہے۔ کرکٹ میرا پسندیدہ کھیل ہے اور اس مرتبہ کا ورلڈ کپ دلچسپی کے ساتھ دیکھا اور بہت دعائیں مانگیں پاکستان کے لیے۔ گھرداری کا بھی شوق ہے۔ مگر ٹائم نہیں ملتا اور جب ملتا ہے تو گھر میں امی کا ہاتھ بٹا دیتی ہوں۔ اداکاری سے کوئی لگاؤ نہیں۔"

★ "کوئی خواہش جو ابھی تک پوری نہ ہوئی ہو؟"

✱ "بہت سی خواہشات ہیں جو ابھی تک پوری نہیں ہوئیں' لیکن میں اپنے رب کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے ہمیں بہت سے لوگوں سے بہتر بنایا ہے۔ ہمیں بہت سی نعمتیں عطا کی ہیں۔"

★ "موت سے ڈر لگتا ہے؟"

✱ "جو برحق ہے اس سے کیا ڈرنا۔ میں تو اپنا ہر دن آخری دن سمجھ کر گزارتی ہوں اور جو آج ہے اس کو بھرپور انداز میں گزارتی ہوں۔ میرا نظریہ تو یہ ہے کہ خوش رہو اور دوسروں کو بھی خوش رکھو۔"

★ "اکثر کیا سوچتی ہیں؟"

✱ "یہی کہ اللہ نے کس قدر نعمتیں دی ہوئی ہیں اور پھر دعا کرتی ہوں کہ ان نعمتوں کو برقرار رکھنا۔"

فوزیہ یاسمین

زوبیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی جبکہ زوبیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعویٰ بھی کرتی ہے۔ زوبیہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ وہ روح کو بلانے کی کوشش کرتی ہے۔

رومیلہ، سنبل اور تمثیل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں تمثیل ان دونوں کو لنچ کی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم وکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کرلیتا ہے اور انہیں لنچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زوبیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے جبکہ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

١٦

سولہویں قسط

ہو جائے کہ اسے ایک اور محاذ پر لڑنا پڑ جائے۔

اگر گلفام رومیلہ کے لیے مناسب نہیں لگا تو اس کے لیے بہت مشکل تھا ابرار بھائی کو ان کے فیصلے سے باز رکھنا۔

صرف رومیلہ کے والد سے امید تھی کہ وہ اگر تعاون کریں تو ہی کوئی قدم اٹھایا جا سکتا ہے اسی لیے نمل چاہتی ہی نہیں تھی کہ ایسا کوئی بکھیڑا کھڑا ہو۔

"ابرار بھائی کو بتانے کا کیا فائدہ ہے، جو نمبر انہوں نے دیا ہے وہی جعفر بھائی کے پاس ہے جب نمبر صحیح ہے تو ابرار بھائی کو پریشان کرنا بے کار ہے۔

آپ کا آج آف ہے کل آپ کو بھی جاب پر جانا ہوگا کیا آپ میرے لیے کسی ہوٹل کا بندوبست کر سکتی ہیں جو ریلا ئیبل ہو۔" نمل غلط نہیں کہہ رہی تھی جعفر بھائی کے پاس بھی وہی نمبر تھا جو نمل کے پاس تھا ابرار بھائی کو مطلع کرنا ایک طرح سے بے کار ہی تھا۔

اس کی بات پر ثمرین کچھ لمحے اسے دیکھتی رہی پھر کندھے اچکاتے ہوئے کوفت بھرے لہجے میں بولی۔

"پتا کرتی ہوں کسی ہوٹل کا۔ کل تو یہیں رہنا پڑے گا پرسوں شفٹ ہو جانا پرسوں ویسے بھی میری نائٹ ڈیوٹی ہے۔" اس نے اسے روکنے کی رسمی سی بھی کوشش نہیں کی الٹا یہ جتا دیا کہ اپنی نائٹ ڈیوٹی میں وہ اسے اپنے گھر میں ہرگز برداشت نہیں کرے گی۔

نمل نے اس کے سامنے تو بڑے اطمینان سے کہہ دیا مگر ہوٹل میں شفٹ ہونے کے خیال سے وہ کچھ پریشان ہو گئی تھی چنانچہ وہ ایک بار پھر فون کی طرف بڑھ گئی۔

اگر کل کسی طرح گلفام سے ملاقات ہو جاتی تو پرسوں وہ واپس پاکستان جا سکتی تھی۔

لیکن نہ جانے قسمت کو کیا منظور تھا کہ گلفام کا فون ہی نہ ملا الٹا اگلے دن جعفر نے ناشتے کی میز پر جو کہا اسے سن کر نمل نے ناشتا شروع کرنے سے پہلے ہی ناشتے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

"میں نے آج صبح ابرار کو فون کیا تھا اور اسے بتایا کہ تم فوراً پاکستان واپس آنا چاہ رہی ہو صرف اس لیے رکی ہوئی ہو کہ گلفام سے بات نہیں ہو پا رہی۔

وہ کافی حیران لگ رہا تھا بلکہ غصے میں لگ رہا تھا میں نے اسے سمجھایا وہ اتنی دور آئی ہے ایک بار گلفام سے مل لینے دو تو وہ مان تو گیا ہے۔

وہ کہہ رہا تھا وہ اب خود گلفام سے بات کرے گا تو گلفام تمہیں خود ہی فون کرے گا۔" انہوں نے آخری جملہ ایسے مسکراتے ہوئے کہا جیسے بہت بڑا کارنامہ انجام دے دیا ہے۔

نمل بھلا انہیں کیا سراہتی وہ تو بے بسی سے انہیں دیکھ کر رہ گئی جو عالباً ابرار بھائی کی کوئی بات یاد آنے پر جوس کا گلاس ہونٹوں پر سے ہٹاتے ہوئے پر سوچ انداز میں بولے۔

"تم یہاں آئی کس کام سے ہو۔" ان کے سوال پر ثمرین جو لاتعلق بیٹھی تھی غور سے اسے دیکھنے بلکہ گھورنے لگی۔

نمل سپاٹ شکل بنائے بیٹھی رہی اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا جواب دینے کا مگر اس کے تاثرات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے جعفر نے مزید کہا۔

"ابرار بھی اس بات پر حیران تھا کہ آخر ایسا کیا کام ہے وہ کہہ رہا تھا تمہارے فادر کو پھر فون کروں گا کہ آخر یہ سب کیا ہے۔" نمل نے محاورتاً نہیں حقیقتاً اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

وہ دونوں میاں بیوی بھی اسے ادھر کبھی ایک دوسرے کو تکنے لگے نمل انہیں منتظر دیکھ کر سر اٹھاتے ہوئے

اپنے اوپر اعتماد لہجے میں کہنے لگی۔

"اصل میں یہاں صرف گلفام بھائی سے ملنے آئی ہوں لیکن یہ بات میں نے ابرار بھائی کو نہیں بتائی تھی کہیں انہیں یہ نہ لگے کہ میں ان کے فیصلے پر شک کر رہی ہوں۔ حالانکہ میں صرف اپنے اطمینان کے لیے آئی ہوں یہ میری کزن رومیلہ کی زندگی کا سوال ہے۔

ابرار بھائی نے لڑکے سے ملے بغیر اسے جانے بغیر ابھی ہی رشتہ طے کر لیا حالانکہ ایسے معاملوں میں لڑکے سے کئی بار مل کر اس کی شخصیت اور عادت و مزاج کا مشاہدہ کرنا چاہیے۔" نمل کی بات پر وہ دونوں حیرانی سے اسے دیکھنے لگے۔

"کیا تمہارے والدین کو پتا ہے کہ تم یہاں صرف اس لڑکے سے ملنے آئی ہو۔" جعفر نے تعجب سے پوچھا۔

جس طرح وہ دونوں اسے دیکھ رہے تھے نمل کا دل چاہا کہہ دے "ہاں پتا ہے" لیکن اب وہ مزید کوئی جھوٹ نہیں بولنا چاہتی تھی اس لیے پوری سچائی سے بولی۔

"میری امی کو پتا ہے۔"

"اور تمہارے والد؟" جعفر ابھی تک حیران تھا نمل نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"I can't believe it" جعفر خود کلامی کے انداز میں بولے تو ثمرین طنزیہ انداز میں انہیں دیکھتے ہوئے بولی۔

"آپ کے والدین کو بڑا اعتراض تھا ہمارے یہاں آکر رہنے پر کہ باہر کا ماحول آزاد ہے بچے بگڑ جاتے ہیں خود سر اور آزاد ہو جاتے ہیں۔

اب یہ آپ کے دوست کی کزن تو پاکستان میں ہی پلی بڑھی ہے ماں باپ کی لاعلمی میں اتنی دور چلی آئی ہے ذرا شرم لحاظ نہیں کہ..."

"Excuse me" نمل نے اس کی بات درمیان میں کاٹ دی۔

"میں نے کسی بے شرمی کا ثبوت نہیں دیا ہے۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جس پر مجھے شرمندہ ہونا پڑا۔ جو قدم میں نے اٹھایا ہے وہ ابرار بھائی کو اٹھانا چاہیے تھا ہاں لیکن میں آپ کی اس بات سے اتفاق ضرور کروں گی کہ انسان باہر کے آزاد ماحول میں رہے یا پاکستان کے مشرقی روایت کے پاسداروں کے بیچ میں زیادہ خاص فرق نہیں ہے۔

جنہیں آزاد اور خود سر ہونا ہوتا ہے وہ پاکستان میں رہ کر بھی ہو جاتے ہیں جیسے کہ آپ جو بوڑھے ساس سسر کے منع کرنے کے باوجود شوہر کو لے کر یہاں آبسیں۔" نمل نے قدرے تلخی سے کہا ثمرین کا چہرہ آگ بگولہ ہو گیا۔

"Mind your language" تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے ہی گھر میں بیٹھ کر مجھ سے ایسی بات کرو۔" ثمرین تلملا کر بولی۔

"مجھے خود بھی آپ کے گھر میں رکنے کا کوئی شوق نہیں میں ابھی اور اسی وقت ہوٹل میں رہنے جا رہی ہوں۔" نمل کرسی گھسیٹ کر ایک دم کھڑی ہو گئی۔

جعفر اس صورت حال پر اچھا خاصا بوکھلایا ہوا تھا نمل کو کھڑا ہوتا دیکھ کر وہ خود بھی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو نمل۔ ابرار کو پتا چلے گا تو کتنا برا لگے گا تم..."

"کیا؟ تمہیں یہ فکر ہے کہ ابرار بھائی کو کیسا لگے گا اسے میری غیر موجودگی میں اکیلے گھر لاتے ہوئے تمہیں یہ خیال نہیں آیا کہ مجھے کیسا لگے گا۔" ثمرین چلا کر بولی۔

"ثمرین تم اس وقت اپنے کمرے میں جاؤ میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں۔ نمل تم بھی اپنے کمرے میں جاؤ۔" ثمرین کی بات پر غم و غصے سے برا حال ہو گیا تھا وہ تو ویسے بھی اپنے کمرے میں ہی جا رہی تھی سامان

اشتعال نے کے لیے جعفر کے چہرے پر بھی شرمندگی پھیلتی دیکھ کر وہ تیزی سے پلٹ گئی۔
البتہ ثمرین اپنی جگہ جنونی بنی رہی بلکہ اور بھی زور زور سے چیخنے لگی۔
"دیکھو! ابھی جاؤں میں اپنے کمرے میں۔ جو بات کرنی ہے ابھی کرو۔ کیا حق پہنچتا تھا تمہیں اس طرح ایک اکیلی لڑکی کو تنہائی میں گھر میں لے کر آنے کا۔" ثمل کو لگا کسی نے اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا ہو۔
اپنے کمرے میں آتے ہی اس نے دروازہ بند کر لیا مبادا زہر میں بجھا کوئی اور نشتر آ پہنچے۔
مگر دروازہ بند کر لینے پر بھی اسے جعفر اور ثمرین کے چیخنے چلانے کی آوازیں بدستور آتی رہیں البتہ الفاظ سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔
لیکن سننا تو وہ سن چکی تھی۔ اس کی عزت نفس کو مجروح کرنے کے لیے وہ بہت تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی بہت ضبط کے باوجود اس کی آنکھوں سے پانی بہنا شروع ہو گیا تھا۔
اس کا سارا سامان پیک ہی تھا صرف ایک آدھ چھوٹی موٹی چیزیں جو اس نے نکالی تھیں وہ محض دس منٹ میں اپنے بیگ میں واپس ڈال لیں۔
وہ جانے کے لیے پوری طرح تیار تھی مگر دوبارہ ثمرین کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے کمرے میں بیٹھی انتظار کرتی رہی۔
کچھ دیر تک ان دونوں کے لڑنے کی آواز آتی رہی پھر ایک دم سناٹا چھا گیا ثمل ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ اسے باہر نکلنا چاہیے یا نہیں کہ دروازے پر دستک کے ساتھ جعفر کی آواز سنائی دی۔
"ثمل دروازہ کھولو ثمرین چلی گئی ہے۔" ثمل نے اٹھ کر ایک دم دروازہ کھول دیا۔
"کہاں چلی گئیں وہ؟" ثمل نے عجیب خوف زدہ انداز میں بے ساختہ پوچھا۔
"ایسے غصے میں نکل گئی ہے تھوڑی دیر میں آجائے گی۔" جعفر نے سرسری انداز میں کہا جیسے یہ کوئی بڑی بات نہ ہو۔
اپنی وجہ سے کسی میاں بیوی میں لڑائی ہوتے دیکھ کر ثمل کی شرمندگی دوگنی ہو گئی وہ تاسف بھری نظروں سے جعفر کو دیکھنے لگی تو وہ جیسے اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے بولا۔
Don't worry every thing will be all right
"ایسا کوئی پہلی بار تھوڑی ہوا ہے وہ اکثر غصے میں نکل جاتی ہے اور غصہ ٹھنڈا ہوتے ہی واپس آجاتی ہے لیکن میں چاہتا ہوں جب وہ آئے تو تم یہاں نہ ہو پلیز برا مت ماننا لیکن۔"
"نہیں نہیں میں تو خود یہاں رکنا نہیں چاہتی آپ مجھے ابھی اور اسی وقت کسی ہوٹل میں چھوڑ آئیں۔" ثمل ان کی بات کاٹتے ہوئے تیزی سے بولی۔
"تم ہوٹل میں کیوں رہنا چاہتی ہو پاکستان چلی جاؤ کیا کرنا ہے تمہیں گلفام سے مل کر۔ میں مل چکا ہوں اس سے بہت اجڈ گنوار ہے بہت اچھی فرم میں جاب کر رہا ہے۔" جعفر نے قدرے زچ ہو کر کہا۔
"کیا آپ جانتے ہیں ان کا آفس کہاں ہے؟" ثمل نے چونکتے ہوئے پوچھا۔
"ہاں بھئی ملا تھا اس سے اس کے آفس میں ہی جا کر ملا تھا۔" جعفر جھنجلا کر بولا۔
"تو آپ مجھے بھی ان کے آفس لے چلیں۔" ثمل لجاجت سے بولی۔
"کیا بکواس کر رہی ہو اس طرح بغیر اپائنٹمنٹ کے ہم کیسے جا سکتے ہیں۔"
"جعفر بھائی میں اتنی دور سے خاص طور پر ان سے ملنے آئی ہوں۔" ثمل کا لہجہ التجائیہ ہو گیا۔
"تو کیوں آئی ہو کیا ضرورت تھی آنے کی۔ اگر ایک دفعہ تم اس سے مل بھی لو گی تو کیا ہو جائے گا ایک ملاقات

میں کوئی کسی کو کتنا جان سکتا ہے۔
میں بھی ایک ہی بار ملا تھا اس سے پون گھنٹے کی ملاقات میں جو میں نے دیکھا تم اس سے زیادہ کیا دیکھ لو گی۔" جعفر کی شکل پر بے زاری چھا گئی تھی۔
وہ بالکل ٹھیک کہہ رہے تھے ذرا سی دیر کی ملاقات میں وہ بھلا کیا دیکھ اور پرکھ لے گی مگر پھر بھی وہ ایک بار اس سے ملنا ضرور چاہتی تھی۔
اتنی دور آ کر جو اتنا کچھ اس نے برداشت کیا تھا اور اس سے بھی کہیں زیادہ جو اسے واپس جا کر سہنا تھا وہ سب وہ اس طرح رائیگاں تو نہیں جانے دے سکتی تھی کم از کم واپس جا کر وہ رومیلہ سے یہ تو کہہ سکتی تھی وہ اس کے شریک حیات کو دیکھ کر اس سے مل کر آ رہی ہے۔
"جعفر بھائی پلیز! آپ اسے میری حماقت سمجھ لیں لیکن ایک بار مجھے اس سے ملا دیں اور پھر آج کی جو بھی فلائٹ جس ایئرلائن سے جس کی بھی ملے مجھے بٹھا دیں میں آج ہی چلی جاؤں گی۔
میں خود بھی ہوٹل میں رہنا نہیں چاہتی ورنہ ابرار بھائی ان سے بات کر کے انہیں سمجھا دیں گے تو وہ خود ہی مجھ سے رابطہ کر لیں گے۔
لیکن یہ جعفر بھائی پتا نہیں تو جانے کتنا وقت لگ جائے میں بیٹھ کر انتظار کرنے کی بجائے خود ان سے جا کر مل لینا چاہتی ہوں۔" ثمل کہتی چلی گئی۔
"یہاں رہ کر انتظار کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ثمرین کا کوئی بھروسہ نہیں وہ پاکستان فون کر کے ابرار سے کچھ بھی کہہ سکتی ہے۔" جعفر تفکر بھرے لہجے میں بولے تو پل بھر کے لیے ثمل کا رنگ بھی فق ہو گیا۔
اگر ثمرین کی سطحی سوچ ابرار بھائی تک پہنچ گئی تو ایک قیامت آجائے گی جعفر اس کی کیفیت محسوس کرتے ہوئے بولے۔
"جبھی تو میں کہہ رہا ہوں فوراً پاکستان چلی جاؤ۔"
"ٹھیک ہے آپ میری سیٹ بک کرا دیں اگر آج کی فلائٹ نہیں ملتی تو مجھے ابھی اور اسی وقت کسی ہوٹل چھوڑ آئیں لیکن میں نہیں چاہتی ثمرین واپس آئے تو میں اسے یہاں نظر آؤں۔" ثمل نے جیسے ایک دم ہار مان لی۔
جعفر نے ایک نظر رسٹ واچ پر ڈالتے ہوئے سر ہلایا اور لاؤنج کی طرف فون کرنے کے لیے بڑھ گئے وہ اپنے آفس کے لیے کافی لیٹ ہو گئے تھے مگر اس مسئلے کو درمیان میں چھوڑ کر جا بھی نہیں سکتے تھے۔
ثمل بھی ان کے پیچھے ہی چلی آئی اور چپ چاپ انہیں ایک کے بعد ایک فون ملاتا دیکھتی رہی۔
جب دن کی ابتدا ہی اتنے برے طریقے سے ہو تو دوسرا کوئی کام کیسے حسب منشا ہو جاتا۔
آج پاکستان جانے والی کوئی فلائٹ تھی ہی نہیں صرف کل رات کی فلائٹ مل رہی تھی یعنی اسے تقریباً پورے دو دن یہاں گزارنے تھے اور پاکستان پہنچنے تک تو پورے تین دن لگ جانے تھے دو دن پہلے ہی ضائع ہو چکے تھے پورے پانچ دن بعد وہ گھر پہنچے گی۔
یہ پانچ دن رشیدہ کیسے گزاریں گی۔ اپنے آنے پر اسے خود بھی پچھتاوا ہو رہا تھا۔
فلائٹ بک کرانے کے بعد وہ جعفر کے ساتھ ہی گاڑی میں بیٹھ گئی جعفر کو اسے ہوٹل لے جانا ٹھیک تو نہیں لگ رہا تھا۔ مگر ثمل خود بھی یہاں رکنے کے لیے تیار نہیں تھی اور وہ خود بھی مزید کوئی بدمزگی نہیں چاہتے تھے۔
ایک مناسب سے ہوٹل میں اس کا کمرہ بک کرا کر جب جعفر جانے لگے تو معذرت کرنے اور حفاظتی ہدایتیں دینے کے بعد کہنے لگے۔
"کل میں گھر سے نکلتے وقت تمہیں فون کروں گا اپائنٹمنٹ ملے نہ ملے کل ہم گلفام سے ملنے اس کے آفس

چلیں گے۔" کتنی دیر کی اعصاب شکن کشمکش کے بعد نمل نے کوئی تقویت بھری بات سنی تھی وہ ایک گہرا سانس کھینچ کر رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

رشیدہ نے جب نمل سے فون پر بات کی تو ایک طرف اگر انہیں اس کے خیریت سے پہنچ جانے پر اور وہ بھی ابرار کے دوست کے گھر پہنچ جانے پر اطمینان ہوا تو دوسری طرف ان کی بے چینی سوا ہو گئی۔

رہ رہ کر انہیں یہ احساس ستا رہا تھا کہ انہیں نمل کو بتانا چاہیے تھا۔ عظمت خلیل کے شدید ردعمل کے متعلق انہوں نے دبی زبان سے اسے جلدی آجانے کے لیے کہا تو تھا مگر یہ نہ کہہ سکیں کہ میرا ایک ایک پل کانٹوں پر گزر رہا ہے۔

عظمت خلیل اتنے زیادہ غصے میں تھے کہ ان کی موجودگی میں رشیدہ پر لرزہ طاری رہتا تھا نمل کے واپس آجانے سے ان کے غصے میں کوئی کمی تو نہیں آتی مگر رشیدہ کو سہارا ضرور ہو جاتا تھا۔

حالانکہ وہ اس وقت سے بھی ڈر رہی تھیں جب نمل کے لوٹ کر آنے پر عظمت خلیل اس کی کلاس لیں گے پتا نہیں۔ اپنے غصے، بلکہ نفرت کا اظہار وہ کس طرح کرنے والے تھے یہ سوچ کر ہی رشیدہ کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔

سارا وقت ان کا دعاؤں اور وظیفوں میں گزرتا رومیلہ نے انہیں فون کر کے ان کی اور نمل کی خیریت پوچھی تو انہوں نے اسے بھی کچھ نہیں بتایا کہ عظمت خلیل کو پتا چل چکا ہے اور وہ کس قدر غصے میں ہیں۔

کیا فائدہ تھا اسے پریشان اور شرمندہ کرنے کا۔ گھر کی بات باہر بتانے سے اپنا ہی تماشا بنتا ہے اور پھر وہ یہ سوچ کر نادم ہوتی رہتی کہ یہ سب اسی کی وجہ سے ہوا۔

لیکن کسی کو کچھ نہ بتانے کے باعث اندر ہی اندر ان کی گھٹن بڑھتی جا رہی تھی۔

شام ہونے پر خلاف معمول عظمت خلیل جلدی گھر آگئے تو رشیدہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے لیکن اپنے فرائض میں وہ بھی کوتاہی نہیں کرتی تھیں لہٰذا ہمت نہ ہونے کے باوجود وہیں چیئر کھینچ [illegible] ان کے [illegible]

"آپ کے لیے چائے لاؤں۔" انہوں نے تھوک نگلتے ہوئے عظمت خلیل [illegible] کہا تو وہ پلٹ کر شعلہ بار نظروں سے انہیں دیکھنے لگے رشیدہ سہم کر رہ گئیں۔

"جب چیخی ہوگی بتا دوں گا۔ اور یہ تم ہر وقت ماسیوں جیسے حلیے میں کیوں رہتی ہو؟" انہوں نے ایک نفرت بھری نظر رشیدہ پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"کیوں... کیا ہوا؟" رشیدہ اپنے صاف ستھرے کپڑوں کو دیکھتے ہوئے گھبرا کر بولیں۔

"ایسا لگتا ہے جیسے میں تمہیں کھانے اور پہننے کے لیے [illegible] تم خود کو دنیا کے سامنے ایک مظلوم اور مسکین عورت ظاہر کر کے تمہیں مزا آتا ہے۔" ان کے [illegible] رشیدہ پریشانی سے انہیں دیکھنے لگیں۔

یہ تو انہیں پتا تھا کہ وہ بہت غصے میں ہیں اور غصے میں وہ [illegible] سے بات بھی کرتے تھے لیکن اس طرح ان کی ذات اور حلیے پر انہوں نے کبھی تبصرہ نہیں کیا تھا۔

"ایسے آنکھیں پھاڑ کر کیا دیکھ رہی ہو [illegible] عورت ذرا اپنا حلیہ ٹھیک کرو کچھ مہمان آرہے ہیں ان کے سامنے تمہیں یہ رونی شکل لے کر نہیں [illegible] ہے اور کچھ بولنے کی حماقت مت کرنا صرف میں بات کروں گا اور جو مناسب لگے گا وہی کہوں گا [illegible] ٹکڑا لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔" اب تو رشیدہ کی الجھن اور بھی بڑھ گئی۔

ایسے کون سے مہمان آرہے تھے جن کے لیے عظمت خلیل اتنی ہدایتیں دے رہے تھے وہ کسی کے سامنے کم بولتی تھیں اور اپنی کم علمی کو چھپانے کی کوشش تو انہوں نے کبھی کی ہی نہیں تھی۔

انہیں خود برا لگتا تھا شہر کی یا باہر کے لوگوں کے سامنے کم بولنا اور لوگوں کی بلاوجہ کی ہمدردیاں انہیں سخت ناپسند تھیں انہیں بالکل شوق نہیں تھا کہ کوئی ان پر ترس کھائے اپنی معذوری کی وجہ سے وہ پہلے ہی لوگوں کی ترحم بھری نظریں برداشت کرتی چلی جاتیں بجائے اس پر شعر ہیں وفاکشی کے قصے بیان کر کے اپنی عزت نفس کو مجروح کرتیں۔

"کب... کون آرہا ہے؟" انہوں نے بڑی مشکل سے دل کڑا کر کے پوچھا۔

"آئیں گے تو دیکھ لینا۔ مجھے تو ایسے رہی ہو جیسے سارے شہر کو جانتی ہو۔" عظمت خلیل چڑ گئے۔

"نہیں... میرا مطلب تھا کوئی خاص مہمان ہیں۔" رشیدہ نے گھبرا کر جلدی سے صفائی دی تو عظمت خلیل کچھ سوچتے ہوئے ایسے بولے جیسے اپنے آپ سے کہہ رہے ہوں۔

"لگتا تو یہی ہے کسی خاص مقصد سے آرہے ہیں ورنہ صرف رسمی سی بات چیت ہے کوئی دوستی یا جان پہچان تو ہمارے بیچ نہیں ہے۔" عظمت خلیل کی بات ان کی سمجھ میں نہ آئی ویسے بھلا کون لوگ تھے جن سے صرف رسمی سی علیک سلیک تھی پھر بھی وہ آرہے تھے اور عظمت خلیل خاص طور پر انہیں حلیہ درست رکھنے اور زبان بند رکھنے کی تاکید کر رہے تھے کوئی کاروباری یا سماجی حیثیت سے تعلق رکھنے والے لوگ آرہے تھے تو ایسے افراد کے سامنے رشیدہ جاتی ہی نہیں تھیں۔

ان میں مزید کوئی سوال کرنے کی ہمت نہیں تھی چنانچہ اپنے مناسب سے حلیے کے باوجود حلیہ درست کرنے چلی گئیں دس منٹ بعد تو وہ ابھی کچن میں جا کر ملازمہ کو ہدایتیں دینے کے متعلق سوچ ہی رہی تھیں مہمان تشریف لے آئے اور عظمت خلیل نے فوراً ہی انہیں بھی بلا لیا۔

وہ ڈرائنگ روم میں ایک بہت ہی باوقار سے ان ہی کی عمر کے جوڑے کو تشریف فرما دیکھ کر ساری سوچیں پس پشت ڈال کر چہرے پر مسکراہٹ سجانے کی کوشش کرنے لگیں۔

"رشیدہ! یہ مسٹر اینڈ مسز فرقان حسن ہیں اور یہ رشیدہ ہیں میری بیوی۔" عظمت خلیل تھوڑی دیر پہلے سے مختلف بڑے سلجھے ہوئے لہجے میں بولے۔

رشیدہ کو ان کے اس انداز پہ کوئی حیرت نہیں ہوئی وہ اس رویے کی عادی تھیں باہر کی دنیا کے سامنے ان کا انداز ایسا ہی ہوتا تھا بھی بڑے ادب سے انہیں سلام کرنے لگیں۔

ان دونوں کو بھی رشیدہ کو دیکھ کر کوئی خاص حیرت نہیں ہوئی تھی فرقان حسن جانتے تھے عظمت خلیل کی بیوی جسمانی طور پر معذور ہیں لہٰذا یہ بات مسز فرقان کو بتا کر لائے تھے تاکہ وہ چونک نہ جائیں۔

مسز فرقان کو سن کر افسوس ہوا تھا اور ساتھ ہی عظمت خلیل کے [illegible] ہونے کی وجہ بھی سمجھ میں آگئی تھی۔

جس کی اپنی شریک حیات ایسی اذیت کا شکار ہو اسے [illegible] دکھی انسانیت کے درد کو سمجھنا اور اسے دور کرنے کی کوشش نہیں کرنا ممکن تھا۔

وہ اپنی بیوی کی تکلیف دور نہیں کر سکتے تھے چنانچہ خدمت خلق سے وابستہ ہو کر اپنی بیوی اور اپنی زندگی میں موجود محرومی کا ازالہ کرتے رہے ہوں گے۔

مسز فرقان کے دل میں عظمت خلیل کی عزت اس سے کئی گنا بڑھ گئی تھی جو ان کے متعلق ٹی وی میں دیکھ کر یا اخبار میں پڑھ کر پیدا ہوئی تھی۔

وہ رشیدہ سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگیں۔ مگر رشیدہ ان کی ہر بات پر مسکرا دیتیں یا جس بات کا جواب دینا ضروری ہوتا اس کا مختصر ترین جواب دے کر خاموش ہو جاتیں۔

مسز فرقان کو ان کا یہ رویہ کافی عجیب اور روکھا سوکھا سا لگا تو وہ فرقان حسن اور عظمت خلیل کی طرف متوجہ ہو گئیں جو خاصے جاندار تبصرے اور شاندار نکتہ چینی میں مشغول تھے مسز فرقان خود بات چیت کی شیدائی تھیں بہت جلد وہ تینوں رشیدہ کی ذات کو فراموش کیے خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے۔

کوئی آدھے گھنٹے کے بعد مسز فرقان موضوع کی طرف آئیں۔

"عظمت بھائی! آپ کی ایک ہی بیٹی ہے نا تحمل... کہاں ہے وہ؟ اسے بلائیں نا۔" رشیدہ جو خاموش تماشائی بنی ہوئی تھیں کچھ چونکی سی ہو گئیں۔

اتنے عرصے کی رفاقت میں وہ عظمت خلیل کے چہرے سے وہ بھی اخذ کر لیتی تھیں جو کوئی دوسرا محسوس بھی نہیں کر سکتا تھا۔

تحمل کے ذکر پر [illegible] نہیں محسوس ہوئی تھی اس کا وہ دونوں میاں بیوی اندازہ بھی نہیں لگا سکے ہوں گے مگر رشیدہ [illegible] گئی تھیں۔

"وہ اس وقت گھر پر نہیں ہے مگر آپ اسے کیسے جانتی ہیں میرے خیال سے تو فرقان صاحب آپ بھی اس سے نہیں ملے ہوں گے وہ تو میرے ساتھ کسی جلسے یا پارٹی میں نہیں جاتی۔" اتنی خوش اسلوبی سے انہوں نے بات کی کہ مسز فرقان کو محسوس بھی نہیں ہوا کہ وہ "تحمل کہاں ہے" کے سوال کو گول کر گئے ہیں۔

"ہاں دیکھا نہیں ہے لیکن جانتے ضرور ہیں کیونکہ ہم آئے ہی خاص اس سے ملنے ہیں۔" فرقان حسن نے مسکراتے ہوئے کہا اب کی بار عظمت خلیل کے ساتھ ساتھ رشیدہ بھی چونک گئیں وہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"میں سمجھا نہیں۔" عظمت خلیل نے رشیدہ پر سے نظریں ہٹاتے ہوئے فرقان حسن کو دیکھا۔

"آپ میرے بیٹے خرم کو شاید نہ جانتے ہوں ہم اس کے لیے تحمل کا رشتہ مانگنے آئے ہیں۔" فرقان حسن نے بڑی انکساری سے کہا۔

عظمت خلیل اچانک کچھ سنجیدہ سے نظر آنے لگے رشیدہ کا اپنا کوئی رد عمل نہیں تھا وہ تو عظمت خلیل کو جانچتی نظروں سے دیکھ رہی تھیں کہ آیا عظمت خلیل کو ان کی بات اچھی لگی ہے یا بری۔

مگر عظمت خلیل کے چہرے سے کچھ ظاہر نہیں ہو رہا تھا البتہ جو سوال انہوں نے جواباً پوچھا وہ رشیدہ کے دل میں بھی آیا تھا۔

"ابھی تو آپ کہہ رہے تھے آپ تحمل کو دیکھنے آئے ہیں اور اب آپ کہہ رہے ہیں آپ رشتہ دے رہے ہیں۔" ان کی بات پر مسز فرقان مسکراتے ہوئے بولیں۔

"دیکھنے کا تو ہمیں صرف شوق ہو رہا ورنہ فیصلہ تو ہم اس کے حق میں پہلے ہی کر چکے ہیں وہ میرے بیٹے کو پسند ہے اور ہم اس کی خواہش پر ہی یہاں آئے ہیں اور بھائی صاحب آپ کو جواب صرف ہاں میں دینا ہے وہ بھی جلد سے جلد۔ میرے بیٹے سے آپ کو جب جہاں، جس وقت بھی ملنا ہے آپ بتا دیں۔" مسز فرقان التجائیہ انداز میں بولیں۔

لفظ "بیٹے کی پسند" پر رشیدہ نے واضح طور پر عظمت خلیل کے چہرے پر ناگواری پھیلتی دیکھی تھی اور یہ بات مسز فرقان نے تو محسوس نہیں کی البتہ فرقان حسن کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی انہوں نے فوراً معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اس طرح صفائی دی کہ کسی کو محسوس نہ ہو سکے۔

"ہمارا اس طرح اچانک آکر رشتہ مانگنا یقیناً آپ کو عجیب لگ رہا ہو گا اصل میں تحمل میرے بیٹے کے ساتھ

ہی رہتی ہے خرم نے دیں اسے پسند کیا اور آکر ہمارے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کر دیا۔
تحمل اس معاملے میں بالکل انجان ہے اس لیے وہ آپ لوگوں کو پہلے سے مطلع نہیں کر سکی۔ اگر اسے پتا ہوتا تو وہ اس وقت یہاں ضرور موجود ہوتی ہم دونوں کو ہی اس سے ملنے کا بہت شوق ہو رہا تھا۔" فرقان حسن کی بات پر مسز فرقان بھی انہیں اور دیکھتی رہیں۔

وہ دونوں تو کچھ سوچ رہے تھے کہ یہ سب خرم اور تحمل کی باہمی رضامندی سے ہو رہا ہے پھر یہ اس وقت فرقان حسن نے کون سا پہلو اجاگر کیا تھا۔

مسز فرقان صرف سوچ کر رہ گئیں بولی کچھ نہیں۔

جبکہ جس مقصد کے تحت فرقان حسن نے یہ سب کہا تھا وہ فوراً" ہی پورا ہو گیا تھا عظمت خلیل کے چہرے پر پھیلی ناگواری کی ہلکی سی لکیر بالکل مٹ گئی تھی۔

"آپ تو بالکل ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی کوشش کر رہے ہیں اتنے اہم مقصد سے آئے ہیں اور اطلاع بھی نہیں کی ورنہ کم از کم ہم اس وقت اپنی گھر کے کھیت جاتے دیتے۔ اصل میں میری بھانجی کی شادی ہونے والی ہے وہ وہیں بزی ہے۔" رشیدہ چپ چاپ عظمت خلیل کے اعتماد کو دیکھتی رہیں جہاں جھوٹ کی ہلکی سی رمق تک ان کے چہرے پر نظر نہیں آ رہی تھی بلکہ وہ مزید کہہ رہے تھے۔

"ایسے فیصلے تو نہیں ہوتے میں تو خرم سے ہی نہیں ملا ہوں یہ بھی نہیں ملیں ہم دونوں اسے دیکھیں گے۔ ملیں گے پھر آپس میں صلاح مشورہ کریں گے اگر کچھ مناسب لگا تو پھر تحمل سے بات کر کے اس کی رائے لیں گے۔"

عظمت خلیل اتنی وضع داری کے ساتھ بات کر رہے تھے جیسے گھر کے تمام اہم فیصلے سب کی پسند اور رضامندی سے ہوتے ہوں۔

ایسے موقعوں پر رشیدہ صرف انہیں دیکھا کرتی تھیں پہلے بھی ان کی ایسی گفتگو سن کر وہ طنزیہ یا تلخی سے مسکرا دیتیں لیکن اب عادت ہو گئی تھی ان کے چہرے پر مسکراہٹ بھی نہیں ابھری تھی۔

وہ دونوں عظمت خلیل کے جواب سے زیادہ مایوس نہیں ہوئے تھے ورنہ انہیں خطرہ تھا کہیں وہ گھر آئے ہوئے رشتوں کا ذکر کرتے ہوئے یہ نہ کہہ دیں۔

"میں وہاں بات کر چکا ہوں۔

یا میرا وہیں ارادہ ہے وغیرہ۔

اگر تحمل کہیں کمٹڈ نہیں تھی تو انہیں یقین تھا فیصلہ ان کے بیٹے کے حق میں ہی ہونا تھا آخر کس چیز کی کمی تھی ان کے بیٹے میں جو وہ انکار کرتے۔

پھر وہ لوگ زیادہ دیر نہیں بیٹھے چلتے چلتے مسز فرقان نے ایک بار پھر گزارش کرتے ہوئے کہا۔

"جلدی جواب بھیجیے گا اور وہ بھی مثبت میں۔" انہوں نے رشیدہ کو مخاطب کرنا ضروری نہیں سمجھا خود رشیدہ تو کچھ بول نہیں رہی تھیں۔ مسز فرقان یا یاران سے بات بھی نہیں کر رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

عجیب سی فطرت تھی زوبیہ کی اول تو عائشہ اختر اور بلال اختر سے کچھ بولتی نہیں تھی اور جب بول دیتی تو کئی کئی دن تک اپنے کہے پر پچھتاتی رہتی۔

اس دن عائشہ اختر سے اس نے جو بات کہی تھی اس کے بعد سے عائشہ اختر کا رویہ اس کے ساتھ بڑا اکھڑا اکھڑا سا تھا۔

زوبیہ بلکہ اپنے کہے پر شرمندہ تھی ان کا اس طرح کترایا ہوا سا انداز اسے بالکل بے بال ہی کر رہا تھا۔
دل چاہتا ان سے معذرت کر لے مگر کل ہاں سے بھی وہ ان سے بے تکلف نہیں تھی کہ کھل کر کچھ کہہ پاتی یا اب احساس کمتری اتنا زیادہ تھا کہ کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔
لہٰذا وہ صرف وقت گزرنے کا انتظار کر رہی تھی کہ ہمیشہ کی طرح چار دن میں ان کا موڈ خود بخود ٹھیک ہو جاتا تھا اور ابھی صرف دو سرا دن ہی تھا۔

زوبیہ کی ساری پیکنگ نبٹ چکی تھی آج صبح سے فرنیچر جا رہا تھا گھر کا آدھے سے زیادہ فرنیچر جا چکا تھا جبکہ ساری الماریاں وغیرہ لگ جانی تھیں تب سوٹ کیس اور ڈبوں میں رکھا چھوٹا موٹا سامان وہاں منتقل کرنا تھا تاکہ سب سیدھا الماریوں میں رکھا جا سکے۔

زوبیہ پر ایک عجیب سی سوگواری چھائی تھی وہ اپنے کمرے کے ایک کونے میں رکھی کمپیوٹر چیئر پر بیٹھی کمرے کو خالی خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

عائشہ اختر کے کمرے کا سامان اٹھانے کے بعد مزدور اس کے کمرے میں آنے والے تھے زیادہ سے زیادہ گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کی بات تھی پھر تین گھنٹے بعد اس کا یہ کمرہ خالی ہو جانے والا تھا اور اس کے کچھ دنوں بعد یہ کسی اور کی ملکیت ہو جانا تھا۔

عائشہ اختر کے رویے کے ساتھ ساتھ گھر چھوڑنے کے احساس نے اسے کچھ مضمحل سا کر دیا تھا وہ تو شکر ہے اس کی ساری پیکنگ اسی دن ہو گئی تھی ورنہ عائشہ اختر سے ہوئی گفتگو کے بعد سے اس نے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا وہ چار بڑی بڑی جو چیزیں رہ گئی تھیں وہ بھی ملازمہ نے پیک کی تھیں۔

اپنے کمرے کے درودیوار کو دیکھتے دیکھتے اسے پتا ہی نہیں چلا کب اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

کچھ دیر تو اس نے اپنے آنسوؤں کو بہنے دیا مگر کسی کے آ جانے کا خیال آتے ہی وہ اٹھ کر واش روم کی طرف چلی گئی۔

ٹھنڈے ٹھنڈے پانی کی چھینٹیں آنکھوں پر مار کر وہ کافی بہتر محسوس کر رہی تھی تولیے سے چہرہ صاف کرتی جب وہ واش روم سے باہر نکلی تو اپنے کمرے میں کسی کو موجود دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

کوئی لڑکی اس کے بیڈ پر اس کی جانب پشت کیے بیٹھی تھی زوبیہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

"کون؟" زوبیہ نے اپنی جگہ بدستور کھڑے کھڑے پوچھا مگر وہاں سے جواب آنا تو در کنار اس لڑکی کے وجود میں جنبش تک نہیں ہوئی بالکل ایسے جیسے اس نے زوبیہ کی آواز سنی ہی نہ ہو۔

اچانک زوبیہ کو لگا وہ کوئی لڑکی نہیں بلکہ شائستہ خالہ کا سایہ ہی ہے وہ ہی سایہ جو اسے اکثر و بیشتر نظر آتا ہے مگر آج اس کے حلیے میں فرق ہے شائستہ خالہ کے بال ہمیشہ کھلے ہوتے تھے اور ان کے شانوں اور چہرے پر ایسے بکھرے ہوتے تھے کہ بعض اوقات ان کا چہرہ نظر ہی نہیں آتا تھا۔

ویسے بھی زوبیہ کو کون سا ان کا چہرہ دیکھنے کی تمنا تھی اس نے جتنی بار بھی انہیں دیکھا تھا ان کے نین نقش پر ہی نہیں کر سکی تھی کیونکہ ان کے چہرے پر خون ہی خون لگا ہوتا تھا جیسے کسی نے نوکیلی چیزوں سے انہیں نوچا ہو مگر آج چوٹی کی صورت میں بال باندھے وہ کوئی بد روح کی بجائے ایک نارمل لڑکی لگ رہی تھیں۔

سفید رنگ کے ڈھیلے ڈھالے سے لباس میں ملبوس وہ سر جھکائے بیٹھی تھیں۔

زوبیہ ایک ایک قدم بڑھاتی ان کی جانب بڑھنے لگی ساتھ ہی ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے سوال بھی کر رہی۔

"آپ... کون ہیں آپ؟ آپ... آپ کچھ بول کیوں نہیں رہیں۔" زوبیہ ان سے چار پانچ قدم کے فاصلے

جا کھڑی ہوئی خوف اسے مزید آگے بڑھنے سے روک رہا تھا
حالانکہ زوبیہ کا دل چاہ رہا تھا وہ گھوم کر ان کے سامنے جا کھڑی ہو تاکہ ان کا چہرہ دیکھ سکے۔
نگران کے دائیں جانب ہونے کے باعث اور ان کا سر جھکا ہونے کی وجہ سے وہ انہیں دیکھنے سے قاصر تھی۔
"آپ شائستہ خالہ ہیں نا۔" زوبیہ نے تھوڑا جھک کر ان کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

ان کا چہرہ اس قدر جھکا ہوا تھا کہ زوبیہ کو جھک کر دیکھنے کے باوجود ان کی شکل نظر نہیں آرہی تھی۔
اس کا دل اتنی زور زور سے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی پسلیاں توڑ کر باہر آجائے گا۔ دل تو چاہا چیخ کر سارے ملازموں کو جمع کرلے مگر اسے یہ یقین تھا سب کے جمع ہونے تک سامنے بیٹھا یہ وجود غائب ہوجائے گا اور اگر نہیں بھی ہوا تو بھی کوئی اسے دیکھ نہیں سکے گا۔ سب یہی کہیں گے کمرے میں آپ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔
لہٰذا زوبیہ دل ہی دل میں خوف زدہ ہونے کے باوجود ایک اور قدم آگے بڑھا کر اس کے قدرے سامنے آگئی۔
"کک... کون ہو تم... بولتی کیوں نہیں۔" زوبیہ کی آواز میں خوف کی لرزش کے ساتھ ساتھ ایک جھنجلاہٹ بھی در آئی تھی۔

تب ہی اس وجود نے آہستہ آہستہ اپنا چہرہ اوپر اٹھانا شروع کیا۔ زوبیہ کو اپنی جان بدن سے نکلتی محسوس ہو رہی تھی، پھر بھی وہ دل کڑا کیے وہیں کھڑی رہی اور اسی پر نظریں جمائے رکھیں، یہاں تک کہ وہ پورا چہرہ اٹھا کر زوبیہ کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔
زوبیہ گھبرا کر دو تین قدم پیچھے ہٹ گئی اگر خوف کے مارے اس کی گھگھی نہ بندھ گئی ہوتی تو عین ممکن تھا وہ چیخ پڑتی۔
کیونکہ اس کے سامنے بستر پر کوئی اور نہیں خود وہی موجود تھی۔
اپنے آپ کو اس طرح آئینے کے بغیر عین اپنے سامنے دیکھنا زوبیہ کو سر سے پاؤں تک لرزا گیا تھا، وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے دیوار سے جا لگی تھی۔
اس کا پورا وجود ہولے ہولے کانپنے لگا تھا۔ اس کے سامنے خود اسی کی ہم شکل اسے گھورے جا رہی تھی
زوبیہ سے اب برداشت کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ اس نے چیخ کر کسی کو بلانا چاہا مگر حلق سے آواز [illegible] اس نے وہاں سے بھاگنا چاہا تو ٹانگوں نے چلنے سے انکار کردیا۔ تب ہی اس کے سامنے بیٹھے وجود میں [illegible] جنبش ہوئی، وہ لڑکی جو اسی کی ہم شکل تھی بہت دھیرے دھیرے سے اپنی جگہ سے اٹھنے لگی۔
زوبیہ کی آنکھیں خوف و ہراس سے پھیل گئی تھیں، وہ لڑکی اس کی طرف بڑھ رہی تھی ایک ایک قدم اٹھاتی۔
چہرے پر جامد خاموشی کی مہر لگائے۔
پلک تک جھپکے بغیر
سانس تک لیے بغیر
وہ بہت آہستگی سے اس کی طرف بڑھتی رہی ایک قدم کے فاصلے پر آکھڑی ہوئی۔
اور بس اس سے آگے زوبیہ کچھ دیکھ نہ سکی، خوف کی شدت سے اس کا دماغ ماؤف ہو کر تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔
اس کی آنکھیں بند ہوئیں اور ایک پل میں وہ فرش پر آگری۔
آدھے گھنٹے بعد ایک ملازمہ اس کے کمرے میں کسی کام سے آئی تو اسے اس طرح دیوار کے پاس زمین پر

بے ہوش پڑا دیکھ کر شور مچانے لگی۔
پھر تو پورا گھر ہی دو منٹ میں اس کے کمرے میں جمع ہو گیا۔ اسے اٹھا کر اسی کے کمرے کے بستر پر لٹا دیا گیا اور فوراً ڈاکٹر شکیلہ کو فون کردیا گیا۔
"تم تو کہہ رہی تھیں، تم ہر وقت سائے کی طرح اس کے ساتھ رہتی ہو۔" بلال اختر نے طنزیہ انداز میں عائشہ اختر کو دیکھا تو وہ نظریں چرا کر رہ گئیں۔
جب سے زوبیہ نے وہ سب کہا تھا انہوں نے اس سے بات تک نہیں کی تھی، ورنہ پہلے وہ ہر تھوڑی دیر میں اسے چیک کرنے آتی تھیں۔
ڈاکٹر شکیلہ کے آنے سے پہلے ہی اسے ہوش آگیا۔ اسے آنکھیں کھولتا دیکھ کر عائشہ اختر تیزی سے اس کی طرف بڑھیں۔
"کیا ہوا زوبیہ؟ کیسی طبیعت ہے بیٹا تمہاری کیا ہوا تھا تمہیں۔" عائشہ اختر اس کے اوپر جھک گئیں۔
زوبیہ خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھ کر رہ گئی۔ ان کا مہربان لہجہ سن کر اس کا دل بھر آیا تھا مگر وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔
جانتی تھی انہیں کچھ بتانا بے کار ہے، وہ کون سا یقین کریں گی، خود اسے یقین نہیں آرہا تھا جو اس نے دیکھا تھا وہ کیسے ممکن تھا۔
اس نے گردن گھما کر بیڈ کے کنارے کی طرف دیکھا مگر اس کی توقع کے عین مطابق وہاں اب کوئی نہیں تھا۔
"کیا ہوا زوبیہ؟ کیا چکر آگیا تھا تمہیں؟" انہوں نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے شفقت سے پوچھا۔
"جی... جی چکر آگیا تھا۔" اس نے آنکھوں میں آئی نمی کو پلکیں جھپکتے ہوئے پینے کی کوشش کی۔
"میں ڈاکٹر شکیلہ کو فون کردیتا ہوں، آنے کی ضرورت نہیں۔" بلال اختر موبائل جیب سے نکالتے باہر نکل گئے۔
"کچھ کھاتی پیتی نہیں ہو نا، اس لیے کمزوری سے چکر آگئے ہوں گے۔ تم آرام کرو، میں تمہارے لیے گلوکوز بھجواتی ہوں۔"
"مم... مما میں آپ کے کمرے میں لیٹ جاؤں۔" زوبیہ نے انہیں اٹھتا دیکھ کر ایک دم ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔
انہوں نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھا، اس نے کبھی ایسی فرمائش نہیں کی تھی، لیکن اگلے ہی پل انہیں احساس ہوا، انہوں نے خود بھی اس سے اس لہجے میں شاذ و نادر ہی بات کی تھی اور واقعی وہ ان کا ممتا بھرا انداز دیکھ کر ایسے مان سے کہہ گئی تھی۔
"تمہارے پاپا کمرے میں ہیں زوبیہ، تم وہاں کہاں لیٹو گی۔ میں یہیں تمہارے پاس بیٹھی ہوں، ابھی کچھ دیر میں ویسے بھی ہم لوگ یہاں سے نکلنے والے ہیں۔
مزدور سارا سامان لے بھی گئے ہیں، صرف تمہارے کمرے کا رہ گیا ہے۔" عائشہ اختر نے اس کے چہرے پر مایوسی پھیلتی دیکھ کر فوراً اٹھنے کا ارادہ ترک کردیا۔
"ہاں جلدی سے یہاں سے چلتے ہیں۔" زوبیہ نے ان کا ہاتھ پکڑے پکڑے آنکھیں موندتے ہوئے کہا۔
عائشہ اختر نے کچھ چونک کر اسے دیکھا۔
اب تک اس کی کسی بات سے یہ ظاہر نہیں ہوا تھا کہ وہ اس گھر کو چھوڑنا چاہتی ہے، بلکہ سامان پیک کرتے ہوئے انہوں نے واضح طور پر اس کی افسردگی کو محسوس کیا تھا۔

وہ اس کی بند پلکوں کو بغور دیکھنے لگیں جیسے اس کے چہرے سے اس کی کیفیت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی ہوں۔

وہ اس کے چہرے سے کچھ خاص اخذ تو نہیں کر سکیں، البتہ اتنا ضرور پتا چل گیا تھا کہ وہ کوئی آیت یا دعا پڑھنے میں مشغول ہے۔

اس کے بہت آہستگی سے ہلتے ہونٹ اس بات کی نشاندہی کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ پر اس کی غیر معمولی سخت گرفت اس کے لاشعور میں چھپے کسی ڈر کو ظاہر کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

جعفر بھائی کا فون اس کے کمرے کے انٹر کام پر آیا تھا، بلکہ فون کیا آیا تھا ایک میسج چھوڑا تھا کہ وہ اسے ایک گھنٹے بعد پک کریں گے تیار رہے۔

اور وہ محض دس منٹ میں تیار ہو کر بیٹھ گئی تھی، جبکہ جعفر بھائی کو آنے میں دو گھنٹے لگے تھے، وہ باہر آ کر ان کی گاڑی میں بیٹھی تو انہوں نے کسی قسم کی کوئی معذرت نہیں کی بس اتنا کہا۔

"کام اتنا تھا کہ آفس سے نکل ہی نہیں سکا۔" ثمل صرف سر ہلا کر رہ گئی وہ ان پر کسی قسم کی دھونس جمانے کا حق نہیں رکھتی تھی اور پھر اس وقت اس کے ذہن میں گلفام سے ملنے کے خیال سے اتنی گھبراہٹ اور اشتیاق سوار تھا کہ وہ کسی اور چیز کے بارے میں سوچ ہی نہیں پا رہی تھی۔

پتا نہیں وہ کیسا ہو گا۔

پتا نہیں ثمل کو اس سے مل کر خوشی ہو گی یا مایوسی، پتا نہیں، وہ ایک ملاقات میں اس کا صحیح تجزیہ کر بھی سکے گی یا نہیں۔

اور اگر وہ اسے رومیلہ کے لیے مناسب نہیں لگا تو کیا وہ ابرار بھائی کو قائل کر سکے گی اس رشتے کی مخالفت میں؟

اور اگر نہیں کر سکی تو کیا اس طرح وہ رومیلہ کو مزید پریشان نہیں کرے گی کہ وہ ایک ایسے شخص کے ساتھ اتنا دور جا کر اپنی زندگی شروع کرنے والی ہے جو ثمل کو اس کے لیے پسند ہی نہیں آیا۔

اس کا ذہن ان ہی سوالوں کی آماجگاہ بنا رہا اور وہ ڈیڑھ گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد ایک شان دار سی بلڈنگ میں آ کھڑے ہوئے۔

ثمل ستائشی انداز میں جدید طرز کی بنی عمارت کو دیکھتی جعفر بھائی کے ساتھ لفٹ میں داخل ہو گئی۔ "ڈائریکٹر گلفام پچھلے چار سال سے یہاں ہے۔" اس کی نظروں میں پسندیدگی دیکھ کر جعفر بھائی نے بتایا تو ثمل صرف سر ہلا کر رہ گئی۔

ایک فلور پر پہنچ کر ریسپشن پر جعفر بھائی نے "مسٹر فم" کا نام لیا تو وہاں بیٹھی لڑکی ان کا نام پوچھ کر انٹر کام پر اندر اطلاع دینے لگی۔

"مسٹر فم۔" ثمل نے تعجب سے دہرایا۔

"ہاں تو کیا ہوا؟ مجھے بھی آفس میں جیفی کہا جاتا ہے۔" جعفر بھائی نے اطمینان سے کہا، پھر وضاحت کرتے ہوئے بولے۔

"یہ اسلامی نام ان لوگوں کے منہ سے عجیب لگتے ہیں، اس لیے بجائے اس کے کہ وہ لوگ ہمارا نام بگاڑیں، ہم خود ہی اپنے نام میں ترمیم کر لیتے ہیں۔

اور گلفام تو یہاں بہت عرصے سے رہ رہا ہے، اس کا اصلی نام تو صرف اس کے ڈاکومنٹس پر رہ گیا ہو گا۔ ورنہ

اب تو وہ بھی یاد نہیں ہو گا۔" ثمل ایک بار پھر صرف سر ہلا کر رہ گئی۔

اس لڑکی کے اجازت دینے پر وہ دونوں دروازہ کھول کر ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔

عمارت کی طرح آفس بھی اندر سے شان دار تھا۔ ایک بڑی سی گلاس ٹیبل کے پیچھے ڈارک کلر کے سوٹ میں ایک نہایت جاذب نظر اور با وقار سا شخص تشریف فرما تھا اور میز کے ایک جانب رکھے لیپ ٹاپ میں مصروف تھا۔

ان کے کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ ریوالونگ چیئر ان کی جانب گھما کر ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"السلام علیکم۔" اس نے سلام کرنے میں پہل کی تو جعفر بھائی اور ثمل نے ایک ساتھ اسے جواب دیا اور اس کے اشارہ کرنے پر سامنے رکھی آرام دہ کرسیوں میں دھنس گئے۔

"یہ ہے رومیلہ کی وہ کزن جس کے بارے میں میں نے تمہیں فون پر بتایا تھا کہ کسی کام سے پاکستان سے آئی تھی تو اس نے سوچا تم سے بھی مل لے۔" جعفر بھائی کیونکہ پہلے ہی اس سے مل چکے تھے اس لیے انہوں نے صرف اس کا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

"اچھا ہوا آپ نے ایسا سوچا رومیلہ سے نا سہی اس کی کزن سے ہی ملاقات ہو گئی۔" اس نے خوش دلی سے ثمل کو دیکھتے ہوئے کہا عرصہ دراز سے یہاں مقیم ہونے کے باعث اس کا لہجہ تھوڑا انگریزی انداز لیے ہوئے تھا، پھر بھی اسے اردو میں بات کرتا دیکھ کر ثمل پر ایک خوش گوار تاثر پڑا تھا۔

وہ بہت جلد بغیر کسی جھجک کے اس کے ساتھ ہلکی پھلکی گفتگو کرنے لگی، خود اس کا انداز اتنا شائستہ تھا کہ ثمل بڑی بے تکلفی سے کچھ ذاتی قسم کے سوال بھی پوچھ بیٹھی۔

"آپ نے تو رومیلہ کو دیکھا نہیں، پھر اس سے شادی کے لیے کیسے تیار ہو گئے۔" اس کی بات پر گلفام بھرپور انداز میں مسکرا دیا۔

"آپ سوچ رہی ہوں گی اتنے سالوں سے میں ایک ایسے ملک میں رہ رہا ہوں جس کا ماحول بے باکی کی حد تک آزاد ہے یہاں رہ کر میری سوچ اتنی مشرقی کیسے رہ سکتی ہے کہ والدین کی پسند پر سر جھکا دوں؟"

"نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا آج کل تو پاکستان میں بھی ایسی شادیاں نہیں ہوتیں، میں تو یہ کہنا چاہ رہی تھی کبھی آپ کو اسے دیکھنے کی خواہش نہیں ہوئی۔" ثمل نے وضاحت دیتے ہوئے کہا۔

"میرے بابا نے اسے دیکھا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ بہت اچھی ہے تو بس پھر دیکھنے کی کیا ضرورت رہ گئی۔" اس نے مسکراتے ہوئے سادگی سے کہا۔

ثمل کو اس کا جواب کافی پسند آیا، بلکہ مجموعی طور پر وہ شخص ہی ثمل کو بہت اچھا لگا تھا، یہاں آنے سے پہلے جو شک و شبہات اس کے دل میں تھے وہ بہت حد تک کم ہو گئے تھے، ختم اس لیے نہیں ہوئے کہ جب تک لڑکی بیاہ کر اپنے گھر میں ہنسی خوشی رہنے نہ لگے گھر والوں کے ابہام ختم نہیں ہوتے۔

"لیکن رومیلہ کے پاس تو ایسا کوئی وسیلہ نہیں ہے، اس کے گھر والوں نے بھی آپ کو نہیں دیکھا ہے۔ آپ کے پاس آپ کی کوئی تصویر نہیں ہے کیا۔ آخر اتنا تو اس بے چاری کا حق بنتا ہے نا۔"

"یہ سوال مجھ سے جعفر بھائی نے بھی پوچھا تھا، آپ یقین نہیں کریں گی میرے پاس واقعی اپنی کوئی تصویر نہیں ہے، تصویر کھنچوانے کا شوق ہی نہیں ہے، نہ ہی ضرورت پڑی ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے پہلے جعفر بھائی کو دیکھا پھر ثمل کو دیکھتے ہوئے تفصیل سے بولا۔

ثمل صرف دل مسوس کر رہ گئی، اسے افسوس ہو رہا تھا، یہ خیال اسے پہلے کیوں نہیں آیا، اس کے پاس کیمرے والا موبائل تھا، لیکن یہاں اس کی سم ہی نہیں چل رہی تھی، اس لیے اس نے موبائل ساتھ بھی نہیں رکھا۔

پھر بھی ڈسٹرب نہیں ہانی اور بیشی آسی سے اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔
"تصویر بھیجنا ایسا کون سا مشکل ہے آپ میرا ای میل ایڈریس لے لیں، آپ صرف کوئی ایک تصویر مجھے میل کر دیجیے، میں رومیلہ کو دکھا دوں گی۔"
"میرے پاس تصویر کھنچوانا واقعی بہت مشکل ہے، میں وعدہ نہیں کر رہا البتہ کوشش کر لوں گا۔"
ویسے بھی اب شادی میں دن ہی کتنے بچے ہیں ایک مہینے سے بھی کم وقت رہ گیا اب اگر وہ مجھے دیکھ بھی لے گی تو کیا فیصلہ کر پائے گی۔" وہ ایسا کچھ غلط نہیں کہہ رہا تھا اسی لیے آخری جملہ قدرے شوخی سے بولا۔
"کیا پتا مجھے دیکھ کر اسے مایوسی ہو اب جتنے دن بچے ہیں اسے خوش فہمی میں مبتلا اور خوش رہنے دیں۔" اس کی بات پر عمل کے ساتھ ساتھ جعفر بھائی بھی مسکرا دیے، مگر اس کے اتنا ٹالنے کے باوجود عمل ٹلی نہیں اور ایک بار پھر اسی کی طرح مذاق کی آڑ میں بولی۔
"کیا پتا وہ خوش فہمی کی بجائے غلط فہمی میں مبتلا ہو جو آپ کی تصویر دیکھ کر دور ہو جائے، میں اپنا ای میل ایڈریس لکھ رہی ہوں، آپ پلیز اپنی صرف ایک تصویر بھیج دیں بھلے ہی پاسپورٹ سائز بھیج دیں۔
میرے پاس ٹائم ہوتا تو میں اپنے ساتھ ہی لے جاتی مگر میرا دوبارہ آنا بہت ہی مشکل ہے اور شاید آپ بھی نہ آسکیں اس لیے پلیز آپ مجھے ای میل کر دیجیے گا۔"
عمل نے التجائیہ انداز میں کہتے ہوئے ٹیبل پر رکھے پین ہولڈر میں سے ایک پین نکالا اور چھوٹے چھوٹے پیپرز کے اسٹینڈ میں سے ایک چھوٹی سی چٹ نکالی اور اپنا ای میل ایڈریس لکھنے لگی۔
جعفر بھائی اور گلفام اس دوران مکمل طور پر خاموش رہے، عمل نے لکھنے کے بعد کاغذ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
"یہ آپ کی اکلوتی سالی کی دلی خواہش ہے، پلیز اسے رد مت کیجیے گا۔" وہ کچھ دیر تو عمل کو دیکھتا رہا، پھر کاغذ لے کر مسکراتے ہوئے اس نے اوکے کہہ دیا۔
اس کے تھوڑی دیر بعد ہی عمل اور جعفر بھائی جانے کے لیے اٹھ گئے۔
وہ پہلے ہی کافی اور اسنیکس پیش کر چکا تھا اس لیے اس نے بھی مزید بیٹھنے کو نہیں کہا۔
البتہ گاڑی میں بیٹھتے ہی جعفر بھائی نے جس طرح مسکرا کر خوش دلی سے پوچھا۔
"اور پھر کیسا لگا گلفام؟" اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا، وہ اس کی طرف سے کسی مثبت جواب کے یقین میں تھے۔
گو کہ وہ عمل کو کافی پسند آیا تھا، لیکن فوری طور پر اس نے اپنی پسندیدگی کا اظہار نہیں کیا، بلکہ ان کے سوال کے جواب میں ایک اور سوال پوچھ بیٹھی۔
"جعفر بھائی یا کسی طرح یہ پتا کیا جا سکتا ہے کہ گلفام بھائی کے سرکل میں کون کون ہے میرا مطلب ہے یہ جاننا بھی تو بہت ضروری ہے کہ ان کی سوشل لائف کیسی ہے۔" جعفر بھائی ایک دم خاموش ہو گئے۔
وہ تو یہ سمجھ رہے تھے کہ عمل اپنے یہاں آنے پر پچھتاوے کا اظہار کرے گی اور کہے گی آپ نے ابرار بھائی کو بالکل صحیح مشورہ دیا تھا، میں نے بلاوجہ آپ کو اور اپنی بیوی کو پریشان کیا۔ وغیرہ مگر یہاں تو اس کے سوال سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ابھی تک اس کے ذہن میں الجھن چل رہی ہے۔
اسی لیے وہ قدرے چڑ کر بولے۔
"اب بھلا یہ کیسے پتا چل سکتا ہے عمل اور پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ اس کی سوشل لائف کیسی ہے، یہاں اس آزاد کی فضاؤں میں رہ کر بہت ساری باتوں کو اپنانا پڑتا ہے جنہیں پاکستان میں بہت معیوب سمجھا

جاتا ہے۔"
"لیکن یہ باتیں پاکستان سے چند دنوں کے لیے آنے والے نہیں سمجھتے، یہ صرف یہاں رہ کر سمجھ میں آتی ہیں۔"
عمل کو ان کی منطق بڑی ناگوار گزری تھی مگر وہ اس کا اتنا خیال کر رہے تھے کہ وہ انہیں کوئی سخت بات نہیں کہنا چاہتی تھی تب ہی رسانیت سے بولی۔
"کون یہاں کیسے رہتا ہے اور یہاں کیا کیا کرتا ہے مجھے اس سے کوئی سروکار بھی نہیں۔
مجھے صرف اپنی کزن کی فکر ہے، یہ اس کی زندگی کا سوال ہے، اگر خدانخواستہ گلفام یہاں شادی شدہ نکلا یا بغیر شادی کے ہی اس کی کوئی گرل فرینڈ ہوئی اور وہ یہاں کے کلچر کے مطابق اس کے ساتھ رہتا ہو تو؟"
عمل کا لہجہ آخری جملے تک کمزور سا ہو گیا تو جعفر بھائی بھی ٹھنڈے پڑتے ہوئے کہنے لگے۔
"وہ تو ٹھیک ہے، لیکن یہ سب کیسے پتا کیا جا سکتا ہے، اس کے آفس میں میرا کوئی جاننے والا نہیں، جس کے ذریعے میں یہ ساری انفارمیشن نکلوا لوں۔
ایسے ہی کسی سے پوچھنے کھڑا ہو جاؤں گا تو وہ کچھ بتائے گا نہیں، بلکہ کسی کو کچھ پتا بھی نہیں ہو گا جو بتا سکے۔
دیکھنے اور بات کرنے میں وہ ایک سمجھا ہوا پڑھا لکھا انسان لگ رہا ہے، آگے لڑکی کا اپنا نصیب بھی ہوتا ہے۔
پاکستان میں ارینج میرج نہیں بلکہ لو میرج میں بھی دھوکے ہو جاتے ہیں۔
یہاں کا جو سب کچھ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے، اتنی بڑی فرم میں اتنی بڑی پوسٹ پر ہے یقیناً ذہین اور محنتی ہو گا۔
یہ کوئی پاکستان نہیں ہے جہاں سفارش سے سب کچھ مل جائے، یہاں جان مارنی پڑتی ہے اتنا کچھ اچیو کرنے میں۔" عمل کو ان کا ہر بات میں پاکستان سے موازنہ کرنا بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا، مگر وہ صبر کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔
لیکن اسے خاموش دیکھ کر وہ خود ہی تھوڑی دیر بعد قدرے بہتر لہجے میں پوچھنے لگے۔
"کیا تم اب بھی مطمئن نہیں ہوئی ہو اس رشتے سے۔" ان کے سوال پر وہ خود سوچ میں پڑ گئی۔
گلفام بلاشک و شبہ اسے پسند آیا تھا، لیکن کہیں کوئی چیز تھی جو اسے کھٹک رہی تھی، لیکن وہ کیا چیز تھی یہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔
"کہیں تم ابرار سے یہ کہنے والی ہو کہ یہ شادی روک دی جائے۔" جعفر بھائی نے اس کی خاموشی کا مطلب اخذ کرتے ہوئے کہا تو عمل چونک گئی۔
"یہ میں نے کب کہا؟"
"I am not stupid i can understand it." جعفر بھائی نے اسٹیئرنگ گھماتے ہوئے موڑ کاٹا، اب ایک بار پھر عمل کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا بولے تو وہ خود ہی کہنے لگے۔
"یہ شادی بہت جلدی میں طے پائی گئی ہے۔ فوراً ہی رشتہ طے کر کے فوراً ہی تاریخ رکھ دی، وہ بھی ایک مہینے بعد کی۔ ورنہ میں نے تو ابرار سے کہا تھا کہ تم ایک دفعہ خود آکر مل لو، اگر کل کلاں کچھ ہو گیا تو میں مشکل میں آجاؤں گا۔ Eve ryone will blqme me لیکن ابرار کے پاس ٹائم ہی نہیں ہے، وہ تو کہہ رہا تھا وہ مرزا صاحب (گلفام کے والد) کو بھی زیادہ نہیں جانتا صرف کاروباری واقفیت ہے۔
اس نے ان کے منہ سے ان کے بیٹے کی بہت تعریفیں سنی تھیں تو جب انہوں نے رشتے کی بات کی ابرار اسی وقت نیم رضامند ہو گیا تھا۔
مجھے بھی اس نے بس رسمی سا فون کیا تھا، بس ایک بار جا کر گلفام کو دیکھ لینے کے لیے۔

ایسا کیا مجھے وہ کافی اچھا لگا۔ میں نے ابرار کو فون کر کے بتا دیا اور اس نے فوراً ہی ہاں کر دی۔ اسی لیے مجھے نہیں لگتا کہ اگر بغیر کسی ٹھوس وجہ کے تم ابرار سے انکار کرنے کو کہو گی تو وہ منع کر دے گا۔
ہاں اگر کوئی خامی تم نے ایسی دیکھی ہو تو ضرور ابرار غور کرتا۔ مگر.....
"I hope you understand what i mean" جعفر بھائی کہتے چلے گئے۔
نمل بڑے دھیان سے انہیں سنتی رہی پھر بہت ٹھہر ٹھہر کر بولی۔
"گلفام بھائی واقعی اچھے ہیں' میرا یہاں جا کر انکار کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" نمل نے واضح طور پر جعفر بھائی کے چہرے پر اطمینان اترتے دیکھا تھا۔
واقعی ابرار بھائی نے ان پر بہت بڑی ذمہ داری ڈال دی تھی' اب اگر نمل واپس جا کر گلفام کے بارے میں کوئی منفی بات کہتی تو الزام تو سارا جعفر بھائی پر ہی آنا تھا کہ شادی میں اتنا کم وقت رہ گیا اور ابرار بھائی کو انکار کرنا پڑا۔
اور پھر واقعی اس کے پاس کوئی ٹھوس وجہ تو نہیں تھی' وہ بھی رومیلہ کی طرح بس دل نہیں مان رہا۔ تو نہیں کہہ سکتی تھی خاص طور پر رومیلہ کے سامنے جو صرف اس کی رائے کی منتظر تھی۔
چنانچہ اس نے ابھی سے اپنا ذہن تیار کرنا شروع کر دیا کہ جو بھی ہو رہا ہے' صحیح ہو رہا ہے' تاکہ رومیلہ کے سامنے وہ بالکل مطمئن چہرے کے ساتھ جا سکے۔
اور یہ سب کرتے ہیں اسے زیادہ محنت بھی نہیں کرنی پڑی' ہوٹل واپس آ کر شام تک ہی وہ کافی پرسکون ہو گئی تھی' بلکہ رومیلہ کو چھیڑنے کے طریقے بھی سوچ لیے تھے۔
جعفر بھائی کہہ گئے تھے کہ وہ ہی اسے ایئرپورٹ چھوڑ دیں گے۔ لہٰذا وہ اس طرف سے بھی مطمئن ہو گئی تھی۔ جعفر بھائی نے واقعی اس کی بہت مدد کی تھی ورنہ یہاں آتے ہی فوری طور پر تو وہ بہت پریشان ہو گئی تھی۔
رات میں ایئرپورٹ پر ان سے الوداع ہوتے ہوئے اس نے بڑے دل سے ان کا شکریہ ادا کیا تھا۔
"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کن الفاظ میں آپ کو بتاؤں میں یہاں آ کر کتنی پریشان ہو گئی تھی۔ بھابھی سے بھی میں نے جو کچھ کہا شاید وہ سب اسی پریشانی میں کہہ دیا تھا۔
میں یہ تو نہیں کہوں گی کہ جو انہوں نے کہا تھا وہ ٹھیک تھا' مگر مجھے ایسے ری ایکٹ نہیں کرنا چاہیے تھا' آپ میری طرف سے ان سے شرمندگی کا اظہار کر دیجیے گا' میں انہیں فون کر کے پریشان نہیں کرنا چاہتی۔" نمل کے مشکور لہجے پر وہ سنجیدگی سے اسے دیکھتے رہے' پھر بڑے عجیب سے انداز میں بولے۔
"پاکستان ذرا ذہنی طور پر تیار ہو کر جانا' ہو سکتا ہے۔ تمہیں وہاں لوگوں کا شدید رد عمل دیکھنے کو ملے۔"
"کیا مطلب؟" نمل کچھ بھی نہیں تو وہ گردن ہلاتے ہوئے ایسے ادھر ادھر دیکھنے لگے جیسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو جو کہنا ہے وہ کن الفاظ میں کہیں۔
"آپ... ابرار کا فون آیا تھا۔ وہ... بہت زیادہ غصے میں تھا۔ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئے۔" نمل یک ٹک سوالیہ انداز میں انہیں دیکھے گئی۔
"ثمرین نے ابرار کو فون کیا تھا اور تمہارے لیے بہت سخت الفاظ استعمال کیے تھے۔ تو obviously ابرار بہت زیادہ بھڑک اٹھا۔
مجھے بھی اس نے فون پر کافی کچھ سنا دیا۔"
"کیا کہا آپ کو؟" نمل کو ایک شاک سا لگا تھا۔ ثمرین کی زبان کتنی خراب تھی' وہ دیکھ ہی چکی تھی' پتا نہیں اس نے ابرار بھائی سے کیا کچھ کہہ دیا ہو گا۔

"وہ چھوڑو' لیکن الٹے تمہارے یہاں محض گلفام سے ملنے آنے پر سخت غصہ ہے۔" وہ پہلو تہی کرتے ہوئے بولے تو نمل اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہنے لگی۔
"کیا کہا انہوں نے آپ کو۔"
"اتنا کچھ غلط نہیں کہا' اس نے غلطی تو میری ذات کی ہے کہ میں نے سوچا جیسے میری سوچ صاف ہے ایسے دوسروں کی بھی ہو گی۔
اس نے وہ ہی پوچھا تھا کہ میں تمہیں اپنے گھر کیوں لے کر گیا' جب میں گھر پر اکیلا تھا۔" نمل ششدر سی انہیں دیکھے گئی۔
کیسی گانٹھ تھی اس ایک سوال میں۔ جب یہ سوال اس کے سامنے دہرایا جائے گا تو وہ کیسے برداشت کرے گی۔
"تم فلائٹ میں بیٹھ جاؤ' پھر میں اب میں ابرار کو بتاتا کہ میری بیوی کی نائٹ ڈیوٹی ہے اور اتنی رات گئے تمہیں ایئرپورٹ سے پک کر کے ہوٹل میں چھوڑ آتا۔
اگر ثمرین نے وہ سب نہ کہا ہوتا اور تم خود جانے کی خواہش ظاہر نہ کرتیں تو میں اب بھی تمہیں ہوٹل نہ بھیجتا۔"
جعفر بھائی وضاحت دینے والے انداز میں بولے' وہ تو جیسے سکتے کے عالم میں کھڑی تھی' کچھ بھی بولنے کے قابل نہیں تھی۔
"تمہاری فلائٹ کا اناؤنس منٹ ہونے والا ہے' تمہیں اب جانا چاہیے۔" جعفر بھائی نے اسے چونکاتے ہوئے کہا تو وہ انہیں اللہ حافظ کہے بغیر مشینی انداز میں جانے کے لیے مڑ گئی۔
اسے لگ رہا تھا اس کے قدم اس کا ساتھ نہیں دے رہے' کتنا بڑا الزام تھا جو اس پر لگ گیا تھا۔
ابرار بھائی کس قدر غصے میں ہوں گے' اس کا اسے بخوبی اندازہ تھا' اگر اس کا فون کام کر رہا ہوتا تو وہ اسے لتاڑ کر رکھ دیتے۔
اسی لیے انہوں نے اپنی بھڑاس جعفر بھائی پر نکالی تھی' لیکن اسے یقین تھا انہوں نے صرف اتنے پر ہی بس نہیں کیا ہو گا' بلکہ عظمت خلیل کو بھی فون کھڑکا دیا ہو گا۔ جس کے بعد عظمت خلیل نے ہمیشہ کی طرح اپنے اندر کی ساری کھولن رشیدہ پر الٹ دی ہو گی۔
رشیدہ کا خیال آتے ہی وہ ایسے تیز تیز قدموں سے اندر کی طرف بڑھنے لگی جیسے اس کے تیز چلنے سے جہاز بھی اسے تیزی سے اس کی ماں کے پاس پہنچا دے گا۔
اور پھر سارے راستے اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہلتے رہے' وہ اچھی خاصی تھکی ہوئی تھی' پھر بھی اتنے لمبے سفر میں وہ ذرا سی دیر کے لیے بھی نہیں سو سکی' اس کی زبان پر بس ایک ہی دعا تھی۔
"اللہ تعالیٰ ابرار ابو' امی کو کچھ نہ کہیں' اے میرے پروردگار! میری ماں کو میری وجہ سے کچھ سہنا نہ پڑے۔"
بس کچھ ایسا کر دے کہ وہ کسی اور طرف متوجہ ہو جائیں اور میری ماں ان کے عتاب کا نشانہ بننے سے بچ جائے۔
یہ دعا مانگتے مانگتے اس کی پلکیں تک بھیگ گئی تھیں۔ مگر زبان خشک نہیں ہوئی تھی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☆ ☆

شاہدہ ملک

گردشِ دوراں

ماسی سکھاں پیپل کی ٹھنڈی چھاؤں میں چارپائی پر بڑا اطمینان خاصی دیر سے پوتے، پوتیوں کو تیاری کرتے دیکھ رہی تھی۔ کل ہی اسکول سے چھٹیاں ہوئی تھیں۔ اور آج انہوں نے ننھیال کے لیے تیاری پکڑی تھی، جو اب آخری مراحل میں تھی۔

"اماں تو نے اپنی کپڑوں کی گٹھری لے لی۔" اس کے بیٹے معراج نے کمروں کو تالا لگانے سے پہلے پوچھا تو وہ حیران رہ گئی۔

"اے ہے پتر میں نے کہاں جانا ہے۔"

"پر اماں تو یہاں اکیلی کیسے رہ سکتی ہے؟"

"تو اپنے بال بچے چھوڑ کر واپس آجانا، تیرا سسرال میں کام کیا ہے؟" سکھاں نے اس مسئلے کا آسان حل پیش کیا تھا۔

"اے لو اب چلتے وقت پہ رولا پڑ گیا۔" اس کی بہو نے کچھ نخرے کہا تھا۔

"اماں معراج کا مطلب ہے کہ تو اپنا سامان لے کر کچھ دن بڑے بھاء کے پاس چلی جا۔" بہو نے وضاحت کی تھی۔

"چل بیگماں! اماں کی پوٹلی نکال انہیں بھاء کی گلی میں چھوڑتے ہوئے جائیں گے۔" معراج نے ماں کا فیصلہ لے بغیر حتمی لہجے میں بیوی سے کہا تو سکھاں لاچاری سے بیٹے کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"مجھے پتا کہ تین بھائیوں کے ہوتے ہوئے تو نے ماں کو اپنے ہوئے بٹھالیا ہے۔" سکھاں کے کانوں نے اس کے جوائی کی تیز آواز سنی تھی۔ سکھاں نے بڑے بیٹے کے گھر جانے کے بجائے اکلوتی بیٹی کے گھر کا انتخاب کیا تھا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ معراج چند دن سسرال میں بچوں کے ساتھ گزار کر واپس آجائے گا مگر وہ؟

"ماں ہے وہ میری۔" اس نے اپنی بیٹی صغراں کی آواز سنی تھی۔

"ماں ہے نا وہ تیری تو پھر اپنے بھائیوں کے ساتھ فیصلہ کر کے اسے یہاں رکھ۔"

"کیسا فیصلہ؟" صغراں کی آواز میں بے زاری تھی۔

"آج اگر وہ ماں کو رکھنے کے لیے تیار نہیں ہیں تو مرنے کے بعد بھی کوئی حق نہیں جتائیں گے اس کا جنازہ یہیں سے اٹھے گا۔"

"تب کی تب دیکھی جائے گی مراد۔" صغراں تنگ کر کہہ رہی تھی۔

"نہیں تب بھی دیکھی جائے گی۔"

"زندگی میں نہیں مرنے کے بعد کا پہلے سوچ لیا جائے۔" لیکن یہ تو ایک بہانہ تھا۔ مراد ساس کو کسی بھی صورت نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ بحث بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ سکھاں نے پوٹلی اٹھائی اور بشیر کے گھر جا پہنچی جو پچھلی گلی میں تھا۔

"ہم کیوں رکھیں اپنے پاس۔ ساری عمر اس کے نبر کی سیوا میں گزار دی، دیوروں کی شادیاں کیں، روزگار لگوائے، نند کو رخصت کیا۔ اب جب وہ سب اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے ہیں تو ایک ماں کو نہیں سنبھال سکتے۔" بشیر کی بیوی بس نہ چل رہا تھا کہ وہ سکھاں کو برآمدے کے باہر بچھی چارپائی پر بیٹھنے کی مہلت دے۔

"ماں ہے تم لوگوں کی، اور یہ گھر اس کا ہے۔" اس وقت سکھاں کی بھتیجی زہرہ اپنے کسی کام سے آئی تو سکھاں کی حمایت میں بول اٹھی تھی۔

"تو کون سا ہم اکیلوں کی ماں ہے اور بھی تو اولاد ہیں اس کی۔" بانو کے پاس تو ہر بات کا جواب تھا۔

"پھوپھو میں تو تجھے صلاح دیتی ہوں تو نوار کے پاس چلی جا۔" زہرہ نے اپنے بھائی کا نام لیا جو دوسرے شہر میں رہتا تھا۔ اور سکھاں کے پاس اس بات پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اوپر تک زہرہ نے

ایک بچے کو اس کے ساتھ بھیجا جو اسے ٹیکسی میں بٹھا کر گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

گاڑی آگے کی طرف بڑھ رہی تھی اور سکھاں کی سوچ کا دھارا پیچھے کی طرف سفر کر رہا تھا۔ سکھاں کا شوہر فقیر محمد بھتیجے کے ساتھ بنے ہوٹل پر کام کرتا تھا۔ یہ ہوٹل ہائی وے کے قریب گاؤں سے ذرا ہٹ کر تھا۔ بمشکل اتنی آمدنی ہوتی کہ چھ جانوں کی روٹی پوری ہوتی، بڑا بشیر ایک ورکشاپ پر کام سیکھ رہا تھا۔ اس کو مزدوری کے نام پر چند سو ملتے۔ ان حالات میں صغراں کی شادی سر پر آن پہنچی۔ مگر کچھ انتظام نہیں ہو پا رہا تھا۔

"ابی جی جہیز میں نے کہا ذرا بھاء فقیر محمد کی طرف چکر لگا کر سیاریوں کا حال احوال لے لیں، آخر کو دھی والے ہیں، ونا ولانا بھی ہوگا۔" صغراں کی ہونے والی ساس ______ پر کہہ رہی تھی۔

"ہاں، سب ہی دیکھ لیں۔ اباجی نے میرے شوہر کو سلامی میں سکوٹر دیا تھا۔"

"اور جہیز میں تو کیا، میری دھی کے لیے دو کڑے علیحدہ سے زیور راست کے ساتھ بنوائے تھے کہ اکلوتی نند ہے، گزارہ کرے۔" صغراں کی ساس نے بسکٹ چائے میں بھگو کر نگلتے ہوئے بہو کی تائید کی تو سکھاں کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا تھا۔

"میں سکھی کا فضل دین سے بات کرتا ہوں کہ کچھ ادھار دے دے۔" سکھاں نے شام کو ساری صورت حال بتائی تو وہ پرسوچ انداز میں بولا تھا۔ ہوٹل سے بجھتے کے منشی کو روزانہ کھانا پہنچانے کا کام فقیر محمد کے سپرد تھا۔

"پہلی کی پہلی وہ ملازموں کی تنخواہ نکلوا کر لاتا ہے، تھوڑی بہت اونچ نیچ ان کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"تھوڑی سی اونچ نیچ کرکے وہ چند ہزار روپے نہیں دے دے گا تو اس سے کیا بنے گا۔" سکھاں نے اس کی بات کو قطعی طور پر رد کر دیا تھا۔

"تو پھر کیا کریں؟" فقیر محمد نے چڑ کر پوچھا تھا۔

"ایک حل ہے میرے پاس اگر تو مان لے۔" سکھاں نے پرسوچ انداز میں کہا تھا۔

"ہاں ہاں بول۔" فقیر محمد نے جلدی سے کہا تھا۔

"وہ تو کہہ رہا ہے کہ پہلی تاریخ کو فضل دین [illegible]۔" سکھاں فقیر محمد کا چہرہ جانچتے ہوئے بتانے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

مائی سکھاں کے تینوں بیٹے اور بیٹی — بڑے بھائی بشیر کے گھر جمع ہوئے تھے۔ محلے کے دو تین معزز افراد بھی جمع تھے۔ جائیداد کی تقسیم کا معاملہ زیر غور تھا۔

"آپ لوگ زمین تقسیم کریں مگر اس سے پہلے ماں کو برابر حصوں میں ضرور تقسیم کر لیں، جو دربدر بھٹکتی پھر رہی ہے۔" محلے کے ایک سفید پوش شخص نے اچانک ہی ذکر شروع کیا تھا۔ تینوں بھائیوں کے سر جھک گئے مگر کوئی بھی ماں کی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار نہیں تھا۔ مگر معززین کے بیچ اب [illegible] دامن بچا بھی نہیں سکتے تھے۔ فیصلہ کیا گیا کہ ایک ایک مہینہ تینوں بیٹے اور بیٹی ماں کو اپنے پاس رکھیں گے مگر پہلے یہ ذمہ داری کون لے، اس بات پر بھی بحث اٹھ کھڑی ہوئی۔ حیرت کی بات تھی کہ چاروں بہن بھائیوں میں تمام معاملات پر اتفاق رہتا تھا مگر ماں کے ذکر پر ایک [illegible] کی بات پر اختلاف شدید ہوتا۔ پھر [illegible] فیصلہ ہوا، سب سے پہلے قرعہ فال صغراں کے نام نکلا تھا۔

سکھاں اپنے بھتیجے زوار کے گھر میں رہ رہی تھی۔ بظاہر تو تمام گھر والوں کا سلوک اس کے ساتھ اچھا تھا۔ مگر اندر ہی اندر انہیں یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ کہیں سکھاں کے بیٹے اس کی خبر نہ لیں اور اس کا مستقل ڈیرہ یہیں لگ جائے۔ گیارہویں دن قرعہ فال کے مطابق معراج اسے لینے آ گیا اور پنچایت میں ہونے والے فیصلے سے ماں کو آگاہ کرکے چلنے کا عندیہ دیا تھا۔

"ماں آج پوہ کی پانچ تاریخ ہے، ماہ کی پانچ تاریخ کو تو نے بڑے بھاء کے گھر جانا ہوگا، یاد رکھنا۔" اس نے انتہائی اکھڑ لہجے میں تیسری چوتھی مرتبہ ماں کو یاد دلایا تھا۔ لوگ بچوں کے ماں کے ساتھ ناروا سلوک پہ حیران ہوتے ہیں مگر سکھاں حیران نہیں ہوتی، بچوں کی پرورش حق اور ناحق، حرام اور حلال کی تفریق نہ کرنے والے یہ امید کیسے رکھ سکتے ہیں کہ اولاد حقوق اور فرائض کی پہچان رکھے گی۔

صغراں کی شادی بھی دھوم دھام سے ہو گئی تھی۔ بشیر ورکشاپ کا کام سیٹ کرکے سعودیہ چلا گیا تھا۔ فقیر محمد کے بھی حالات درست ہو گئے تھے۔

مگر فضل دین دس سال کے لیے فراڈ اور غبن کے کیس میں جیل چلا گیا تھا۔ حواس باختہ فضل دین کو کبھی خیال نہ آیا کہ شام کا کھانا کھاتے ہی اس پر شدت سے نیند کا غلبہ کیوں ہوا تھا۔ البتہ وہ بار بار سوچتا رہا کہ اس رات اس کے سیف سے پانچ لاکھ کیسے غائب ہوئے جبکہ سیف لاک تھا اور چابیاں اس کے تکیے کے نیچے تھیں۔

فضل دین کی بوڑھی ماں بیٹے کی رہائی کا انتظار کرتے کرتے دنیا سے چلی گئی تھی۔ اور اس کی اکلوتی بچی کے سر میں چاندی اترنے لگی تھی۔

مگر سکھاں اور فقیر محمد نے کسی کی دنیا تاریک کرکے اپنے گھر کو روشن کر لیا تھا۔ یہ راز راز ہی رہا۔

عمر کے آخری حصے میں مائی سکھاں پر ایک حقیقت تو واضح ہو چکی ہے کہ کیکر کے درخت سے گلاب کی قلم تراشنا حماقت ہے۔

کانٹوں کی فصل بو کر صرف پاؤں زخمی کیے جا سکتے ہیں۔ اس کی کاشت سے — پھولوں کی سیج سجتی ہے اور نہ ہی فضا خوشبو سے معطر ہوتی ہے۔

☼ ☼

نایاب جیلانی

مکمل ناول

گلابی رات صبح نوخیزی کی چادر میں جا چھپی تھی۔ اس نے دریچے سے کھڑکی کے پٹ کھولے اور پردے ہٹا دیے۔ اس کی آنکھ صبح صادق کے وقت ہی کھل چکی تھی۔

اس وقت ہر سو اندھیرا تھا اور اس مدھم اندھیرے کا اپنا ہی ایک حسن تھا۔ دلکشی تھی اور اس نقرئی مدھم مدھم رات اور دن کے ملاپ کا حسن صرف وہی محسوس کر سکتا تھا جسے صبح خیزی کی عادت تھی۔ جو ان مقدس ساعتوں اور پاکیزہ گھڑیوں میں رب کائنات کی حمد و ثنا کا لطف اٹھاتے تھے۔ حریم جمال انہی لوگوں میں سے تھی۔ جو گلابی راتوں کے اختتام پر رب ہر جہاں کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے اٹھتے تھے۔ وہ غسل کے بعد نماز ادا کر چکی تھی۔ اس کے کمرے میں قرآن پاک بھی موجود تھا۔ سو اس نے تلاوت کلام پاک بھی کر لی تھی۔

اب وہ انتظار کر رہی تھی ماہیر عالم کے اٹھنے کا۔ اس کی بند آنکھوں کے کھلنے کا۔ وہ اس کے برابر میں بے خبر سویا ہوا تھا۔ کیسی بے فکری کی میٹھی اور بے حد میٹھی نیند تھی۔ رات کو ہی تو وہ حریم کو اپنی مست نیند کے متعلق بتا رہا تھا۔ وہ بہت گہری نیند سوتا تھا۔ بستر پر لیٹتے ہی نیند آجاتی تھی۔ اس [illegible] کے ساتھ ماہیر نے اسے بتایا تھا کہ وہ [illegible] کو بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ جتنی گہری نیند وہ سوتا تھا اور اسے جگانے پکارنے [illegible] سے اس کی آنکھیں کھل جاتی تھیں۔

حریم نے ابھی تک اسے جگانے کا تجربہ کر کے نہیں دیکھا تھا۔ بلکہ اس نے تو ابھی تک ماہیر کو غور سے تو کیا سرسری سا بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کی طرف نگاہ اٹھنے سے پہلے ہی دھڑکنیں سینے میں اودھم مچا رہی تھیں۔ من مندر میں سریلی گھنٹیاں بجنے لگتیں۔ اس کا اور ماہیر کا سالوں پر نہیں صدیوں پر محیط رشتہ تھا۔ وہ اس کی کچی عمر کا خواب تھا، اوائل عمری کا عشق تھا۔ وہ تو پہلی مرتبہ ماہیر کا نام سن کر ہی چپکے چپکے اس کے عشق میں فنا ہونے لگی تھی۔

منگنی کے بعد ان چھ سات سالوں میں کئی مرتبہ ماہیر سے سامنا ہوتا رہا تھا۔ [illegible] آج تک سر جھکائے اور نظروں پر پہرے بٹھائے ہوئے تھی۔ حالانکہ ماہیر نے کئی [illegible] بات کو اس کے بارے میں چٹکیاں بھر کر [illegible]

"[illegible] دیکھو نا ۔۔۔ میں تمہارے جتنا [illegible] اتنا بھی برا نہیں ہوں۔ ذرا دیکھو تو [illegible] سے گڑگڑانے لگا تھا اور وہ نظریں جھکائے [illegible] اس کی ہنسی میں کتنی کھنک تھی اور چہرے پہ کس قدر نازکی اور شگفتگی تھی۔ ماہیر کتنے ہی پل بے خود سا اسے دیکھتا رہا۔ اور اب اس وقت حریم بے خود سی ماہیر کو دیکھے جا رہی تھی اور اس کا دل چاہ رہا تھا کہ یہ گھڑیاں یہ پل یہ لمحے رک جائیں ٹھہر جائیں۔ حالانکہ ایسا ہو تو نہیں سکتا تھا مگر وہ اپنے دل کا کیا کرتی جو ایسی انہونیوں کے لیے ہمہ وقت خوش گمان رہتا تھا۔

ماہیر کی آنکھیں بہت خوب صورت اور

خواب ناک سجھا ہی یا پھر حریم کو ہی وہ اتنا اچھا اس قدر دل کے قریب لگا تھا۔ اس کی رنگت صاف اور چمکتی ہوئی تھی۔ بال گھنے اور پیچ دار تھے۔ وہ مضبوط کاٹھی کا بلند قامت خوش شکل نوجوان تھا۔

وہ ماہیر عالم تھا۔ جس کی ذکاوت، ذہانت اور نجابت کے قصے اکثر بابا کی زبان پر ہمہ وقت موجود ہوتے تھے۔ وہ کیسے اٹھتا، کیسے اٹھتا اور کیسے چلتا ہے۔ شاید وہ اپنے باپ کا پوتا تھا اور بابا اس میں اپنے مرحوم دوست کی جھلک دیکھتے تھے۔

"ایسے بیٹے ماں باپ کا فخر ہوتے ہیں۔ باپ کے برابر چلیں تو جسے میں موجود دل جذبوں کی گرمی سے بھر جائے۔ تحفظ کا احساس دلاتے ایک ان دیکھا مان اور سائبان جیسے بیٹے۔" بابا کی آنکھوں میں ماہیر کے لیے محبت کی ہی نمی چھلکنے لگتی تھی۔ کچھ ایسی عجیب سی محبت ان باپ بیٹی کو ماہیر عالم سے تھی۔

یہ اس کی قربتوں کی محویت تھی یا نرم گرم جذبوں کی تپش۔۔۔ ماہیر نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ وہ کہنی کے بل ذرا سا اونچا ہو کر پہلے اسے اور پھر کلاک کی طرف دیکھ کر اچھل پڑا۔

"صبح بخیر۔" مسکراہٹ اجالا بن کر حریم کے لبوں پر سج گئی۔

"بخیر۔۔۔ بخیر۔" وہ چادر ہٹائے ادھر ادھر دیکھتا کھڑا ہو اٹھا پھر دوبارہ بیڈ پر اس کے قریب ڈھے گیا۔

"نکل گیا۔۔۔ نکل گیا۔" اس کی نظریں کھڑکی کی درزوں سے چھن چھن کر آتی سنہری دھوپ پر تھیں۔

"ماہیر! کیا ہوا ہے؟" وہ قدرے گھبرا کر اس سے بولی۔

"نماز کا وقت نکل گیا۔ تم نے مجھے جگایا کیوں نہیں۔ سارا ثواب خود سمیٹتی رہیں۔ آج تمہارے ساتھ چوتھی صبح ہے اور یہ تیسری نماز قضا ہوئی ہے۔" وہ انگلیوں پر گنتے ہوئے سارا قصور اس کے نام لکھ چکا تھا۔

"مجھے کیا پتا کہ آپ نماز پڑھتے ہیں۔" وہ کچھ جھینپ مٹانے کے لیے بولی۔

"کیوں بھئی کیا میں مسلمان نہیں ہوں۔" اب وہ زبردستی اس کے بازو کو کھینچ کر اس پر سر رکھے لیٹ چکا تھا۔

"مجھے کیا خبر، آپ نام کے مسلمان ہیں یا پکے والے۔"

"ہیں۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی۔" وہ واقعی حیران ہوا تھا۔

"یہ پکے مسلمان کون سے ہوتے ہیں؟" اب وہ شرارت سے حریم کی سیاہ چمکیلی بوجھل بوجھل پلکوں والی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ اس کا ہاتھ حریم کے بالوں میں گردش کر رہا تھا۔ وہ اک سرور بخش احساس کے تحت چند پل خاموش رہی۔

"پکے مسلمان وہ ہوتے ہیں جو اللہ کے احکام پورے دل اور روحانی خوشی کی چاہ میں ادا کرتے ہیں۔"

"اللہ کا شکر ہے۔ میں پکے والے مسلمانوں میں سے ہوں۔" اس نے شرارت سے حریم کی صبیح پیشانی پر انگلی سے ماہیر لکھا اور وہ اس عمل کو لاشعوری طور پر بار بار دہرا رہا تھا۔

"ماہیر! یہ کیا کر رہے ہیں۔" کچھ دیر بعد وہ ماہیر کی اس حرکت کو نوٹ کر چکی تھی۔

"اپنا نام تمہارے ماتھے پر [illegible] کی کوشش کر رہا ہوں۔" وہ حریم کے کان [illegible] بولا۔

"تاکہ پوری دنیا کو خبر ہو جائے کہ تم ماہیر کی ہو چکی ہو۔"

"یہ [illegible] بات ہوئی۔" وہ اس بچگانہ منطق کو سن کر [illegible]

"[illegible] بھی تھوڑی ہے۔ احباب نے ولیمہ کھایا ہے اور کسے "باخبر" کرنا چاہتے ہیں؟"

"اپنے دل کو۔" وہ اس کا نرم گداز سفید موی ہاتھ اپنے دل کے مقام پر رکھ کر گمبھیر آواز میں بولا۔

"اس کمبخت کو یقین کیوں نہیں آتا کہ ماہیر عالم سب سے خوب صورت اور حسین ترین جزیرے کو اپنے نام لکھوا چکا ہے۔"

"اوں۔۔۔ ہوں۔" وہ اس کی جذباتی پیش قدمی پر مزاحمت کرتے ہوئے قدرے دور ہٹی۔

"اٹھ کر شاور لیجیے اور قضا نماز ادا کریں۔ نیچے بھی سب اٹھ چکے ہوں گے۔"

"ہمیں نیچے والوں سے کیا لینا دینا۔" وہ حریم کو ایک مرتبہ پھر اپنی طرف کھینچتے ہوئے بولا۔

"کیا کہا ہے۔ پھر سے بولیے۔" حریم حیران ہی تو رہ گئی۔

"کچھ نہیں یار! مذاق کر رہا ہوں۔" وہ ہنسا۔

"امی نے سنا تو [illegible] جھاڑ دیں گی۔ دو دن میں جادوگرنی نے [illegible] ہے۔"

"جادوگرنی کسے کہا ہے؟" حریم نے خفگی سے پوچھا۔

"تمہیں۔" وہ ایک مرتبہ پھر اسے بازوؤں کے حصار میں لے چکا تھا۔

"جادو کرنے والی کو کچھ اسی نام سے پکارتے ہیں نا۔ کیسا سحر پھونکا ہے میرے ناتواں دل پر۔ کسی کام کا نہیں رہا۔ تمہارے بغیر بلکتا رہے گا بے چارا آخر تلاش معاش کے لیے باہر بھی تو نکلنا ہے۔"

"تو اپنے بے چارے سے دل کو میرے پاس چھوڑ جایا کیجیے گا۔ مجھے بھی اطمینان رہے گا۔" حریم [illegible] ایک سرشاری کے عالم میں بولی۔

"کیسا اطمینان؟" اس کے گلے میں جھولتی چین ماہیر کے ہاتھ لگ گئی تھی۔ یہ چین زمیلہ (نند) نے پہنائی تھی۔ اب وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

"یہی کہ آپ کا بے چارا دل کسی اور کا اسیر نہ ہو جائے۔"

"یہ دل جو ماہیر کے سینے میں دھڑک رہا ہے یہ کسی اور کا کبھی بھی اسیر نہیں ہو سکتا۔ وعدہ رہا، یہ تمہارا ہے، تمہارا تھا اور تمہارا ہی رہے گا۔" چین میں لٹکتے لاکٹ میں نہ ایچ تھا نہ ایم تھا۔ اس میں سفید دل سے فیڈ لکھا تھا۔ ماہیر نے ہاتھ سے ٹٹول کر چین کا لاک کھول دیا تھا۔ حریم حیران تھی کہ ماہیر کیا کر رہا ہے [illegible] والا ہے۔ اب وہ چین ماہیر کے ہاتھ [illegible] اور کچھ ہی پل میں اس کے تین چار حصے ہو [illegible] وہ حق دق ہی تو رہ گئی تھی۔ ماہیر اب کروٹ لیے دراز میں سے کچھ نکال رہا تھا۔ وہ سرخ رنگ کا مخملی نیا نکور کیس تھا۔ جس میں سے سفید موتیوں سے سجی نفیس سی ایک لڑی کی چھوٹی سی مالا برآمد ہوئی تھی۔ ماہیر نے وہ مالا اس کی نازک سی دودھیا گردن میں یونہی لیٹے لیٹے پہنا دی۔

"یہ کیا ہے؟" وہ حیران سی پوچھ رہی تھی۔

"تمہاری رونمائی کا تحفہ!" وہ سادگی سے بتا رہا تھا۔

"یہ جیولر کی بے ایمانی کی وجہ سے لیٹ ہوا ہے۔ اس نے میری پسند کے ڈیزائن کو کسی اور کسٹمر کو سیل کر دیا تھا۔"

"مگر یہ تو بہت مہنگی ہو گی۔" حریم نے کچھ پریشانی کے عالم میں اپنی گردن میں موجود اس مالا کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"تحفے کی قیمت کو نہیں دیکھتے، دینے والے کی لگن، شوق، چاہ اور محبت کو دیکھتے ہیں۔" وہ اس کے گال سے اپنا گال رگڑ کر بولا تو ایک دم ہی حریم کو گزرتے وقت کا احساس ہوا۔

آپ سے لاؤنج میں ہوتے جا رہے ہیں یہ پہلے گولا باری نہ شروع ہو جائے۔" وہ پہلی صبح اپنی ساس کے صوفے سے بہت سے انداز سے لگا چکی تھی۔ جو کہ بدقسمتی سے سارے بے کار ثابت ہو رہے تھے تاہم اس خوب صورت تحفے اور روشن صبح کے اس دلنشین آغاز نے حریم کے ارد گرد روح افزا ماحول کر دیا۔

"تحفہ دینے والا" وہ راجب کی طرف دھیان دے کر تحفہ خریدے۔ میرے لیے اس دیالو شخص کی ایک مسکراہٹ سے بڑھ کر دنیا کا کوئی حسین گفٹ نہیں۔"

"تم تو بہت سستی سی چیز کی تمنا کر رہی ہو۔ مگر ڈیئر بیگم! میں ذرا مسکرانے کے معاملے میں کنجوس ہوں۔ باقی ہر معاملے میں تو تم نے دیکھ ہی لیا ہے۔ ہماری محبت کے عملی اور پرجوش مظاہرے۔" وہ ایک آنکھ دبا کر شرارتاً کہہ رہا تھا۔ حریم حیا اور شرم سے کٹ کر رہ گئی۔

"تم مجھے بڑی محبت سے دیکھ رہی تھیں نا؟" ماہیر بڑے وثوق سے پوچھ رہا تھا۔ وہ فوراً ہی مکر گئی۔

"کب؟"

"ابھی کچھ دیر پہلے۔"

"تو آپ جاگ رہے تھے۔" حریم نے مشکوک انداز میں اسے دیکھا۔

"میں گہری نیند میں سوتا ضرور ہوں مگر ارد گرد سے بے خبر نہیں ہوتا۔ چوری چوری دیکھنے سے کیا فائدہ۔ ہماری طرح بے باکی سے دیکھا کرو نا۔" اس نے حریم کو بری طرح گڑبڑا دیا وہ ہنس ہنس کر بے انتہا سرخ ہو گئی تھی۔ اسی پل دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ دروازہ ناک کرنے والا بڑے محتاط انداز میں دستک دے رہا تھا۔ شاید ماہیر کی نیند کے خیال سے یا پھر۔

"دروازہ کھولو۔" ماہیر نے اسے اشارہ کیا۔

"نہیں" میں نہیں کھولوں گی۔" وہ لیے گھنے اور بے تحاشا سلکی بالوں سے الجھنے لگی تھی۔ الجھے انداز میں انہیں سمیٹ کر کیچر لگا اور سنبھل کر سیدھی ہو گئی۔ اسی اثنا میں ماہیر بالکنی سے اٹھ کر بالکونی میں کھلنے والے دروازے سے باتھ روم کی طرف نکل گیا تھا۔ وہ ماہیر کو پکارتی ہی رہ گئی تھی اور پھر اٹھ کر دروازہ کھولا۔ سامنے فیفا کھڑی تھی۔ ماہیر کی پھوپھی کی اولاد بن۔ نام تو شاید اس کا عفیفا تھا مگر جہاں پر ہر طرف فیفا کی پکار ہی سنائی دی تھی۔ تیکھے نقوش اور گوری رنگت والی ہنستی مسکراتی شوخ سی فیفا اسے دیکھ کر مسکرائی۔

"گڈ مارننگ حریم۔"

"مارننگ۔" اسے کچھ کہنا ہی تھا۔

"آجاؤ۔" حریم نے ایک طرف ہو کر اسے گزرنے کے لیے راستہ دیا۔

"نہیں" تمہیں اور ماہیر کو بلانے آئی ہوں۔ مامی ناشتے کے لیے تم لوگوں کا انتظار کر رہی ہیں۔ فٹافٹ آجاؤ" تم تو فریش لگتی ہو۔ چینج کرنا ہے تو کر لو۔ اتنے میں ماہیر بھی اٹھ جائے۔" فیفا بہت تیز بولتی تھی۔ ایک ہی سانس میں روانی سے کہتی چلی گئی۔

"ماہیر شاور لے رہے ہیں۔ ہم بس نیچے آ رہے ہیں تقریباً دس منٹ تک۔"

"دس منٹ کا مطلب دس منٹ ہی ہونا چاہیے اوکے۔" وہ شائستگی سے کہتے ہوئے چلی گئی۔

"دروازے پر کون تھا؟" وہ تولیے سے بال رگڑتا کمرے میں داخل ہوا۔

"فیفا تھی۔ ناشتے کے لیے بلانے آئی تھی۔"

"ایک تو یہ فیفا سویرے سویرے نازل ہو جاتی ہے۔" "نہ جانے کیوں ماہیر کے لہجے میں ناگواری در آئی تھی۔ اسے ماہیر کا یہ تبصرہ کرتی سو خاموشی سے ماہیر کو بال بنانے اور پرفیوم اسپرے کرتے دیکھتی رہی۔ بہت خوش لباس تھا۔ بہت اچھی خوشبو میں استعمال کرتا تھا۔ بہت عمدہ گفتگو کرتا تھا۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"تم جاؤ" میں ابھی آتا ہوں۔" وہ جائے نماز اٹھا کر ایک دفعہ پھر بالکونی کی طرف بڑھ گیا۔ وہ تنہا ہی نیچے آئی تھی۔ فیروزی رنگ کے سوٹ میں بغیر میک اپ کے ہلکے پھلکے زیور کے ساتھ اس کا کندنی روپ جگمگا رہا تھا۔ آنکھوں میں محبت کا اعتبار اور بہت کچھ پا لینے کا خمار گلابیاں بن کر جھلک رہا تھا۔

راحت بیگم پھوپھو نے سے لاؤنج کے ایک کونے میں رکھی میز کے قریب کھڑی تھیں۔ اسے آتا دیکھ کر کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئیں۔ حریم نے آگے بڑھ کر سلام کیا تھا۔ انہوں نے سرسری انداز میں سلام کا جواب دے کر پوچھا۔

"ماہیر کہاں ہے؟ ابھی اٹھا نہیں۔ ٹھنڈی بے مزہ چائے اور باسی ناشتے کا بھلا کیا لطف۔"

وہ شاہانہ تمکنت سے مخاطب ہوئی تھیں۔ اونچی لمبی گوری چٹی ادھیڑ عمر ہشاش بشاش یہ عورت اس کی ساس تھیں۔ ان کے روکھے پھیکے سے انداز کو دیکھ کر حریم نے بے بسی ہو کر گھڑی کی سمت دیکھتے ہوئے سوچا کہ ابھی صرف سات بجے تھے۔ اس گھر کے لوگ بھی صبح خیز تھے۔ ہر کام وقت پر ترتیب سے کرنے کے عادی۔ صرف چار دن میں حریم ان سب کے رویوں کو اور مزاج کو اچھی طرح سے سمجھ چکی تھی اور اسے اپنے مقام اور حیثیت کو سمجھنے میں بھی دیر نہیں لگی تھی۔

"آج کوئی ہری کا سوٹ پہن لیتا تھا۔ کیا ادھر کے کپڑے تمہاری پسند سے میچ نہیں کرتے۔" وہ بڑے سرسری انداز میں براہ راست تنقید کر رہی تھیں۔ یعنی انہیں حریم کی ڈریسنگ پسند نہیں آئی تھی۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ ہکلا کر رہ گئی۔

"یہ ذرا ہلکا پھلکا سا تھا اسی لیے پہن لیا۔"

"ہوں۔" وہ ہنکارا بھرتے ہوئے چائے کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں مگر ان کا دھیان کنفیوژ سی حریم کی طرف تھا۔ اس کے گلے میں لاکٹ کی بجائے چھوٹی سی مالا پوری آب و تاب سے جگمگا رہی تھی مگر شاید انہوں نے اس کے بارے میں استفسار اس لیے نہیں کیا تھا کہ وہ اسے بھی میکے کی طرف کا زیور سمجھ رہی تھیں۔

"فیفا امی کو ناشتا دے دیا ہے۔"

"جی مامی۔" وہ گرم گرم حلوے کا باؤل اٹھائے کچن سے برآمد ہوئی۔

"ماہیر کہاں ہے؟ اس نے ناشتا نہیں کرنا۔"

بالآخر اسے خود ہی نند کے متعلق پوچھنا پڑا تھا۔ مبادا ساس صاحبہ کو برا لگے کہ زمیلہ کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ وہ اسی طرح چھوٹی چھوٹی بے معنی باتوں پر خفا ہو جاتی تھیں۔

"وہ ناشتا کر چکی ہے۔" راحت بیگم فوراً کچن کی طرف متوجہ تھیں۔ حالانکہ انہیں بلڈ پریشر کا مرض لاحق تھا اور اسی مرض کا بہانہ بنا کر انہوں نے شادی والی رات تمام رسومات سے جان چھڑا لی تھی۔ آج چوتھی کی رسم ہوتا تھی۔ میکے والے لڑکی کو لینے کے لیے آتے تھے۔ اچھا خاصا اہتمام کیا جاتا تھا۔ ان کے خاندان میں تو اسی طرح ہوتا تھا البتہ ابی نے رخصتی سے پہلے ان فضول رسومات پر ناک بھوں چڑھا کر سب ہی کو ڈھکے چھپے لفظوں میں جتلا دیا تھا اور حریم کے بابا تو خود ان رسومات کو محض فضولیات میں شمار کرتے تھے تاہم اس کی اکلوتی خالہ کو بہت غصہ آیا تھا مگر وہ بابا کی وجہ سے خاموش تھیں۔

تھوڑی دیر بعد ماہیر بھی سیڑھیاں اترتا دکھائی دیا تھا۔ پھر وہ اس کے برابر رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ حریم نے نوٹ کیا کہ بیٹے کو سلام کے جواب میں انہوں نے بڑی شفقت اور والہانہ محبت کا اظہار کیا تھا۔ اس کے دل میں ہلکی سی چبھن ہوئی تھی۔

"موبی نے ناشتا کر لیا ہے۔ اس کی دوا کا وقت ہو رہا ہے۔" ماہیر اخبار اور چائے میں گم ہو چکا تھا۔ اچانک کچھ یاد آنے پر پوچھنے لگا۔

"لیفا نے دلیہ بنا دیا تھا۔ وہ ابھی کھلا چکی ہے۔" وہ قیمہ بھرے پراٹھے ماہیر کے سامنے رکھتے ہوئے بولیں۔

"لیفا! ابھی جاؤ۔۔۔ چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" پھر وہ کچن میں موجود لیفا کو آوازیں دینے لگی تھیں۔

"تم ابھی ادھر ہی ہو۔" ماہیر نے چونک کر اخبار سامنے سے ہٹایا۔

"تو مجھے اور کہاں جانا ہے۔" انداز میں عجیب سی چبھن تھی۔ کم از کم حریم کو اس کا لہجہ چبھتا ہوا محسوس ہوا۔

"اپنے گھر میں تمہارا دل نہیں لگتا۔"

"وہ نہیں۔" تکا سا جواب آیا۔

"ماہیر۔" امی جان نے فوراً ٹوکا۔

"ٹھیک تو ہے بے چاری صبح سے تم لوگوں کے لیے ناشتا بنانے کچن میں گھسی ہے اور تم اسے باتیں سنا رہے ہو۔" وہ شدید برا مان گئی تھیں۔ یقیناً لیفا ان کی کافی چہیتی تھی۔

"اونہہ بنایا کیا ہے۔ یہ فضول سا حلوہ۔" ماہیر نے ناگواری سے کہا تھا۔ شاید لیفا کا ضبط بھی جواب دے گیا۔

"جا رہی ہوں مامی! دوپہر کو چکر لگاؤں گی۔ اپنے لاڈلے سے مینیو پوچھ لیجیے گا۔ کھانا اس کی پسند کا بنے گا۔" لیفا جلتی بھنتی تڑتڑ جواب دیتی کرسی گھسیٹ کر اٹھ گئی۔

"آپ کو تردد کرنے کی ضرورت نہیں۔ لنچ ہم باہر کریں گے اور حریم آج اپنے بابا کے گھر جائے گی۔" وہ اخبار سمیٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ لیفا کے بڑھتے قدم بھی رک گئے تھے اور ادھر حریم کے دل میں شہنائیاں گونج اٹھیں۔ وہ اس طرح بن کہے اس کی شدید ترین خواہش کو جان جائے گا یہ تو حریم کے گمان میں بھی نہیں تھا۔ وہ بابا سے جانی سے ملنے کے لیے کب سے بے تاب تھی مگر نوک زبان سے اپنی خواہش کا اظہار کرنے سے قاصر تھی۔

"مجھ سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں۔ سب طے کر کے جواب دے ڈالا ہے۔" راحت بیگم نے زور سے پلیٹ میں چمچ رکھ کر گویا اپنی ناراضی کا اظہار کیا۔

"ابھی آپ سے بات کرنے ہی والا تھا۔" وہ قطعاً ماں سے ڈر کر چونکا نہیں تھا البتہ حریم کا سدا کا نرم اور ڈرنے کی آواز سن کر کانپ کانپ جانے والا دل ساس کی پرجلال آواز سن کر لرز اٹھا۔

"آج دوپہر میں تمہاری پھوپھی نفیسہ کی طرف دعوت ہے۔" انہوں نے جلبلا کر لیفا کی امی کا نام لیا۔

"کم از کم آپ نے پوچھ تو لیا ہوتا۔" ماہیر کچھ جھنجلا گیا۔

"تم شام کو سسرال کا چکر لگا لینا۔" وہ خوب چبا چبا کر بولی تھیں۔ حریم کے دل پر اس گہرے طنزیہ لہجے نے عجیب سی پژمردگی طاری کر دی تھی۔ میکے جانے کی خوشی ماندی سی پڑنے لگی۔

"ٹھیک ہے۔" وہ بغیر کچھ کہے نچلی منزل کے کسی کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆ ☆ ☆

سردیوں کے دن بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ گزرتے پتا ہی نہیں چلتا۔ ابھی دھوپ آئی تھی اور کچھ ہی دیر بعد دیوار سے اتر گئی تھی۔ صبح اس نے برائے نام ناشتا کیا تھا تبھی تو اس وقت بھوک لگنے لگی تھی۔ وہ تیار ہو چکی تھی۔ زمیلہ اور امی بھی تیار تھیں۔ البتہ موبی شاید دعوت میں نہیں جا رہا تھا۔ ان کی فیملی کل مختصر سے افراد تھے۔ امی ماہیر زمیلہ اور موبی۔

ماہیر سب سے بڑا تھا پھر زمیلہ اور موبی تھے۔ حریم نے ابھی تک موبی کو نہیں دیکھا تھا البتہ اسے اتنی خبر ضرور تھی کہ موبی بیمار ہے۔ اس کی بیماری کی نوعیت کا اسے علم نہ تھا۔ کافی دیر انتظار کرنے کے بعد ماہیر کی بائیک کی آواز سنائی دی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ خود بھی اندر چلا آیا۔

"کہاں گئے تھے؟" راحت بیگم نے تنک کر پوچھا۔

"کام تھا۔" وہ مختصر بول کر چابی میز پر پھینکے ان سب پر طائرانہ نگاہ ڈال کر بولا۔

"برابر میں ہی تو جانا تھا۔ آپ لوگ تو وقت پر پہنچتے نا۔" پھر حریم کے جگمگاتے روپ کو دیکھ کر زور سے پکارا

"حریم! پانی تو پلاؤ۔۔۔ پھر چلتے ہیں۔"

"آپ کے بغیر کیسے جاتے۔" وہ پانی کا گلاس اسے تھما کر آہستگی سے بولی۔

"بھائی! اب اٹھ بھی چکیں۔" زمیلہ بے صبری سے بولی تھی۔ شاید اسے بھی بہت بھوک لگ رہی تھی۔

پھوپھو اور لیفا نے کھانے پر بہت اہتمام کیا تھا۔ بریانی، قورمہ، فش، کڑاہی گوشت، میٹھے میں فروٹ ٹرائفل اور کسٹرڈ۔

"ہائی جاہ! کچھ پسند آیا ہے کہ نہیں۔" لیفا جتانے کے لیے پوچھ رہی تھی۔ ماہیر نے ایک نظر میز پر ڈالی۔

"آپ نے اتنا تردد کیوں کیا ہے پھوپھو!" وہ ناراضی سے گویا ہوا۔

"ہم لوگ مہمان تھوڑی ہیں۔"

"اول تو یہ تردد پھوپھو نے نہیں ان کی دختر یعنی عفیفا مختار نے کیا ہے۔ دوم یہ دعوت اپنائیت اور محبت ظاہر کرنے کے لیے نہیں بلکہ حریم کو اپنے مختصر سے خاندان سے متعارف کروانے کے لیے کی گئی ہے۔ ویسے بھی نئی دولہن کے اعزاز میں اس دعوت کا اہتمام کیا گیا ہے۔ تم منہ دھو رکھو۔" لیفا نے اسے چڑانے کی غرض سے تند لہجے میں کہا۔

"منہ تو میں کئی مرتبہ دھوتا ہوں۔ البتہ تم مجھ پر اس دعوت کا احسان عظیم نہ ہی رکھو۔" ماہیر کا لہجہ بھی خوشگوار ہوتا چلا گیا تھا۔ حالانکہ وہ لیفا سے اچھا خاصا چڑتا تھا۔

"احسان کیسا؟ تم بھی بدلہ چکا دینا۔ جب میری شادی ہوئی تو ہمیں پی سی میں ڈنر کروا دینا۔" لیفا کی بے باکی پر راحت بیگم اور نفیسہ پھوپھو دونوں کی پیشانی پر بل پڑے تھے۔ البتہ لیفا خود ہی اپنے مذاق کو انجوائے کر رہی تھی اور زمیلہ اس کا ساتھ دے رہی تھی۔

"یہ ہم کے صیغے سے تمہاری کیا مراد ہے؟" ماہیر جان بوجھ کر اسے ستانے کی غرض سے بولا۔

"میری مراد کے بارے میں تو پوچھو ہی مت۔" وہ بات کو کسی اور رنگ میں لے گئی تھی۔ تاہم ماہیر کے خوشگوار تاثرات میں کوئی فرق نہیں آیا۔

کھانا کھانے کے فوراً بعد زمیلہ اور راحت بیگم چلی گئی تھیں۔ البتہ حریم کو پھوپھو نے بصد اصرار روک لیا۔ لیفا گنگناتے ہوئے برتن سمیٹ رہی تھی۔ بچا ہوا کھانا فریج میں محفوظ کر رہی تھی۔ وہ ماں

"بیٹی وہ تو بس تمہارا حق تھیں۔" لبنیٰ کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ لبنیٰ کسی بینک میں جاب کرتی تھی۔ پھوپھو بہت ہی شفیق اور ہمدرد فطرت کی خاتون تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بہت باتونی بھی تھیں۔

"بیٹی! تم بہت موہنی صورت کی اچھی لڑکی ہو۔ دل کے شفاف لوگوں کے چہرے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ہر بناوٹ سے پاک۔ اللہ تمہیں اور تمہاری خوشیوں کو سلامت رکھے۔ سدا سہاگن رہو۔ بھابھی کا مزاج ذرا گرم ہے۔ طبیعت میں چڑچڑاپن ہے۔ تم دل پہ مت لینا۔ آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ماہیر پر ابھی کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ جو وہ سوچ کر اٹھا رہا ہے گا۔ پھر وقت تمہارا ہوگا۔ جو پیا کے من کو بھا جاتی ہے وہ ہی زمانے کی نظر میں بھی معتبر ٹھہرتی ہے۔ پھر صبر و تحمل سے سنگم باندھ لیا تو چھوٹی موٹی رنجشوں پر کیا کڑھنا۔ جس سے ناتا جڑا ہے جب وہی اپنا ہو تو پھر ان کے گرم ماحول میں ذہن اور مزاج پر کائی نہ جمنے دینا۔ میرا بھتیجا میرا ماہیر ہیرا ہے۔ اور یہ ہیرا حریم کے بخت کا تاج بن کر جگمگا رہا ہے۔ تم دونوں کی خوشیوں کو اللہ نظر بد سے بچائے۔ میری طرف سے یہ حقیر سا تحفہ قبول کر لو۔ اللہ تمہیں ہمیشہ سکھی رکھے۔ نیک ماں باپ کی اولاد اپنے سے وابستہ ہر رشتے کے لیے ٹھنڈک ہوتی ہے۔" پھوپھو نے بے ساختہ اس کی پیشانی کو چوم کر بوسہ دیا تو حریم کی آنکھیں اس محبت پر نم ہو گئیں۔

"پلیز پھوپھو! اسے رہنے دیں۔" وہ تحفے میں بے حد قیمتی سوٹ کو دیکھ کر آہستگی سے منمنائی۔

"تمہیں کیا خالی ہاتھ بھیجیں۔ ہماری بہو ہو، بیٹی ہو، ماہیر کی دلہن ہو۔ تمہارا ہمارے دل میں بہت اونچا مقام ہے۔" انہوں نے بصد اصرار اسے سوٹ پکڑایا۔ پھر اسے ماہیر کے متعلق بتانے لگیں۔ کچھ گزری باتیں نوجوان کے لیے بہت نئی تھیں۔

"میرے بھائی کی ساری عادتیں ماہیر نے چرائی ہیں۔ بیوگی کے بعد عرصہ دراز سے میں یہاں مقیم ہوں۔ یہ مکان میرے بھائی نے لے کر دیا تھا۔ اس وقت عالم بھائی کے حالات بہت اچھے تھے۔

گھر میں ہر طرح کی خوشحالی تھی۔ نوکر چاکر تھے۔ بچے اعلا تعلیمی اداروں میں پڑھ رہے تھے۔ پھر نہ جانے کس کی نظر لگ گئی۔ کوٹھی بک گئی۔ کاروبار ڈوب گیا۔ بینک کی رقم ختم ہونے لگی۔ بھائی صاحب نے سمجھداری سے کام لے کر بچی کھچی رقم سے گھر تعمیر کروایا۔ باقی کی رقم سے دوکان خریدی۔ ان کے جانے کے بعد زندگی کے رنگ پھیکے پڑ گئے تھے۔ بچے نے بڑا کڑا وقت دیکھا ہے۔ چھوٹی سی عمر میں ذمہ داریوں کا بوجھ کندھوں پر آن پڑا۔ ماں اور بہن بھائی کی کفالت کے ساتھ اس نے آج تک مجھے اپنے سے الگ نہیں سمجھا۔ جتنا راشن اپنے گھر میں لاتا تھا اتنا ادھر مجھے بھی دے کر جاتا۔

گرمیوں سردیوں کے کپڑے لا کر دیتا تھا۔ بجلی کے بل، گیس، فون کے بل کی کبھی مجھے فکر نہیں ہوتی تھی۔ لبنیٰ کے ابو کی پنشن سے کام چل جاتا تھا مگر میرے ماہیر نے ہمیں کبھی کسی بھی پریشانی میں مبتلا نہیں ہونے دیا۔ یہ تو میری بچی کا دماغ چل گیا۔ اچھی نوکری کیا ملی ہے۔ دماغ آسمان پر جا پہنچا ہے۔ ماہیر سے [illegible] پڑی تھی کہ وہ ماہیر [illegible] گئی۔ احمق جو ہوئی بھلا اپنوں میں [illegible] ہے۔ مگر اب تو [illegible] میں لگ گئی ہو۔" لبنیٰ مرے [illegible] بھی پھوپھو نے خاموشی اختیار کر لی۔ [illegible] حریم بھی ان سے اجازت لے کر اٹھ گئی۔ [illegible] تک چھوڑنے کے لیے آئی۔

"[illegible]" وہ اس سے الوداعی ہاتھ ملا کر بولی۔ "شکریہ۔" حریم تو خود ان کی محبتوں کی حد درجہ مشکور ہو رہی تھی۔

"ہماری دعوت کو قبول کرنے کا۔ ہمارے گھر میں آنے کا۔ ہمیں اتنا قیمتی وقت دینے کا۔ وہ ماہیر کا بچہ تو مجھے دل ہی دل میں گالیوں سے نواز رہا ہوگا۔ اب جلدی سے چلی جاؤ۔ ورنہ وہ دندناتا ہوا ادھر ہی نہ آجائے۔" لبنیٰ نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ ڈوبتے سورج کی الوداعی شعاعوں کو دیکھتی تیزی سے گھر آگئی۔

یہ چھوٹا سا دو منزلہ مکان تھا۔ دائیں بائیں آگے پیچھے کی گلیاں بالکل خالی تھیں۔ گیٹ سے آگے گیراج نما راہداری تھی۔ اس کے اوپر بھی چھت اور آخری سرے پر لاؤنج کا داخلی دروازہ تھا۔ مختصر لاؤنج جو بیک وقت سٹنگ روم بھی تھا۔ دائیں طرف کچن اور اس کے ساتھ اوپری منزل کو جاتی سیڑھیاں۔ نیچے بیڈ روم تھے۔ حریم کا کمرہ اوپر تھا۔ کمرہ تنگ ہونے کی وجہ سے صرف صوفہ، بیڈ سیٹ اور ایل ای ڈی ہی اوپر آسکی تھی۔ باقی کا سارا سامان ساتھ والے کمرے میں اور کچھ نیچے اسٹور میں موجود تھا۔ اس کا فرنیچر اور پورا جہیز بہت اعلا تھا۔ یوں کہ یہ چھوٹا سا مکان اس کے سامان سے بچ سا گیا تھا۔ حالانکہ حریم جہیز کے خلاف تھی۔ مگر بابا نے اس کی ایک نہیں سنی تھی۔ بابا اور خالہ نے اس کے لیے بڑے شوق اور چاؤ سے خریداری کی تھی اور کچھ امی اپنا سارا سامان بچی میں اس کے لیے محفوظ کر کے گئی تھیں۔ جب خالہ نے ڈبے نکالے تو ان کی آنکھیں آنسو برسا رہی تھیں۔

زیور میں بھی دو کڑے، چھوٹا سا سیٹ، کانوں کے جھمکے اور بڑی خوب صورت ڈیزائن کی تو رہن تھی۔ وہ آدھا زیور رونمائی کے لیے رکھنا چاہتی تھی مگر خالہ نے اس کی ایک نہ سنی۔

"مالی کو بھلا ان چیزوں کی کیا ضرورت ہے۔" بابا کی کسی کزن نے منہ پھاڑ کر کہا تھا۔ حریم کے دل پہ گھونسا سا پڑا۔

وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو ماہیر ماں کے قریب بیٹھا نہ جانے کون سے مسائل میں الجھا ان کی باتیں بہت توجہ اور دھیان سے سن رہا تھا۔ اسے آتا دیکھ کر بھی نہ چونکا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی سیڑھیاں چڑھنے لگی تھی۔ ابھی دوسرے اسٹیپ پر قدم تھا جب ساس کی آواز سنائی دی۔

"کل سے ماہیر دفتر جائے گا۔ ابھی میکے ہو آؤ تو بہتر ہے۔ پھر روز روز ماہیر کے لیے وقت نکالنا مشکل ہو گا۔ تمہیں گھر کی ذمہ داریاں سمجھنی چاہئیں۔ آخر اکلوتی اور بڑی بہو ہو۔ ذمہ داری تو آج ہے کل اسے گھر کی ہو جائے تمہیں ہی سب کچھ دیکھنا ہو گا۔ میری ہڈیوں میں تو دم نہیں ہے۔" انہوں نے نقاہت خود پر طاری کر لی تھی اور یہ اکلوتی بہو کی منطق بھی حریم کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ ماہیر کا ایک اور بھائی بھی موجود ہے۔

"میں چادر لے آؤں۔" بے پایاں خوشی کو سمیٹتے وہ ان کی مزید لن ترانیاں سننے سے پہلے سیڑھیاں چڑھ گئی تھی۔ وہ جو مایوس ہو چکی تھی کہ اس وقت امی نہ جانے جانے دیں گی بھی یا نہیں۔ اس اجازت نامے کو سن کر خوشی سے بے حال ہو گئی۔

چادر لیتے ہوئے، آرام دہ چپل پہنتے ہوئے وہ مسلسل اپنے بابا کے پیارے گھر کے متعلق سوچتی چلی گئی۔ اپنے ریٹائرڈ باپ کے متعلق، جو اعلا سرکاری آفیسر تھے۔ انہوں نے امی کے بعد بہت مصروف زندگی گزاری تھی یوں کہ کبھی دوسری شادی کا خیال تک نہیں آیا۔ چھوٹی بہن مالی ——— چھت سے گری تھی۔ اس کا ایک پاؤں کا ٹخنہ فریکچر ہو گیا تھا۔ بے شمار علاج کے باوجود ابھی وہ اسٹک کے سہارے چلتی تھی۔ البتہ وہیل چیئر بھی سہولت کے لیے استعمال کرتی تھی۔

اس کے سسرالی گھر سے زیادہ وسیع، جدید اور شاندار گھر بابا کا تھا۔ ڈبل اسٹوری وسیع و عریض کوٹھی۔ سرسبز و شاداب لان۔ جو حریم اور بابا دونوں کی محنت سے دیکھنے والی نگاہ کو مبہوت کر دیتا تھا۔ ریٹائرڈ ہونے کے بعد بابا کا زیادہ وقت پودوں کے اور مالی کے لاڈ پیار میں گزر رہا تھا۔

وہ اپنے بوڑھے بابا کے متعلق سوچتی رہی اور اس کی آنکھیں دھیرے دھیرے بھیگتی رہیں۔ مالی بے چاری کیسے بابا کا خیال رکھ سکتی ہوگی جبکہ وہ خود محتاج ہے۔ حالانکہ مالی ہر فن میں طاق تھی۔ کوکنگ سے لے کر سلائی کڑھائی تک۔ شارٹ کورس بھی کر رکھے تھے۔ سارا گھر گھوم پھر کر کام والی سے صفائی کروا لیتی تھی۔ کھانا بھی خود ہی بنا لیتی۔ اسے کوکنگ سے بہت

لگا تھا۔

"تم چادر لینے آئی تھیں۔ کیا ارادہ بدل گیا ہے؟" کھٹکے کی آواز سن کر وہ چونکی تھی پھر پیچھے سے مسکرا دی۔ ماہیر بالوں میں انگلیاں چلاتا اندر داخل ہو رہا تھا۔

"ایسے بھلا ہو سکتا ہے۔"

"نہیں ___ تم خوش دکھائی دے رہی ہو۔ شاید سب لڑکیاں میکے جاتے ہوئے اتنا ہی مسرور ہوتی ہیں۔" وہ شاید اپنی کسی الجھن کو چھپانے کی غرض سے بول رہا تھا۔ وہ پوچھنے اور نہ پوچھنے کی کشمکش میں مبتلا بابا کی طرف گئی تھی اور یہاں آ کر کچھ لمحوں کے لیے وہ ماہیر کے گھر کی تمام تر پریشانیوں کو یکسر بھول گئی۔

شام گہری ہوتے ہی سردی کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ بائیک پر تو ویسے بھی شدید کٹیلی ہواؤں کا سامنا تھا۔ جس سے نوکیلی، کٹیلی ٹکراتی ہوائیں کپکپا کر رکھ دیتی تھیں۔

لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اس نے زور زور سے حانی اور بابا کو آوازیں دی تھیں۔ وہ دونوں حسب معمول شطرنج کی بساط بچھائے ایک دوسرے کو ہرانے کے چکر میں تھے۔ حانی کی زندگی سے بھرپور آواز پورے لاؤنج کے سناٹے چیر رہی تھی۔

بابا نے نظر اٹھا کر دیکھا اور گویا لمحہ بھر کو ساکت رہ گئے۔ حریم بے ساختہ ان کے کشادہ سینے میں سما گئی تھی۔ بابا نے فرط مسرت سے اس کی پیشانی اور سر کے کئی بوسے لیے۔ حریم کی آنکھوں سے کتنے ہی سفید موتی بے آواز گرتے رہے تھے۔

"بس بھی کرو، میں بھی کھڑی ہوں راہوں میں۔" حانی بے صبرے پن سے چیخی۔ وہ بھاگتی ہوئی حانی سے لپٹ گئی تھی اور بالکل بابا کے انداز میں اس کی پیشانی کے ڈھیروں بوسے لے ڈالے تھے۔

جمال احمد صاحب اب ماہیر سے مل رہے تھے۔ انھوں نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ ماہیر کو بھینچا ہوا تھا۔ وہ انھیں شروع سے ہی بہت عزیز رہا تھا اور اب تو وہ داماد تھا۔ جان سے پیاری بیٹی کا سہاگ [illegible] صاحب کو اور بھی اس سے محبت محسوس ہوتی [illegible] ہیں۔ حریم

سویٹر اور گرم شال کے باوجود ٹھٹھر رہی تھی۔ حانی نے اٹھ کر ہیٹر آن کیا۔ پھر فکر مندی سے اس کے نیلے ہونٹوں کو دیکھ کر بولی۔

"کمبل لا دوں۔"

"ارے نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔" وہ دونوں ہاتھ آپس میں رگڑتے ہوئے مسکرائی۔

"بس موت میں مرتی رہنا۔" حانی بھنا اٹھی تھی۔ پھر صوفے پر پڑی بابا کی گرم شال اس کی طرف بڑھا کر بابا کی طرف متوجہ ہوئی جو کہ ہمیشہ کی طرح ماہیر کو دیکھتے ساتھ ہی سب کچھ بھول کر باتوں میں مگن ہو چکے تھے۔

"اب تو کھانے کا وقت ہو رہا ہے۔ کھانا لگاتی ہوں۔ پھر چائے بناؤں گی۔"

"نہیں حانی! کھانا ہم نے بہت لیٹ کھایا ہے۔ ماہیر کی پھپھو کی طرف دعوت تھی۔ سو کھانے کی نہیں البتہ چائے کی طلب ہے۔ آؤ مل کر بناتے ہیں۔ ساتھ ساتھ باتیں بھی ہوتی رہیں گی۔" حریم اس کے پیچھے ہی کچن میں آ گئی۔

"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا۔ ماہیر بھائی شادی کے بعد پہلی مرتبہ آئے ہیں۔ بغیر کھانا کھائے تو نہیں جانے دوں گی۔" حانی ہمیشہ کی طرح اچھے میزبان کے فرائض ادا کر رہی تھی۔ حریم نے گلا کھنکارا۔

"حانی! بڑی سیانی ہو گئی ہو۔ [illegible] سمجھ لیا۔"

"تم خود مہمانوں کی طرح آئی ہو۔ اتنی توفیق نہیں ہوئی ایک ٹیلی فون [illegible] دیتیں۔" حانی کی ناراضی سے [illegible] ہوئی۔

[illegible] کرنے کا خیال تک نہیں آیا تھا۔ حانی [illegible] چائے بنا لی تھی۔ ساتھ میں کباب، رول، [illegible] مٹھائی اور کیک ٹرالی میں سج چکے تھے۔ حریم ٹرالی دھکیل کر لاؤنج میں چلی گئی۔ کچھ دیر بعد واپس آئی تو حانی نے اس کا اور اپنا مگ ٹرے میں سیٹ کر کے رکھا ہوا تھا۔ وہ دونوں بہنیں اپنے مشترکہ بیڈ روم کی طرف آ گئیں۔ حریم ہر شے کو ترسی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کمرے کی دیواروں پر جا بجا اس کی

اور حانی کی تصویریں آویزاں تھیں۔ بچپن، لڑکپن کی، جوانی کی بے شمار تصویریں۔

لکڑی کے فریم میں امی اور ابا کی تصویر سجی تھی۔ حریم نے ماں کو نہیں دیکھا تھا۔ ہلکی سی یاد بھی ذہن کے دریچوں میں زندہ نہیں تھی البتہ ان کی بے شمار تصویریں ان دونوں بہنوں کے پاس موجود تھیں۔

"تمہاری ساس، نند کا رویہ کیسا ہے؟" حانی بڑی بوڑھیوں کی طرح بہت سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

"بہت اچھا۔" وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔

"سیاستدانوں والا جواب نہیں چاہیے۔" حانی بھی کتنی بڑی بڑی اور سمجھداری کی باتیں کرنے لگی تھی۔

"سچ کہہ رہی ہوں۔" حریم کو جھوٹ بولنا ہمیشہ مشکل لگتا تھا۔

"اور ماہیر بھائی۔"

"وہ اتنے اچھے ہیں کہ لفظوں میں بتانا مشکل ہے۔ کاش کوئی پیمانہ ہوتا اور میں ماہیر کی محبت کو ناپ سکتی۔ وہ محبت میں بہت شدت پسند ہے۔" حریم کی آنکھیں جگمگانے لگی تھیں۔ ستاروں کی کوٹ نے ان سیاہ کٹوروں کو انوکھا روپ بخش دیا تھا۔

"گڈ۔۔۔" حانی مطمئن سی مسکرا اٹھی تھی پھر دفعتاً کچھ یاد آنے پر بولی۔

"زرجان بھیا آئے تھے۔"

"وہ کب نہیں آتا۔" حریم کے لہجے میں قدرے روکھا پن سا آگیا۔

"اب ایسے تو مت کہو، ہماری محبت میں چلے آتے ہیں۔ بابا کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گئے تھے۔" حانی، زرجان کی محبت میں اسی طرح حساس تھی۔

"تمہارا تو پوچھا بھی نہیں بس بابا سے کہنے لگے 'دعا کیا کریں۔ وہ اپنے گھر میں خوش رہے۔ آباد رہے۔'" حانی کی آنکھیں جھلملا سی گئیں۔

"کہنے لگے ہمارے دل تو اس کی خوشی سے زندہ ہیں۔"

معاً دروازے پر ہولے سے دستک کی گئی پھر ماہیر کی آواز آئی۔

"حریم! اور دس بجنے والا ہے۔" اب وہ دروازہ کھولے کہہ رہا تھا۔

"آئے کب تھے۔" حانی لڑنے مرنے پر تیار ہو گئی۔

"سوری بہنا! پھر آئیں گے۔" ماہیر نے حانی کو پچکارا۔

"کب؟" وہ مچل کر بولی۔

"جلد بہت جلد۔" ماہیر دھیرے سے گنگنایا۔

"میری بہن پر قبضہ جمالیا ہے۔" حانی خفا ہوئی۔

"تمہاری بہن کا خود سالے آنے کو دل نہیں کرتا۔" ماہیر نے آرام سے ساری گٹھری اس کے کندھوں پر رکھ دی تھی۔

"یوں کہیں 'آپ کا بھیجنے کو دل نہیں کرتا۔'" وہ بھی حانی تھی۔ دوبدو جواب دیتی رہی۔ ماہیر نے نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اس کی خفا خفا آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔

"اتنے ڈھیر سارے سال تمہارے پاس رہی ہے نا۔ میں نے کیا بیچ کے سالوں میں تمہارے ساتھ جھگڑا کیا تھا کہ حریم کو کچھ دنوں کے لیے ادھر بھیج دو۔ اب اتنے سال یہ میرے پاس رہے گی۔" انگلیوں پر گن کر "پورے اکیس سال۔"

"آپ بہت چالاک ہیں ماہیر بھائی۔" حانی کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔ اس کی نقرئی ہنسی دیر تک ہوتی رہی۔

رات کے گیارہ بجے سڑکوں پر ہو کا عالم تھا۔ اور سردی بھی غضب کی تھی۔ وہ ٹھٹھرتی ہوئی بائیک پر بیٹھی۔ یوں ہی بائیک اسٹارٹ ہو کر سبک خرامی سے چلنے لگی تھی۔ حریم کی ٹھنڈ میں کئی گنا اضافہ ہوا۔ سردی کی شدت سے اس کے دانت بجنے لگے تھے۔ ماہیر نے ایکدم بائیک روک دی۔

"یہ میری جیکٹ پہن لو۔" وہ اپنی جیکٹ اتارنے لگا تھا۔ حریم بھینچی بھینچی آواز میں چیخی۔

"آپ نے کیا نوٹس کرنا ہے۔"

"کچھ نہیں ہوتا۔ ابھی دس منٹ تک گھر پہنچ جائیں گے۔ تم پہن لو۔"

"دس منٹ میں بھی سردی برداشت کر سکتی ہوں۔" وہ ضدی لہجے میں گویا ہوئی۔ حالانکہ ضد اس کی سرشت میں نہیں تھی مگر وہ اپنی وجہ سے ماہیر کو تکلیف نہیں دے سکتی تھی۔

گھر پہنچے تو گیٹ راحت بیگم نے کھولا تھا۔ ان کا موڈ سخت بگڑا ہوا تھا۔

"تمہیں نہیں پتا، میں دوا کھا کر جلدی سو جاتی ہوں۔" وہ گویا غصے سے پھنکاری تھیں۔ ادھر حریم کا دل پتے کی مانند لرزنے لگا۔ اسے سخت آواز اور سخت لہجوں کی عادت نہیں تھی۔ وہ خود بہت نرم خو تھی۔ بابا بھی حلیم طبیعت کے تھے۔ ان کے گھر میں کبھی کوئی اونچی آواز میں نہیں بولتا تھا مگر راحت بیگم کی آواز ہی بڑی گرجدار تھی۔ وہ سہم جاتی۔ ماہیر ماں کے گرد بازو لپیٹتا ان کا گال چومتا آناً فاناً "مزید کچھ" سنے بغیر سیڑھیاں چڑھ گیا تھا جبکہ حریم کی آج صحیح معنوں میں شامت آئی تھی۔

"حریم! ادھر آؤ۔" انہوں نے تحکم سے پکارا۔ وہ ڈرتے ڈرتے قدم اٹھاتی صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ خود وہ تخت پر بیٹھی تھیں۔ ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے کچھ سمجھنا اتنا آسان نہیں تھا۔

"تم صبح خیز ہو، مجھے تمہاری یہ عادت پسند آئی ہے۔"

"جی۔۔۔" وہ محض منمنا کر رہ گئی تھی۔ اب اس تعریفی جملے کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ تو اسی بات پر خوش ہو گئی تھی کہ چلو ان صاحبہ کو کچھ تو پسند آیا ہے۔ ورنہ ابھی تک تو تنقید برائے تنقید کا سامنا تھا۔

"ناشتا سات بجے تیار ہو جانا چاہیے۔ مونی کو دوا دینی ہوتی ہے آٹھ بجے تک وہ دوبارہ سو جاتا ہے۔ پھر بارہ بجے اٹھتا ہے۔ پھلوں کا تازہ جوس اور ہلکے پھلکے اسنیکس اسے پسند ہیں۔ بارہ بجے اسے فروٹ چاہیے۔ فروٹ میں کچھ بھی ہو۔ دو بجے تک دوپہر کا کھانا بھی ریڈی ہونا ضروری ہے۔ مونی کی دوا کا وقت ہو جاتا ہے۔ رات کو تازہ سالن پکتا ہے۔ ماہیر کو باسی سالن اور دوبارہ گرم کرنے کی عادت نہیں۔ ماسی صبح کے ٹائم آتی ہے صفائی وغیرہ اپنی مرضی سے کروا لینا۔ کپڑے ماسی کو دھونے اور استری کرنا پڑیں گے۔ پہلے لانڈری بھجوا دیتے تھے۔ ماہیر کے سارے کپڑے دھوبی نے ستیاناس مار دیے تھے۔ ماہیر کو ویسے بھی دھوبیوں سے کپڑے دھلوانا پسند نہیں۔ خیر ابھی تم جاؤ، تھکی ہوئی آئی ہو۔ آرام کرو۔" انہوں نے ہدایت نامہ بند کرکے کمال مہربانی کا ثبوت دیا تھا۔ حریم گویا اجازت ملتے ہی یوں اٹھ کر بھاگی کہ راحت بیگم کہیں ابھی سے ہی روک کر کولہو کے بیل کی طرح اسے جوت نہ لیں۔

وہ کمرے میں داخل ہوئی ماہیر گہری نیند سو رہا تھا۔ صبح اسے دفتر جانا تھا۔ سو اسی حساب سے وہ پہلے ہی لیٹ سو گیا تھا آج۔ ورنہ اسے تو گیارہ بجے نیند آنا شروع ہو جاتی تھی۔

وہ بغیر کپڑے تبدیل کیے دوسری طرف آکر لیٹ گئی تھی۔ ماہیر کی چھٹی صرف چند دنوں پر محیط تھی۔ شادی کی تیاری کے سلسلے میں پہلے دن یوں ہی بے سبب نکل گئے تھے۔ حریم کا دل ابھی سے برا ہو رہا تھا۔ وہ صبح دفتر چلا جائے گا تو وہ دن بھر کیسے گزارے گی۔ سرد رویے اور روکھے مزاج والی ساس کے ساتھ۔

منگنی کے درمیانی عرصے میں بھی امی کم کم ہی ان کے گھر آتی تھیں البتہ عالم انکل کی کوئی شام بابا کے بغیر نہیں گزرتی تھی۔ بابا اور عالم انکل کی آپس میں بہت محبت تھی۔ ذہنی ہم آہنگی تھی۔ وہ دونوں شطرنج کے دیوانے تھے۔ شطرنج کی بساط بچھی ہوتی تو رات سے دن اور دن سے رات کر دیتے۔

حریم ان کے لیے چائے بنا بنا کر لاؤنج میں بھجواتی رہتی۔ وہ دن بھی کتنے یادگار اور سنہرے سے تھے۔ کبھی کبھار ماہیر بھی انکل کے ساتھ آجاتا تھا۔ باپ بیٹے میں خوب مقابلہ بازی ہوتی۔ بابا ان دونوں کو لڑتے جھگڑتے دیکھ کر مسکراتے رہتے تھے جبکہ حریم سے اپنی منتشر دھڑکنوں کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا تھا۔

کچھ ایسی دیوانگی تھی۔ نہ جانے یہ کس قسم کی محبت تھی۔ یہ کون سی منزل تھی عشق کی۔ یہ کیسا سوز بھرا تھا دل میں پاگل دھڑکنوں کی ہر تال پر صرف ماہیر کا نام گھنگھرو بن کر چھنکتا تھا۔

وہ دن اسے چپکے چپکے سوچنا اور پھر سوچتے ہی چلے جانا۔ گلابی شاموں سنہری دن ارغوانی صبح اور کالی گھور سیاہ رات میں صرف ایک شخص کا تصور جگنو بن کر آنکھوں میں گہرے عکس بناتا گیا تھا۔ کسی نے نہ کی ہو گی ایسی مجنونانہ سی محبت "ماہیر عالم کا ساتھ اس کی زندگی تھا اور وہ خود کو بادلوں کے نرم گالوں کے ہمراہ سفر کرتا محسوس کرتی تھی۔ یوں لگتا تھا وہ قوس قزح کو چھونے ہواؤں کے رتھ پر سوار ہے۔ معطر ہوا کا ساتھ تھا اور کسی کی بے پایاں محبت امید بن کر آنکھوں میں جگمگاتی تھی۔ خواب بن کر پلکوں پر دستک دیتی تھی۔ نیند بن کر مہمان تھی۔ سکون بن کر روح جان کو مسرور کرتی تھی۔ نس نس سے اس کی محبت کی خوشبو آتی تھی اور روم روم رب رحیم کا شکر گزار تھا۔ جس نے اسے نامراد نہیں رکھا تھا۔ جس کی محبت دل میں ڈالی تھی۔ اس کا ساتھ نصیب میں لکھ دیا۔ جسے اس نے چاہا تھا اسے بن مانگے عطا کر دیا تھا۔ وہ جو قلب جان سے قریب تر تھا اسے زندگی کا حاصل بنا دیا۔ وہ خالی دل تھی نہ خالی ہاتھ۔ چاند نگر کا مسافر اس کے دل کے جزیرے پر اپنے قدم جما چکا تھا۔ پھر بھلا کیسے کوئی دل کی زمین پر اپنا نام لکھ پاتا۔ وہاں تو صرف ماہیر عالم لکھا تھا۔ کھدا تھا اور پوری آب و تاب سے جگمگا رہا تھا۔ چودھویں کے چاند کی مانند۔

☆ ☆ ☆

روٹین لائف کا اگر یہی مطلب تھا کہ صرف کام، کام، کام اور بس کام تو یہ بڑی تلف روٹین تھی۔ جہاں آرام کے لیے لمحہ بھی میسر نہیں تھا۔ گھر میں اتنے نفوس تھے مگر اس کے باوجود کاموں کے انبار کے وہ دب کر رہ گئی تھی۔

سب سے مشکل ترین اور تکلیف دہ مرحلہ مولی یعنی منیب کو ناشتا کروانا تھا۔ نہ جانے پہلے کون یہ فریضہ سر انجام دیتا تھا مگر اب مولی بھی حریم کی ذمہ داریوں میں شامل ہو چکا تھا۔ سات بجے سے پہلے وہ نیچے آجایا کرتی تھی۔ سب سے پہلے مولی کو اور امی کو ناشتا بنا کر دینا ہوتا تھا۔ پھر تقریباً ساڑھے آٹھ بجے ماہیر آفس کے لیے روانہ ہوتا تھا۔ صرف پندرہ منٹ پہلے اسے گرما گرم تازہ ناشتا چاہیے ہوتا۔ اس کے دفتر جانے کے بعد نو بجے تک زمیلہ اٹھ جاتی تھی۔ گریجویشن کے بعد وہ فارغ تھی اور تمام دن سو کر، ٹی وی دیکھ کر یا رسائل پڑھ گزارا کرتی۔ زمیلہ کے لیے الگ سے ناشتا بنتا۔

جیسے تیسے وہ کچن سمیٹتی اسی اثناء میں ماسی آجاتی تھی۔ پھر ماسی کے ساتھ تین گھنٹے مغز ماری کے بعد وہ بچا کھچا ناشتا مائیکروویو میں گرم کر کے زہر مار کرتی۔ ماسی کے جانے کے بعد ایک مرتبہ پھر کچن میں مولی کے لیے جوس نکالنا پڑتا۔ اب تو اس روٹین میں زمیلہ بھی شامل ہو گئی تھی۔ فروٹ صرف دو دن میں ختم ہو جاتا۔ امی جان کی ٹینشن میں ایک دم اضافہ ہونے لگا تھا۔ وہ مشکوک نظروں سے حریم کو گھورتیں تو وہ شرم سے پانی پانی ہو جاتی۔

"بیمار بچے کے لیے نہ جانے کیسے پیٹ کاٹ کاٹ کر فروٹ منگواتی ہوں۔ دنوں میں [illegible] ہو جاتا ہے۔ نہ جانے جن بھوت گھس آئے ہیں اس گھر میں۔" وہ ہر لمحہ بڑبڑاتی رہتی [illegible]

یہی حال دودھ اور دیگر اشیاء کا تھا۔ زمیلہ کو اچانک حسن نکھارنے کا جنون چڑھ گیا تھا اور وہ فروٹس، سبزیاں اور دودھ کا بھی فضول خرچی کی حد تک نقصان کرتی۔ کچھ اس کے پیٹ میں اتر جاتا تھا وہ کچھ کو وہ فیس ماسک بنانے میں ضائع کر دیتی۔ اب اس صورت حال میں امی کی کاٹ دار نظروں کی بھلا وہ تاب لاتی ہی کیسے۔

اس صبح بھی وہ مولی کو ناشتا دینے اس کے کمرے میں گئی تو وہ [illegible] پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ وہ سولہ سال کا خوش شکل، بے حد صحت مند بچہ تھا۔ ذہنی طور پر وہ

ابنارمل نہیں تھا۔ ہاں دورے کی حالت میں اس کی کیفیت پاگلوں جیسی ہو جاتی تھی۔ عام حالات میں وہ ٹھیک ٹھاک گفتگو کرتا تھا۔ بلکہ بہت ہی اچھی سمجھداری کی باتیں کرتا تھا۔ وہ اپنے ہم عمر بچوں سے اس لیے بہت پیچھے تھا کہ اس میں جستجو نہیں تھی۔ اگر کوئی خود پاس بیٹھ کر ناشتا کروا دیتا تو ٹھیک تھا۔ ورنہ تمام دن ناشتے کھانے کی ٹرے یوں پڑی رہتی اور وہ بھوک سے جنگ کرتا سو جاتا۔

وہ حقیقت میں بہت قربانی [illegible] ماہیر نے اسے بتایا تھا کہ مولی کے دل میں سوراخ ہے۔ اس کی دوائیں بہت مہنگی تھیں اور ماہیر کی تنخواہ کا بڑا حصہ مولی کی دواؤں [illegible] پر اٹھ جاتا تھا۔ ماہیر کی سیلری بہت [illegible] مگر اس کے ساتھ ساتھ مسائل بھی [illegible] اتنے لمبے چوڑے بل، کچن کا راشن، مولی کی دوائیں اور ماہیر کی بائیک کے پیٹرول کا الگ سے خرچہ، مہینے کے شروع میں ہی اس کی جیب خالی ہو گئی تھی۔ ان کے والد تنخواہ دار ملازم نہیں تھے کہ پنشن وغیرہ کا کوئی سہارا ہوتا۔ وہ کاروباری آدمی تھے۔ بزنس میں پے درپے نقصان کی وجہ سے انہیں دل کا دورہ پڑا اور وہ خالق حقیقی سے جا ملے۔

"ناشتا لائی ہو؟" آج وہ بڑے دن بعد بولنے لگا تھا۔ مولی پر طویل ترین خاموشی کے دورے بھی پڑتے تھے۔ موڈ ہوتا تو بول لیتا ورنہ ٹکر ٹکر دیکھتا رہتا۔ اتنے دنوں میں حریم کی صورت سے وہ اچھا خاصا مانوس ہو گیا تھا۔ ورنہ شروع شروع میں اسے دیکھ کر چیخ پڑتا۔

اس کے آنے سے پہلے امی خود مولی کے سارے کام کرتی تھیں۔ مولی کے معاملے میں وہ بہت حساس تھیں۔ کئی کئی مرتبہ اس کے کمرے میں جھانک کر دیکھتی تھیں۔ اس کی خوراک اور ضروریات کا خود خیال رکھتی تھیں تاہم حریم کے آنے کے بعد وہ کچھ زیادہ ہی مولی کی ذمہ داری سے آزاد ہو گئی تھیں مگر یہ صرف کاموں کی حد تک تھا۔ یخنیاں، سوپ، جوس ویسے، کھیر اور حلوے وغیرہ پہلے خود انہیں پکانا پڑتے تھے اب اس سے شور ہنگامہ کر کے پکوانے کی ذمہ داری ان کے سر آچکی تھی۔ وہ اسے اٹھا کر کھلاتی تھیں کہ حریم سے [illegible] کے کام بھی الٹے ہونے لگتے اور پھر [illegible] کے سامنے بڑی دردمندی سے فرمایا جاتا۔

"بے چاری کی ماں نہیں تھی اسی لیے سلیقے کی کمی ہے۔ ٹھیک سے کچھ پکانا نہیں آتا یا پھر اسے کیا پتا گھر کیسے سنبھالے جاتے ہیں۔ سیکھ جائے گی آہستہ آہستہ۔ میری تو زمیلہ جیسی ہے۔" اکثر لوگوں کو حریم کو اتنی اچھی ساس اور ان کی بے تحاشا محبت اور فکر پر رشک آنے لگتا تھا۔ اس کے جاننے والے اسی غلط فہمی کا شکار تھے اور وہ بھی دل ہی دل میں بھرم رہ جانے پر اللہ کی شکر گزار تھی۔ اس کا باپ مطمئن تھا۔ ان کی بوڑھی آنکھوں میں اپنے درست فیصلے پر جو اطمینان ہلکورے لیتا تھا۔ جو رنگ چمکتے تھے۔ حریم کو ان رنگوں سے عقیدت کی حد تک محبت تھی اور وہ ان رنگوں کے سدا قائم رہنے کی آرزو مند تھی۔

"بھابھی! ناشتا لائی ہو۔" وہ کچھ سہم کر دھیرے سے بولا تھا۔

"ہوں۔۔۔ یہ ہوئی نا بات۔" حریم نے مسکرا کر اس کا حوصلہ بڑھایا۔

"اب ذرا ایپرن اٹھا کر شرٹ پر پھیلاؤ۔" وہ اسے ناشتے سے پہلے کی ہدایت دے رہی تھی۔ مولی نے اس کے حکم کی فوراً تعمیل کی تھی۔

"اب کیا کروں بھابھی!" اب وہ اگلے حکم کا منتظر تھا۔

"روزانہ کیا کرتے ہو۔" وہ ناراضی سے گویا ہوئی۔

"یاد نہیں۔" مولی نے سر جھکا لیا تھا۔

"کیوں یاد نہیں۔۔۔ جلدی سے ذہن پر زور ڈالو۔ ساتھ ساتھ ناشتے کی ٹرے پر نظر رکھو۔" وہ اسے مختلف ہدایات دے کر ناشتے کے متعلق یاد دہانی کروا رہی تھی کہ اسے اب ناشتا کرنا ہے مگر مولی کا ذہن محض ایک نقطے پر منجمد ہو کر رہ گیا تھا۔ یہ کیسی بے بسی تھی جو اس کی آنکھوں سے خوف بن کر ہویدا تھی کہ بھابھی اب جھڑکے گی۔ خفا ہو گی۔ ناراضی کا اظہار کرے گی۔ کیا پتا مارے بھی۔ ویسے کتنی اچھی تھی۔

اس کی مسکراہٹ کتنی نرم تھی جیسی امی کی مسکراہٹ ہوتی ہے۔ نرم نرم اور اچھی لگنے والی۔ کاش یہ نہ غصہ کرے نہ جھڑکے نہ خفا ہو اور نہ ہی بار بار سوال کرے۔ بس مسکراتی رہے۔ امی کو بھی کبھی کبھی غصہ آجاتا ہے۔ مارنے لگتی ہیں۔ ڈانٹتی ہیں۔ پھر کیا ہوتا ہے۔ بس روتے روتے نیند آجاتی ہے اور بس۔

"مولی! میں کیا کہہ رہی ہوں۔" یہ لڑکی جو کہتی تھی ۔۔۔ میں تمہاری بھابھی ہوں۔ کتنی اچھی تھی یہ بھابھی۔ کاش ہمیشہ ادھر ہی رہتی۔ فیفا کی طرح گھر نہ چلی جاتی مگر نہ جانے کیوں یہ بھی گھر چلی جاتی ہے۔ اس لڑکی کا نام شاید بھابھی ہے۔ کتنا اچھا نام ہے۔

"بولو بھی کیا کہتی ہو بھابھی!" وہ لاچاری کے عالم میں اسے دیکھنے لگا۔

"یہ سامنے کیا رکھا ہے؟"

"ٹرے۔" وہ کچھ پل سوچنے کے بعد ڈرے ڈرے انداز میں بولا تھا۔ مبادا بھابھی کو برا ہی نہ لگے۔ وہ خفا ہو کر چلی نہ جائے۔

"ٹرے میں کیا ہے مولی!"

"ناشتا۔" اب کے بغیر سوچے مولی نے فٹ سے جواب دیا تھا۔

"اسے کیا کرتے ہیں۔" ایک اور مشکل سا سوال تھا۔ مولی نے بے بسی سے ہونٹوں کو کچلا اور ٹی وی پر نظریں جما دیں۔ ٹی وی پر کارٹون لگے تھے۔ ٹام بھی کچھ کھا رہا تھا۔ شاید انڈا یا گوشت کا ٹکڑا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آئی تھی تاہم وہ ٹی وی پر نظریں جمائے بیٹھا رہا۔

"مولی!" بھابھی کا ضبط شاید جواب دے گیا تھا۔ وہ سہمی نظروں سے بھابھی کو دیکھنے لگا۔

"ناشتے کو کیا کرتے ہیں۔" اس کے ذہن کی سوئی بس اسی جگہ منجمد ہو کر رہ گئی تھی حالانکہ کبھی کبھی وہ آرام سے ہر بات کا "تفصیلا" جواب دے دیتا تھا۔ بس کبھی کبھی اس کی ذہنی رو بری طرح بہک جاتی تھی۔ بے شمار بلکہ حریم کے منتظر تھے۔ ابھی اس ۔۔۔ کھانے کی تیاری بھی کرنا تھی مگر یہ ۔۔۔

"ناشتے کو کیا کرتے ہیں ۔۔۔ ناشتے کو کیا کرتے ہیں۔" وہ زیر لب بڑبڑا رہا تھا پھر اچانک چونک کر حیرت سے بے انتہا حیرت سے بولا۔

"بھابھی! تمہیں نہیں پتا۔ ناشتے کو کھاتے ہیں۔ جیسے کھانا کھاتے ہیں۔ جیسے ایپل کھاتے ہیں۔ جیسے انڈا کھاتے ہیں۔ جیسے ٹام کھاتا ہے۔" وہ اسے سمجھانا چاہ رہا تھا۔ عجیب سی بے بسی تھی۔

"مجھے نہیں پتا تھا۔ شکر ہے تم نے بتا دیا ہے۔" اس کا سر دکھنے لگا تھا اور وہ اٹھ کر باہر جانے لگی تھی۔

"بھابھی! جا رہی ہو۔" وہ اداس ہو گیا تھا تاہم ناشتے کی طرف بھی متوجہ تھا۔

"ہوں۔" حریم سے مزید رکنا محال تھا۔ حالانکہ اسے کبھی بھی مولی سے کراہیت محسوس نہیں ہوئی تھی مگر کبھی کبھی مولی کی زچ کر دینے والی حرکتیں اسے سخت مشتعل کر دیتی تھیں جیسے اس وقت اس کا دماغ سنسنا رہا تھا۔

"اچھا ۔۔۔" اداسی پر اداسی کے بادل چھا گئے تھے۔ حریم نے بغیر غور کیے سر جھٹک کر دروازہ بند کر دیا تھا۔ یہ دروازہ ہمیشہ سے بند ہی رہتا تھا۔

☆ ☆ ☆

ننانوے فیصد ساسوں کی طرح اس کی ساس بھی روایتی سی تھیں۔ تیکھی، کڑوی، تنک مزاج سی کسیلی، غصیلی اور کبھی کبھی مہربان ہو جانے والی۔ اگر ان کی پسند کے مطابق کام ہوتے رہتے تو مزاج بہتر رہتا۔ دوسری صورت میں ۔۔۔ آنکھیں غضبناک اور مزاج ۔۔۔ کے درجے میں لگتی تھی۔ مگر حریم نے کبھی ۔۔۔ جواب نہیں دیا تھا۔ ان کی کڑوی ۔۔۔ سے سنتی رہتی۔

زیملہ ۔۔۔ دن بعد اس لاکٹ کا خیال آیا تھا۔ جو اس نے بھابھی کو بطور تحفہ پہنایا تھا۔ اب اس کی گردن میں نئی گولڈ مالا جھولتی تھی ایک دم ہی زیملہ کے تاثرات بدل گئے۔

"بھابھی! جو میں نے آپ کو چین گفٹ کی تھی۔ وہ کہاں ہے؟" اس کا انداز حد درجہ تیکھا تھا۔

"وہ چین ۔۔۔" حریم کچھ گھبرا سی گئی تھی کہ زیملہ کو اب کیا بتائے۔ وہ چین نجانے توڑ پھوڑ کر ماہیر نے کہاں کی تھی۔

"وہ چین مجھے تحفے میں ملی تھی۔" زیملہ کہیں کھو سی گئی تھی۔

"میری بہت اچھی سی سہیلی تھی جس نے مجھے گفٹ دیا تھا سالگرہ پر۔ آپ جانتی نہیں وہ ۔۔۔" کچھ کہتے کہتے وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔

"دراصل ماہیر نے ۔۔۔" حریم ۔۔۔ کر ادھر ادھر دیکھنے لگی تھی۔

"بھائی نے مجھے واپس کر دی تھی۔" زیملہ خفگی سے کہنے لگی۔

"شاید اس ۔۔۔ کہ مجھے زوباریہ نے دیا تھا یا پھر اس ۔۔۔ فون کی بجتی گھنٹی نے بات مکمل کرنے ۔۔۔ دی۔ زیملہ فون کی طرف متوجہ ہو گئی تھی جبکہ حریم کی گویا جان میں جان آئی۔ وہ بھلا ماہیر کے چین توڑ کر واپس کرنے کی کیا وجہ بتا سکتی تھی۔ حالانکہ وہ خود ماہیر کے اس انتہائی رویے کی وجہ جاننے کے لیے متجسس تھی۔

ماہیر آج آفس سے کچھ جلدی آ گیا تھا۔ وہ کچھ پژمردہ سا بے زار بے زار دکھائی دے رہا تھا۔ آتے ساتھ ہی وہ ماں کے کمرے میں چلا گیا تھا۔ حریم جب چائے لے کر اندر گئی تو ماں بیٹا نہ جانے کس موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ اسے آتا دیکھ کر دونوں نے ہی لب سی لیے تھے۔ حریم نے نوٹ کیا۔ ماہیر کچھ پریشان تھا۔ پریشانی کی وجہ شاید بڑی تھی کہ جبھی تو وہ حریم کی طرف دیکھ کر بھی نہیں چونکا تھا۔ حالانکہ آج وہ خاص اہتمام سے ماہیر کے پسندیدہ لباس کو پہنے ہوئے تھی اور میک اپ سے مبرا چہرے کے باوجود بہت خوب صورت دکھائی دے رہی تھی۔ آئینے نے تو یہی کچھ بتایا تھا۔ مگر ماہیر کے رویے نے اس کے نازک سے دل پر ہلکی سی ضرب لگائی تھی۔ وہ بددل سی کچھ دور رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

ماہیر چائے پی کر اٹھ گیا تھا۔ اس کا رخ سیڑھیوں کی طرف تھا اور ابھی صرف نو بجے تھے۔ حریم کچن کے کاموں سے فارغ ہو کر تقریباً آدھے گھنٹے بعد ماہیر کا کھانا لے کر ۔۔۔ بجائے سیڑھیاں چڑھنے لگی تھی۔ رات کو ۔۔۔ خود مولی کو کھانا کھلا کر دوا وغیرہ پلا دیتی تھیں سو وہ مطمئن سی اپنے کمرے میں چلی آئی۔

"ماہی! کھانا کھا لیجیے۔" وہ اس کی آمد پر بھی نہیں چونکا تھا۔ تبھی تو حریم نے گلاس کے وسط میں چمچ کو زور سے بجا کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا اور ماہیر کو گویا جھٹکا لگا تھا۔ وہ ٹھٹک کر حریم کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ گویا یہ یقین چاہ رہا تھا کہ آیا "ماہی" حریم نے کہا ہے یا کوئی وہم حقیقت کی شکل میں مجسم ہو کر اس کے سامنے آکھڑا ہوا ہے۔

"ماہی! تم میرے ماہی ہو ۔۔۔ صرف میرے ماہی ہو میرے ماہیر ہو۔ ایک دن مان جاؤ گے کہ تم صرف میرے ہو۔" کھنکتی آواز میں کیسا یقین بول رہا تھا۔ ماہیر کو گویا جھٹکا لگا۔ نہ جانے کس لمحے کی قید سے وہ آزاد ہوا تھا اور بے خیالی میں حریم کو دیکھے جا رہا تھا۔

"ماہیر صاحب! لوٹ آئیے۔ کہاں کھو گئے ہیں۔" اس نے نرمی سے ماہیر کے شانے کو ہلایا۔

"تم حریم! کہاں تھیں تم۔" وہ چونک کر سر جھٹکتے ہوئے بولا۔

"میں تو یہیں ہوں۔ آپ کے آس پاس۔" وہ کھلکھلائی تھی۔ آج کتنے دنوں بعد جلدی اپنے کمرے میں آنے کا موقع مل سکا تھا۔ اس کا مزاج تو بخود شگفتہ، بے حد شگفتہ ہو گیا۔

"آس پاس ہی رہنا ۔۔۔ زیادہ پاس مت آنا۔ جن بھوت ہوں نا ۔۔۔ تمہیں کھا جاؤں گا۔"

"ہیں ۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی۔" وہ ہنس پڑی تھی پھر ہنستی چلی گئی۔

"جتنا میں آپ کے قریب ہوں۔ اتنا کوئی ہو سکتا ہے؟"

"اگر کوئی ہو گیا تو۔" وہ بھی جان بوجھ کر اسے چھیڑنے لگا تھا۔

"اپنی اور آپ کی جان ایک کر دوں گی۔"

"وہ تو پہلے سے ہی ہے۔" وہ آسودگی سے مسکرایا تھا۔

"تم بتاؤ تم نے میرے لیے کیا کیا ہو؟"

"کیا ہو؟ ڈیکوریشن پیس۔ جو آپ کو بہت پسند ہے۔" حریم نے ماہیر کو چڑانے کی کوشش کی۔

"تم میری زندگی ہو حریم! میرے دل کا اطمینان میری روح کی آسودگی۔ تم میرے لیے کیا ہو' یہ میں تمہیں لفظوں میں نہیں بتا سکتا۔ تم مجھ سے کچھ نہ بھی کہو' تب بھی میں سب سمجھتا ہوں۔ امی کا رویہ تمہارے ساتھ بہتر نہیں۔ شادی سے پہلے ایسا نہیں تھا۔ انہوں نے تمہارے لیے ایک ایک چیز بڑے شوق سے' بڑی چاہ سے بنوائی تھی۔ مگر نہ جانے کیوں' ایک خوب صورت بہو لا کر مائیں خوف میں مبتلا کیوں ہو جاتی ہیں۔ شاید بیٹے کی متوقع جدائی کا خوف ان پر حاوی ہو جاتا ہے۔ اکثر کیسز میں ایسا ہی تو ہوتا ہے۔ ہمارے محلے میں ایسے کئی واقعات ہوئے ہیں۔ بہرحال تم نے اس گھر کی' میری ماں کی ذمہ داریاں احسن طریقے سے نبھانا شروع کی ہیں۔ میں تمہارا مشکور رہوں گا ہمیشہ بس گھر کی فضا کو پرامن ہی رہنے دینا۔

میں اس بات کا قائل ہو چکا ہوں کہ میرے ابو بہت دور اندیش تھے۔ انہوں نے اس گھر کے لیے ایسی بہو کا انتخاب کیا ہے' جو اس گھر کے مسائل کو' پریشانیوں کو اچھی طرح سے سمجھ سکے۔ اگر کبھی امی کی طرف سے بڑی پرابلم کا شکار ہو جاؤ تو میری پیاری حریم! تم اس مسئلے کو عقلمندی' دانشمندی سے حل کر لینا تمہیں پہلی نظر میں دیکھ لینے کے بعد میں نے ابو سے کہہ دیا تھا کہ یہی وہ لڑکی ہے جو ماہیر عالم کے ساتھ دور تک بہت دور تک چلنے کا سلیقہ رکھتی ہے۔ ابھی حالات کچھ ٹائیٹ ہیں مگر میں تمہیں اپنی طرف سے ہر سکھ دینے کی کوشش کروں گا۔ دراصل یہ اوپر کا پورشن اور باتھ وغیرہ بنوانے میں اور شادی کے [illegible] کافی رقم اٹھ گئی تھی۔ تاہم آہستہ آہستہ [illegible] ہو جائے گا۔ تم جس طرح سے امی کا خیال رکھتی ہو۔ اس کے لیے میں تمہارا مشکور ہوں اور [illegible] طرح تم نے میرا خیال رکھا۔ یہ دل' ماہیر عالم کا دل اور اس کی ہر آواز کو سن لو وہ صرف تمہارا نام پکارتے ہیں۔" ماہیر کی بے ساختہ محبت کا اظہار حریم کو مبہوت کر رہا تھا۔ وہ بہت کم بولتا تھا۔ بہت عمدہ بولتا تھا۔ خالی چچی کہتی تھیں کہ حریم! تمہارے ماہی کو بولتا دیکھ کر تو نجانے کتنی لڑکیوں کو دل کا دورہ پڑا ہو گا اور جب یہ ہنستا ہو گا' مسکراتا ہو گا تو پھر نجانے صنف نازک پر کیسی قیامت ٹوٹتی ہو گی۔ شاید اسی لیے وہ بہت کم ہنستا تھا۔ بہت تھوڑا سا مسکراتا تھا۔ ہاں جب حریم اس کے سامنے ہوتی تب ماہیر کے چہرے کا ہر ہر نقش بول بول کر اسے سراہتا تھا۔ معتبر کرتا تھا۔ سرفراز کرتا تھا۔ محبت کے اس سفر میں حریم جمال تنہا کہاں تھیں۔ اس کا ہم سفر' ہم قدم تھا۔ وہ اس کا ہمراز تھا۔ مصاحب تھا مقرب تھا۔

"یہ دل اور اس کا ہر کونا میں نے تمہارے لیے سجایا ہے' آراستہ کیا ہے۔ یہ دل تمہارے دل سے ہی حدتی نور کا مرکز اور چراغ داں بنا ہوا ہے۔" حریم کے دل میں گویا سرتوں کی گٹھڑی بندھ گئی تھی۔ [illegible] سے اسے اور کیا چاہیے تھا؟ محبت سے [illegible] تھا؟ کیا اس اظہار کے بعد کچھ اور کی چاہ باقی [illegible] دل خوشبوؤں کے ہار میں ایک ایک [illegible]

"حریم! صرف تم میرے دل [illegible] ٹھہر گئی ہو۔ اس چھوٹے سے گھر [illegible] ہے۔ یہاں بس گئی ہو۔ دیکھو' [illegible] ہے' ڈیرا ڈال لو۔ یہاں سے نکلنے [illegible]" اس کا سوئی سا ہاتھ ماہیر کے ہاتھ [illegible] اس کے دل کی ہر دھڑکن کو سن [illegible] ایسی ہوتی تھی۔ بے حد و بے رفتہ [illegible] حریم [illegible] کی۔

"[illegible] دل جتنی جگہ' تو حریم جمال کو کہیں بھی مل نہیں پائے گی۔ ہم نے بھی اس علاقے کو فتح کیا ہے۔ جیت لیا ہے۔ یہاں میرے نام کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ یہ اسٹیٹ اب ہماری ہوئی۔ پھر کہیں اور جانے کا کیا سوال؟" اس کی بولتی آنکھیں حریم کے چہرے کے ایک ایک نقش کا طواف کر رہی تھیں اور وہ بادلوں کے سنگ محو پرواز تھی اور اس کے قدم سفید بگولوں کو چوم

رہے تھے۔

"میں نے اپنا ہر روپ صرف آپ کے لیے زینت سے سجایا ہے۔" وہ آسودگی سے کہہ رہی تھی۔

"تو آپ کے اس روپ کی رونق سے کچھ دیر دل کو بہلا نہ لیا جائے۔" حریم اس کی بانہوں کے حصار میں تھی۔ ایک تحفظ کا مضبوط ترین حصار۔ وہ اس کا سائبان تھا۔ یہ آپ کا دل تھا۔ جس نے من کو اپنی محبت کی بارش سے سیراب کیا تھا۔

"اوں۔ ہوں۔" وہ اس کی جذباتی پیش قدمی پر قدرے [illegible]

"تو [illegible] کون کھائے گا۔"

"[illegible] تم پاس ہو تو پھر کسی چیز کی طلب نہیں۔" وہ مسکرایا تھا اور اس کے چہرے کا ایک ایک نقش روشن ہو گیا۔

"یہ طلب ہر طلب پر حاوی ہے۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔ گدگدا رہا تھا۔ مسکرا رہا تھا۔ رات کے پہلے پہر نے چپکے سے ایک دعا کی تھی۔

☼ ☼ ☼

ماہیر کچھ دنوں سے پریشان تھا۔ اس نے اپنی پریشانی شیئر نہیں کی تھی۔ شاید اس کے پریشان ہونے کے خیال سے۔ آج دھند کی شدت میں بھی کئی گنا اضافہ ہوا تھا۔ اس کے باوجود ماہیر فجر کی نماز ادا کرنے مسجد چلا گیا تھا۔ واپس آ کر وہ آفس جانے کی تیاری کرنے لگا۔ آج چونکہ سردی زیادہ تھی اسی لیے راحت بیگم بھی کمرے سے باہر نہیں نکلی تھیں۔

کچھ سوچ کر حریم ناشتا ٹرے میں سجا کر اوپر چلی آئی تھی۔ ماہیر بلیک پینٹ اور کافی کلر کی شرٹ پہنے تیار کھڑا تھا۔ بال بنا کر اس نے پرفیوم اسپرے کیا تھا پھر صوفے پر بیٹھ کر ٹرے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

حریم بیڈ شیٹ بدل کر کمبل سمیٹنے لگی تھی۔ ساتھ ساتھ کن انکھیوں سے ماہیر کو بھی دیکھ رہی تھی جو دھیان میں چائے پی رہا تھا۔ اس نے برائے نام ناشتا کیا

حریم کچھ سوچ کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔ [illegible] خوشبو اس کے اردگرد چکرانے لگی تھی۔ [illegible] کی نیلاہٹیں بہت واضح تھیں۔ وہ یک ٹک ماہیر کو دیکھتی رہی۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" وہ ان دیکھے ہی اس کی نظروں کی گرماہٹ کو محسوس کر چکا تھا۔

"آپ کچھ پریشان ہیں۔" حریم نے جھجکتے ہوئے پوچھ ہی لیا۔ کیا پتا پریشانی کی نوعیت اس سے چھپانے والی ہو۔ بتانے والی نہ ہو۔ کیونکہ اب تک کے دنوں میں راحت بیگم حتی المقدور اس سے کچھ نہ کچھ چھپانے کی سعی میں مصروف ہوتی تھیں۔ اگر مجبوری نہ ہوتی تو ملی کو بھی انہوں نے اس سے چھپائے ہی رکھنا تھا۔

"تم نے کیسے جانا کہ میں پریشان ہوں۔" اس نے چائے کا خالی کپ میز پر رکھ دیا۔

"آپ مجھے وجہ نہیں بتائیں گے۔" وہ اس کے سوال کو یکسر نظرانداز کر کے آس بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"انسان اپنی الجھنوں کو اپنوں سے ہی شیئر کرتا ہے۔ اس امید پر کہ اس کی پریشانی کو بانٹ لیا جائے گا۔"

"کیا بتاؤں؟" وہ سوچ میں پڑ گیا تھا پھر ایک دم ہی بتانے لگا۔

"یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں۔ تاہم صرف تمہاری خواہش پر بتا رہا ہوں۔ ایکچولی امی تو شادی اس قدر دھوم دھام سے کرنے کے حق میں نہیں تھا۔ خوامخواہ کی نمود و نمائش اور بے جا اسراف۔ مگر میری امی کو خاندان والوں کے سامنے سبکی کا خدشہ تھا۔ خواہ اس ضمن میں کوئی قرض دار ہی کیوں نہ ہو جائے۔ انہوں نے ہمیشہ ہی لوگوں کی باتوں کو مدنظر رکھا ہے۔ اس معاملے میں بھی ان کی منطق نرالی تھی۔ اونچی ناک کو سنبھالنا اور بچانا مشکل تھا۔ اب بتا رہی ہیں کہ جیولر کے سوا لاکھ روپے ابھی دینے ہیں۔"

"تو اس میں پرابلم کیا ہے۔ آپ چوڑیاں یا گولڈ کا

سیٹ جیولر کو واپس کر دیں۔ میں ابھی نکال دیتی ہوں۔ بری کے زیور میں امی کے لیے چھ چوڑیاں اور ایک تین تولے کا سیٹ تھا اور وہ ماہیر کی پریشانی کو ہر صورت کم کرنا چاہتی تھی اسی لیے فوراً" اٹھنے لگی۔ حالانکہ لڑکیوں کو اپنے جہیز اور بری کے زیورات سے خاص انسیت ہوتی ہے مگر حریم کے لیے ماہیر کی ذات سے بڑھ کر کوئی چیز اہم نہیں تھی۔

"اوں۔۔۔ ہوں' یہ آپشن میں امی کے سامنے رکھ چکا ہوں۔ امی کا خیال ہے ایک دفعہ جو چیز بن جائے وہ ہی بہتر ہوتی ہے۔ زیور آڑے وقتوں میں کام آجاتا ہے۔ میں کچھ نہ کچھ کرلوں گا۔ تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ اس کے ہاتھ کو تھپتھپا کر نرمی سے بولا۔ اس کا انداز تسلی آمیز تھا۔

"مگر اتنی بڑی رقم کہاں سے آئے گی۔" حریم کی پریشانی کسی بھی طور کم نہیں ہوئی۔

"کچھ دنوں تک امی کی کمیٹی نکل آئے گی۔ وہ کچھ روپے تو ضرور ادھار دے دیں گی۔"

"ادھار۔۔۔" حریم حیران ہی رہ گئی تھی۔

"بھلا ماں بیٹے میں کیسا ادھار۔۔۔ کمیٹی بھی تو ماہیر سے پیسے لے کر دیتی ہوں گی۔" اس کی حیرانی فطری تھی۔

"یار! بتایا تو ہے۔ سیلری جتنی اسٹرونگ ہے' سیونگ ذرہ برابر نہیں ہوتی۔ گھر کے اخراجات ہی بے شمار ہیں اوپر سے مولی کے دو دو ڈاکٹرز سے علیحدہ علیحدہ چیک اپ' دوائیاں' ٹیسٹ۔۔۔ مہینے کے آخر میں بالکل کنگلا ہو جاتا ہوں۔ پٹرول کے لیے امی سے ادھار لینا پڑتا ہے۔ پہلے گاڑی بھی تھی پھر اسے بیچ کر بائیک لینا پڑی۔" وہ گویا اس کی کیفیت سمجھ کر تفصیل بتانے لگا۔ نفیسہ پھوپھو نے ٹھیک کہا تھا۔ ماہیر پر بہت سی ذمہ داریوں کا بوجھ تھا۔ اور وہ اس کی مشکلات کو سمجھتی تھی اور اپنی طرف سے اسے پریشان نہ کرنے کا خود سے عہد کر [illegible] تھی۔

"تو اب یہ قرض۔۔۔ کیسے ادا ہوگا۔"

"یہ تمہارا [illegible] نہیں۔۔۔ بس تم خوش رہا کرو۔ مسکراتی رہا کرو۔ میری آدھی ٹینشن تمہیں فریش دیکھ کر ختم ہو جاتی ہے۔" اس نے بہت پیار سے حریم کے گال تھپتھپائے اور حریم نے اسی پل خود سے دوسرا عہد کیا تھا۔ گھریلو سیاست اور امی کی رنجشوں کو ماہیر سے دور رکھنے کا عہد "تلاش معاش اور زندگی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کرنے والے مرد کو اگر گھر میں سکون مہیا نہ کیا جائے تو وہ باہر "سکون" کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتا ہے اور حریم تو ایسا قیامت تک نہیں چاہتی تھی۔

وہ ماہیر عالم کے گرد ایک دائرہ کھینچنا چاہتی تھی۔ محبت' اطاعت' خلوص' سکون اور ایثار کے اس دائرے میں اسے ہمیشہ کے لیے مقید کرلینا چاہتی تھی۔ تاکہ گھر آتے ہوئے کبھی اس کی راہ کھوٹی نہ ہو۔ وہ چند پل کے لیے بھی کسی اجنبی سایہ دار شجر کے نیچے نہ ستائے اسے اپنے مدار کی طرف لوٹنے کی جلدی ہو اور یہ مقناطیسیت محبت سے بڑھ کر کسی اور شے میں نہیں تھی۔ حریم نے کچھ دیر کے لیے نہ جانے کیا سوچا اور پھر اٹھ کر دیوار گیر الماری کی طرف بڑھ گئی۔

"فی الوقت ان سے کام چل جائے گا۔" وہ بہت سے ہزار ہزار کے نوٹ ماہیر کی طرف بڑھائے کھڑی تھی۔

"یہ کہاں سے آئے ہیں؟" وہ حیران سا اسے دیکھنے لگا۔ حق مہر بھی شرعی لکھوایا گیا تھا۔ [illegible] ماہیر نے اسے دی تھی اور نہ ہی امی نے۔ اسے توقع بھی تھی کہ شاید منہ دکھائی میں کچھ روپے انہوں نے دے دیے ہوں گے۔ اور امی کی سلامیوں کی رقم وہ پہلے ہی لے چکی تھیں۔

"یہ [illegible] طرف سے مہمانوں نے کیش رقم دی تھی۔"

"یہ تم انکل کو لوٹا دیتیں۔ یہ رقم انہی کا حق تھی۔" ماہیر نے روپے نہیں پکڑے تھے۔ اس کی ماں نے حریم سے بھی کچھ کہہ کر سلامی کے پیسے لیے تھے۔ ان کا خیال تھا انہوں نے جو کچھ لوگوں کو دیا' دلایا تھا وہ ہی کچھ واپس آیا ہے۔

"بابا نے بعد اصرار مجھے دے دیے تھے۔" وہ زبردستی رقم اسے تھما کر کمرے میں برتن رکھنے چلی گئی۔

"مگر حریم۔۔۔"

"کوئی اگر مگر نہیں۔۔۔ اب اٹھ بھی جائیے۔ آفس سے دیر ہو جائے گی۔ دھند کی بھی اتنی دبیز چادر تنی ہے۔ احتیاط سے جائیے گا۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ یہ ادھار ہوا۔" کچھ سوچ کر وہ مان گیا۔

"اس ادھار سے ہم اسلام آباد خالہ کے گھر جائیں گے۔ خالہ نے بھی شادی کی دعوت دی تھی۔ ہم مری کا چکر بھی لگا کر آئیں گے۔" وہ خوشی خوشی پروگرام ترتیب دینے لگی۔

اس [illegible] کی ضمن میں محفوظ کی تھی۔ وہ اول روز سے ہی جان گئی تھی کہ زندگی میں سب من پسند نہیں ہوگا۔ اسے روایتی سا ماحول ملا ہے اور پھر زندگی کے جھمیلوں میں الجھے چند یہ دن اچھی یاد کی صورت میں ہمیشہ تازگی اور تابندگی قائم رکھیں گے۔

ماہیر کی معیت' ہمراہی اور مری کی برف پوش پہاڑیوں کو دیکھنا کتنا اچھوتا' انوکھا اور دلفریب ہوگا۔ اپنی یہ خواہش وہ بہت چاہنے کے باوجود ماہیر سے شیئر نہیں کر سکی تھی مگر اس وقت اچانک اس کے منہ سے یہ چند الفاظ اک خوب صورت سی فرمائش بن کر ادا ہوئے تھے۔ ماہیر لمحے بھر کو رک کر اس کے چمکتے سفید چہرے میں خوشی' مسرت کی جگمگاہٹ دیکھنے لگا تھا۔ کس قدر تابناکی' روشنی اور شگفتگی سی پھوٹ رہی تھی حریم کے ہر نقش سے۔ اس کی آنکھوں سے' ہونٹوں سے۔ نہ جانے کیوں ماہیر کو طاق میں رکھے چراغ کی تیز ہوتی لو کو پھونک مار کر بجھانا' اس مسکراہٹ کی شگفتگی کو سمٹتا دیکھنے کا حوصلہ نہ تھا۔ وہ اسے اللہ حافظ کہہ کر تیزی سے سیڑھیاں اتر گیا تھا۔ ہمیشہ کی طرح حریم اسے گیٹ تک چھوڑنے کے لیے پیچھے بھاگی تھی۔ پھر گیٹ بند کر کے اندر آئی تو راحت بیگم بھی اٹھ چکی تھیں اور ان کا موڈ ہمیشہ کی طرح بگڑا ہوا تھا۔ وہ کچن میں کھڑی تھیں اور برتنوں کی شامت آئی ہوئی تھی۔

"میرا بچہ بھوک سے بلک رہا ہوگا۔ ایک کھانے پکانے کی ذمہ داری ہے۔ وہ بھی احسن طریقے سے نبھائی نہیں جاتی۔ چونچلوں سے فرصت ملے تب نا۔ [illegible] ہوائی نند ہے۔ ساس ہے مگر آج کل کی بہوؤں میں حیا تو رہ ہی نہیں۔" وہ سنک میں پڑے برتن پٹخ رہی تھیں۔ حریم بے چاری پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ شرمندگی سے سر اٹھا ہی نہیں سکی۔

"امی! آپ بیٹھیے میں ناشتا بناتی ہوں۔" وہ بمشکل لب کچلتے ہوئے بولی۔

"رہنے دو بی بی! ہاتھ سلامت ہیں۔ کون سا پہاڑ توڑتے ہیں۔ ابھی بنا لیتی ہوں۔ تہجد کے وقت کا بندہ اٹھا ہو تو سات بجے تک بھوک سے حشر ہو جاتا ہے۔ اور اب تو ساڑھے آٹھ ہونے والے ہیں۔ روزانہ یہی ڈرامہ تو ہوتا ہے۔" انہوں نے دو پل میں اس کی گزشتہ خدمتوں کو بھی مٹی میں رول دیا۔

"آپ کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ میں نے سمجھا' نماز کے بعد دوبارہ سو گئی ہیں۔ اسی لیے۔" صفائی پیش کرتے ہوئے نہ جانے آنکھوں کے سامنے چادر کیوں تن سی گئی تھی۔ اس نے بمشکل آنکھوں میں امڈتی نمی کو اندر اتارا۔

"جواز تو سارے پہلے سے موجود ہوتے ہیں۔" ان کا غصہ کسی طور کم نہیں ہوا تھا۔ وہ بھوک کی بہت کچی تھیں۔ حریم سے ایک عظیم غلطی سرزد ہو چکی تھی۔ اس کا ازالہ یوں ممکن تھا کہ رات کے کھانے میں اہتمام کیا جائے۔ چاہے وہ کس قدر مقروض ہی کیوں نہ ہوں۔ مہینے کا آخر ہی کیوں نہ ہوتا۔ وہ خوراک کے معاملے میں قطعاً" احتیاط نہیں کرتی تھیں نہ ہی کفایت شعاری سے کام لیتی تھیں۔ راشن بے دریغ اور کھلا آتا تھا۔ اسی طرح استعمال بھی فضول خرچی سے کیا جاتا۔ تبھی تو مہینے میں کئی مرتبہ سودا سلف لانا پڑتا تھا۔

زمیلہ اور راحت بیگم بہت خوش خوراک تھیں۔ مگر اس کی آمد سے پہلے گھر میں پکانا ایک بڑا مسئلہ تھا۔ اکثر نفیسہ پکا دیتی یا پھر بازار سے منگوالیا جاتا۔ ماسی بتاتی

تھی۔ زیادہ تر لیفنا ہی کھانا پکایا کرتی تھی۔ بقول ماسی کے شادی سے پہلے لیفنا کا زیادہ وقت کچن میں گزرتا تھا۔ ماسی کے خیال میں ماہیر کی شادی ہو جانے کے بعد لیفنا کی آمد و رفت کم ہوئی تھی مگر حریم کا ذاتی خیال یہ تھا کہ بینک کی جاب اور مصروفیات بڑھنے کی وجہ سے وہ کم کم آتی تھی۔ یہ خیال زیادہ قوی تھا اور وہ فضول واہموں میں پڑنے والی نہیں تھی۔ تاہم ماسی کا ارادہ تو مزید گل افشانیاں کرنے کا تھا مگر حریم کا رویہ دیکھ کر دل مسوس کر رہ گئی۔ شاید ماسی چٹخارے لینا چاہتی تھی۔ اور حریم نے اس کی یہ خواہش پوری نہیں کی تھی۔

"موبی کو دوائی دینی ہے۔ دماغی امراض کے ڈاکٹر سے چیک اپ کروانا ہے۔ کمبخت کھانے کے لیے بھی کچھ مانگ نہیں سکتا۔ نہ لولا ہے نہ لنگڑا۔ زبان بھی ساتھ ہے مگر کھانے کے لیے کچھ نہیں مانگے گا۔ ہائے یہ آزمائش کیسی ہے۔" بیک وقت وہ ظالم اور مظلوم بھی بن جاتی تھیں۔ ان کے دوہرے رویے کو سمجھنا حریم کے بس میں نہیں تھا۔ اس وقت وہ گولا باری کرنے کے بعد رقت آمیز لہجے میں بول رہی تھیں۔ کچھ ہی دیر بعد آنکھوں سے آنسو بھی بہنے لگے تھے۔

حریم کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ان کی دلجوئی کس طرح کرے۔ وہ اسی کشمکش میں کھڑی رہ گئی تھی اور وہ آنکھیں دوپٹے کے پلو سے پونچھتی باہر نکل گئیں۔

حریم نے فٹافٹ ناشتا بنایا۔ پہلے موبی کو دے کر آئی پھر امی کے کمرے کی طرف چل دی۔ امی اور زمیلہ دونوں بیڈ پر رضائی میں گھسی بیٹھی تھیں۔ باہر کے سرد خشک اور ٹھٹھراتے ماحول سے زیادہ اندر کے نرم گرم اور پرسکون ماحول نے جسم کو تقویت پہنچائی تھی۔

"آلو کے پراٹھے۔ اب تو لیٹ ناشتا ملنے کا قلق بھی نہیں رہا۔ واہ مزا آ گیا ہے۔ گرما گرم چائے دو پراٹھا۔" زمیلہ خوشی سے چہکی۔ بیٹی کو چہکتے دیکھ کر راحت بیگم کا موڈ بھی خود بخود خوشگوار ہو گیا۔

"کمرے میں بیٹھے ہو۔ نرم گرم بستر ہو۔ سامنے ٹی وی پر پسندیدہ پروگرام بھی آ رہا ہو اور من پسند ناشتا بھی مل جائے تو مزاج بھی بہتر ہو جاتے ہیں اور ناشتے کا لطف بھی دوبالا ہو جاتا ہے۔" حریم سوچتے ہوئے پلٹ آئی تھی۔ دونوں ماں بیٹی نے اسے ساتھ بیٹھ کر ناشتا کرنے کی آفر نہیں کی تھی۔

اس نے تنہا ہی ناشتا زہر مار کیا تھا۔ کچن صاف کرتے اور برتن دھوتے دس بج گئے تھے۔ ماسی ابھی تک نہیں آئی تھی اور شاید اس کا بھی آج ڈنڈی مارنے کا ارادہ تھا۔ عام حالات میں پورے دن کے کام نمٹاتے وہ تھکن سے چور ہو جاتی تھی۔ آج تو صفائی وغیرہ بھی خود ہی کرنا پڑی۔

اس کا ذہن اور جسم بری طرح تھک چکا تھا۔ اس تھکن میں بھی اس طرح سے تازگی اور سکون تھا۔ یہ گھر اس کا اپنا تھا۔ ایسا سائبان جس میں ماہیر کی محبت تھی اور اس محبت کے سہارے وہ تمام عمر رات اور دن کو بھلائے ایک دن میں گردش کر سکتی تھی۔ یہ تو معمولی سے گھر کے کام تھے اور کاموں سے کبھی بھی اس نے جی نہیں چرایا تھا۔

اپنے گھر میں دادی کے دنوں سے بوا جنت آیا کرتی تھیں۔ پھر مستقل ہی ان کے گھر شفٹ ہو گئیں۔ وہ دونوں بہنیں بوا کا بہت احترام کرتی تھیں۔ امی کے بعد انہوں نے ان دونوں کی پرورش کی جان … گھر کے دیگر کام وہ با آسانی کر لیتی تھیں … بہت جلد گھریلو ذمہ داریاں لے لو … پیشتر دن اب آرام کرنے … کمروں میں گزرنے لگا تھا۔ … کاموں سے الجھتے گزر گیا تھا۔ رات جلدی … آ گئی تھی۔ سردیوں کی شامیں بھی … ہوتی ہیں۔ ڈوبتی شام کا منظر اس … سے باآسانی نظر آتا تھا مگر اس … کا ایک لمحہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ جاتی شام کی نارنجی شعاعوں کو تکتے ہوئے کچھ دیر کے لیے اپنے بابل کے گھر کو ہی یاد کرتی۔ جانی سے فون پر بات ہو جاتی تھی۔ زیادہ تر جانی خود ہی فون کرتی تھی مگر راحت بیگم کو ٹیلی فونک رابطہ بھی پسند نہیں تھا۔

"جب دیکھو فون سے چپکی کھڑی ہوتی ہے۔ ساری لڑکیاں ہی اس مرحلے سے گزرتی ہیں۔ ماں باپ

بہن بھائیوں کو چھوڑنا ہی پڑتا ہے۔" ان کی روز روز کی بڑبڑاہٹوں سے تنگ آ کر حریم نے فون سننا ہی ترک کر دیا تھا۔ زیادہ ہی گھبراتا تو ماہیر کے سیل فون سے جانی اور بابا سے بات کر لیتی۔

آج سر شام ہی ماہیر گھر آ گیا تھا۔ اس وقت وہ ماں کے کمرے میں ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ چائے شاید اس نے خود ہی بنائی تھی۔ وہ اپنا سب سے خوب صورت سوٹ پہن کر اور لمبے بالوں کو مختلف کلپ میں قید کیے ہلکا پھلکا میک اپ کر کے نیچے آئی تو راحت بیگم کے کمرے سے آتی ماہیر کی آواز سن کر اس کا دل یک بارگی دھڑک اٹھا تھا۔ زمیلہ نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ اس کے کھلے روپ کی وجہ سے زمیلہ کی آنکھوں میں ناگواری در آئی۔

"کون سے اسکن ٹانک اور کلینزنگ لوشنز یوز کر رہی ہو بھابی۔" اس نے سرسری سا لہجہ بنا کر پوچھا۔ پھر اس کے کچھ کہنے سے قبل ہی بول اٹھی۔

"آپ مگر مت جائیے گا۔"

"نہیں محتاج کاسمیٹکس کے جنہیں حسن خدا نے دیا۔" اپنی پشت پر اسے ماہیر کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ اس کی ڈھال بنا کھڑا تھا۔ ہمیشہ ایک تحفظ کا احساس لیے۔ اس کا رفیق' ہمراز اور ہم سفر جس کے ساتھ دور بہت دور تک سفر طے کرنے کا شوق اور چاہ میں وہ بابل کی دہلیز چھوڑ کر آئی تھی۔ اس کا رکھوالا' پاسبان' نگہبان... حریم کی آنکھیں جگر جگر کرنے لگی تھیں۔

"چلو کالونی کا ایک چکر لگا کر آتے ہیں۔" ماہیر نے اس کے شانے پر ہلکا سا ٹہوکا دے کر کہا تھا۔ حریم ایک دم اور بھی تازہ اور شگفتہ خود کو محسوس کرنے لگی۔

"اس وقت' اس بلا کی سردی میں... سڑکوں پر تو دھند پھیل گئی ہے۔" زمیلہ نے ناگواری کا واضح اظہار کر دیا۔

"تو کیا ہوا... دھند کا تو یہی حال ہے۔ ابھی کچھ دنوں تک موسم ابر آلود اور دھند اسی شدت سے پڑے گی۔" ماہیر نے لاپروائی سے کہا تھا۔ پھر ماں کو بتا کر اسے باہر آنے کا اشارہ کر کے خود کمرے سے نکل گیا۔

زمیلہ موسم کا حال سننے کے لیے نہیں کھڑی ہوئی تھی۔ پاؤں پٹختی ہوئی اندر چلی گئی۔ حریم سر جھٹک کر شال اوڑھے باہر آئی تو ماہیر کافی دور کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی ماہیر تک آئی۔

"کتنی اچھی لگ رہی ہو مگر بالوں کو کیوں چھپا لیا ہے۔" ماہیر کا ٹھنڈا ہاتھ اس کے گرم پر حرارت ہاتھ میں دبا تھا۔ وہ ماہیر کے برابر قدم سے قدم ملا کر چلنے لگی۔

"بال کھلے تھے اس لیے چھپا لیے ہیں۔ تاکہ آپ کے علاوہ کوئی اور نہ دیکھ سکے۔"

"ویری گڈ!" وہ دلفریبی سے مسکرایا۔

"اس دھند میں سڑکیں عموماً سنسان ملتی ہیں۔"

"ہمارے جیسے سرپھروں کی کوئی کمی نہیں۔" حریم سوں سوں کرتے ہوئے مزے سے بولی۔

"پارک کی طرف چلیں..."

"وہ تو کافی دور ہے خیر چلتے ہیں.... البتہ پارک کا حال بھی سڑکوں جیسا ہو گا۔ خاموشی اور نری خاموشی۔"

"آپ کو نہیں پتا' خاموشی بھی بولتی ہے۔" حریم کا موڈ بہت خوشگوار ہو چکا تھا۔ بہت دنوں بعد وہ یوں اکٹھے باہر نکلے تھے۔

"صرف بولتی ہی نہیں' ہنستی مسکراتی بھی ہے۔ قہقہے بھی لگاتی ہے اور..." وہ پہلا راؤنڈ لے کر دائیں طرف مڑ گئے تھے۔ ماہیر نے اسے اشارے سے بتایا تھا کہ سامنے جامع مسجد ہے۔ اس کے برابر میں سپر اسٹور بھی تھا۔ جس سے ضرورت کی ہر شے ارجنٹ مل سکتی تھی۔

"اور کیا...؟"

"اور خاموشی روتی بھی ہے۔" ماہیر کچھ سوچ کر بولا۔

"اچھا..." وہ حیران ہوئی۔

"آپ کو کیسے پتا چلا ہے؟ کیا کسی تجربے سے اندازہ لگایا ہے۔"

"نہیں یار! میں ایسے تلخ تجربات سے دور رہتا

ہوں۔" ماہیر بھی غیر سنجیدہ تھا۔ ہلکی پھلکی باتوں کے درمیان وہ کافی آگے نکل آئے تھے۔ پارک ابھی کچھ فرلانگ دور تھا۔ البتہ خاموشی اور سناٹے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ پارک میں کوئی ذی نفس موجود نہیں۔

"اگر کسی بلا سے ملاقات ہو گئی تو پھر؟" وہ اسے ڈرانا چاہ رہا تھا۔

"جو بلا آپ کے ساتھ ہے۔ اس سے بڑی نہیں ہو گی۔" حریم ہنسی۔

"ہزار بلاؤں سے مقابلہ کر سکتی ہوں۔"

"بلے بھئی بلے... مجھے تو ان خوبیوں کی خبر نہیں ہو سکی ویری فنی!" ماہیر نے گویا خوب ہی لطف محسوس کیا تھا۔

"ویسے تم جیسی خوب صورت بلا تو خوش نصیبوں کو ملتی ہے۔"

"کبھی فرصت سے جاننے کی کوشش کریں اور بھی خوبیوں کا ادراک ہو گا۔" حریم نے چلتے چلتے رک کر ایک بیل سے گلابی پھول توڑ لیا تھا۔

"ایسی ہی کوئی شام کچھ دنوں بعد ہمارے نام کر دیا کریں۔"

"اے میری پری! پری رو' میری زندگی کی ہر شام تمہاری' ہر سحر تمہاری' ہر دوپہر تمہاری' ہر سہ پہر تمہاری بس رات میری۔" وہ اس کے نرم گرم بازو پہ چٹکی بھرتے ہوئے تپتی' لو دیتی نظروں سے دیکھ کر بولا تھا۔ حریم شرم سے اور بھی سرخ پڑ گئی۔

"رات سے یاد آیا۔ ذرا جلدی اوپر آجایا کرو۔"

"کیوں آپ نے سیاسی مسائل پر میرے ساتھ بحث کرنی ہے یا کوکنگ کے طریقے پوچھنے ہیں۔ سوئٹر کا کوئی نمونہ سیکھنا ہے؟" حریم اسے چھیڑ رہی تھی۔ وہ پارک کے گرد ایک راؤنڈ لگا کر اب واپس جا رہے تھے۔

"آنے والے بچوں کے متعلق کچھ ڈسکشن [illegible] ہے۔" وہ بھی ماہیر تھا۔ بات کو خالی جانے [illegible] تھا۔ برجستہ بول کر اس کی شرمیلی ہنسی [illegible] لگا۔

"کیسی ڈسکشن؟"

"یہی کہ کوئی پروگرام نہیں' چنا منا لانے کا۔"

"فضول مت بولیے۔" وہ مصنوعی خفگی سے کہنے لگی۔ قدموں کی رفتار بھی تیز کر دی گئی۔ باتوں کے دوران وقت گزرنے کا احساس تک نہیں ہوا تھا۔ انہیں گھر سے نکلے گھنٹہ بھر ہونے والا تھا۔

"آپ سے کسی نے کچھ کہا تو نہیں اس بارے میں۔" "منحا" وہ خوفزدہ سی ایک دم مڑ کر پوچھنے لگی۔

"نہیں' یہ تو میری خواہش ہے اور شاید امی کی بھی ہے۔ زلیخا کی بھی ہو اور کیا تمہیں نہیں چاہیے؟" وہ آہستگی سے نرمی سے پوچھنے لگا۔

"کیوں نہیں۔" حریم اور بھی آہستگی سے بولی۔

"ویسے بائی دا وے ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں شادی کو۔"

"یہی کوئی اڑھائی تین سال۔" ماہیر نے شرارت سے اس کی بے حد سرخ ناک دباتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو ڈھائی مہینے آپ کو اڑھائی سال بھی لگنے لگے ہیں۔ وہ تین سال بعد تو آپ کہیں گے۔ حریم! کہیں میں پچاس چالیس سال تو نہیں ہو گئے شادی کو۔ تم بوڑھی لگنے لگی ہو۔" وہ ناراضی سے گویا ہوئی۔

"تم تو بوڑھی ہو کر بھی پری وزخت [illegible] کی شہزادی تھی۔ سام بن نریمان کی بیوی [illegible] ماں تھی اور رستم کی دادی تھی۔" [illegible] لطف لیتا نہ جانے کس [illegible] شہزادی کا شجرہ نسب سنانے لگا۔

"بڑھاپے میں میری ناک [illegible] کی چینی شہزادی کی طرح چپک [illegible] ہو جائے گی۔ یا پھیل کر چہرے [illegible] جائے گی۔" حریم بری طرح چڑ کر [illegible] بے اختیار ہنس پڑا۔ اس کے لبوں پر دم سی مسکان اب ہنسی کی شکل میں حریم کے اردگرد بکھر گئی تھی۔

"تم تو بہت پرلطف گفتگو کرتی ہو۔"

"افسوس آپ کے پاس ایسی پرلطف باتوں کے لیے وقت کی کمی ہے۔" وہ شکوہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر نہ جانے کیسے لبوں سے لفظ پھسل پڑے۔

"اس صورت پر اس پیاری سی صورت پر شکوے کے بال کتنے جچتے لگ رہے ہیں۔ مگر جان جہان! ذرا اس ٹائٹ شیڈول پر غور تو کرو۔ مزدوری کر کے آتا ہوں کسی حسینہ کے ساتھ آوارہ گردی نہیں کرتا۔ یہی دو گھڑیں اڑاتا ہوں۔"

"سوری ماہیر!" وہ فوراً ہی پگھل گئی تھی۔ اسے احساس ہوا کہ آج بھی وہ صبح پانچ بجے کا جاگا ہوا ہے اور لمحہ بھر کو بھی اس نے آرام نہیں کیا۔ اسی لیے نرمی اور ہمدردی سے بولی۔

"آپ ریسٹ کرتے۔ باہر آنا کوئی ضروری تھا۔"

"میری ہمراہی [illegible] ستارہ آنکھوں میں جگمگاہٹ اتر آئی۔ یہ سکر میں کہاں اترتی تھی۔ تمہارا موڈ خوشگوار ہو گیا ہے۔ اس سے زیادہ۔ اطمینان اور سکون میرے لیے محض دو گھڑی کے آرام میں نہیں تھا۔"

"اور میرے لیے بھی آپ کے سکھ چین اور آرام سے بڑھ کر سڑکوں پر لور لور پھرنا بھی اہم نہیں۔" اسے شدت سے ماہیر کی تھکاوٹ کا احساس بے قرار کرنے لگا تھا۔ واپسی پر ماہیر اسے کسی دوسرے راستے سے لایا تھا۔ سپر اسٹور کے سامنے سے گزرتے ہوئے ماہیر نے اس سے پوچھا۔

"حریم! آئس کریم کھاؤ گی؟"

"اس ٹھنڈ میں قلفی جم جائے گی میری۔" اسے آئسکریم کے نام سے ہی کپکپی سی آنے لگی۔

"آئس کریم کا مزا تو دسمبر کی ٹھنڈ میں ہی آتا ہے۔ گرمیوں میں لوڈشیڈنگ کی وجہ سے آئسکریم کے شوربے کا بھلا کیا لطف۔" وہ اسے مسلسل لالچ دے رہا تھا۔

"نہ بابا' نہ میں خود کھاؤں گی۔ نہ آپ کو کھانے دوں گی ورنہ امی کے الزام کون سن پائے گا۔" اس نے فوراً کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"کیسے الزام؟" ماہیر حیران ہوا۔

"یہی کہ میرے بیٹے کو ٹھنڈ میں لے کر چلی گئی تھی اور اسے نمونیہ کرا لائی ہے۔"

"بات تو ہے۔" ماہیر نے فوراً اتفاق کر لیا تھا۔ حریم [illegible] سے آنکھیں دکھائیں۔

"چاکلیٹ تو کھاؤ گی نا۔"

"ہوں... چاکلیٹ چلے گی۔" حریم نے اثبات میں سر ہلایا۔

"او کے' تم ناک کی سیدھ میں چلو' میں ابھی آتا ہوں۔" وہ اسٹور کی طرف تیز قدموں سے بڑھ گیا تھا۔ حریم اس کے حکم کے مطابق آہستہ آہستہ چلنے لگی۔

اسٹور جب کافی دور رہ گیا تو حریم نے مڑ کر دیکھا۔ ماہیر ابھی نہیں آ رہا تھا۔ وہ کچھ اور قدم چل کر اس کا انتظار کرنے لگی تھی۔ یہ اسٹریٹ بھی سنسان تھی۔ اکا دکا لوگ اسٹور میں سے نکل رہے تھے۔ کچھ اور آگے چھوٹا سا خالی پلاٹ تھا۔ حالانکہ سڑک کے دائیں بائیں جدید مکانات تھے۔ صرف ایک خالی پلاٹ تھا۔ جسے ڈھیروں پھولوں کی خوشنما باڑ سے سیف کیا گیا تھا۔ محلے کے بچے شاید کرکٹ کھیلتے تھے یہاں۔ حریم نے کچھ آگے ہو کر دیکھا۔ وہ لکڑی کے بینچ بھی تھے۔ داخلی دروازے کے قریب بھی ایک بینچ تھا۔ جس پر ایک وجود بیٹھا تھا۔ حریم کا دل یک بارگی خوف سے لرز اٹھا۔ اس نے غیر ارادی طور پر سنسان سڑک کو مڑ کر دیکھا تھا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ زیر لب آیت الکرسی پڑھتے ہوئے ماہیر کے جلد آنے کی دعائیں کرنے لگی تھی۔ پھر کچھ سوچ کر وہ سپر اسٹور کی طرف رخ کرنے لگی جب وہ بینچ پر بیٹھا وجود کھڑا ہو گیا تھا۔ حریم کے لبوں سے نکلنے والی چیخ بے ساختہ تھی۔ جبھی اندھیرے کو چیرتا وہ وجود تیزی سے حریم کی طرف بڑھا۔ حریم نے بے تحاشا چیخنا چاہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لیے تھے۔ اور وہ زار زار رونے لگی تھی۔ جب ایک مانوس سی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"حریم! حریم...!" یہ آواز فیفا کی تھی۔ حریم نے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر دیکھا اور فیفا کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔

"فیفا! تم' یہاں۔"

"ہاں نہیں ہوں امی کی دوائیں لینے میڈیکل اسٹور تک گئی تھی۔ پیر میں کانٹا چبھ گیا تھا۔ اس لیے ذرا دیر کو بنچ پر بیٹھ گئی۔ تم بتاؤ اس وقت اکیلی کہاں سے آرہی ہو۔" فیفا نے بغیر گھبرائے آرام سے پوچھا تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی گھبراہٹ نہیں تھی۔ جبکہ حریم حیران سی فیفا کے خالی ہاتھ دیکھنے لگی۔ دوائیں تو اس کے پاس نہیں تھیں۔ وہ شاید سمجھ گئی تھی۔ اس لیے بے نیازی سے بولی۔

"دوائیں نہیں ملیں۔ کل دوسرے میڈیکل اسٹور سے لاؤں گی۔" حریم نے اس کی بات سن کر سر ہلا دیا تھا۔ گویا اسے فیفا کے جواز پر یقین آگیا تھا۔ مگر وہ اس کی بے حد سرخ آنکھوں کو دیکھ کر حیران تھی۔ یوں لگتا تھا۔ فیفا کافی دیر سے روتی رہی ہے۔ مگر اس خیال کو بھی حریم نے جھٹک دیا۔

"شاید سردی کی وجہ سے آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔" وہ کوئی غلط اندازہ نہیں لگانا چاہتی تھی۔

"تم نے بتایا نہیں کہاں سے آرہی ہو؟" فیفا نے اپنا سوال پھر سے دہرایا تھا۔ اسی اثنا میں ماہیر تیز تیز چلتا ان کے قریب آگیا۔

"میں بخاری انکل سے ان کے بیٹے کا پوچھنے گیا تھا۔ وہ چھت سے گر گیا تھا۔" فیفا کو دیکھ کر ماہیر کے تاثرات بھی کم و بیش حریم جیسے تھے۔

"امی کی دوائیں لینے آئی تھیں۔" ماہیر کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی وہ بول پڑی۔

"مل گئی دوائیں۔" حریم کو یوں محسوس ہوا تھا کہ ماہیر کا لہجہ گہرا کاٹ دار طنزیہ ہے۔

"نہیں ملیں۔" وہ لاپروائی سے بولی اور پھر فٹ پاتھ پر چلنے لگی تھی۔ وہ دونوں بھی اس کے برابر چلنے لگے تھے۔

"یہ لو چاکلیٹ۔" ماہیر نے ایک چاکلیٹ فیفا کی طرف بڑھادی۔

"اور تم کیا لو گے۔" فیفا ایک پل رکی۔ ماہیر کے ہاتھ میں وہ صرف دو چاکلیٹس دیکھ چکی تھی۔

"کنجوس! ایک دو فالتو لے آتے۔"

"میں اور حریم اس ایک چاکلیٹ کو شیئر کر لیں گے۔" ماہیر یہ چاکلیٹ حریم کو تھما چکا تھا۔ اس نے تھوڑی سی کھائی تھی جب ماہیر نے اس سے چاکلیٹ مانگ لی اور پھر خود تھوڑی سی نفاست سے چکھ کر حریم کی طرف بڑھا دی۔ اس نے جھجکتے ہوئے چاکلیٹ کو پکڑ لیا۔ فیفا کی موجودگی میں اسے اس عمل سے خاصی الجھن ہوئی تھی حالانکہ فیفا تک کی سیدھ میں چل رہی تھی۔ وہ ان کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ اس کے باوجود حریم کو بہت خفت سی محسوس ہوئی۔

"دوائیوں کا نسخہ دینا۔ صبح میں لادوں گا۔ آفس سے میرا آف ہے۔" پہلے فیفا کے گھر کا گیٹ آیا تھا۔ وہ اندر جھنے لگی تھی جب ماہیر نے سنجیدگی سے کہا۔

"شکریہ جناب کا۔" فیفا نے گیٹ بند کر لیا تھا۔ جبکہ حریم کو اس شکریے کی سمجھ نہیں آئی تھی۔

"اسے کیا ہوا ہے؟" وہ حیران سی رہ گئی۔

"اس کی باتوں پر نہ جانا۔ یہ بھی سر پھروں میں سے ہے۔" ماہیر نے لاپروائی سے کہتے ہوئے بیل پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"یعنی ہماری طرح۔" حریم نے الجھ کر کندھے اچکا کر اندرونی صورت حال کے متعلق سوچنے لگی۔ جو کہ یکسر ذہن سے فراموش ہو چکی تھی۔ آنکھوں کے سامنے زبیلہ کا تاثر اجیب عجیب سے عکس بنانے لگا تھا۔ ... دروازہ کھل گیا۔

☆ ☆ ☆

دروازہ زبیلہ نے کھولا تھا۔ ماہیر تو راہداری میں کھڑی بائیک کے دونوں ٹائر چیک کرنے کے بعد سیدھا چلا گیا تھا البتہ حریم کو پیشی بھگتنا پڑی۔

"امی آپ کو بلا رہی ہیں۔" زبیلہ نے پھولے منہ سے بغیر دیکھے کہا تھا اور پھر اپنے اور راحت بیگم کے مشترکہ کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ حریم بھی اپنی بکھر جاتی ہمتوں کو اکٹھا کرتی اس کے پیچھے ہی چلی آئی۔

"شریفوں کی بیٹیوں کے یہ چلن اچھے نہیں

ہوتے۔" انہوں نے گویا کچھ ہی دیر میں آنکھیں ماتھے پر رکھ لی تھیں۔ اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی بظاہر خود کلامی کی گئی تھی مگر حریم جانتی تھی کہ اسے ہی سنایا جا رہا ہے۔ پل دو پل میں اس کی آنکھوں میں مرچیں سی لگنے لگیں۔

"آج کل کی لڑکیاں بہت بے دید ہو چکی ہیں۔ نہ کسی بڑے کا لحاظ رہا ہے نہ کسی چھوٹے سے حیا آتی ہے۔" انہیں ان دنوں میں آج کل کی لڑکیوں سے ہزاروں شکوے ہو چلے تھے۔ ہر بات کی تان یہیں آکر ٹوٹتی تھی۔

"کسی بڑے سے پوچھنا ہو کی بات بتانے کی بھی توفیق نہیں ہوئی۔" ... خاطر ہو رہی تھیں۔ حریم پشیمانی ... کرنے میں لحہ بہ لحہ گرتی جا رہی تھی۔ ... خیال میں ماہیر نے ماں سے اجازت لینا ... تھی تو وہ کچھ ریلیکس تھی۔ مگر اس وقت تنہا کٹہرے میں کھڑا ہونا کس قدر اذیت ناک تھا۔ اس کا شرمندگی کے مارے سر نہیں اٹھ رہا تھا۔

"باہر نکلنا ہی تھا تو پہلے کچن تو صاف کر جاتیں۔ برتنوں کے ڈھیر لگے ہیں۔"

"میں نے تو کچن کا کام ختم کر لیا تھا۔" وہ محض منمنا کر رہ گئی۔

"بی بی! اب میاں کے پاس بھاگتی نہ چلی جانا۔ پہلے برتن دھولو تمہارے لیے صبح کے وقت آسانی ہوگی۔" انہوں نے کروٹ بدل لی تھی۔ گویا اسے اجازت دے دی گئی تھی کہ وہ اب دفعان ہو سکتی ہے۔

"ماہیر کے کان بھرنے کی ضرورت نہیں۔ پیچھے کی بات پیچھے ہی چھوڑ کر جایا کرو۔" حریم کو اپنے پیچھے امی کی کرخت آواز سنائی دی تھی۔ وہ لرزتے قدموں سے باہر نکلی۔

ایک بات تو بہت واضح تھی۔ انہوں نے آج تک ماہیر کے سامنے اسے سخت سست کبھی نہیں سنائی تھیں۔ ماہیر کے سامنے وہ بالکل خاموش ہو جاتی تھیں۔ یوں ظاہر کرتی تھیں گویا گھریلو ہر معاملے سے الگ ہو چکی ہیں۔ بظاہر وہ یہی کچھ دکھانا چاہتی تھیں۔

بیٹے کی موجودگی میں ان کا رویہ اگر بہت محبت بھرا شہد بھرا نہ ہوتا ... روکھا پھیکا اور اجنبی بھی نہیں ہوتا تھا۔ ... بیٹے کی وجہ سے نہ جانے کس دل ... ان کی دوہری شخصیت بیازی کی پرتوں ... پل پل بدلتا مزاج وہ ان کے کسی بھی ... سے کوئی حتمی نتیجہ اخذ کرنے سے قاصر تھی۔

کچن میں آکر اسے گویا جھٹکا لگا۔ یہاں سے لے کر وہاں تک پھیلاوا ہی پھیلاوا، برتنوں کے ڈھیر، چائے کی پیالیاں، انڈوں اور سبزیوں کے چھلکے فروٹس کے بچے کچھے حصوں اور چھلکوں کی بھی جگہ جگہ ڈھیریاں لگی تھیں۔ شاید فروٹ سلاد بنایا گیا تھا۔ صرف ڈیڑھ گھنٹے کے اندر اندر کچن تلپٹ ہو چکا تھا۔ زبیلہ نے بڑے ہی پھوہڑپن سے کھانا گرم کیا تھا۔ اگر اسے کھانا پکانا ہوتا تو نجانے کچن کی کیا حالت ہوتی۔ اس نے گہری سانس کھینچی اور برتن اکٹھے کرتے ہوئے بے اختیار سوچنے لگی۔ وہ بھی کاموں سے گھبراتی تو نہیں تھی۔ نہ کام کاج سے جی چراتی تھی مگر کبھی کبھی۔ دل میں دبی دبی سی خواہشات انگڑائی لے کر بے دار ہو جاتیں۔ اپنی مرضی، خوشی، چاہ اور خواہش کے ساتھ کام کرنا، کچھ دیر آرام کرنا، تھکن اتارنا اور پھر خوشی خوشی کاموں میں جت جانا۔

کام ختم ہو چکا تھا۔ وہ لائٹس آف کرکے دوپٹے سے ٹھٹھرتے ہاتھ پونچھتی اپنے کمرے میں چلی آئی۔ ساڑھے بارہ کا وقت ہو چکا تھا۔ مگر ابھی تک ماہیر جاگ رہا تھا۔ حریم کو بے حد حیرت ہوئی۔

"آپ ابھی تک سوئے نہیں؟"

"تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ ویسے بھی صبح آفس سے آف ہے۔ ڈٹ کر سوئیں گے۔" وہ اس کا ٹھنڈا یخ ہاتھ تھامتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"برتن دھو کر آرہی ہو؟" اس نے ٹی وی سے نظریں ہٹائیں۔

"ہوں۔" ماہیر کے گرم پرحرارت ہاتھ کی گرمائش نے اسے بہت تقویت دی تھی۔ وہ کلپ اتار کر برش اٹھانے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئی۔ بالوں کی

آبشار نے گویا پورے وجود کو ڈھانپ لیا۔
"ارے... رات کو یہاں کیسے کھڑے ہیں۔ کوئی جن عاشق ہو گیا تو پھر؟" ڈریسنگ کی طرف بڑھتے اس کے قدم ایک دم لڑکھڑا سے گئے تھے۔ یہ لہجہ یہ آواز نہ جانے کیوں اسی پل اسی لمحے ہوا کے دوش پر اس کے کمرے کی کھڑکی کھول کر زبردستی اندر گھس گئی تھی کہ وہ کچھ خوفزدہ سی ہو گئی۔
"حریم! دھیان سے۔ گلاسز آن کر لو۔" ماہیر کی نرم، فکر مندی سی آواز ابھری تھی۔ پھر گھنا کھٹ کی طرح کی روشنیاں پورے کمرے میں پھیل گئیں۔ ٹی وی کی نیلگوں روشنی دم ہار کر بھاگ گئی تھی۔ اس نے برش اٹھایا اور لرزتے قدموں سے بیڈ پر آکر بیٹھ گئی۔
"اس وقت آپ سے بڑا کوئی جن نہیں زرجان بھیا۔" دھیان سے "میرا پاپا پہلے سے ہی بکنگ شدہ ہے۔" جانی کو اسی طرح بے سوچے سمجھے بولنے کی عادت تھی۔ نہ جانے کیوں زرجان کے لبوں پر اک پھیکا اور اداس سا تبسم تصور ہوا تھا۔
اس نے بال اپنی چٹیا بنا لی تھی۔ برش بھی ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ آئی۔ ماہیر کے آفس سے آف کال کر اور اسے جاگتا دیکھ کر اس کے دل میں مسرت کی ایک لہر اٹھی۔
"آفس سے واقعی آف ہے یا آپ جان بوجھ کر ڈنڈی مار رہے ہیں؟"
"ڈیئر بیوی! ایسی عیاشی میں افورڈ نہیں کر سکتا۔ آفس سے واقعی اب روزہ چھٹی ملی ہے۔" وہ خوشدلی سے بولا۔
"تو پھر آج ہم رت جگا کریں گے اور ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔" حریم کی آنکھیں ستاروں کی طرح چمکنے لگیں۔
"میں رت جگے کے لیے تیار ہوں..." معنی خیز سے تبسم لبوں میں سمیٹے... سی گئی۔ اس کے لطیف سے اشارے سے حریم کے چہرے پر لالی بکھری تھی۔
"شرط صرف اتنی سی ہے... میں سنوں گا اور تم بولو گی۔" وہ لو دیتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا اور اس برفیلی سردی میں حریم کی ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا۔
"میں بولوں گی اور آپ کیا کریں گے؟"
"میں تمہیں دیکھوں گا۔" وہ تکیے کو بازوؤں میں دبوچے پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا۔ حریم نے ٹی وی کا ریموٹ اٹھا کر آف کا بٹن دبایا۔
"اب بولو بھی، خاموش کیوں ہو گئی ہو۔" ماہیر نے اس کی دبی دبی گدگداتی ہنسی کو دل سے محسوس کرتے ہوئے کہا۔
"آپ اپنے ہاتھوں کو کنٹرول میں کریں۔"
"یہ تو یوں ہی چلتے رہیں گے۔" وہ مخمور اور بوجھل آواز میں بولا۔
"تو پھر میں جا رہی ہوں۔"
"کیا باتیں نہیں کرنا۔" ماہیر نے اس کی گرم ہوتی پیشانی کو ہونٹوں سے چھوا۔
"جا کہاں رہی ہو۔ ڈھیر ساری باتیں کون کرے گا۔" وہ اس کے ہاتھوں کی مزاحمت کو روک چکا تھا۔
"آپ بہت خراب ہو چکے ہیں۔" وہ خفا خفا سی ماہیر کے دل میں اتر گئی تھی اور باہر دھند میں بھیگی رات لمحہ لمحہ بیتتی رہی۔

☆ ☆ ☆

اگلی صبح نہ جانے کے باوجود بھی ذرا دیر سے آنکھ کھلی تھی۔ ایسی گہری نیند آئی تھی کہ فجر کی نماز تک قضا ہو گئی۔ وہ جلدی جلدی واش روم کی طرف بھاگی۔ ٹھنڈے پانی سے شاور لے کر آنا ٹھٹھرنے کے برابر تھا مگر اس وقت سخت ترین ٹھنڈ کا بھی کوئی احساس نہیں تھا۔ ذہن پر راحت بیگم کی ناراضی اور غصے کا ہوا سوار تھا۔ وہ اک نظر بے سدھ سوئے ماہیر پر ڈال کر اور اس کے پیر کا انگوٹھا ہلا کر نیچے کی طرف بھاگی۔
آج تو اس کا یہ قصور قطعاً معاف نہیں ہونا تھا۔ وہ کچن میں داخل ہوئی تو راحت بیگم آٹا گوندھ چکی تھیں۔ انہوں نے اک تیکھی چبھتی نگاہ اس کے نم بالوں پر ڈالی تھی تاہم کہا کچھ بھی نہیں۔ ان کی خاموشی سے حریم کے اندر کچھ سکون کی لہریں اٹھنے لگیں۔
سب سے پہلے اس نے مبلی کو ناشتا بنا کر اندر پہنچایا تھا۔ پھر ماہیر کی پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے قیمے کے بل دار سنہری سنہری پراٹھے تلنے لگی۔ اسی اثنا میں اوپر سے ماہیر کی آواز سنائی دی۔
"حریم! میرا ناشتا اوپر لے آؤ۔ کیا غضب کی سنہری دھوپ نکلی ہے۔" بڑے ہی ناز نخرے کے بعد۔
"میں بھی اوپر ہی ناشتا کروں گی۔" زبیلہ ایک ہی جست میں تخت سے اٹھ کر سیڑھیوں کی طرف بھاگی۔ ابھی بھی سنہری دھوپ کا مزا لینے سیڑھیاں چڑھ گئی تھیں۔ نیچے کوئی دریچہ نہیں تھا کہ پتا چل سکتا باہر کیسا سماں ہے اوپر والے کمرے بہت کھلے نہیں ہوادار ضرور تھے۔
پراٹھے، دہی، اچار اور مکھن اوپر رکھ آئی تھی۔ چائے کا تھرموس اور پیالیاں لے کر جب وہ اوپر جانے لگی تو اسے یوں محسوس ہوا تھا شاید مبلی نے اسے آواز دی ہے۔ مگر وہ اپنا خیال جھٹک کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی تھی جب پھر سے مبلی کی آواز سنائی دی۔
"بھابھی! بھابھی..."
"کیا بات ہے مبلی! کچھ چاہیے؟" وہ پلٹ آئی تھی۔
"بھابھی! تم کدھر جا رہی ہو؟" وہ دروازے میں کھڑا تھا اور اس کے منہ سے رال بہہ رہی تھی۔
"اوپر جا رہی ہوں۔"
"کیوں؟ اوپر تو ماہیر بھائی ہوتے ہیں۔ تم اوپر کیوں جا رہی ہو؟"
"میں ان کے لیے ناشتا لے کر جا رہی ہوں۔ کیا تم نے بھی اوپر جانا ہے؟" وہ نرمی سے پوچھنے لگی۔
"نن... نہیں۔" مبلی واپس پلٹ گیا تھا۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گئی۔ وہ جو سوچ رہی تھی کہ کتنے ہی دنوں بعد وہ اکٹھے ناشتا کریں گے۔ راحت بیگم اور زبیلہ کی موجودگی میں دل مسوس کر رہ گئی۔
کچھ دیر بعد فیفا اور نفیسہ پھوپھو بھی آ گئی تھیں۔
وہ سب بالکونی میں بیٹھے نرم گرم دھوپ سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ حریم مبلی کے کاموں میں جت گئی تھی۔ ماہیر اگر مبلی کو بھی اوپر لے گیا تھا۔ ورنہ وہ تو کمرے سے باہر نکلتا ہی نہیں تھا۔
صفائی ستھرائی سے فارغ ہو کر وہ تخت پر بیٹھی سبزی بنا رہی تھی۔ جب پھوپھو سیڑھیاں اترتی دکھائی دیں۔
"میری بیٹی تو بہت مصروف ہے۔" وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے محبت سے بولیں۔
"مبلی کے لیے سوپ بنانا تھا۔ سوچا ابھی سے سبزیاں کاٹ لوں۔" حریم نے شائستگی سے بتایا۔
"بھابھی بیگم کو بہو تو بہت ذمہ دار ملی ہے۔ اللہ تمہیں خوش رکھے بیٹی! مبلی کا... خصوصاً دھیان رکھا کرو۔ ایسے اللہ لوگ خدا کے بندے بڑے اور طرح کے ہوتے ہیں۔ ان کی خدمت میں ثواب ہے۔ محتاج اور بے بس لوگ۔" ان کے لہجے میں رقت تھی۔
"آپ نے بڑے دنوں بعد چکر لگایا ہے۔" مٹر چھیلتے ہوئے اس نے بات بڑھانے کی غرض سے پوچھا تھا۔ پھوپھو بھی چھری پکڑ کر اس کے منع کرنے کے باوجود گاجریں کاٹنے لگی تھیں۔ فیفا بھی اوپر تھی اور حریم کا سارا دھیان بھی چھت سے آتی آوازوں کی طرف تھا۔ زندگی سے بھرپور ہنستے مسکراتے لہجے اور آوازیں۔ فیفا کی کھنکھناتی ہنسی سنائی دے رہی تھی۔ ماہیر کی آواز بھی نمایاں تھی۔
"ہاں بیٹی! بس پچھلے دنوں کچھ مصروفیت رہی ہے۔"
"کیسی مصروفیت؟" وہ عام سے لہجے میں پوچھنے لگی۔
"تمہیں بھابھی بیگم نے نہیں بتایا۔" انہوں نے قدرے حیرانی سے کہا۔
"کیا؟" اسے واقعی کچھ خبر نہیں تھی۔ راحت بیگم اسے کچھ بتانا کہاں گوارا کرتی تھیں۔
"فیفا کی بات ٹھہر گئی ہے۔" ان کے لہجے میں محسوس کی جانے والی سرخوشی تھی۔

"اچھا۔" وہ حیران ہوئی۔

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔ آپ کو بہت مبارک ہو پھوپھو۔" اس نے بڑی اپنائیت اور خلوص دل سے مبارک باد دی۔

"کچھ دنوں تک رسم کا ارادہ ہے مگر اس سے بھی پہلے ماہیر سے میں نے لڑکے کے متعلق چھان بین کرنے کے لیے کہا ہے۔ بس بات پکی ہوتے ہی شادی کردوں گی۔ وہ لوگ تو اپنی طرف سے ہاں کہہ گئے ہیں۔" کتنی محبت اور اپنائیت تھی ان کے لہجے میں۔ وہ اس سے اپنی خوشی شیئر کر رہی تھیں۔ اسے اپنا سمجھ کر۔ یہی چھوٹی چھوٹی باتیں، رویوں کو ان کی خوش نمائی یا بدنمائی کو ظاہر کرتی ہیں۔

"رسم کے وقت تم ضرور آنا۔ میں انتظار کروں گی۔" انہوں نے گاجریں کاٹ دی تھیں، اب شلجم چھیلنے لگیں۔

"مہمانوں کے سلسلے میں اگر کوئی کام ہو تو مجھے بتائیے گا۔" حریم نے خلوص سے آفر کی تھی۔

"جیتی رہو بیٹی!" پھوپھو کا دل خوش ہو گیا۔

"سدا سہاگن رہو۔" انہوں نے دل سے دعا دی تھی۔ پھر کچھ یاد آنے پر پوچھنے لگیں۔

"تمہاری بہن ٹھیک ہے۔"

"جی۔" وہ دھیمی سی آواز میں افسردگی سے بولی۔

"بیٹی! بچی کا علاج کیا ممکن نہیں۔ کتنی پیاری اور سلیقہ مند ہے۔" ان کے لہجے میں رنجیدگی تھی۔

"علاج تو بہت کروایا ہے مگر ابھی تک افاقہ نہیں ہوا۔ وہ سہارے کے بغیر چل سکتی ہے۔ مگر چال میں لنگڑاہٹ کی وجہ سے وہیل چیئر استعمال کرتی ہے۔" حریم کی آواز میں نمی گھلنے لگی۔

"اللہ شفا دینے والا ہے۔" وہ گہری سانس کھینچتے ہوئے کھڑی ہو گئی تھیں۔

"وہ چلتی ہوں بیٹا! یہ فیفا تو اب شام تک ہی آئے گی۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئی تھیں۔ [illegible] اوپر سے آتی قہقہوں کی آوازیں سننے لگی پھر سر جھٹک کر کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

✵ ✵ ✵

فیفا کی بات کیا پکی ہوئی، راحت بیگم کی زمیلہ کے رشتے کے سلسلے میں کوششیں تیز تر ہوتی چلی گئیں۔ مگر فی الحال انہیں زمیلہ کے معیار کے مطابق کوئی رشتہ نہیں مل رہا تھا۔

حریم کے شب و روز وہ ہی تھے۔ بس ماہیر کی سنگت کا احساس ان میں رعنائیاں بھر رہا تھا۔ زمیلہ کے رنگ ڈھنگ بھی پہلے والے تھے۔ دن کا ابتدائی حصہ ٹی وی، ایف ایم اور رسائل میگزین کی نذر ہو جاتا تھا اور دوسرے پہر وہ فیفا کے گھر پہنچ جاتی تھی۔ فیفا کی اور زمیلہ کی آپس میں گہری دوستی تھی۔ ان دنوں تو زمیلہ کے پاس آل ریڈی بہانہ موجود تھا کہ وہ فیفا کے ساتھ شاپنگ میں مصروف ہے۔ جہیز کی تیاری کروا رہی ہے۔

پھوپھو نے بتایا تھا۔ وہ سادگی سے شادی کرنا چاہتی ہیں۔ ان کے اتنے وسائل نہیں تھے اور بھاگ دوڑ کرنے والا مرد بھی کوئی موجود نہیں تھا۔ جہیز بھی وہ حسب توفیق بنوا رہی تھیں۔ اکثر راحت بیگم بھی برابر والے گھر میں چلی جاتیں۔ بس کھانے کے وقت گھر ہوتیں۔ پھر مولی کو اک نظر دیکھنے کے لیے چلی جاتیں۔

اس دن بھی راحت بیگم اور زمیلہ برابر والے گھر میں صبح سے چلی گئی تھیں۔ حریم نے دھونے والے کپڑے اکٹھے کر کے رکھے ہوئے تھے سو اس نے مشین لگانے کا سوچ لیا۔

ابھی وہ مشین میں سرف ڈال رہی تھی۔ جب ماہیر کی بائیک کا مخصوص ہارن سنائی دیا۔ حریم کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ اس نے بے ساختہ کلاک پر نگاہ ڈالی۔ اس وقت ماہیر کبھی گھر نہیں آیا تھا۔ ہزار خدشے دل میں سموئے اس نے دروازہ کھولا ہی تھا۔ جب ماہیر اندر آتے ہوئے سرعت سے بولا۔

"چادر لے کر آؤ۔ فاسٹ۔"

"خیریت کیا ہوا ہے؟" وہ خوفزدہ سی بولی۔

"بالکل خیریت ہے۔ تم جلدی کرو، میرے پاس وقت کم ہے۔ تمہیں واپس گھر چھوڑ کر مجھے آفس پہنچنا ہے۔" وہ فریج میں سے پانی کی بوتل نکال کر پانی پینے لگا تھا۔ حریم چادر بھی لے آئی تھی اور ماسی کو مولی کا خیال رکھنے کی تاکید بھی کر دی تھی مگر وہ ابھی تک شدید کشمکش میں تھی کہ وہ جا کہاں رہے ہیں۔

"کہاں جانا ہے؟" بائیک پر بیٹھتے ہوئے بالآخر اس نے پوچھ لیا۔

"ابھی پتا چل جائے گا۔" ماہیر نے بائیک اسٹارٹ کی تو وہ بے ساختہ چیخی۔

"امی کو تو بتا دیں، وہ خفا ہوں گی۔"

"صرف آدھے گھنٹے کا کام ہے۔ بس ابھی واپس آ جائیں گے۔" ماہیر اپنی مرضی کا مالک تھا۔ جی چاہتا تو ذرا ذرا سی بات پر ماں کے پاس دوڑا آتا تھا۔ موڈ ہو تو صرف [illegible] بنوانے جاتا مگر یہ سوچ اسے بہت بعد میں آئی کہ شاید رات کو ہی وہ ماں سے اجازت لے چکا تھا ورنہ ماں سے پوچھے بغیر تو وہ شاید سانس بھی نہ لیتا۔ یہ تو پھر فیفا کو گفٹ دینے کا معاملہ تھا۔ جیولر کی دکان کے سامنے بائیک رک چکی تھی اور وہ اسے بتا رہا تھا کہ فیفا کے لیے کچھ یونیک سا خریدنا ہے۔ یقیناً والدہ محترمہ بھی مشورے میں شریک تھیں۔ حریم شوکیس میں سجے چمکتے دمکتے زیورات کو دیکھنے لگی۔

"آپ کے پاس پیسے کہاں سے آ گئے ہیں۔ جبکہ مہینے کا بھی آخری عشرہ چل رہا ہے۔" مختلف بریسلیٹ دیکھنے اور ریجیکٹ کرنے کے بعد حریم نے دبی آواز میں اس سے پوچھا۔

"بتایا تھا نا کہ امی کی کمیٹی نکلنے والی ہے۔ سو امی چاہ رہی تھیں فیفا کو کوئی گولڈ کا تحفہ دیا جائے۔ دراصل اس نے ابو کے بعد ہمارے گھر کو سنبھالنے میں امی کا بہت ساتھ دیا تھا۔ سو شاید اس لیے۔" حریم بھلا اس سے کس طرح بحث کرتی یا جتاتی کہ یہ خلوص اور محبت میں دیے جانے والا تحفہ ہرگز نہیں ہے۔ راحت بیگم کو شو بازی کی عادت تھی اور وہ ان کی فطرت کو اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔ حالانکہ وہ جانتی بھی تھیں حالات کس قدر ٹائیٹ ہیں۔ اگر سمجھدار ہوتیں تو کمیٹی کی رقم آڑے وقت کے لیے بچا کر رکھتیں مگر انہیں یوں ہی شو بازی میں پیسہ خرچ کرنے کی عادت تھی۔ اسی لیے بازاروں میں وہ مہنگے مہنگے سوٹ خرید کر پہنا کرتی تھیں اور یہی شوق زمیلہ میں بھی بدرجہ اتم موجود تھا۔

[illegible] نے ایک بریسلیٹ پسند کر لیا تھا مگر ماہیر نے یہ کہہ کر ریجیکٹ کر دیا کہ اس کی قیمت ان کی رینج سے بہت زیادہ تھی۔

بالآخر ایک نفیس سی خوب صورت انگوٹھی خرید کر وہ گھر چلے آئے تھے۔ ماہیر نے گیٹ سے باہر اسے اتار دیا تھا۔ جب وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو امی اور زمیلہ پر نظر پڑی۔ وہ سیدھا انہی کی طرف آ گئی تھی۔

"کیا خرید کر لائی ہیں بھابھی!" زمیلہ اچھل کر بیٹھ گئی تھی۔ پھر بے قراری سے اس کے پرس کو دیکھنے لگی۔

"یہ اتنی ہلکی سی انگوٹھی۔" جوں ہی حریم نے مخملی ڈبیا زمیلہ کی طرف بڑھائی اس نے بے ساختہ سریلی سی چیخ ماری۔

"ڈیزائن بھی ایویں سا ہے۔ آپ کی چوائس اتنی اچھی تو نہیں ہے۔" زمیلہ صفائی کی حد تک دل توڑنا اپنا فرض سمجھتی تھی۔ اسے شاید دل رکھنا آتا ہی نہیں تھا۔ حریم بے حد شرمندہ سی ہو گئی اور وہ اسے شرمندہ ہی تو شاید کرنا چاہتی تھی۔

"اگر پسند نہیں آئی تو واپس کر دیں گے۔ ویسے ماہیر نے یہ رنگ سلیکٹ کی تھی۔"

"اونہہ۔ کر ہی دیں تو بہتر ہے۔ اتنا اولڈ ڈیزائن۔" زمیلہ نے نخوت سے سر جھٹکا۔

"کوئی ضرورت نہیں واپس کرنے کی۔ اتنی بھلی تو ہے۔ تم تو سدا احمق ہی رہنا۔ سونے کا بھاؤ آسمان سے باتیں کر رہا ہے۔ یہ تو میں نے اپنی بہو کو اتنا زیور چڑھا دیا تھا۔ یہ برابر والے ہاشمی صاحب بہو کو نقلی زیور پہنا کر بیاہ لائے ہیں۔" امی نے بڑی طرح زمیلہ کو جھڑکتے ہوئے اپنی اچھائیوں کی تعریف کرنا ضروری سمجھا تھا۔

"کاش اصلی سونے کی بجائے آپ میرے لیے چند

محبت کے بول بچا کر رکھ لیتیں۔" حریم نے افسردگی سے سوچا۔

"سارے لوگ ہی آرٹیفیشل زیور چڑھا کر دلہن کو گھر لے آتے ہیں۔ یہ تو آپ کو ہی شوق چڑھا تھا میرے بھائی کو مقروض کرنے کا۔ دور دور جگہ بے چارے نوکریاں کرتے رہتے ہیں۔" زمیلہ نے جلے بھنے انداز میں کہا۔

"پھر بھی ہماری قدر کہاں ہے۔ بہو بیگم کے چہرے پر کبھی تبسم نہیں دیکھا۔" امی خوامخواہ خود پر رقت طاری کر چکی تھیں۔ حریم کے پیر من من بھر کے ہو رہے تھے۔ وہ کپڑوں کی گٹھری اٹھا کر چھت کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

✱ ✱ ✱

حانی کا فون آیا تھا اور وہ بہت خفا ہو رہی تھی۔ غصہ کر رہی تھی۔

"ایک ہی تو ہماری رشتے کی خالہ ہیں۔ امی کی اکلوتی کزن۔ اتنی محبت سے انہوں نے تمہیں شادی کی دعوت دی تھی۔ مگر تم۔" حانی سخت کبیدہ خاطر ہو رہی تھی۔ اسے کھری کھری سنا رہی تھی۔

"ماہیر بھائی سے کہا ہوتا۔ تمہیں چند دن کے لیے اسلام آباد لے جاتے۔ اسی بہانے تفریح بھی ہو جاتی۔ تم اتنی بونگی ہو۔ ہنی مون کے لیے بھی ماہیر بھائی سے کچھ نہیں کہہ سکی ہو گی۔ یہی تو دن ہوتے ہیں گھومنے پھرنے کے۔ پھر زندگی کے "سیاپوں" میں ان دنوں کو ڈھونڈتی رہ جاؤ گی۔" وہ اس سے بڑی تو نہیں تھی مگر باتیں بڑی بڑی کرتی تھی۔ حریم نے بے بسی سے لب کچل دیے۔ سامنے ہی امی تخت پر بیٹھی تھیں۔ ان کی نظریں حریم پر نہیں تھیں تاہم اسے یقین تھا کہ سماعتیں ضرور ادھر ہی مصروف عمل ہوں گی۔ تاکہ کوئی کام کی بات ان تک بھی پہنچ سکے۔

"حانی! میں چند دن تک چکر لگاؤں گی۔" [illegible] تقریر کے جواب میں حریم کا مختصر سا جواب [illegible] کر وہ گویا سمجھ چکی تھی کہ حریم تنہا نہیں ہے۔

"کون ہے پاس؟ کیا ماہیر بھائی ہیں؟ میری ان سے بات تو کرواؤ۔" وہ سخت مشتعل تھی۔

"نہیں۔" حریم آہستگی سے بولی۔

"زمیلہ ہے؟" حانی نے پوچھا۔

"نہیں۔" حریم نے دبی آواز میں کہا۔

"تمہاری ساس ہیں؟"

"ہوں۔"

"اوہ۔ تو گویا تم ساس کے معاملے میں خوش قسمت ہرگز نہیں ہو۔" حانی کا انداز ناقابل فہم تھا۔

"اس معاملے میں سب ہی "ان لکی" ہوتے ہیں۔" وہ گول مول سے انداز میں بولی۔

"تمہیں میکے آنے سے روکتی ہیں؟"

"ایسی بات نہیں۔" حریم جز بز سی ہو گئی۔

"تو پھر کیوں نہیں آتیں۔ تمہاری اکلوتی بہن اور بوڑھا باپ مہینے بھر سے راہ دیکھ رہا ہے ایسی بھی کیا مصروفیت۔" حانی کی آواز بھرا گئی تھی اور اس کے آنسو دل پر گرنے لگے۔

"آؤں گی۔" وہ محض اتنا ہی کہہ سکی۔ آنسوؤں کا گولا حلق میں پھنس گیا تھا۔

"اللہ حافظ۔ اپنا خیال رکھنا۔" حانی نے آزردگی سے کہتے ہوئے فون رکھ دیا تھا جبکہ حریم ریسیور کریڈل پر ڈال کر مڑنے لگی۔ اسی پل فون کی گھنٹی پھر سے بج اٹھی تھی۔

"کس سے بات کر رہی تھیں۔" ماہیر کا فون تھا اور اس نے چھوٹتے ہی یہی پوچھا تھا۔

"حانی سے۔" وہ مختصراً بولی تھی۔

"[illegible]"

"ہوں۔"

"تم کیوں چپ چپ ہو۔ کیا رو رہی ہو؟ آواز سے تو یہی محسوس ہو رہا ہے۔" وہ اسی طرح بن کہے جان لیتا تھا یا پھر اس کے لہجے میں دکھ اور تھکن ہی انتہا کی تھی۔ ماہیر چونکے بغیر رہ نہیں سکا۔

"نہیں۔" وہ صاف مکر گئی۔

"جھوٹ مت بولو۔ اداس ہو؟ حانی سے ملنا چاہتی ہو؟"

وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔"

"ہوں۔ شام کو تیار رہنا میں تمہیں لے جاؤں گا۔"

"آپ نے فون کیوں کیا تھا؟" حریم کو اچانک خیال آیا تو پوچھنے لگی۔

"تم نے ایسی پژمردہ آواز سنائی ہے۔ کم بخت کام ہی بھول چکا ہوں کہ کیا کہنا تھا تمہیں۔" وہ شاید کچھ سوچنے لگا تھا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔

"الماری میں سے ایک بیگ نکال کر باہر رکھو۔ نیلے رنگ کا بیگ ہے۔ میرا ایک کولیگ آدھے گھنٹے تک آ کر لے جائے گا اور ہاں رونا مت نہ اداس ہونا۔ تم نے مجھے کہا ہی نہیں اور دیکھو مجھے بھی خیال نہیں آیا۔" وہ خود کو ملامت کرنے لگا تھا۔ فون بند کر کے حریم مطلوبہ بیگ نکال لائی تھی۔ راحت بیگم سے صبر نہ ہو سکا تو پوچھنے لگیں۔

"حانی کیا کہہ رہی تھی؟"

"گھر آنے کا کہہ رہی تھی۔ بابا کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں۔" حریم نے تھکے تھکے لہجے میں بتایا۔

"بڑھاپے میں بیماریاں تو جان کو لگ ہی جاتی ہیں۔" ان کے لیے یہ معمول کی بات تھی۔

"امی! میں شام کو ماہیر کے ساتھ کچھ دیر کے لیے گھر چلی جاؤں؟" حریم نے سوچا لگے ہاتھوں ابھی سے اجازت لے لی جائے۔ ورنہ رات کو شاید وہ جانے ہی نہ دیتیں۔

"دیکھو حریم! آئے دن شوہر کو تنگ کرنا۔ میکے جانے کے لیے تکرار کرنا۔ فضول کی ضدیں مجھے پسند نہیں۔ تھکے ہارے شوہر کے آرام سکون کا خیال نہیں۔ بس گھر سے فرار کا بہانہ چاہیے۔" انہوں نے دو پل میں اسے بری طرح لتاڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ ایک دفعہ پھر دل مسوس کر رہ گئی تھی۔ ساری خواہشات دل میں دبالی تھیں اور ماہیر کی ماں کی خوشی میں سکون ڈھونڈنے لگی تھی۔

رات کو ماہیر گھر آیا تو اس کے الجھے بکھرے وجود کو دیکھ کر حیرانی سے بولا۔

"تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔ پہلے ہی کافی دیر ہو چکی ہے۔"

"ہم پھر کبھی چلیں گے ماہیر! ابھی آپ تھکے ہوئے ہیں۔"

"تو کوئی بات نہیں۔ تھکاوٹ تو زندگی کا حصہ ہے۔ چلو تم کپڑے بدل لو۔" وہ نرمی سے کہہ رہا تھا۔ حریم برتن خشک کر رہی تھی۔ اور وہ کچن کے چوکھٹے میں کھڑا تھا۔ راحت بیگم خاموشی سے اس بحث کو سن رہی تھیں۔ تخت پر بیٹھے ہوئے انہیں حریم اور ماہیر دونوں ہی نظر آ رہے تھے اور ان کی گفتگو بھی راحت بیگم کے کانوں تک بخوبی پہنچ رہی تھی۔

"اتنی رات ہو چکی ہے۔ باہر سردی بھی غضب کی ہے۔ میں اس سردی میں بائیک پر نہیں بیٹھ سکتی۔" وہ دل کی شور مچاتی آوازوں کو سنے بغیر دبی آواز میں بولی۔

"بخاری انکل کی گاڑی مانگ لاؤں۔ کچھ دیر کے لیے با آسانی دے دیں گے۔ ابو کے اچھے تعلقات تھے ان سے۔"

"کہہ تو رہی ہوں نہیں جانا۔" وہ چولہے پر رکھے دودھ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"ٹھیک ہے تمہاری مرضی۔" ماہیر پلٹ کر ٹائی کی ناٹ کھینچتا سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔ وہ لب کچلتے ہوئے اذیت سے مسکرا دی۔

"میری مرضی۔" اس کے لبوں پر تلخ ترین تبسم نمودار ہوا تھا۔ پھر وہ دروازے کی جھری میں سے تخت پر بیٹھی مطمئن سی راحت بیگم کو دیکھ کر تازہ چھلکے اتارنے لگی۔ اس کی خوشی کو ملیا میٹ کر کے کیسی پرسکون تھیں۔

"نجانے لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں سے دل دکھا کر کون سی راحت حاصل کرتے ہیں۔" وہ بے اختیار سوچنے لگی۔

"کھانا لے آؤ حریم!" راحت بیگم کی لاؤنج سے آواز آئی تھی۔ وہ جلدی سے ماہیر کا کھانا لے کر باہر چلی آئی۔

"تم نے کھانا کھا لیا ہے؟" حریم اس کے لیے پلیٹ میں سالن نکال رہی تھی' جب پانی پیتے ہوئے وہ فکرمندی سے پوچھنے لگا تھا۔ کھانے پینے کے معاملے میں وہ بہت لاپروا تھی۔ راحت بیگم کو محبت کے یہ مظاہرے ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے۔

"بھوک نہیں۔" وہ سر جھکائے آہستگی سے بولی۔

"کیوں؟"

"بس ایسے ہی دل نہیں چاہ رہا۔"

"چلو' میرا ساتھ دینے کے لیے بیٹھ جاؤ۔" حریم کو اٹھتا دیکھ کر وہ بے ساختہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

"یہ چونچلے اپنے کمرے میں جاکر کیا کرو۔" راحت بیگم سے برداشت نہ ہو سکا تو بظاہر مسکرا کر بیٹے سے مخاطب ہوئیں۔

"کیا ہے اماں جان! دن بھر عورت سے مشقت لینے کے بعد احساس کے اور توجہ کے دو بول تو عورت کا بلکہ شریک حیات کا حق ہوتے ہیں۔" اس نے سیم اپنے باپ کا جملہ دہرا کر راحت بیگم کو لاجواب کر دیا تھا۔ جب بھی وہ موڈ میں ہوتا تھا' ماں کو اماں جان کہہ کر مخاطب کرتا۔

"لگتا ہے' میرا بیٹا کسی حقوق نسواں کی تنظیم سے منسلک ہو گیا ہے۔" بظاہر اب بھی وہ مسکرا رہی تھیں مگر حریم جانتی تھی کہ ٹرے میں ڈوبا یہ لہجہ در پردہ کیسا تلخ ترین ہے۔ یہ تلخی وہ کسی نہ کسی بہانے آئندہ دنوں میں نکال دیں گی۔ حریم کو تو یقین تھا۔

"اور مشقت کی بھی خوب کہی ہے۔ کیا پہاڑ توڑنے پڑتے ہیں تمہاری بیوی کو۔" وہ جلتے بھنتے اٹھ کر چلی گئی تھیں۔

"دن والی مشقت نہ سہی۔ رات والی مشقت تو قابل قدر ہے نا۔" ماہیر اس کے کان کے قریب جھکا تھا۔ اتنی شدید بے زاریت کے باوجود وہ بے ساختہ ہنس پڑی تھی پھر ہنستے ہنستے رو پڑی۔ یہاں تک کہ اس کی کھور سیاہ آنکھوں میں نمکین پانی چمکنے لگا۔

☆ ☆ ☆

راحت بیگم کا مزاج آج خاصا برہم تھا۔ تبھی حریم کے پوچھنے پر انہوں نے چائے پینے سے انکار کر دیا۔ وہ اپنی اور ماہیر کی چائے بنا کر کمرے میں چلی گئی تھی۔ ماہیر ماں کے پاس بیٹھا تھا تقریباً" تین گھنٹے بعد اوپر آیا تو وہ خفگی سے بولی۔

"اب یہ شربت پینا پڑے گا۔"

"جو بھی پلاؤ گی شوق سے پی لیں گے۔ جام محبت یا جام فرقت۔" وہ خوش دلی سے بولتا ہوا بستر پر ڈھے گیا۔

"خدانخواستہ جام فرقت کیوں؟" حریم دہل کر بولی۔

"اتنی دور سے دہلتی رہتی ہو۔ قریب آکر کہو۔ کچھ فائدہ بھی ہو ان اداؤں کا۔" وہ تبسم دبا کر کہہ رہا تھا۔

"اور چائے بنا لاؤں؟" اسے پٹڑی سے اترتا دیکھ کر حریم سرعت سے اٹھی۔

"نہیں یار! چائے وائے رہنے دو' بس تم سامنے بیٹھی رہو۔ چائے پی کر کلیجہ سڑتا ہے جبکہ دیدار یار سے تو من میں ٹھنڈک اترنے لگتی ہے۔ یوں لگتا ہے دل کے ہر خانے میں اے سی فٹ ہے یا برف کے بڑے بڑے بلاک۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ سے پاس بٹھا چکا تھا۔

"ایک بات بولوں۔" بہت دیر سوچنے کے بعد اس نے آہستگی سے کہا۔

"صرف ایک بات' تم پوری رات بولتی رہو بلا شرطیہ سنوں گا مگر کچھ بولو تو سہی۔ اتنی چپ چپ کیوں رہتی ہو۔"

"اور جب بولوں گی تو جلد ہی بے زار ہو جائیں گے۔" وہ [illegible] کو پائنتی پر رکھنے لگی۔

"ایسا کیا ہو جو مجھے بے زار کر دے۔" ماہیر نے فوراً تردید کی تھی۔

"تو پھر کیا بولوں؟" اس کا انداز چھیڑنے والا تھا۔

"صحراؤں کی سرزمین پر گرجنے والے بادلوں اور برسنے والی بارشوں کی طرح بولو۔ تم خاموش گزرگاہوں کے شہر وینس کی طرح کیوں ہو؟ اداس' پریشان اور غمگین۔" وہ اتنا لاپروا تو نہیں تھا۔ جس قدر حریم اسے سمجھتی تھی۔ اس محبت' اس توجہ پر اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ نرم سا مسکرائی۔

"[illegible] ہے کیا ہو؟" ماہیر کی آنکھوں سے نرم گرم جذبوں کے دیے لو دینے لگے۔

"تم درختوں کے جھنڈ کے نیچے بہنے والا پانی جس پر کبھی دھوپ نہیں پڑتی اور وہ ہمیشہ ٹھنڈا رہتا ہے۔ میٹھا ٹھنڈا اور گھنٹیاں بجاتا۔"

"آپ بھی نا ماہیر!" وہ ہنس ہنس کر بے حال ہو گئی۔

"میری بات تو بیچ میں رہ گئی۔" حریم خفا ہوئی۔

"بتاؤ... میں سن رہا ہوں۔" اس نے اپنے دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھ لیے۔

"سننا نہیں عمل بھی کرنا ہے۔" حریم نے ناز بھرے انداز میں کہا۔

"ہم ماموں کے پاس اسلام آباد چلیں۔ انہوں نے کئی دفعہ فون کیا ہے۔ میں ہر دفعہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دیتی ہوں۔"

"مگر اب تو ممکن نہیں لیفا کی شادی میں اچھا خاصا خرچہ ہو جائے گا۔ خالی والٹ کے ساتھ مری گھومنا ہے کیا؟"

"مجھے سیر و سیاحت کا کوئی شوق نہیں ہے۔ میں تو بس یہ چاہتی تھی کہ ہر قسم کی ٹینشن سے آزاد کچھ دن وقت کی قید سے آزاد کر لیے جائیں۔" وہ سنجیدہ سی ہو گئی۔

"ٹینشن۔" ماہیر کچھ حیران ہوا۔

"تم ٹینشن لیتی ہو؟ پریشان رہتی ہو؟ مگر کیوں؟ کیا تمہیں کسی نے کچھ کہا ہے؟ کسی سے شکوہ ہے؟ یا پھر کاموں کا اضافی بردن ہے؟" ماہیر بھی لمحہ بھر میں بے حد سنجیدہ ہو چلا تھا۔

"نہیں ماہیر! ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ گھبرانے لگی۔

"تم نے مجھے پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔" ماہیر نے خفگی سے کہا۔

"میں نے تو بس اپنی ایک خواہش کا اظہار کیا ہے۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"اسلام آباد جانا اتنا بھی ضروری نہیں۔"

"تمہاری یہ خواہش ضرور پوری کروں گا۔ بس تھوڑا سا انتظار کر لو۔" ماہیر نے اس کے ہاتھ تھپتھپائے۔

"بہت رات ہو گئی ہے۔ اب سو جانا چاہیے۔ کیا خیال ہے آپ کا۔" وہ اس کے چہرے پر جھک گیا تھا یوں کہ حریم سے مارے شرم کے کچھ بولا ہی نہ گیا۔

☆ ☆ ☆

وہی ہوا تھا جس کا حریم کو خدشہ تھا۔ لیفا اور اس کے دولہا کو سلامی میں دینے والی رقم کم پڑ گئی تھی۔ اوپر سے مہمانوں کی آمد کے ساتھ جوں ہی ان کے بیگ کھلے تو راحت بیگم کو ننھیال والوں کی طرف سے دینے والی سونے کی انگوٹھی واقعی ہلکی محسوس ہونے لگی۔ ان کی شوبازی والی عادت نے اپنی سبکی کو گوارا نہیں کیا تھا اور دوسرے ننھیال میں صرف راحت بیگم ہی کا واحد رشتہ بچا تھا اور جب پھوپھیاں لیفا کے لیے اتنا کچھ لے آئی تھیں پھر اکلوتی ممانی ہونے کے ناتے انہیں دیگر اشیا کا خیال آیا۔ کیونکہ لیفا کے اکلوتے ماموں عالم انکل تھے اور ان کے بعد راحت بیگم کا فرض تھا کہ ننھیالی تحفے کے لیے کچھ نہ کچھ بچا کر رکھتیں مگر انہیں "بچت اسکیم" سے خاص شغف نہیں تھا۔ وہ اپنے آج میں جینے والے لوگوں میں سے تھیں۔ کل جو ہو گا دیکھا جائے گا والے مقولے پر عمل پیرا تھیں۔ اور اب انہوں نے اچانک ماہیر سے کہہ دیا تھا کہ وہ کچھ کپڑے اور مشینری وغیرہ بھی لیفا کو اپنی طرف سے بطور تحفہ دینا چاہتی ہیں۔

ماہیر نے یہ فرمائشی لسٹ خاموشی سے سن لی تھی۔ حالانکہ مولی کے چیک اپ کے بعد اس کی جیب اس اضافی خرچے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی تھی۔ ماہیر پریشان تھا' فکرمند تھا۔ اس کے ماتھے پر سوچ کی لکیریں تھیں۔ آنکھوں کی شفاف سطح پر تفکر کا پردہ تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ حریم اسے اس قدر الجھا الجھا اور پریشان دیکھ پاتی۔ وہ خود بھی شدید ٹینشن کا شکار ہو چکی

تھی کہ اب یہ معاملہ کیسے حل کیا جائے گا۔ ماہیر تو چپ چاپ نہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔ جبکہ وہ اسی بے قراری سے مختلف کاموں میں لگی رہی۔ کپڑوں کا ڈھیر پھیلائے استری میں مصروف اچانک اسے زمیلہ کی دبی دبی آواز سنائی دی تھی۔

"آپ بھابھی سے کہیں نا۔ وہ بھائی کی پریشانی کیوں نہیں سمجھتیں۔ آخر یہ مسئلہ ان دونوں کو ہی حل کرنا ہے۔ ظاہر ہے گھر کے سربراہ تو وہی ہیں۔" "نہ جانے کیسے سربراہ تھے۔ محکوم قسم کے۔

"ماہیر سے بات تو کی ہے۔ کچھ نہ کچھ کرے گا۔ اب تمہاری پھپھو کے سامنے ناک تو نہیں کٹوانی۔ منہ پھٹ تو بلا کی ہیں۔ فوراً" کہہ دیں گی نفیسہ سے خدمتیں کروانے کا یہ صلہ دیا ہے "چھلا نما انگوٹھی کی صورت میں۔" حالانکہ یہی انگوٹھی نفیسہ پھوپھو اور فیفا کو بہت پسند آئی تھی اور انہوں نے لینے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ وہ ماہیر کی مشکلات کو سمجھتی تھیں اور اس پر کوئی بوجھ بھی ڈالنا نہیں چاہتی تھیں۔

"جتنا ماہیر نے ہمارے لیے کر دیا ہے اتنا ہی کافی ہے۔ اب بچے کا خون تو نہیں چوسنا۔" راحت بیگم نے نفیسہ پھوپھو کے لاکھ منع کرنے کے باوجود انگوٹھی فیفا کو تھما دی تھی اور جسے ہاتھ میں پکڑ کر نہ جانے کیوں اس کی پلکیں لرزتی رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا کہ وہ ابھی پھوٹ پھوٹ کر رو دے گی۔ اس کے چہرے پہ نہ جانے دکھ کے "ملال کے" یا پھر کچھ کھو دینے کے سائے عجیب عجیب سے عکس بنا رہے تھے۔

"نہ تو آپ نوکری کرتی ہیں نہ میں کماتی ہوں۔ فیفا کے لیے بھائی کو ہی کچھ نہ کچھ بندوبست کرنا ہے تو بھابھی کو چاہیے ذرا وسیع دلی کا ثبوت دیں۔" زمیلہ کی کٹیلی سی آواز آئی۔

"کیا مطلب؟" راحت بیگم واقعی کچھ نہیں سمجھی تھیں۔

"نیچے والا اسٹور بھرا پڑا ہے بھابھی کے سامان سے۔ ان کے افرباء نے جہیز بہت دیا ہے۔ بس دل کو وسیع کرنے کا سبق دینا ہے۔ اگر ان بند ڈبوں کو کھول کر کچھ اشیاء فیفا کو دے دیں گی تو نا صرف ہماری واہ واہ ہو جائے گی بلکہ بھائی کی پریشانی بھی یقینی طور پر ختم ہو جائے گی۔"

"ارے "یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔" راحت بیگم کی حیران حیران سی آواز ابھری زمیلہ اسے اچھی طرح سے سنا چکی تھی۔ اسی لیے قدرے رقت بھرے لہجے میں بولی۔

"مگر ایسی دریا دلی کا ثبوت ہر کوئی کہاں دیتا ہے۔ آپ کو یاد ہے زوہاریہ میری سہیلی "اس کا دل نہیں سمندر تھا سمندر۔" زمیلہ کو نہ جانے کیا کچھ یاد آنے لگا تھا البتہ راحت بیگم کو یہ ذکر قطعاً" پسند نہیں آیا۔ وہ اٹھ کر شاید مومی کے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ کیونکہ وہ انہیں آوازیں دے رہا تھا۔

ادھر حریم کے سامنے سوچ کے کئی در وا ہو گئے تھے۔ وہ فیفا کے لیے خصوصاً" اپنی طرف سے تحفہ دینے کے متعلق پہلے سے ہی سوچ رہی تھی اگر زمیلہ اسے نہ بھی سناتی تو حریم نے پھر بھی اٹالین ڈنر سیٹ، ویڈیو ٹیپ سسٹم، آئرن، سینڈوچ میکر، ٹوسٹر اور چائے والے نفیس جوڑے الگ سے رکھ لیے تھے۔ نفیسہ پھوپھو کے حالات کو سمجھتی تھی۔ وہ سفید پوشی کا بھرم رکھے اپنے حال سے مطمئن تھیں۔ اور انہیں بہت زیادہ کی چاہ بھی نہیں تھی۔ یہی حال فیفا کا تھا اس نے جہیز کے نام پر صرف چند ایک ضرورت کی چیزیں خرید لی تھیں۔ حالانکہ زمیلہ ناک بھوں چڑھاتی رہی تھی۔ اسے فیفا کی سادگی نما یہ شاپنگ قطعاً" پسند نہیں آئی تھی۔

اس نے ماہیر کا بوجھ غیر محسوس طریقے سے بانٹ لیا تھا۔ راحت بیگم کی نمود و نمائش والی فطرت کی بھی خاصی تسکین ہو چکی تھی اور وہ کچھ دنوں تک حریم سے کافی خوش رہی تھیں۔ فیفا کا سادگی سے نکاح ہو گیا تھا۔۔۔ اور زمیلہ کو اس روکھی پھیکی شادی میں بھی کوئی مزا نہیں آیا تھا۔ وہ ہلے گلے کی شوقین تھی۔

فیفا کے میاں کی جاب عمان (مسقط) میں تھی۔ نہ جانے وہ خوش تھی یا نہیں البتہ مطمئن ضرور تھی۔

اس کے چہرے پر سکون تھا اور یہ سکون اس کی آئندہ زندگی کی خوشیوں کا پیامبر تھا۔

شادی کے بعد وہ ایک مرتبہ ان کے گھر آئی تھی وہ اور ماہیر لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ حریم کچن میں چائے بنا رہی تھی۔ کچن کی ایک کھڑکی لاؤنج میں کھلتی تھی دوسری پچھلی طرف۔ تین فٹ چوڑی گلی میں روشنی اور ہوا کے لیے لگائی گئی تھی۔

جالی کے دروازے سے لاؤنج کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ان کی آوازیں بھی با آسانی کچن تک پہنچ رہی تھیں۔

"زندگی میں بہت کم لوگ بامراد ہوتے ہیں۔" فیفا لاپرواہی سے کہہ رہی تھی۔

"جنہیں سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ خوش قسمت بامراد ہوتے ہیں۔ مگر ان کی تعداد خاصی کم ہے۔ خوش نصیب لوگوں کی اور تم انہی میں سے ایک ہو۔"

"تو تم میری خوش نصیبی کو تسلیم کرتی ہو؟" ماہیر کا انداز ناقابل فہم تھا۔

"ہاں۔" وہ بلا جھجک بولی۔

"حریم بہت بخت آور ہے اور۔۔۔" مزید کچھ بولنے سے پہلے فیفا لب بھینچے خاموش ہو گئی تھی۔ پھر جب بولی تو آواز میں بلا کا سوز تھا۔

"عالم افروز تو بہت سے ہوتے ہیں یعنی دنیا کو روشن کرنے والے "دنیا کو چمکانے والے" مگر دل افروز صرف ایک ہوتا ہے۔ جس سے دل کی دنیا تابناک ہوتی ہے، چمکتی دمکتی ہے۔ سدا روشن رہتی ہے۔ بغیر دھوئیں کے ہمیشہ چراغ جلتے رہتے ہیں۔ کبھی نہ ختم ہونے کے لیے کبھی نہ بجھنے کے لیے دل افروز کسی کسی کو ملتے ہیں۔ بامراد لوگوں کو "بعض لوگ تو معمولی سے قطرے، ذرا سے رس اور محبت کی بوند بوند کو ترستے ہیں۔"

"اور محبت کی لذت ۔۔۔ اور لطف کو بھی کسی کسی کا مقدر بنایا جاتا ہے۔ اس ذائقے سے بھی با نصیب لوگ آشنا ہوتے ہیں۔" ماہیر کی نظریں فیفا کے چہرے پہ نہیں تھیں۔ اس کا ذہن بھی کہیں اور محو پرواز تھا۔

"ہم نے محبت کی دہلیز پر سجدہ کیا ہے "ماتھا ٹیک دیا ہے۔ محبت کو زندگی بنایا اور بغیر نتائج کی پروا کیے عشق لاحاصل کو حاصل بنانے میں زندگی کا لمحہ لمحہ بتا گئے۔" آواز کسی اور کی تھی۔ لہجہ بھی مانوس تھا مگر ماہیر عالم نے کب کبھی اس آواز میں چھپے درد اور محبت کی خوشبو کو محسوس کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا جبرانہ انداز ماہیر عالم کو اور بھی متنفر اور بے زار کر دیا کرتا تھا۔

"میں نے تم سے سفید ریشم جیسی اجلی، سلجھی محبت کی ہے۔ عبداللہ شاہ غازی کے مزار پر دیکی تھی کے چراغ جلاؤں گی جب تم میری طرف دیکھ کر مسکراؤ گے۔" وہی کھنکھناتی آواز آئی تھی۔ زوہاریہ کی گنگناتی آواز "کھلکھلاتی آواز۔

"میری شادمانی اور فرحت کے لیے تمہارا دیدار ہی کافی ہے۔ نہ بولو "نہ کلام کرو۔ کوئی زبردستی تھوڑی ہے۔ ہم دیدار سے ہی روح تک سیراب ہونے والوں میں سے ہیں۔" غرور اور بے تحاشا غرور اس دولت کا عطا کردہ تھا۔ جو اس کے گھر کی باندی تھی۔ اس کی شخصیت میں ایک تمکنت تھی۔ بہت بے نیازی تھی۔ جس سے ماہیر عالم چڑتا تھا اور بے تحاشا چڑتا تھا۔

"کتنی ٹھوس اور سخت زمین ہے تمہارے دل کی ماہیر عالم! اس میں لالہ کے پھولوں کا گلستان کیسے آباد ہو گا؟" آواز میں مصنوعی تاسف بھر جاتا تھا۔

"دل کے دروازے پر کسی جلاد صفت دربان کو کھڑا کر رکھا ہے ماہیر عالم! تمہارے دل کے نگہبان "دربان" بڑے ہی بے مروت ہیں۔ بالکل تمہاری طرح۔" وہ ہنسنے لگتی تھی اور پھر ہنستی چلی جاتی۔

"تم ہو تو دنیا اس قدر سجی سجی دکھائی دیتی ہے۔ مان جاؤ "ماہیر عالم! تمہارے وجود سے میرے دل کی دنیا کو زیبائش ملی ہے۔" ہنسی کی آواز تھم جاتی تھی۔

"میں نے سفید "نیلے" پیلے اور سنہرے پھولوں کے کنج میں تمہاری محبت کو محفوظ کر رکھا ہے "یاد رہے پھولوں کا یہ کنج میرے بائیں پہلو میں دھڑک رہا ہے۔" آوازوں کا شور بڑھتا جا رہا تھا۔ بڑھتا جا رہا تھا۔

شوریدہ لہروں کے طوفان میں بہتے بہتے اک ہموار' دھیمی معصوم لَے پاشفاف آواز سنائی دی۔

"ماہیر! جائیے ــــ" حریم کپ ہاتھ میں پکڑے کھڑی تھی۔ وہ گویا نیند سے جاگا تھا۔ پھر حیرانی سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ فیفا اٹھ کر نہ جانے کب چلی گئی تھی۔ اس کی چائے جوں کی توں پڑی تھی۔

"نفیسہ پھوپھو نے بلوا لیا تھا۔ اس کے میاں کا فون آیا ہے۔" حریم بتا کر کچن میں پلٹنے لگی تھی جب ماہیر کی بھاری بھاری سی آواز اس کی پشت پر ابھری۔

"حریم! میں سونے جا رہا ہوں۔ جگانا مت' خود ہی اٹھ جاؤں گا۔" حریم نے پلٹ کر دیکھا' وہ سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ گہری سانس کھینچتی وہ برتن دھونے لگی تھی جب زمیلہ کچن میں داخل ہوئی۔

وہ فریج میں سے سیب نکال کر بلینڈر کے جگ میں دودھ ڈالنے لگی تھی۔ پھر سیب کاٹنے کے بعد آن کے بٹن پر اس نے ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اک ناگوار سی گرر گرر کے بعد ماحول پر سکوت طاری ہو گیا۔ زمیلہ نے ملک شیک ایک بڑے سائز کے مگ میں انڈیلا اور وہیں کچن میں موڑھا گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ اس کی نظریں حریم کی پشت پر پھیلے بالوں کے آبشار سے الجھ رہی تھیں۔ کافی دیر بعد زمیلہ کی آواز سنائی دی۔

"میرا بھائی آسمان کا سب سے منور چمکدار' زیادہ جمل والا ابھرا ہوا روشن ستارہ توڑ لایا ہے۔ چاند اس لیے نہیں کہا کہ چاند میں داغ ہوتا ہے اور آپ کا حسن تو بے داغ ہے بھابھی!"

"یا حیرت!" زمیلہ اس کی تعریف کر رہی تھی' مقام تعجب تھا۔ حریم چند پل کے لیے ششدر رہی تو رہ گئی۔

"آپ کو نہیں پتا بھابھی! ایک عالم کی لڑکیاں میرے بھائی کے عشق میں گرفتار تھیں اور قرعہ فال نکلا آپ کے نام ــــ" وہ ہنسی تھی شاید۔ حریم برتن دھوتے ہوئے ہولے سے مسکرائی۔ اس بات کا وہ بھلا کیا جواب دیتی۔

"سچ تو یہ ہے صرف آپ ہی میرے بھائی کے ساتھ سجتی ہیں۔ فیفا اور زوباریہ تو بس ایویں سی تھیں۔ عام سی ڈلی ڈلی۔"

"فیفا ــــ زوباریہ۔" حریم کے ہاتھ لحظہ بھر کو لرزے تھے۔

"یہ زوباریہ کون ہے؟" وہ پوچھنا چاہتی تھی مگر آواز حلق میں ہی گھٹ کر رہ گئی جبکہ زمیلہ اپنی ہی دھن میں کہہ رہی تھی۔

"آپ کو بھائی نے نہیں بتایا ــــ فیفا کے متعلق' زوباریہ کے متعلق۔"

"نہیں۔" وہ حیرانی سے بولی۔

"فیفا' زوباریہ اور بھائی' ایک اسکول' ایک ہی کالج اور ایک ہی یونیورسٹی سے پڑھے ہیں۔ پندرہ سولہ یا اس سے کچھ کم سال انہوں نے ایک ساتھ گزارے تھے۔ فیفا بھائی سے محبت کرتی تھی اور زوباریہ بے تحاشا محبت۔ زوباریہ کی محبت کا پلڑا یوں بھاری رہا کہ بھائی کی محبت میں اس نے دو مرتبہ خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ بہت جنونی اور جذباتی لڑکی تھی۔ بھائی سے پاگل پن کی حد تک عشق کرتی تھی۔ ورنہ کوئی یوں اپنی زندگی کو ختم کرنے کی کوشش [illegible] ہے۔" زمیلہ نے خالی گلاس سلیب پر [illegible] حریم کے زرد چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔ شاید وہ اس کے چہرے کے تاثرات سے لطف اٹھا [illegible]

"پھر ــــ" حریم کی آواز [illegible] سے گویا برآمد ہوئی۔ وہ پوچھنا چاہتی [illegible] زوباریہ اور فیفا تو تمہارے بھائی [illegible] تھیں کیا ماہیر بھی اس [illegible] سے [illegible] زمیلہ سے یہ بھی پوچھنا چاہتی تھی کہ ماہیر کے دل میں کیا تھا؟ کیا ہے؟ کسی سلگتی [illegible]

[illegible]

وہ سامنے کھڑی زمیلہ سے ایک آخری سوال پوچھنا چاہتی تھی کہ ماہیر عالم کے دل میں کون تھی؟ فیفا یا زوباریہ؟"

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☼ ☼

"نہیں یہ شادی نہیں کررہی۔" دروازہ قدرے کھلا تھا اور لال بھبھوکا چہرہ لیے زویا دھپ سے صوفے پر بیٹھی تھی۔ کمرے میں موجود نفوس پر رتی برابر اثر نہ ہوا تھا۔ سب لڑکیاں باتیں کرتی دوپٹے پہ گوٹا ٹانکنے میں مصروف تھیں۔

"تم لوگوں نے سنا میں نے کیا بکواس کی ہے؟" زویا چیخی۔

"ہم یہ بکواس... معاف کرنا اعلان خصوصی پچھلے ایک سال میں کم سے کم ایک درجن بار سن چکے ہیں۔" سمیعہ نے جھلاتے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

"مینا تم تو میری بات سنو، میری طرف دیکھو۔" زویا نے رقت بھری آواز میں اپنی واحد ہمدرد دوست اور ہونے والی نند کو پکارا۔

"اب کیا ہوا ہے، تم۔" باقی کی بات حلق میں پھنس گئی تھی اور ایک زوردار چیخ کمرے میں پھیلی۔ سب ایک دم مینا کی طرف متوجہ ہوئیں جو ہاتھ سے زویا کی طرف اشارہ کررہی تھی۔

"چ... چ... چڑیل۔" شفق چیخی۔

"کیا بدتمیزی ہے۔" زویا بھنائی۔

"یہ منہ پر کیا تھوپ رکھا ہے، جان نکال دی ہے۔" فریال نے ایک زوردار دھپ زویا کے کندھے پر لگائی۔ زویا بھاگتی ہوئی واش روم کی طرف گئی۔ شیشہ دیکھا اور ایک عدد چیخ اس کے منہ سے بھی نکلی۔ "اللہ کا نام لو اور اپنا منہ دھو کر نکلو۔" ماہا چلائی تھوڑی دیر بعد تولیے سے منہ صاف کرتی زویا سب کے درمیان آبیٹھی۔ دائرے میں پہلے سے فریال، سمیعہ، شفق، مینا اور ماہا بیٹھی ہوئی تھیں۔ دائیں صوفے پر اونگھتی ہوئی فارحہ تھی جو زویا کی بہن اور آج کل خادمہ کے روپ میں نظر آتی تھی۔

"مینا۔ تمہارے بھائی نے مجھے چڑیل کہا ہے۔" زویا نے رونی صورت بنائی۔

"ہاں تو کیا غلط کہا ہے خود اپنی ماسک زدہ شکل دیکھ کر تمہاری چیخ نکل گئی تھی۔" فارحہ نے اتراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیسے زیاد بھائی اور تمہارا تو پردہ چل رہا ہے پھر انہوں نے یہ کب اور کیسے کہا؟" بادل میں منہ گھسائے فریال نے اشتیاق سے پوچھا۔

"حق ہا... یہ ایک بہت لمبی کہانی ہے۔" سانس کھینچتے ہوئے زویا نے کہا۔

"چل پھر رہن دے، ہم نے نہیں سنی۔" سمیعہ نے ہاتھ جوڑے۔

"ہمیں داستان الف لیلیٰ سے واقعی کوئی شغف نہیں۔" ماہا نے بھی ساتھ دیا۔

"دفع ہوجاؤ۔ اس کمینے نے مجھے ٹیرس پر دیکھ لیا تھا۔ فوراً" میسج کیا اور خود نیچے کھڑا ہو کر ہنسنے لگا رہا تھا۔" زویا نے دانت کچکچاتے ہوئے کہا۔

"اور تم سب کتنی احسان فراموش ہو۔" اس نے اشارے سے سب کی طرف ہاتھ لہرایا۔

"تم سب کمینیوں کی وجہ سے میں اس شادی پر رضامند ہوئی تھی اور آج تم اس کی طرف داری کررہی ہو، جاؤ اپنے کم ڈھنگ بھائی پلس کزن کے لیے آرڈر پر دلہن منواؤ میں تو ہرگز نہیں کرنے والی یہ شادی۔" [illegible] نے کمرے میں [illegible] ہوئے کہا۔

"ضرور... یہ اعلان جا کر دادی اماں کے سامنے [illegible] دو تھپڑوں میں ہی ہوش ٹھکانے آ [illegible]" فارحہ نے ناک پر سے مکھی اڑاتے [illegible]۔

"اچھا چھوڑو یہ سب [illegible] مہندی کا دوپٹہ مکمل ہو گیا ہے۔" [illegible] نے دوپٹہ زویا کی طرف بڑھاتے [illegible]۔

"[illegible] کچھ منٹ پہلے ہونے والے [illegible] اعلان کو بھول بھال کر دوپٹے کی طرف [illegible]۔

"چلو اسے اوڑھ کر دکھاؤ۔ گوٹا لگا کر انگلیاں چھلنی ہو گئی ہیں ہماری۔" ماہا نے منت کی۔

"ضرور... ضرور۔" فوراً دوپٹہ سر پر جماتے ہوئے گھوم کر سب کو دکھایا۔

"واہ یار... ماشاء اللہ اس دوپٹے نے تو چڑیل کو کتنا

خوب صورت بنا دیا ہے۔" ماہا نے شرارت بھرے انداز میں زویا کو چھیڑا۔
"تم سب پر اس بدتمیز کا اثر ہو رہا ہے۔" زویا نے گھورتے ہوئے کہا۔

☆ ☆ ☆

"رضا ولا" میں آج کل حسن رضا صاحب کے پہلے پوتے اور پوتی کی شادی ہو رہی تھی۔ تمام خاندان آج کل یہیں براجمان تھا اور شادی کے ہنگامے زوروں پر تھے۔

حسن رضا صاحب کے والدین تقسیم ہند سے پہلے پاکستان میں رہتے تھے، اپنے اکلوتے بیٹے کی شادی دھوم دھام سے جہاں آرا بیگم سے کی، چار بیٹے اور ایک بیٹی کے ساتھ اس ولا میں رہتے تھے۔ آپس کا سلوک و اتفاق قابل دید تھا اس لیے جب حسن رضا نے اپنے بڑے پوتے کے لیے پوتی کا انتخاب کیا تو کسی نے اعتراض نہ کیا۔ ایک سال پہلے دادا جی کے دماغ میں شادی کا یہ خیال (زویا کی رائے میں شوشا) ان کے ایک عزیز دوست کے توسط سے آیا تھا۔ احمد صاحب آئے تو شطرنج کی بازی لگاتے ـــ لیکن جاتے جاتے آپس کے رشتوں کو مزید مضبوط کرنے کا مشورہ دے گئے۔ سب سے بڑے بیٹے قاسم رضا کی اولاد زیاد اور مینا تھے۔ زویا، فارحہ، ارحم اور راحم چھوٹے بیٹے نعمان رضا کی اولاد تو صائمہ، عاشر، فریال اور سعد تیسرے صاحبزادے عمر رضا کے تھے۔ شفق، بلال اور طلحہ ہاشم رضا کی اولاد تھے۔ مایا، ماہا اور ابراہیم سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی اروی کی اولادیں تھیں۔

منگنی کے دوسرے ہفتے پہلا جھگڑا تب ہوا تھا جب زیاد نے زویا کو "پھیکا خربوزہ" کہہ کر پکارا تھا۔ کچن میں کام کرتے بڑی ترنگ میں زویا نے مینا کو رات والے کیٹ واک کی تفصیل بتاتے ہوئے اپنی ناپسندیدہ ڈش کو یہ خطاب دیا تھا۔ اب افسوس یہ بات کچن کے پاس سے گزرتے ہوئے زیاد نے سن لی تھی۔ اس دن وہ شور ہنگامہ ہوا کہ الامان اور پہلی بار "میں یہ شادی نہیں کروں گی" کا اعلان ہوا تھا۔

اگلی مرتبہ معرکہ زویا کے قد کی وجہ سے ہوا تھا۔ پانچ فٹ اور چار انچ کی زویا چھ فٹ اور دو انچ کے زیاد کے سامنے چھوٹی لگتی تھی۔ ایک دن زیاد نے شرارت سے اس کو "اے چھوٹی" کہہ کر بلایا تھا۔ پھر تو ایک دوسرے کے وہ لتے لیے گئے کہ توبہ توبہ۔

"تم نے مجھے چھوٹی کہا۔ خود تو جیسے عالم چنا کے ابا ہو۔" زویا نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔

"عالم چنا تو نہیں البتہ ہائٹ تو کمال کی ہے، تمہاری طرح پانچ فٹا نہیں۔" یہ دوسرا حملہ تھا اور دوسرا اعلان بھی۔

"میں یہ شادی ہرگز نہیں کروں گی۔"

تب سے یہ اعلان گھر کے در و دیوار، بزرگوں اور نوجوان پلٹن نے سنا، چاروں پورشنز کی اینٹوں سے لے کر محلے کے کئی گھرانے بھی ایسی ہنگامہ آرائیوں سے آگاہ تھے۔

کبھی رنگ پر، کبھی کھانے کی رفتار پر، کبھی قد پر، کبھی زبان کے جوہر دکھانے پر اور کبھی تو چٹکلے لگانے پر الغرض ہر ہر بات پر جتنی لڑائیاں ہو سکتی تھیں وہ ان دونوں نے اس ایک سال میں کر ڈالی تھیں۔

"یار مجھے تو لگتا ہے تم لوگوں کی زندگی بعد میں بہت ٹھس ہو جائے گی۔" ایک دن فارحہ نے سوچتے ہوئے کہا تھا۔

"وہ کیوں؟" پاس بیٹھی فریال نے حیرت سے پوچھا۔

"یار جتنے بھی موضوعات پر میاں، بیوی لڑتے ہیں یہ دونوں پہلے ہی ان موضوعات پر لڑ چکے ہیں، بعد میں بے چارے [illegible] اپنی زندگی میں کن باتوں پر تکرار کریں [illegible]" فارحہ نے بڑے پتے کی بات نکالی تھی۔

"رہنے دو ان کے پاس بہت سی وجوہات ابھی بھی باقی ہیں۔" سعد نے چپس کھاتے ہوئے کہا۔ "صبح تم نے مجھے چار منٹ جلدی جگایا، انڈے کی زردی کناروں سے ٹوٹی ہوئی تھی، چائے میں دودھ ایک چمچ کم تھا۔ ابھی تو ایسے کئی جھگڑے باقی ہیں۔" سب لڑکیوں کی ہنسی کمرے میں بکھری تھی۔

زویا اور مینا ہم عمر ہونے کے ساتھ ساتھ شروع سے بہترین دوست بھی تھیں۔ اسکول، کالج اور اب نئے رشتے میں پروئے جانے کے بعد ان کا تعلق مزید گہرا ہوتا چلا گیا تھا۔ زویا میں صبر ذرا کم تھا، لیکن لڑائی شروع کرنے میں ہمیشہ زیاد کا ہاتھ ہوتا تھا۔

"مینا اپنے بھائی سے کہنا آج اپنا منہ بند رکھے ورنہ میں اس کا سر پھاڑ دوں گی۔" مہندی کا سوٹ پہنے چوڑیاں چڑھاتے زویا نے مینا کو وارن کیا تھا۔

"چپ کر جاؤ! ابھی وہیں ایک [illegible] رسید کروں گی۔"

فارحہ نے [illegible] خبردار کیا۔

"ہاں مجھے [illegible] کی، ایک تو اس کے سر منہ [illegible] ایسے خطرناک ارادے۔"

"واہ بھئی صاحبہ آج تو آپ لائٹیں مار رہی ہیں۔" اندر داخل ہوتی مایا نے کہا۔

"ہم تو پہلے سے ہی چندے آفتاب، چندے مہتاب ہیں۔" زویا نے شان سے گردن اکڑائی۔

"جی جی۔ اسی لیے اس چندے کو اماں جلد ہی چندے میں دینے والی ہیں۔" کمرے میں داخل ہوتی ماہا نے جملہ اچکا۔ سب کی بے ساختہ ہنسی نکل گئی اور زویا نے خاموشی سے آہ بھری۔

"چلو اب زیادہ مسکین نہ بنو، تائی جی بلا رہی ہیں۔" شفق نے اندر آتے ہوئے اعلان کیا جو باہر کا جائزہ لینے گئی ہوئی تھی۔

"ہائے... ہم تو ابھی تیار بھی نہیں ہوئے۔" مینا اور فارحہ کی چیخ نکلی، زویا کو بٹھاتے ہوئے دونوں اپنی تیاری کرنے بھاگیں۔

پیلے اور سفید پھولوں سے سجے پنڈال میں دوپٹے کی چھاؤں میں زویا کو لایا گیا تھا۔ مہندی کی رسم شروع ہونے سے پہلے ہی نکاح کر لیا گیا تھا۔ مہندی کی تقریب دونوں کو ساتھ بٹھا کر شروع کی گئی۔ مہندی سے بھری کلائیوں، سادہ سے روپ اور گوٹے سے سجے جوڑے میں جہاں زویا پیاری دکھ رہی تھی وہیں آف وائٹ سوٹ میں زیاد کی چھب بھی نرالی تھی۔ رات تین بجے تک جاری رہنے والے شور شرابے میں ایک مرتبہ بھی دونوں کی [illegible] گولہ باری نہ ہوئی تھی۔ بلکہ دونوں [illegible] مسکرا کر باتیں کر رہے تھے کہ نوجوان گروپ حیرت زدہ رہ گیا۔ مہندی کی رسم اختتام پذیر ہوئی تو سب زویا کے کمرے میں پہنچ گئیں۔ سب سے آگے مینا تھی۔

"آج تو بڑے دانت نکل رہے تھے۔ پچھلے ایک سال جو ڈرامے کیے تھے وہ کیا تھا۔" بڑے جارحانہ انداز میں مینا بولی۔ دوست کی طوطا چشمی دیکھ کر بے چاری ہکا بکا رہ گئی۔ اس سے پہلے کہ کوئی جواب آتا دروازے پر دستک ہوئی۔ چھوٹے ارحم کے ہاتھ میں ایک گفٹ پیک تھا۔

"زیاد بھائی نے بھیجا ہے۔" جلدی سے کہتا ہوا وہ باہر کی جانب بھاگا۔

"یا اللہ! مجھے ہارٹ اٹیک ہونے لگا ہے۔" فارحہ بیڈ پر گرتے ہوئے بولی۔ مینا اور ماہا خاموشی سے سب دیکھ رہی تھیں، زویا نے مسکراتے ہوئے گفٹ کھولا تھا، ایک دم زویا کی چیخ نکلی، ڈبا اچھل کر دور گرا تھا اور ربڑ کی بنی ہوئی چھپکلی زمین پر گری ہوئی تھی۔

"میں یہ شادی نہیں کروں گی۔" زویا چیخی، کمرے میں موجود باقی تمام نفوس یک زبان ہو کر بولے۔

"یہ شادی اب ہو کر رہے گی۔" اور کمرہ مسکراہٹوں اور قہقہوں سے بھر گیا۔

تنزیلہ عزیز

بڑی حویلی کے تمام مکین وقار آفندی سے بڑی عقیدت اور محبت رکھتے ہیں اور علیزے تو اپنے بابا کی شخصیت سے بہت ہی متاثر ہے۔

مدیحہ اور نبیل حیات دونوں بہن بھائی ہیں، مدیحہ انتہائی بگڑی ہوئی اور خودسر لڑکی ہے وہ انگلینڈ کی رنگینیوں میں مکمل طور پہ رنگ چکی ہے، جس کے پیش نظر فائزہ بیگم، نبیل کو پاکستان شفٹ ہونے کا مشورہ دیتی ہیں، لیکن مدیحہ پاکستان جانے سے انکار کر دیتی ہے جس پہ نبیل اور فائزہ بیگم بے حد پریشان ہیں۔

زری کو اپنے بھائی عبداللہ کے دوست سے محبت ہے، مگر وہ کسی کو بھی اس راز میں شامل نہیں کرنا چاہتی اور یہ جذبہ اندر ہی اندر پنپ رہا ہے۔

عدیل کافی عرصہ سے نوکری کی تلاش میں ہے، مگر ہر روز مایوسی اور ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا، بے بسی اور مجبوری سے تنگ آخر خودکشی کرنے کا سوچتا ہے، لیکن ایسے میں ایک روز اسے ڈھابے میں چائے پیتے ہوئے باؤ امتیاز مل جاتا ہے جو اسے کام کی آفر کرتا ہے جس پر عدیل کافی خوش ہوتا ہے، اسی خوشی میں وہ کام کی بابت پوچھنا بھول جاتا ہے۔

منصور حسین ایک غریب اور میٹرک پاس آدمی ہے، وہ مبارک خان کے توسط سے بڑی حویلی میں وقار آفندی سے نوکری مانگنے آتا ہے، وقار آفندی کوئی بھی جگہ خالی نہ ہونے کے باعث اسے دوبارہ آنے کا کہہ کر واپس بھیج دیتے ہیں اور وہ مایوسی سے واپس لوٹ جاتا ہے۔

دل آور شاہ کا شمار ملک کے بہترین اور منجھے ہوئے وکیلوں میں ہوتا ہے، وہ اپنے قول و فعل کا بہت پکا آدمی ہے اس نے کچھ پرواہ نہیں سمجھا اس کی ماں بتول شاہ کو اپنے بیٹے کی قابلیت اور ذہانت پہ بہت بھروسہ ہے اور اس کا یقین وہ دوسروں کو بھی دلاتی ہیں۔

11

گیارہویں قسط

علیزے کی آواز دوبارہ پکارنے کی وجہ سے ذرا تلخی لیے ہوئے تھی' جبکہ اپنی سوچ' اپنے دھیان میں گم منصور حسین نسوانی آواز پہ یکدم چونک کر پلٹا تھا اور گاڑی کی چھت کے اوپر سے ہی گاڑی کی دوسری سائیڈ میں کھڑی اس "چھوٹی دولی" کو دیکھا، جس کا ذکر وہ پچھلے کئی دنوں سے مبارک خان' وقار آفندی' آذر' آسیہ آفندی' چوکیدار اور خیرو بابا کے منہ سے سنتا آرہا تھا اور اس ذکر میں اتنی شدت' اتنی محبت' اتنی عزت ہوتی تھی کہ کئی بار بلاوجہ ہی منصور حسین کا اسے دیکھنے کو دل چاہا تھا کہ آخر وہ چیز کیا ہے؟

اور آج... اس لیے اسے یہ اعتراف کرنا پڑا تھا کہ وہ واقعی اس چیز کا حق رکھتی تھی کہ بڑی حویلی کا ہر فرد ہی اس کا ذکر کرتا اور اسے ہی چاہتا اور وقار آفندی اسے چھپا چھپا کے اور سینت سینت کے رکھتے اور ہر وقت انہیں اسی کی طرف سے دھڑکا لگا رہتا۔ یوں لگتا تھا جیسے اللہ نے اسے بڑی فرصت اور بڑے اہتمام سے بنایا تھا اور اسے بنانے کے بعد خوب صورتی کے تمام در بند کردیے ہوں' اسے دیکھ کر پہلی نظر میں ہی یہ احساس ہوتا تھا کہ جیسے اللہ نے دلکشی کا سارا خزانہ اسی پہ لٹا دیا ہو اور اس خزانے کی چمک دمک ہر دیکھنے والی آنکھ کو خیرہ کرڈالتی تھی۔ اسے ٹھہر کر دیکھنے والے منصور حسین کا کوئی قصور نہیں تھا بلکہ اسے جو بھی دیکھتا تھا اسی طرح زنجیر ہو جاتا تھا۔

"دروازہ کھولو۔" علیزے کے لہجے سے ناگواری جھلک رہی تھی اسے لوگوں کا اپنی طرف دیکھنا اور یوں ٹھہر کر دیکھنا سخت ناگوار گزرتا تھا۔

"ڈرائیور! میں نے کہا دروازہ کھولو۔" علیزے نے اسے متوجہ نہ ہوتے دیکھ کر خفگی سے جھنجلا کر کہا تھا۔

"کون سا دروازہ؟" منصور حسین کے منہ سے بے ساختہ پھسلا۔

"گاڑی کا دروازہ" وہ زچ ہوتے ہوئے بولی۔

"اوہ اچھا! گاڑی کا۔" منصور حسین اچھی اور خوب صورت چیز دیکھ کر خوش بھی ہوتا تھا اور سراہتا بھی تھا لیکن مرعوب اور فریفتہ نہیں ہوتا تھا چاہے وہ چیز کتنی ہی خاص کیوں نہ ہوتی؟ یہی وجہ تھی کہ وہ علیزے کو دیکھ کر خوش بھی ہوا تھا اور سراہا بھی تھا لیکن مرعوب اور فریفتہ نہیں ہوا تھا جبھی سر جھٹک کر سیدھا ہوا اور گھوم کر اس کی سائیڈ پہ آیا اور گاڑی کا بیک ڈور کھول دیا تھا۔

"پلیز!" اس نے مودب سے انداز میں علیزے کو بیٹھنے کا اشارہ کیا' علیزے اس کی سمت دیکھے [illegible] کے گاڑی میں بیٹھ گئی اور منصور حسین اس کی سائیڈ کا ڈور بند کرکے اپنی سائیڈ میں آیا اور ڈرائیونگ [illegible] سنبھال لی اور جیسے ہی گاڑی اسٹارٹ کی تھی حویلی کا بڑا سا گیٹ فوراً ہی کھل گیا تھا گاڑی پانی میں [illegible] کی طرح پھسلتی ہوئی گیٹ عبور کرگئی تھی۔ مرسڈیز ڈرائیو کرتے ہوئے منصور حسین اپنے آپ [illegible] سمجھ رہا تھا اور اسی لیے بہت مسرور بھی ہو رہا تھا ڈرائیونگ میں تو اسے ویسے ہی بہت مہارت [illegible] کوئی پرابلم نہیں ہوئی تھی اتنی ٹریفک کے باوجود وہ گاڑی نکال لے گیا تھا وہ بہت سرشار اور [illegible] اس کے کالج کے گیٹ تک پہنچا تھا لیکن جیسے ہی اس نے بریک لگائے وہ یکدم ٹھٹک گیا تھا اس کے [illegible] آذر آفندی کی گاڑی نے بھی بریک لگائے تھے۔

"صاحب! آپ یہاں؟" وہ گاڑی پارک کرکے نیچے اتر آیا تھا۔

اتنے میں آذر بھی اپنی گاڑی سے نیچے آگیا۔

"کیوں میرے آنے پہ پابندی ہے؟" آذر نے اسے [illegible] استفہامیہ نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

"ارے نہیں صاحب پابندی کیوں ہے [illegible] بسم اللہ کرکے آؤ میں تو اس لیے کہہ رہا تھا کہ کوئی کام تھا تو مجھے ہی کہہ دیتے؟" منصور حسین نے [illegible]

"کام تمہیں کہنے والا نہیں تھا [illegible] علیزے کے ٹیچرز سے ملنا ہے' اس لیے آنا پڑا۔"

"ہوں! یہ واقعی آپ والا کام ہے' پڑھے لکھے لوگوں والا' یہ میرے والا نہیں ہے۔" منصور حسین نے سر ہلاتے ہوئے کہا اور پھر علیزے کی سائیڈ کا دروازہ کھول دیا تھا یہ بھی [illegible] اتر آئی تھی۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" آذر نے چھوٹتے ہی علیزے سے اس کی طبیعت پوچھی تھی اور اس کے پوچھنے پہ بے ساختہ ہی منصور حسین کی نظر بھی علیزے [illegible] کہ آخر اس کی طبیعت کو کیا ہوا ہے؟ اس کی پلکیں جھکی ہوئی تھیں جس کی وجہ سے وہ اس کی آنکھوں [illegible] نہیں دیکھ سکا تھا جو زکام اور چھینکوں کی مرہون منت تھی البتہ چھوٹی سی ستواں ناک [illegible] میں سرخ نظر آرہی تھی۔

"کچھ بہتر ہوں اب..." وہ آہستگی اور نرمی سے بولی تھی۔

"چلو اندر چلیں۔" آذر نے کالج [illegible] کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"آپ میرے ساتھ چلیں گے؟" وہ ٹھٹک گئی۔

"ہاں! بس کام تھا۔"

"کس سے کام ہے آپ کو؟" وہ الجھن آمیز نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"تمہارے ٹیچرز سے۔"

"میرے [illegible] کیوں؟"

"علیزے! کیوں اتنے سوال کررہی ہو؟"

"[illegible] صاف بتاتے تو نہیں۔" وہ پل میں پریشان نظر آنے لگی تھی۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے میری جان' پلیز تم پریشان مت ہو' میں تو بس ایسے ہی چلا آیا ہوں۔" آذر نے علیزے کا ہاتھ تھامتے ہوئے نرمی سے اس کا رخسار تھپکا تھا اور چار قدم کے فاصلے پہ گاڑی سے اپنی پشت ٹکائے [illegible] منصور حسین حیرانی اور تعجب سے ان کی اتنی اپنائیت دیکھ رہا تھا۔

"آذر بھائی! مجھے پتا ہے آپ بلاوجہ نہیں آسکتے ضرور کوئی بات ہے۔" علیزے چڑیا کا سا دل رکھتی تھی جو پل میں سہم بھی جاتا تھا اور خوف زدہ بھی ہو جاتا تھا وہ پریشانی سہہ نہیں پاتی تھی۔

"میری جان' میری جان! میں پہلے بھی تو تمہارے ٹیچرز سے کئی بار ملنے آیا ہوں؟ آج کوئی پہلی بار تو نہیں آیا؟"

"نہیں! آپ ہمیشہ اسی وقت ٹیچرز سے ملنے کے لیے آتے ہیں جب کوئی بات ہوتی ہے۔" وہ ماننے کو تیار نہیں تھی۔

"اف میری جان! کیوں اتنی پریشان ہو رہی ہو؟" آذر نے اسے ریلیکس کرنے کی کوشش کی۔

"کیونکہ آپ مجھ سے باتیں چھپاتے ہیں تاکہ میں پریشان نہ ہو جاؤں۔" آذر اس کی معصومیت پہ مسکرا دیا تھا آف وائٹ اسکارف کے ہالے میں لپٹا اس کا چہرا بھی بہت معصوم لگ رہا تھا آذر کو بے ساختہ اس پہ پیار آیا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے تم آؤ میرے ساتھ۔" وہ اسے کندھے سے تھام کے آگے بڑھا لیکن علیزے کی نظر بے ساختہ ہی روڈ کی اس سمت اٹھی تھی جس طرف اس کی گاڑی پہ فائرنگ ہوئی تھی اور ایک دم سے اس کی نظروں میں وہ منظر تازہ ہو گیا تھا اس نے بے اختیار آذر کا بازو دبوچ لیا تھا۔

"علیزے! کیا دیکھ رہی ہو؟" وہ اس کی زرد پڑتی رنگت بھانپ چکا تھا۔

"کک... کچھ نہیں..." اس نے نفی میں گردن ہلائی تھی۔

"اس طرف کیا ہے؟" آذر نے الجھ کر پوچھا۔

"وہ... وہ اس روز... فائرنگ... وہ خیرو بابا..." اس کے الفاظ بے ربط ہو رہے تھے اور آذر اس کے خوف زدہ لہجے پہ گہری سانس کھینچ کے رہ گیا تھا اس نے اپنے قدم روک لیے تھے۔

"اس سے بہتر ہے کہ تم کالج کی بجائے گھر چلو' جب طبیعت اچھی طرح ٹھیک ہو گی تب آجانا۔" اس نے علیزے کی حالت کے پیش نظر حل ڈھونڈا۔

"گھر۔۔۔؟"

"ہاں' واپس گھر۔"

"نن۔۔۔ نہیں' واپس گھر نہیں' مجھے کلاسز اٹینڈ کرنی ہیں۔" اسے ایکدم سے اپنی کلاسز کا بھی خیال آگیا تھا۔

"تو کیا تم نے اس حالت میں کلاسز اٹینڈ کرنی ہیں؟" آذر نے اشارہ کیا' اس کی پیشانی پہ باریک سچے موتیوں کی طرح پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔۔۔ علیزے نے بے ساختہ اپنی پیشانی کو چھو کر دیکھا تو انگلیوں کی پوریں نم ہو گئی تھیں' اس نے تیزی سے اپنے بیگ سے ٹشو نکالا اور اپنی پیشانی کے ساتھ ساتھ پورا چہرا ٹشو سے تھپتھپا ڈالا تھا اور ساتھ ہی اپنے اعصاب ڈھیلے چھوڑنے کی کوشش کی تھی۔

"ایم فائن۔" اس نے بڑی ہمت کر کے خود کو ریلیکس ظاہر کیا تھا۔

"اوکے! تو پھر جاؤ۔"

"کیا مطلب؟ آپ نہیں آئیں گے؟"

"نہیں۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"تمہارے ٹیچرز سے پھر کبھی مل لوں گا' ابھی آفس سے لیٹ ہو رہا ہوں۔" اس نے اپنی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن آذر بھائی۔۔۔"

"ڈونٹ وری یار۔۔۔! تم جاؤ میں تب تک یہیں کھڑا ہوں۔" آذر نے اسے بچوں کی طرح بہلا کر تسلی دی' اسے پتا تھا کہ علیزے پورا دن یہی سوچ سوچ کر پریشان ہوتی رہے گی کہ وہ اس کے ٹیچرز سے کیوں ملنے کے لیے آیا ہے۔۔۔؟ اس لیے یہی بہتر تھا کہ وہ آج ٹیچرز سے ملنے کا ارادہ ملتوی کر دیتا سو اس نے کر دیا تھا۔ وہ چند سیکنڈ کھڑی اسے دیکھتی رہی پھر سر جھکا کر دل کڑا کر کے تیز تیز قدم اٹھاتی گیٹ کے اندر غائب ہو گئی تھی اور آذر بھی چند سیکنڈز وہیں کھڑا رہا پھر پلٹ کر اپنی گاڑی کی سمت آگیا' لیکن گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے منصور حسین پہ نظر پڑی تو دروازہ بند کر کے اس کے قریب آگیا تھا۔

"سنو! منصور حسین۔۔۔"

"جی صاحب جی' حکم۔۔۔" وہ فوراً گاڑی سے پشت ہٹا کر سیدھا ہوا تھا۔

"علیزے کا خیال رکھنا' اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے منصور حسین کو باقاعدہ قریب آ کر تاکید کی تھی۔

"میں خیال کیسے رکھ سکتا ہوں صاحب۔۔۔ وہ کالج کے اندر ہیں اور میں باہر۔۔۔ میرے خیال رکھنے کی ذمہ داری گیٹ کے باہر سے شروع ہوتی ہے۔" منصور حسین اپنی عادت کے مطابق اس لیے کھرا کھرا جواب دیا تھا۔

"ہوں! یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو' لیکن میرے کہنے کا مطلب تھا کہ اگر اس کی طبیعت زیادہ خراب ہو' وہ تمہیں کال وغیرہ کرے تو تم اسے فوراً حویلی لے جانا' یا پھر میرے نمبر پہ اطلاع کر دینا۔" آذر نے تحمل سے اسے سمجھایا۔

"جی! بہتر ہے صاحب جیسے آپ کا حکم۔" اس نے مودب سے انداز میں سر خم کیا تھا۔

"اور ہاں۔۔۔ واپسی پہ تم اسے اوپر والے روڈ سے لے کر گھر جانا' وہ اس راستے سے تھوڑی خوف زدہ ہے' ہو سکتا ہے کہ مزید پریشان ہو جائے' اس لیے بہتر ہے کہ چند روز اس راستے سے آنا جانا چھوڑ دیں۔" آذر دائیں طرف کے روڈ کی سمت اشارہ کر رہا تھا۔

"ٹھیک ہے صاحب' لیکن صاحب ہم ابھی ابھی تو اسی روڈ سے گزر کے آئے ہیں؟" وہ حیرانی سے پوچھ رہا تھا۔

"وہ شاید بے دھیانی میں تھی اسی لیے اس نے نوٹس نہیں لیا' لیکن اب اس کا دھیان ہو چکا ہے وہ یونہی پریشان ہوتی رہے گی' اس لیے بہتر ہے کہ ہم ہی کوئی احتیاط کر لیں۔" آذر سمجھداری سے کام لے رہا تھا۔۔۔ منصور حسین نے فوراً "اثبات میں سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے صاحب جو آپ کا حکم' میں آئندہ اوپر والے راستے سے ہی آیا جایا کروں گا۔" اس کے لب و لہجے میں سعادت مندی ڈھل چکی تھی۔

"ہوں! شاباش۔۔۔ یہ رکھ لو' یا مضبوطی لینا۔" آذر نے جیب سے والٹ نکال کر دیکھا اور چند سرخ نوٹ احتیاط سے نکال کر منصور حسین کے ہاتھ پہ رکھ دیے' منصور حسین کی مضبوط چوڑی ہتھیلی پہ وہ نوٹ بہت چھوٹے لگ رہے تھے۔

"یہ کیا ہے صاحب۔۔۔" وہ ان سرخ نوٹوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"آج کام تمہارا ہے یقیناً" تمہارے پاس جیب خرچ بالکل بھی نہیں ہو گا' تنخواہ تو مہینے بعد ملے گی' پورا مہینہ کیسے گزرے گا؟" آذر نے پورے مہینے کا سوچ ڈالا تھا منصور حسین کو بڑی حیرت ہوئی تھی۔

"ان سے پورا مہینہ گزر جائے گا؟" وہ اپنی ہتھیلی پہ رکھے نوٹ دیکھ کر بولا۔

"پورا مہینہ تو نہیں البتہ پورا دن ضرور گزر سکتا ہے' تم آج کا دن گزارو' کل کا دن کل دیکھا جائے گا۔" آذر اتنی نرمی بھی برت سکتا تھا' یقین نہیں آ رہا تھا۔

"لیکن صاحب یہ تو تنخواہ کے اوپر کے پیسے ہوئے نا؟ میں یہ نہیں لے سکتا' بڑے صاحب کو پتا چلے گا تو کیا سوچیں گے۔۔۔ میں ایمانداری اور حق حلال کی کمائی کمانا چاہتا ہوں۔" اس نے انکار کر دیا۔

"ارے یار! اس میں بے ایمانی کہاں سے آگئی؟ یہ میں اپنی خوشی سے دے رہا ہوں' جب تمہیں تنخواہ ملے گی تب نہیں دوں گا۔" آذر نے کندھے اچکائے' وہ اس قدر اصرار کر رہا تھا مجبوراً" منصور حسین کو وہ پیسے رکھنے پڑے تھے' آذر اللہ حافظ کہہ کر وہاں سے چلا گیا تھا اور وہ نوٹ دیکھتا رہ گیا۔

اسے واقعی بڑی حیرانی ہو رہی تھی کہ حویلی کے تمام فرد حقیقتاً" اتنے اچھے ہیں؟ وقار آفندی سے لے کر آذر آفندی تک۔

☼ ☼ ☼

سلو' جیدی اور چھوٹا ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی ورکشاپ میں آئے تھے اور آتے ہی ورکشاپ کی صفائی ستھرائی میں لگ گئے' کاٹھ کباڑ سے اٹا ورکشاپ صاف تو نہیں ہو سکتا تھا البتہ وہ ان حصوں کی جھاڑ پونچھ ضرور کر لیتے تھے جہاں انہوں نے دن بھر اٹھنا بیٹھنا ہوتا تھا' پلاسٹک کی کرسیاں پرانے کپڑے سے پونچھ کر رکھیں' جھاڑو دیا' کولر میں تازہ پانی بھر کے برف ڈالی اور کولر کو دوبارہ اس کے پرانے اسٹینڈ پہ رکھ دیا' اب اس کولر سے انہوں نے دن بھر پانی پی پی کر اپنی پیاس بجھانی تھی۔۔۔ وہ ابھی اپنے انہی چھوٹے موٹے کاموں میں مصروف تھے جب سلو کی بائیک سوار عدیل ورکشاپ میں داخل ہوا تھا اور ورکشاپ کی دائیں دیوار کے ساتھ ہی بائیک کھڑی کر کے نیچے اتر آیا لیکن بائیک لاک کرنے کے بعد وہ ان کی طرف نہیں آیا تھا بلکہ وہیں کھڑا بائیک کو غور سے جانچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا اور وہ تینوں اس کی ایسی حرکت پہ اسے دیکھنے لگے۔۔۔ اگلے پانچ منٹ میں وہ ان کے پاس نہیں آیا تو وہ خود اس کے پاس چلے آئے تھے اور بڑی حیران نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"السلام استاد۔" ان تینوں نے کورس میں سلام کیا۔
"وعلیکم السلام۔" عدیل چونک اٹھا۔
"کیا بائیک کی داڑھی مونچھ نکل آئی ہیں' یا بائیک کو پر لگ گئے ہیں جو اتنے غور و فکر سے دیکھ رہے ہو۔" چھوٹے نے بائیک کو دیکھتے ہوئے حیرانی ظاہر کی۔
"بائیک کی داڑھی مونچھ نہیں نکلی' بلکہ ٹوٹ گئی ہے۔" اس نے آہستگی سے جواب دیا۔
"کیا مطلب؟ کیا ٹوٹ گئی ہے؟" چھوٹا نا سمجھی سے بولا۔
"داڑھی مونچھ۔" عدیل نے بائیک کے سامنے والے حصے کی سمت اشارہ کیا۔ بائیک کی سامنے والی لائیٹ ٹوٹی ہوئی تھی۔ سلو کے ساتھ ساتھ چھوٹا بھی بدک گیا تھا آخر سلو سے بائیک چھوٹے نے ہی تو مانگی تھی وہ بھی اپنی گارنٹی پہ۔
"یہ کیا ہوا ہے؟" چھوٹا صدمے سے پوچھ رہا تھا۔
"ٹکر ہو گئی تھی۔"
"کس سے ٹکر ہو گئی تھی؟"
"ایک لڑکی سے۔"
"کیا؟ لڑکی سے؟" وہ تینوں کے تینوں اچھل پڑے تھے۔
"ہاں یار! لڑکی سے ہوئی ہے۔" عدیل بے دلی سے بولا۔
"کب؟ کیسے ہوئی؟" وہ بائیک کے نقصان کا صدمہ بھول کر اب اس لڑکی کے بارے میں بڑے اشتیاق سے پوچھ رہے تھے۔
"یار زیرو میٹر گاڑی تھی اس کے پاس' بڑی اسپیڈ سے جا رہی تھی' اچانک نجانے اسے کیا ہوا کہ اس نے بنا سوچے سمجھے ہی گاڑی کو بریک لگا دیے' میں اس کے پیچھے ہی جا رہا تھا مجھے پتا ہی نہ چلا کہ اس نے بریک لگا دیا ہے میں نے بائیک کو بڑی مشکل سے کنٹرول میں کیا تھا لیکن بچتے بچتے بھی ٹکر ہو گئی۔" عدیل پریشانی سے بتا رہا تھا۔
"پھر کیا ہوا؟" سلو نے زبان کا تالا کھولا۔
"پھر کیا ہونا تھا؟ الٹا وہ مجھ پہ گرم ہونے لگی کہ میں نے ٹکر ماری ہے' اپنی تو غلطی ہی نہیں مان رہی تھی۔" عدیل کو سوچ کر ایک بار پھر غصہ آ رہا تھا۔
"وہ بچی تھی اور صحیح گرم ہو رہی تھی' ٹکر تو تم نے ہی ماری تھی ناں استاد۔" چھوٹے نے مسکراتے ہوئے شرارت سے اسے آنکھ دبائی۔
"مجھے کیا ضرورت تھی ٹکر مارنے کی؟ بریک تو اس نے لگائے تھے نا۔" عدیل نے صفائی دی۔
"وہ تھی کیسی؟" سلو نے پھر لب کشائی کی۔ عدیل نے چونک کر اس کی سمت دیکھا وہ بڑے کھوئے کھوئے سے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔
"وہ جنگلی بلا جیسی تھی۔" اس نے جل کر جواب دیا۔
"ہیں واقعی...؟"
"دوبارہ ملی تو دکھاؤں گا تمہیں۔"
"استاد! یہ کیوں نہیں کہتے کہ دوبارہ دیکھی تو ملواؤں گا تمہیں؟" سلو نے خفگی سے کہا اور عدیل اس کے انداز پہ بے ساختہ مسکرا اٹھا تھا۔
"بہت ذلیل لوگ ہو تم' چلو سلام کرو..."

"کام کیسے کروں؟ مجھے تو اپنی اس منحوس بائیک پہ غصہ آ رہا ہے۔" سلو نے اپنی بائیک کو خونخوار نظروں سے دیکھا جیسے وہ کوئی جاندار چیز ہو۔
"کیوں؟ غصہ کیوں آ رہا ہے؟" عدیل نے نا سمجھی سے دیکھا۔
"پانچ سال ہو گئے ہیں مجھے اس منحوس کو چلاتے ہوئے مجال ہے جو کسی حسینہ کی گاڑی سے ٹکرائی ہو یا کوئی حسینہ اس سے ٹکرائی ہو.... آج ایک دن کے لیے دی تو جھٹ سے ٹکرا گئی' دل چاہ رہا ہے لوہے کا ڈنڈا اٹھاؤں اور سالی کو توڑ کے رکھ دوں۔" سلو نے غصے سے کلس کر کہتے ہوئے بائیک کو پاؤں سے ٹھوکر دے ماری تھی اور وہ بھی یک دم قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔
"تو فکر نہ کر' تجھے ڈنڈا میں لا کر دیتا ہوں۔" جیدی نے سلو کا کندھا تھپکا۔
"کیوں تجھے بڑی جلدی ہے؟" سلو گھور کے بولا۔
"تو اور کیا... میں نے سوچا شاید غصے میں تم کوئی اچھا کام ہی کر دو۔" جیدی نے کندھے اچکائے۔
"اپنی چیز کی توڑ پھوڑ کرنا اچھا کام ہے کیا...؟" سلو ہنوز اسے گھور رہا تھا۔
"بالکل اچھا ہے۔ اب دیکھو نا ہم لوگ روز سائیکل پہ آتے ہیں اور استاد خیر سے بسوں کے دھکے کھاتا ہوا آتا ہے جبکہ تو ٹھاٹھ سے بائیک پہ آتا ہے' کم بخت بائیک چلاتا ہی اتنی احتیاط سے ہے جیسے بائیک درود کر رہی ہو؟ کسی حسینہ سے ٹکرائے گی کیا خاک؟" جیدی نے کھرے کھرے سلو کے لتے لے ڈالے تھے۔
"تو تمہارا خیال ہے کہ کسی حسینہ سے ٹکرانے کے چکر میں خود ہسپتال پہنچ جاؤں۔" سلو نے دوبدو پوچھا۔
"تو یہ کہو ناکہ بائیک چلاتے ہوئے ڈرتے ہو' بلکہ ڈر ڈر کے چلاتے ہو۔" جیدی نے اس کا مذاق اڑایا سلو لاجواب ہو گیا تھا۔
"دیکھ استاد! یہ جان بوجھ کر مجھ سے پنگا لے رہا ہے۔" سلو نے دھمکی آمیز لہجے میں کہتے ہوئے عدیل کو بھی درمیان میں گھسیٹا تھا۔
"بس بس یہ معاملہ یہیں ختم کرو اور چلو کام شروع کرو۔" عدیل نے بیچ بچاؤ کروانا چاہا۔
"آج کے لیے تو چھوڑ رہا ہوں لیکن آئندہ شکل بگاڑ دوں گا اگر کچھ کہا تو۔" سلو اپنی طرف سے تڑی دکھا رہا تھا وہ تینوں مسکراہٹ دبا گئے۔
"شکریہ جناب شکریہ! جان بخشی کے لیے شکریہ۔" جیدی نے ہنستے ہوئے آداب پیش کیا تھا۔
"جیدی ابے جا مجھ سے..."
"بچ گیا ہوں جناب' تم بس یہ فکر کرو کہ تمہاری بائیک جس حسینہ سے ٹکرائی ہے وہ بھلا کیسی ہو گی؟" آخر زیرو میٹر ڈرائیو کر رہی تھی وہ... کسی امیر کبیر گھرانے کی ہو گی...؟" جیدی نے سلو کی سوئی پھر دوسری سمت میں پھیر دی۔
"ارے ہاں استاد! بتاؤ نا' کیسی تھی وہ حسینہ۔" وہ عدیل کی طرف متوجہ ہوا اور عدیل کی نظروں میں تھوڑی دیر پہلے ٹکرانے والی حسینہ (مدیحہ) کا سراپا گھوم گیا تھا اور اس کے سراپے کے ساتھ ساتھ اس کا حلیہ کچھ ایسا تھا کہ عدیل ان سب کے سامنے نقشہ نہیں کھینچ سکتا تھا۔
"کیوں استاد؟ سوچ میں پڑ گئے ہو۔" چھوٹے نے ٹھوکا دیا۔
"نہیں یار! کچھ نہیں' کام کرو اپنا۔"
"ہم نے تم سے کچھ پوچھا ہے استاد؟ کیسی تھی وہ حسینہ...؟" وہ اصرار کرنے لگے۔
"ارے مجھے کیا پتا یار! کیسی تھی وہ؟ اس نے مجھے کھری کھری سنائیں میں نے اسے کھری کھری سنا دیں' بس

بات ختم کر دو اپنے رستے اور میں اپنے رستے۔" اس نے نارمل سے انداز میں کہتے ہوئے کندھے اچکائے تھے۔

"اس طرح بات ختم کیسے ہوتی ہے استاد۔۔۔ اسی طرح تو بات شروع ہوتی ہے، تم اس کی کھری کھری باتوں کو یاد کرو گے اور وہ تمہاری کھری کھری باتوں کو سوچ کر پچھتی رہے گی پھر تم اس کے رستے اور وہ تمہارے رستے، منزل دونوں کی ایک ہی ہوگی۔"

چھوٹے نے ان کی ملاقات بلکہ ٹکراؤ کا سارا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا تھا۔

"بڑے خوش فہم ہو تم لوگ۔۔۔؟" عدیل نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہتے ہوئے سر جھٹکا۔

"غریبوں کے پاس خوش فہمی کے علاوہ اور کچھ ہوتا بھی تو نہیں۔"

"لیکن یار! اتنی خوش فہمی بھی تو ٹھیک نہیں ہے ناکہ غریب کسی شہزادی کو اٹھا کر اپنی جھونپڑی میں سجانے کے خواب دیکھنے لگے۔" عدیل نے اعتراض کیا۔

"خدا کسی غریب کی لڑکی کو اٹھا کر محل میں سجا سکتا ہے تو کسی شہزادی کو اٹھا کر جھونپڑی میں بھی بٹھا سکتا ہے۔"

چھوٹے کی بات پہ عدیل ٹھٹک کے رہ گیا تھا۔

"وہ وقت اور ہوتے تھے جب ایسے معجزے رونما ہوتے تھے، یہ وقت، یہ زمانہ اور ہے اب ایسا کچھ نہیں ہوتا۔" عدیل نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"وہ وقت اور اس لیے ہوتے تھے کہ اس وقت لوگوں کا ایمان مضبوط ہوتا تھا، ایمان کو مضبوط رکھ کے اللہ سے کچھ مانگتے تھے تو اللہ کو معجزہ دکھانا ہی پڑتا تھا کیونکہ اس کے بندوں کا اس پہ ایمان مضبوط ہوتا تھا، یقین ہوتا تھا اللہ کی ذات پہ۔۔۔ لیکن اب اس زمانے میں ایسا کچھ اس لیے نہیں ہوتا کہ اب لوگوں کے ایمان کمزور پڑ گئے ہیں، اللہ کی ذات پہ یقین اور بھروسہ نہیں رہا، اللہ سے کچھ مانگتے بھی ہیں تو بے یقین ہو کے۔۔۔ تو پھر ایسے میں اللہ معجزے کرے بھی تو کس کے لیے۔۔۔؟ کمزور ایمان والوں کے لیے۔۔۔؟ بے یقین لوگوں کے لیے۔۔۔؟ ان کے لیے جنہیں اس پہ بھروسہ ہی نہیں ہے؟"

چھوٹے نے بولنا کیا شروع کیا ان سب کی حیرت سے آنکھیں کھل گئی تھیں کہ اتنی بڑی بڑی اور گہری باتیں کرنے والا چھوٹا ہی ہے۔

"استاد! اس وقت کوئی غریب کسی شہزادی کو چاہتا تھا تو اپنی چاہت کی "حد" کر دیتا تھا یہاں تک کہ اک دن وہ شہزادی اپنا تخت و تاج چھوڑ کے اس کی جھونپڑی میں آنے پہ مجبور ہو جاتی تھی اور اسی طرح اگر کسی شہزادے کو محبت ہو جاتی تھی تو وہ اپنی محبت اپنے عشق میں مزدور بن جاتا تھا صرف ایک لڑکی کی خاطر۔۔۔ جھونپڑی والی لڑکی کی خاطر۔۔۔" اس نے اک اک بات یوں بیان کی جیسے اس پہ سب بیت چکا ہو۔

"اوئے چھوٹے یہ عشق و محبت کی پٹی کہاں بیٹھ کے پڑھتا رہا ہے تو۔۔۔؟" [illegible] سے پوچھا۔

"عشق و محبت کی پٹی اللہ سب کو ماں کے پیٹ سے ہی پڑھا کے بھیجتا ہے [illegible] کسی کو یہ پٹی زبانی یاد ہو جاتی ہے اور کوئی بھول جاتا ہے، مجھے یاد رہ گئی اور تم بھول گئے۔" چھوٹے نے لاپروائی سے کندھے اچکائے اور آگے بڑھنے لگا لیکن عدیل پہ نظر پڑی تو رک گیا تھا۔

"دیکھو استاد! شہزادی کو چاہو یا شہزادے کو لیکن اتنا چاہو کہ وہ اپنے مقام سے ہٹنے پہ مجبور ہو جائیں، خود چل کے تمہارے پاس آجائیں۔۔۔" چھوٹے نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"جب مجھے کسی کی چاہت ہوئی نا تو ضرور تم سے مشورہ کروں گا۔" عدیل نے بات کا رخ بدلنا چاہا۔

"مجھ سے مشورہ بے شک نہ کرنا لیکن ایک بار فرصت سے بیٹھ کر اپنے دل سے مشورہ ضرور کر لینا، دل نہ مانے تو دماغ سے رجوع کرنا۔۔۔ اپنے دل و دماغ سے ایک میٹنگ ضرور رکھنا، اکثر چاہت اور محبت کے معاملے میں یہ

دونوں اک دوسرے کے خلاف ہو جاتے ہیں دونوں جنگ اختیار کر لیتے ہیں، اس لیے بہتر ہے کہ دونوں کو پہلے کنونس کر لیا جائے۔" چھوٹا روانی سے بول رہا تھا عدیل نے چونک کر دیکھا۔

"تمہاری ایجوکیشن کیا ہے۔۔۔؟" عدیل کو اس کی باتوں سے [illegible] ہوا تھا۔

"یہ کیا ہوتا ہے؟" چھوٹا انجان بنتے ہوئے بولا۔

"تم جانتے ہو یہ کیا ہوتا ہے؟" عدیل نے زور دے کر کہا۔

"جانتا ہوتا تو یہاں ہوتا۔۔۔؟" اس نے ورکشاپ [illegible] کی سمت اشارہ کر کے کہا۔

"میں بھی تو یہاں ہی ہوں۔۔۔" عدیل نے اپنی مثال دی۔

آئے ہیں کتنے سکندر تم سے پہلے بھی یہاں
کھا گئی اپنی زمیں تھے کیسے کیسے آسماں

چھوٹا ہنستے ہوئے بلند آواز میں گنگناتا ہوا اس سے تھوڑا دور ہٹ گیا تھا "یار چھپا کیوں رہے ہو؟ بتاؤ نا کیا ایجوکیشن ہے تمہاری۔۔۔" عدیل کو تجسس ہو رہا تھا۔

"کیا فائدہ اس ایجوکیشن نامی چیز کا۔۔۔؟ بس اس پاکستان میں یہ بھی کافی ہے کہ ایک ورکشاپ میں دن بھر کام کرو گاڑیوں کے [illegible] ٹھونکے مار مار کے مرمت کرو اور شام کو چار پیسے مل جائیں تو شرافت سے پچھلے کے بغیر گھر لے جاؤ [illegible] کھانے کھلوالے پورا دن ان چار پیسوں کا بے صبری سے انتظار کرتے ہیں، پیٹ کا دوزخ بھی تو بھرنا ہوتا ہے۔۔۔" چھوٹا لاپروائی سے کہہ رہا تھا۔

"[illegible]۔۔۔"

"چھوڑو استاد! اس اگر مگر کو تو میری ڈگری نہ پوچھ میں تیری ڈگری نہیں پوچھتا، بس چلا چل۔۔۔" اس نے دونوں ہاتھ اٹھانے کے ساتھ ساتھ سر جھٹکا تھا اور یوں آخر عدیل کو بھی اس اصرار کا دامن چھوڑنا پڑا تھا البتہ اسے افسوس ضرور ہوا تھا۔ وہ تو سمجھتا تھا کہ اس کے ساتھ اچھا نہیں ہوا لیکن یہاں تو سب کے سب ہی قسمت کے مارے، بے چارے رو رہے تھے، جس کو بھی ٹٹولا جاتا اسے ہی درد ہوتا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس کی گاڑی دیکھ کر چوکیدار نے فوراً" ہی گیٹ کھول دیا تھا گاڑی فراٹے بھرتی اندر آرکی تھی۔۔۔ اس نے بریک یوں لگائے کہ ٹائر بڑے زور سے چرچرا کے رہ گئے تھے۔۔۔ اور ٹائروں کی یہ چرچراہٹ اندر ڈائننگ روم تک پہنچ گئی تھی وہ گاڑی کا دروازہ دھڑام سے بند کرتی ہوئی اندر کی طرف بڑھی تھی وہ ابھی تک اندر ہی اندر کھول رہی تھی اور ابھی تک اس آدمی کو گالیوں سے نواز رہی تھی جس نے اس کی گاڑی سے بائیک کی ٹکر ماری تھی۔

"مدیحہ! کیا بات ہے؟ کیا ہوا ہے۔۔۔؟" نبیل اپنا ناشتا ادھورا چھوڑ کے ڈائننگ روم سے نکل آیا تھا وہ کوریڈور کراس کر کے اوپر اپنے بیڈ روم میں جا رہی تھی۔

"کچھ نہیں ہوا۔" اس نے سر جھٹکا۔

"کچھ تو ہوا ہے۔۔۔؟" نبیل اس کے چہرے کی سرخ رنگت سے ہی اس کے غصے کو بھانپ چکا تھا۔

"میں اپنے بیڈ روم میں جا رہی ہوں۔" وہ خفگی سے کہہ کر سیڑھیوں کی سمت بڑھی۔

"مدیحہ۔" نبیل نے دوبارہ اسے پیچھے سے آواز دی لیکن وہ رکی نہیں تھی سیدھی اوپر چلی گئی۔۔۔ نبیل کا دل چاہا وہ اس کے پیچھے اوپر جائے لیکن اسے پتا تھا فی الحال وہ غصے میں ہے کوئی بات ہوئی بھی تو نہیں بتائے گی۔

"کیا بات ہے؟ اتنے پریشان کیوں ہو رہے ہو۔۔۔؟ مدیحہ کہاں ہے؟" فائزہ بیگم بھی اس کے پیچھے آ کھڑی

ہو گئیں۔
"پتا نہیں کیا ہوا ہے؟ گھر سے تو ٹھیک ٹھاک گئی تھی' واپسی پہ غصے میں لگ رہی ہے؟" نبیل نے اپنی پریشانی ظاہر کی۔
"تم نے پوچھا نہیں اس سے؟ کسی سے لڑ جھگڑ تو نہیں آئی ہے۔؟" فائزہ بیگم کو کسی اور خدشے نے ستایا تھا۔
"پوچھا تو ہے لیکن اس نے بتایا نہیں کہ کیا ہوا ہے؟" وہ متفکر ہو رہا تھا۔
"خیر جو بھی ہے پتا چل ہی جائے گا' تم اپنا ناشتا کرو۔" انہوں نے اسے ڈائننگ روم میں چلنے کا اشارہ کیا تھا۔
"بس اب بھوک نہیں ہے' صرف جوس کا گلاس دے دیں۔" اس نے کھڑے کھڑے ان سے جوس مانگا تھا۔
"ہونہہ! اس لڑکی نے تو ہماری بھوک پیاس اڑا کے رکھ دی ہے' نہ وہاں چین لینے دیا' نہ یہاں چین لینے دے گی۔" انہوں نے جھنجلا کر کہتے ہوئے گلاس میں جوس انڈیلا اور نبیل کی سمت بڑھا دیا۔
"مام پلیز! اس کے سامنے ایسی باتیں نہ کیا کریں وہ اور بھی ضدی اور چڑچڑی ہو جاتی ہے۔"
"کیوں نہ کہوں؟ تم ہر وقت اسی کے لیے ہلکان اور پریشان ہوتے رہتے ہو اور وہ ہے کہ اسے پروا ہی نہیں ہوتی۔"
"کوئی بات نہیں مام' اس کا حق بنتا ہے کہ وہ اپنی ضدیں منوائے' مجھ سے چھوٹی ہے وہ۔" نبیل نے نرمی سے کہا۔
"اور ویسے بھی اگر میں اس پہ غصہ کروں گا تو تکلیف آپ کو ہی ہو گی' یاد ہے نا اس دن آپ ہی بیچ بچاؤ کرانے آ گئی تھیں۔" نبیل نے مسکراتے ہوئے انہیں وہ رات یاد دلائی جب وہ مدیحہ پہ غصہ ہو رہا تھا اس روز وہ نشے کی حالت میں گھر آئی تھی۔
"میں یہ تو نہیں کہتی کہ تم اس پہ ہاتھ اٹھاؤ میں بس یہ چاہتی ہوں کہ تم اس پر اپنی گرفت مضبوط رکھو' اتنا غصہ کرو کہ وہ بغیر اجازت کے ایک قدم بھی نہ اٹھائے۔"
"ہاہاہا۔۔۔ آپ ماں ہیں نا' اس لیے غصے میں بھی نرمی کا پہلو رکھنا چاہتی ہیں' اچھی وہ میری کوشش ہے کہ میری گرفت اس پہ مضبوط رہے' لیکن اس مضبوط گرفت کے لیے غصہ کرنا ضروری نہیں ہے' اس کے لیے تو پیار بھی کافی ہو گا ویسے میں نے یہی تو سیکھا ہے' وہ گرفت رکھتا ہے لیکن پیار سے۔" نبیل نے مسکرا کے کہا۔
"ہوں! اچھی بات ہے۔" انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔
"اوکے میں چلتا ہوں' تھوڑی دیر تک واپس آ جاؤں گا۔" وہ وال کلاک دیکھتے ہوئے بولا۔
"کہاں جا رہے ہو؟"
"بس اپنے کاروبار کے سلسلے میں کچھ معلومات اکٹھی کرنا چاہتا ہوں۔"
"اللہ تمہیں کامیاب کرے۔" انہوں نے بیٹے کو دعا دی اور وہ خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آیا تھا لیکن اپنی گاڑی نکالتے ہوئے اس کے ہاتھ ٹھٹک گئے تھے اس نے فوراً اپنی گاڑی کا شیشہ فولڈ کر کے مدیحہ کی گاڑی دیکھی تھی۔ اس کی گاڑی کی بیک سائیڈ پہ ڈینٹ پڑا ہوا تھا جسے دیکھ کر نبیل کی پیشانی پہ بل پڑ گئے تھے۔
"مدیحہ کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔" وہ پریشانی سے بڑبڑاتا ہوا اپنی گاڑی سے نکل آیا تھا اور اس کی گاڑی کو گھوم پھر کر آگے پیچھے سے دیکھا تھا اس کا پچھلا حصہ متاثر ہوا تھا' نبیل بے ساختہ واپس گھر کے اندر چلا آیا تھا۔
"کیا ہوا بیٹا؟ واپس کیوں آ گئے؟" فائزہ بیگم اپنے بیڈ روم کی سمت جاتے ہوئے ٹھٹک کے رک گئیں۔
"مدیحہ سے کچھ کام ہے۔" اس نے سرسری سے انداز میں کہہ کر اپنی پریشانی ان سے چھپانی چاہی۔

"کیسا کام؟ خیریت تو ہے۔۔۔؟" وہ پھر بھی اس کی پریشانی بھانپ گئی تھیں۔
"میں مدیحہ سے مل لوں' پھر بتاتا ہوں آپ کو۔" وہاں سے کہہ کر وہ اوپر آ گیا تھا مدیحہ کے بیڈ روم کے دروازے پہ دستک دی اور اجازت کا انتظار کرنے لگا' لیکن مدیحہ جس موڈ میں روم میں آئی تھی اس میں اجازت ملنا دشوار تھا لہٰذا وہ ایک بار مزید دستک دینے کے بعد اندر چلا آیا تھا۔
"مدیحہ" اس نے نرمی سے اسے پکارا وہ صوفے پہ بیٹھی دونوں ہاتھوں میں تھامے لب بھینچ کر اپنا غصہ ضبط کرنے کی کوشش میں لگ رہی تھی۔۔۔ نبیل خود آگے بڑھ کے اس کے برابر ہی صوفے پہ بیٹھ گیا تھا۔
"اتنا غصہ کیوں آ رہا ہے تمہیں۔۔۔؟" وہ نرمی سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔
"اتنا غصہ اس لیے آ رہا ہے کہ میرا آج صبح صبح ایک خبیث کے ساتھ ایکسیڈنٹ۔۔۔" مدیحہ کچھ کہتے کہتے یکدم رک گئی تھی اس نے دوبارہ لب بھینچ لیے تھے۔
"میں جانتا ہوں مدیحہ تمہارا ایکسیڈنٹ ہوا ہے' لیکن یہ تو بتاؤ ہوا کیسے ہے؟ تم خود تو خیریت سے ہو نا۔" نبیل اس کا سر تھپکتے ہوئے بولا مدیحہ نے نبیل کے اتنے محبت اور اپنائیت بھرے انداز پہ ذرا سا چونک کر دیکھا تھا۔ نبیل کے چہرے پہ اس کے لیے بے پناہ شفقت نظر آئی تھی وہ بھی چند لمحوں کے لیے خود بخود نرم پڑ گئی تھی۔
"ہوں! میں ٹھیک ہوں' لیکن گاڑی کو نقصان ہوا ہے' ڈینٹ پڑ گیا ہے۔" اس نے متفکر سے انداز میں بتایا۔
"وہ تو سب ٹھیک ہو جائے گا' شکر ہے کہ تمہاری بچت ہو گئی۔" نبیل واقعی شکر ادا کر رہا تھا۔
"شکر ہے کہ میرے ہاتھوں اس ذلیل کی بچت ہو گئی' دو منٹ اور ٹھہرتا تو یقیناً حلیہ بگاڑ کے رکھ دیتی' کمینہ اپنی شکل اور شناخت بھی بھول جاتا۔۔۔" وہ تملا کے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
"ریلیکس' ریلیکس' کول ڈاؤن میری جان' یہ پاکستان ہے انگلینڈ نہیں کہ تم لوگ کسی کی غلطی پہ سب فرینڈز کے ساتھ مل کر کسی کی دھلائی دو' یہاں چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی بڑا دھیان رکھنا پڑتا ہے' ذرا سی بات ایشو بن جاتی ہے خصوصاً لڑکیوں کے معاملے تو کچھ زیادہ اچھالے جاتے ہیں۔" نبیل نے اسے سمجھانا چاہا۔
"لیکن بھائی اس نے غلطی کی پھر بھی وہ اپنی غلطی ماننے کو تیار نہیں تھا' بلکہ اس نے تو مجھ سے سوری تک نہیں کیا۔" مدیحہ کو عدیل کی باتیں رہ رہ کر سلگا رہی تھیں' جی چاہ رہا تھا وہ ایک بار پھر اس کے سامنے آ جاتا تو وہ اسے واقعی نوچ کھسوٹ ڈالتی وہ اس وقت بھوکی شیرنی کی طرح چکرا رہی تھی۔
"غلطی کس کی تھی؟"
"اس کی غلطی تھی بھائی۔"
"وہ کیسے۔۔۔؟"
"میں نے ایک سوئٹس شاپ دیکھ کر بریک لگائے تھے اور اس نے پیچھے سے بائیک دے ماری۔" اس نے غصے سے بتایا۔
"تم نے راستے میں بریک لگائے ہوں گے' اس لیے اس نے ٹکر دے ماری' تمہاری گاڑی کے پیچھے وہ بھی فل اسپیڈ سے آ رہا ہو گا۔۔۔ جیسے ہی تمہاری گاڑی رکی وہ گاڑی سے ٹکرا گیا۔" نبیل نے نتیجہ اخذ کیا تھا اس کا اندازہ درست تھا لیکن مدیحہ ماننے کو تیار نہیں تھی اس کے غصے کی اصل وجہ عدیل کی طنزیہ اور استہزائیہ باتیں تھیں۔
"اس طرح اس کی کوئی غلطی نہیں ہے' تمہیں بریک لگاتے ہوئے خود سوچنا چاہیے تھا اور دیکھنا چاہیے تھا کہ تم کہاں بریک لگا رہی ہو۔"
"مگر بھائی۔" وہ تملا کے پلٹی۔
"چھوڑو میری جان' کسی زیادہ نقصان سے بچ گئے ہیں یہی بہت ہے' اللہ کا شکر ادا کرو۔" نبیل اپنی جگہ سے کھڑا

ہو گیا تھا۔
"تم تھوڑی دیر کے لیے فریش ہو کر نیچے چلی جاؤ، مام پریشان ہو رہی ہوں گی۔" وہ اسے سمجھا رہا تھا اور مدحیہ محض سر ہلا کے رہ گئی تھی۔ جمیل اس کا سر تھپک کے باہر نکل گیا تھا وہ اپنے بیڈ روم کے بیچوں بیچ کھڑی رہی پھر بے ساختہ قدم اٹھاتی ہوئی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی اور آئینے میں نظر آتے اپنے سراپے کو دیکھا تھا اس کے سینے پہ بڑے بڑے حروف میں U.K لکھا تھا جو ٹاپ تنگ ہونے کی وجہ سے بے حد نمایاں ہو رہا تھا بلکہ اس کا تو پورا فگر ہی نمایاں ہو رہا تھا، مدحیہ کو بے ساختہ اس ٹاپ سے چڑ ہوئی تھی اور فورا" ڈریسنگ روم میں جا کر وہ ٹاپ چینج کیا اور پھر کچن میں جا کر اسے آگ لگا دی تھی ۔۔۔ بے چارا U.K کھڑے کھڑے شعلوں کی نذر ہو گیا تھا وہ پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے نکل آئی تھی۔
غصہ ابھی بھی ہنوز تھا ۔۔۔!

* * *

اس نے گھر سے نکلتے ہی موبائل سے سائم کا نمبر ڈائل کیا تھا۔
"ہیلو۔" سائم کی جاگی سوئی سی آواز سنائی دی تھی۔
"ہائے ۔۔۔" جودت کی آواز سنجیدہ تھی۔
"تم ۔۔۔؟" سائم اس کی آواز پہ ٹھٹکا۔
"ہاں میں ۔۔۔" وہ دو ٹوک بول رہا تھا۔
"خیریت؟ اس وقت کیوں کال کی ۔۔۔ آج تو ہماری یونیورسٹی سے آف ہے شاید ۔۔۔؟" سائم کے لہجے میں حیرانی تھی۔
"میں تم سے ملنے تمہارے گھر آ رہا ہوں۔"
"میرے گھر؟ اس وقت؟ مگر کیوں۔" سائم کو یقینا" اچنبھا ہوا تھا۔
"یہ سب آ کر بتاؤں گا۔" اس نے مختصرا" کہا۔
"لیکن جودت اس وقت ممی ڈیڈی سب گھر پہ ہوتے ہیں تم ۔۔۔" سائم نے اسے روکنا چاہا تھا۔
"کچھ نہیں کہیں گے۔ میں کوئی بہانا کر دوں گا ۔۔۔" جودت نے اسے تسلی دی۔
سائم نے کچھ بھی سنے بغیر فون بند کر دیا اور اپنی ہیوی بائیک کی اسپیڈ بڑھا دی۔ اس کا رخ سائم کے گھر کی طرف تھا، آج یونیورسٹی سے آف تھا اس لیے وہ بھی اپنے اپنے گھروں میں ابھی تک [illegible] لیکن جودت کو ایسی بے چینی لاحق تھی کہ وہ رات بھر سو نہیں پایا تھا اور اگر تھوڑی دیر کے لیے آنکھ لگی بھی تھی تو وہ لڑکی اس کے خواب میں بھی چلی آئی تھی اور وہ بے چینی سے دوبارہ اٹھ بیٹھا تھا، اس کا [illegible] لبریز ہو چکا تھا تو وہ دوسروں کا کیوں نہ کرتا ۔۔۔؟ اگلے دس پندرہ منٹ میں وہ سائم کے گھر میں موجود تھا۔
"جودت تم یہاں ۔۔۔؟" فاطمہ یونیورسٹی کے لیے نکل رہی تھی جودت کو یہاں دیکھ کر اپنی گاڑی کا ڈور کھولتے کھولتے رک گئی۔
"سائم سے ملنے آیا ہوں، میرے کچھ نوٹس رہ گئے تھے اس کے پاس، آج یونیورسٹی سے آف ہے اس لیے سوچا کہ کچھ تیاری کر لوں۔"
"ماشاءاللہ بڑے لائق ہو گئے ہو۔" فاطمہ نے اسے سرتاپا دیکھا۔
"بس کچھ دیر کے لیے ۔۔۔" جودت نے لقمہ دیا اور وہ یکدم کھلکھلا کے ہنسی تھی۔

"واقعی درست کہا۔"
"اپنی خوبیوں اور خامیوں سے اچھی طرح واقف ہوں اسی لیے ۔۔۔"
"ہوں انٹرسٹنگ۔" فاطمہ نے اسے سراہتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔
"ایک بات کہوں آپ سے؟" جودت رہ نہ سکا اور بے ساختہ کہہ گیا۔
"ہوں! کہو کیا کہنا ہے؟" فاطمہ نے اجازت دی لیکن جودت سوچ میں پڑ گیا کہ اس سے مریم کے بارے میں کیا پوچھے ۔۔۔؟ اور کیسے پوچھے ۔۔۔؟
"چپ کیوں ہو گئے؟ کہو نا کیا کہنا ہے ۔۔۔؟" اس کی خاموشی دیکھ کر فاطمہ نے اسے پھر متوجہ کیا تھا۔
"کچھ نہیں کہنا، آپ جائیں پھر کبھی سہی ۔۔۔" اس نے سر جھٹکا۔
"کیا کوئی خاص بات ہے؟" وہ اسے بغور دیکھنے لگی۔
جودت نظریں پھیر کر ادھر ادھر دیکھنے لگا تھا۔
"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، بس ابھی شاید مناسب وقت نہیں ہے جب ہو گا تب ضرور کہوں گا۔"
"اوکے ڈیئر! جودت تم سائم سے ملو اور میں یونیورسٹی کے لیے نکلتی ہوں، کافی لیٹ ہو چکی ہوں تمہاری باتوں میں۔" فاطمہ رسٹ واچ پہ ٹائم دیکھتی ہوئی بولی اور جودت فورا" سائیڈ پہ ہو گیا تھا۔
"اوکے بائے۔" وہ کہہ کے آگے بڑھ آیا، فاطمہ اپنی گاڑی اسٹارٹ کرنے لگی ۔۔۔ جودت کا رخ سائم کے بیڈ روم کی طرف تھا وہ دعا کر رہا تھا کہ سائم کے ممی ڈیڈی سے ٹکراؤ نہ ہو ورنہ کچھ دیر ان کے پاس بھی رکنا پڑ جاتا لیکن دعا ابھی لبوں میں ہی تھی کہ سائم کی ممی نے پکار لیا۔
"جودت بیٹا! خیریت صبح صبح کیسے آنا ہوا ۔۔۔؟" انہیں جودت کے اتنی صبح آنے پہ حیرت اور تجسس ہو رہا تھا۔
"السلام علیکم۔" مجبورا" اس نے پلٹ کر سلام کیا تھا۔
"وعلیکم السلام! آؤ ناشتا کرو۔"
"نو تھینکس آنٹی، میں دراصل سائم سے اپنے نوٹس لینے آیا ہوں مجھے ضرورت تھی۔" اس نے اپنا بہانا دہرایا۔
"اوکے! سائم اپنے بیڈ روم میں ہو گا، لے لو جا کر، لیکن سنو تمہاری آنی کہاں ہوتی ہیں آج کل؟ بہت دنوں سے انہیں کہیں بھی نہیں دیکھا ۔۔۔؟" انہوں نے آسیہ آفندی کے بارے میں پوچھا تھا۔
"آنی گھر پہ ہی ہوتی ہیں، بس کوئی خاص فنکشن یا پارٹی ہو تو ڈیڈ کے ساتھ چلی جاتی ہیں ورنہ ان کا زیادہ تر وقت گھر پہ ہی گزرتا ہے، پورا دن کچن کا کام بھی وہ اپنی نگرانی میں کرواتی ہیں۔" جودت کو ان کے سامنے اپنی آنی کی تعریف کرنے کا موقع مل گیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مسز یزدر (سائم کی ممی) کافی سوشل ہیں ان کا زیادہ وقت گھر سے باہر اور پارٹیز میں گزرتا ہے جبکہ اپر کلاس کی تمام بیگمات سے ہٹ کے آسیہ آفندی ایسی نہیں تھیں ان میں اپر کلاس والی کوئی بات ہی نظر نہیں آتی تھی حالانکہ وہ شہر کے نمبر ون بزنس ٹائیکون وقار آفندی کی بیوی ہونے کا اعزاز رکھتی تھیں ۔۔۔ پھر بھی بہت سادہ اور حلیم طبع تھیں۔
"ہوں! اچھی بات ہے، ان سے کہنا مسز یزدر آپ کو یاد کر رہی تھیں، کبھی ٹائم نکال کے ملیے ہم سے بھی۔" انہوں نے پیغام دیا۔
"جی کہہ دوں گا۔" جودت بور ہونے لگا تھا۔
"اوکے جاؤ تم ۔۔۔"
"تھینک یو آنٹی۔" وہ اجازت ملتے ہی ریلیکس ہو گیا تھا اور اک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر سیڑھیاں پھلانگ گیا تھا

کہ مبادا کوئی اور نہ مل جائے۔

وہ کوئی بھی دستک دیے بغیر بے دھڑک اندر چلا آیا تھا سائم اپنے بیڈ روم میں اے سی کی کولنگ میں مزے سے سو رہا تھا جووت نے اس کے بیڈ روم کا دروازہ اتنے زور سے بند کیا کہ سائم کی سات نسلیں جاگ گئی تھیں وہ یکدم ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھا تھا۔

"کیا ہوا..... کیا گر گیا ہے؟" سائم کو بوکھلاہٹ اور نیند ٹوٹنے کی وجہ سے یہ بھی پتا نہ چلا کہ دروازہ بند ہوا ہے کچھ گرا نہیں ہے۔ سائم نے آنکھیں پٹپٹا کے دیکھا پہلے دروازے کو پھر جووت کو اور رفتہ رفتہ ساری سچویشن سمجھ آگئی تھی۔

"اوہ تو یہ تم نے دروازہ بند کیا ہے....؟"

"آف کورس میں آیا ہوں تو میں نے ہی بند کیا ہے۔" اس نے کندھے اچکائے اور فلور کشن کھینچ کے بیٹھ گیا تھا۔

"بہت ایڈیٹ ہو تم۔" سائم غصے سے کہہ کر دوبارہ بیڈ پہ گر گیا تھا۔

"جانتا ہوں میں۔" اس نے اعتراف کیا۔

"اور کیا جانتے ہو؟" سائم نے استہزائیہ پوچھا۔

"کہ تم مجھ سے بھی زیادہ ایڈیٹ ہو۔" اس نے حساب برابر کیا۔

"تم بہت خبیث ہو۔" سائم نے دوبارہ کہا۔

"بکواس؟ صبح صبح کیوں نازل ہو گئے ہو..... ایسی کیا آفت آگئی تھی۔" اس نے چڑ کر پوچھا تھا۔

"میرا تو دل چاہ رہا تھا کہ میں رات کو ہی نازل ہو جاتا۔"

"وہ کیوں....؟" وہ تیکھے انداز میں بولا۔

"کیوں کا جواب تم جانتے ہو۔" اس نے سکون سے جواب دیا۔

"یار میں کچھ بھی نہیں جانتا' نیند کی وجہ سے میرے اپنے حواس ٹھکانے نہیں ہیں۔" سائم جھنجلا رہا تھا۔

"اٹھ کر شاور لو' جب تمہارے حواس ٹھکانے پہ آجائیں پھر بات کریں گے۔" جووت نے ہاتھ سے واش روم کی طرف اشارہ کیا۔

"ایسی کیا خاص بات ہے۔" اب کی بار سائم نے اسے بغور دیکھا تھا اور چند سیکنڈ مسلسل دیکھنے کے بعد یکدم اٹھ کے بیٹھ گیا تھا۔

"کسی لڑکی کا معاملہ ہے۔" وہ اس کے چہرے سے ہی معاملہ پہچان گیا تھا۔

"ہوں۔" اس نے بے حد آہستگی سے سر ہلایا۔

"کیا معاملہ ہے؟ کون ہے وہ لڑکی....؟" جووت فلور کشن پہ بیٹھا ہوا تھا اور سائم بیڈ پہ' لیکن دونوں آمنے سامنے ہی بیٹھے ہوئے تھے۔

"تم جانتے ہو میں نہیں جانتا۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا..... جووت تم کچھ....." سائم کہتے کہتے ایک دم رک گیا تھا اس کے ذہن میں اچانک جھماکا ہوا تھا اور رات والا سارا معاملہ ذہن کی اسکرین پہ روشن ہو گیا تھا۔

"تم..... تم مریم کی بات کر رہے ہو۔" سائم بے یقینی سے پوچھ رہا تھا۔

"ہوں! کافی ذہین ہو۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"دیکھو جووت پلیز اس کا خیال دل سے نکال دو وہ تمہارے ٹائپ کی لڑکی نہیں ہے' تم خوامخواہ الٹی جگہ پہ ٹانگ اڑا رہے ہو' تمہیں خواری ملے گی تمہیں۔" سائم کی نیند ہوا ہو چکی تھی وہ جووت کا مدعا سمجھ کر اسے سمجھانے بیٹھ گیا تھا۔

"وہ بہت خوب صورت ہے یار۔" جووت کا لہجہ بدل گیا تھا اس کی آنکھوں میں عجیب سی خماری کی جھلک تھی۔

"تمہارے لیے خوب صورت لڑکیوں کی کمی نہیں ہے' ایک سے بڑھ کر ایک مل سکتی ہے۔" سائم نے باز رکھنا چاہا۔

"اس کی سیاہ آنکھوں میں دل رہ گیا میرا' وہی ڈھونڈ لانے جا رہا ہوں۔" جووت اس کے سنے بغیر بول رہا تھا۔

"تمہارا دل تو کئی آنکھوں میں رہتا ہے' کبھی کسی کی نیلی آنکھوں میں' کبھی کسی کی سبز آنکھوں میں' کبھی بھوری آنکھوں میں اور کبھی بو جھل آنکھوں میں' کہاں کہاں سے ڈھونڈو گے؟" سائم زچ ہو رہا تھا۔

"پلیز یار یہ مستیاں چھوڑ دو' تمہارا اور اس کا اسٹیٹس کہیں سے بھی میچ نہیں کرتا۔"

"تو میں کون سا اس سے شادی کر رہا ہوں جو اسٹیٹس کا فرق درمیان میں آئے گا۔" اس نے شانے اچکائے۔

"یعنی تم....." سائم کچھ نہ کہہ سکا اس کی آنکھیں تحیر سے پھیل گئی تھیں۔

"میں اسے صرف حاصل کرنا چاہتا ہوں' کل سے میری نیندیں اڑا کے رکھ دی ہیں اس نے۔" جووت نے کھل کے اظہار کیا تھا سائم بیڈ سے کھڑا ہو گیا تھا۔

"تم ہوش میں نہیں ہو' جاؤ مجھ سے بعد میں بات کرنا۔" سائم سلیپر پہن کر باتھ روم کی سمت بڑھ گیا انداز اکتایا ہوا تھا۔

"سائم تمہیں پتا ہے کہ میں تمہیں بتائے بغیر بھی سب کچھ کر سکتا ہوں' لیکن پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ تم میرا ساتھ دو' وہ لڑکی ایسی بھی کوئی افلاطون کی اولاد نہیں ہے کہ کسی لڑکے سے فرینڈشپ ہی نہ کر سکے' بس تم میری اس سے فرینڈشپ کروا دو' باقی اسے لائن پہ لانا میرا کام ہے۔" جووت اسے ایک غلط کام پہ اکسا رہا تھا لیکن سائم اس کے لیے سب کچھ کر سکتا تھا مگر فاطمہ کی کسی دوست کے ساتھ دھوکا نہیں کر سکتا تھا سائم کے لیے مریم بھی فاطمہ جیسی ہی تھی وہ کافی سالوں سے مریم کو جانتا تھا اور اس نے جب بھی مریم کو دیکھا عزت اور شرافت کے لبادے میں ہی دیکھا تھا اور اب وہ اس کے لبادے کو داغ دار نہیں کر سکتا تھا جبکہ جووت اسی کام پہ تلا ہوا تھا سائم اس کا ساتھ دینے سے انکاری تھا جبکہ جووت اپنی بات پہ بضد تھا۔

"ایم سوری! میں اس معاملے میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔" اس نے صاف انکار کر دیا۔

"اوکے' ساتھ نہ دو' لیکن اس کے گھر کا ایڈریس دے دو۔" جووت نے ایک اور سوال سامنے رکھا۔

"ہرگز نہیں! ایسا سوچنا بھی مت۔" سائم کوئی بھی بات ماننے کو تیار نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے' صرف اتنا بتا دو کہ وہ کس ایریا میں رہتی ہے....؟" جووت بس اسے ڈھونڈنے کے لیے صرف ایک نشان چاہتا تھا۔

"میں تمہیں ایک لفظ تک نہیں بتا سکتا۔" وہ اپنی بات پہ قائم تھا۔

"اوکے' اوکے' کچھ مت بتاؤ' میں سب پتا کر لوں گا' لیکن اتنا یاد رکھنا کہ میں اگر کچھ کر گزرا تو تم مجھے روک نہیں پاؤ گے اور نہ ہی کوئی دوش دو گے۔" جووت انگلی اٹھا کے اسے وارننگ دے رہا تھا۔

"جووت تم غلط....."

"بس تم میرے دوست ہو یہی کافی ہے' مجھے سمجھانے کا یا پھر کوئی حق جتانے کا اختیار تم کھو چکے ہو۔" جووت اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔

"جووت میں نے کبھی پہلے تمہیں کسی کام سے روکا ہے؟ میں تو صرف اتنا کہہ رہا ہوں کہ وہ لڑکی ایسی نہیں ہے

تم کسی اور کے بارے میں سوچ لو میں ہر طرح سے تمہارا ساتھ دوں گا۔" سائم جھنجلا کے اس کے سامنے آگیا تھا۔

"میں صرف مریم فاروق نیازی کے بارے میں سوچ رہا ہوں اور جب تک وہ دل نہیں جاتی اسی کے بارے میں سوچ رہا ہوں گا۔" جودت نے لفظ لفظ پہ زور دیا تھا سائم نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر وہ بات ختم کر گیا تھا۔

"گڈ بائے! اب میں تم سے اسی روز ملوں گا جب اس کے بارے میں مکمل انفارمیشن لے لوں۔" وہ کہہ کے باہر نکل گیا تھا۔

سائم اپنے کمرے کے وسط میں کھڑا پریشان سا چپ رہ گیا' اسے پتا تھا کہ جودت کتنا ضدی اور ہٹ دھرم ہے اپنی ضد میں آکر وہ کبھی بھی کچھ بھی کر گزرتا تھا' اس نے آج تک جو کہا تھا وہ پورا کیا تھا۔ وہ بے حد نڈر اور بے خوف لڑکا تھا بس آذر اور وقار آفندی کے سامنے ان کی عزت اور احترام کے مارے اکثر چپ ہی رہتا تھا ورنہ اس نے آسانی سے کوئی بات مان لینا ہرگز نہیں سیکھا تھا۔ وہ خاصا منہ پھٹ اور بے باک بھی تھا دل کی بات دل میں ذرا کم ہی رکھتا تھا۔ جیسے اس وقت نہیں رکھ سکا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ کافی دیر تک بیٹھا اپنا ایک کیس اسٹڈی کرتا رہا اور جب نیند سر پہ سوار ہوئی تو بے ساختہ گھڑی دیکھی تھی۔ رات کے ڈیڑھ بجے کا ٹائم ہو رہا تھا اور صبح جلدی اٹھنے کے خیال سے اس کے دماغ پہ مزید تھکن سوار ہو گئی تھی اسی لیے سب کچھ سمیٹ کر احتیاط سے سائیڈ میں رکھا اور تکیہ درست کر کے سونے کی تیاری کرنے لگا۔ لیکن ابھی اسے سوئے ہوئے دس منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ اس کے سیل پہ وائبریشن ہونے لگی وہ اکثر سیل کو وائبریشن پہ ہی رکھتا تھا۔ اس نے جاگے سوئے سے انداز میں سیل اٹھا کر کان سے لگا لیا تھا۔

"یس دل آور شاہ اسپیکنگ۔۔۔؟" بوجھل آواز میں بھی حد درجہ رعب تھا' تمکنت تھی' دبدبہ تھا۔

"جناب! نبیل حیات بات کر رہا ہوں۔" نبیل کی آواز پہ وہ چونک گیا تھا۔

"تم اس وقت کال کر رہے ہو؟" دل آور کو اچنبھا ہوا تھا نیند سے اس کی آنکھیں سرخ ڈوروں سے بھری ہوئی تھیں۔

"فارغ ہی اس وقت ہوا ہوں اور ویسے بھی میں نے سوچا کہ کراچی میں لوگ اتنی جلدی نہیں سوتے اس لیے یقیناً "تم بھی جاگ رہے ہو گے؟"

"جاگ رہا تھا دس پندرہ منٹ پہلے میں بھی جاگ رہا تھا' لیکن کیس اسٹڈی کرتے کرتے نیند آگئی۔" دل آور ایک ہاتھ سے موبائل کان سے لگائے دوسرے ہاتھ سے آنکھوں کو مسلتے ہوئے بولا وہ اٹھ بیٹھا تھا۔

"اچھا تو پھر سو جاؤ۔" نبیل کو جیسے اس کی تھکن پہ رحم آگیا تھا۔

"ارے نہیں یار! تم بولو میں سن رہا ہوں۔" اس نے نبیل کو کال بند کرنے سے روکا۔

"میں نے صرف بولنے کے لیے فون نہیں کیا' باتیں کرنے کے لیے فون کیا ہے۔" نبیل نے زور دے کر کہا۔

"او کے! باتیں ہی کروں گا "تم بولو تو سہی' باتوں کے لیے تمہید تو باندھو۔" دل آور نے ایک ہاتھ سے جگ سے گلاس میں پانی انڈیلا اور گلاس اٹھا کر منہ سے لگا لیا تھا۔ پانی پینے کے بعد اس نے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر اٹھا لیا تھا ایک ہاتھ سے سگریٹ اٹھا کر ہونٹوں میں دبایا اور ایک ہاتھ سے ہی سگریٹ کو لائٹر سے شعلہ دکھا دیا تھا۔

"اسموکنگ کر رہے ہو۔" نبیل فوراً ہی پہچان گیا تھا۔

"ہوں! نیند کو بھگانے کا آسان طریقہ ہے' تم سے بات بھی تو کرنی ہے؟" وہ نبیل سے بات کرتے ہوئے نیم دراز سا بیٹھ گیا تھا۔

"اس چیز سے صرف نیند ہی نہیں بھاگتی' لڑکیاں بھی بھاگتی ہیں۔" نبیل شرارت سے بولا دل آور کے ہونٹوں کو بھی مسکراہٹ چھو گئی تھی۔

"یعنی سگریٹ لڑکیوں کے لیے "سوتن" کا کام کرتی ہے۔" دل آور انگلیوں میں دبے سگریٹ کو دیکھ کر مسکرایا اور نبیل بے ساختہ قہقہہ لگا کے ہنسا تھا۔

"سگریٹ سوتن اور شراب سوتیلی ثابت ہوتی ہے۔"

"اف یار بس کرو میرے پیٹ میں درد ہونے لگا ہے۔" نبیل نے ہنستے ہوئے اسے روکا۔

"بات تو تم نے ہی چھیڑی تھی نا۔" دل آور ابھی بھی شرارت بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"اور تم نے حد کر دی۔"

"حد نہیں کی' بس اندازہ لگایا ہے' ویسے یار آپس کی بات ہے لڑکیاں سگریٹ سے بھاگتی کیوں ہیں۔۔۔ اسموکنگ ہم کرتے ہیں بے زاری اور اکتاہٹ انہیں ہوتی ہے' وجہ۔۔۔؟" دل آور کے بھرپور معنی خیز سوال کو سمجھتے ہوئے ایک بار پھر نبیل کا قہقہہ بلند ہوا تھا وہ دونوں ہی اس بات سے بے حد محظوظ ہو رہے تھے۔

"جب شادی ہو گی تو بیوی سے پہلا سوال یہی پوچھوں گا۔" نبیل جی بھر کے انجوائے کر رہا تھا۔

"سگریٹ سلگا کے پوچھو گے یا بجھا کے۔۔۔؟" دل آور نے لقمہ دیا۔

"بجھا کے پوچھوں گا' سلگا کے پوچھا تو وہ قریب نہیں آئے گی۔" نبیل نے خدشہ بیان کیا۔

"ٹھیک ہے تم بجھا کے پوچھنا' میں سلگا کے پوچھوں گا۔" دل آور کی بات پہ ایک اور قہقہہ پڑا تھا۔

"تم واقعی سلگا کے پوچھنے والے آدمی ہو۔" نبیل کو ماننا پڑا۔

"گویا تم اعتراف کر رہے ہو کہ تم بجھا کے پوچھنے والے آدمی ہو۔" دل آور نے چھیڑا تھا اسے۔

"میں نبیل حیات ہوں میری جان' دل آور شاہ نہیں۔" نبیل نے اسے جتایا۔

"تم دل آور شاہ ہو بھی نہیں سکتے میری جان' دل آور شاہ بننے کے لیے بہت بڑا "جگرا" چاہیے۔" دل آور کے لہجے میں زمانے بھر کی تلخی اتر آئی تھی۔

"واقعی دل آور شاہ صرف ایک ہی ہے' کبھی کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔" نبیل نے کھلے دل سے اعتراف کیا تھا۔

"اچھی وے! تم یہ بتاؤ رات کے اس پہر کال کیوں کی ہے؟" دل آور سر جھٹک کر سگریٹ کا کش لیتے ہوئے بولا گفتگو کا رخ خود بخود بدل دیا تھا۔

"تم سے کچھ ڈسکس کرنے کے لیے۔"

"کیا ڈسکس کرنا ہے؟" وہ سگریٹ پہ سگریٹ پھونک رہا تھا۔

"بزنس کے سلسلے میں کچھ ڈسکس کرنا ہے یار۔"

"ہوں! بولو میں سن رہا ہوں۔"

"یار جب سے میں تمہارے ساتھ شوروم گیا ہوں میری سوئی شوروم پہ ہی اٹکی ہوئی ہے۔"

"کیا مطلب؟ تم شوروم بنانا چاہتے ہو۔" دل آور اس کی بات کا مفہوم سمجھ گیا تھا۔

"ہوں۔۔۔"

"پاگل ہو گئے ہو۔۔۔ تم اتنے اچھے بزنس مین ہو' اتنا وسیع کاروبار ہینڈل کرتے رہے ہو اور اب تم ایک شوروم پہ اکتفا کر کے بیٹھ جاؤ گے؟ گاڑیوں کی خرید و فروخت میں لگے رہو گے؟" دل آور کو اس کا آئیڈیا کچھ خاص پسند

نہیں آیا تھا۔

"لیکن یار! مجھے بہت شوق ہو رہا ہے شوروم بنانے کا۔" نبیل بواقعی آج کل اسی شوق کا شکار تھا۔

"شوروم بنانا بہت آسان کام ہے یار! لیکن شوروم کی ساکھ بنانا بہت مشکل ہے جتنا عرصہ تمہیں اس کی ساکھ بنانے میں لگے گا اتنے عرصہ میں تمہارا دیوالیہ ہو جائے گا۔

کام ایسا شروع کرو جو تمہیں شروعات میں ہی پرافٹ دینا شروع کر دے 'تاکہ پاکستان میں تمہارے قدم جم جائیں اور جب تم جان لوگے کہ تمہارے قدم جم چکے ہیں تو پھر بے شک ایک چھوڑ کے دس شوروم بناتے رہنا۔" ول آور نے اسے اچھے طریقے سے سمجھایا نبیل تذبذب کا شکار ہونے لگا۔

"اگر ہمیں شوروم بنانے کی بجائے 'بنا بنایا' مل جائے تو؟"

"پہیلی مت بجھواؤ' صاف بات کہو۔" ول آور بے حد سنجیدہ ہو رہا تھا۔

"صاف بات یہی ہے کہ دو تین دن پہلے میری ملاقات اکرام مجید سے ہوئی تھی۔" نبیل نے کہنا شروع کیا۔

"پھر۔۔۔؟"

"پھر اس نے مجھے پہچان لیا تھا' تمہاری وجہ سے کافی پروٹوکول دے رہا تھا' چائے بھی پلائی اس نے اور کچھ دیر بیٹھ کر باتیں بھی کرتا رہا۔"

"کیسی باتیں۔۔۔"

"یہی شوروم کے سلسلے میں۔۔۔"

"اچھا پھر۔۔۔؟"

"پھر کیا یار؟ مجھے اس کی باتوں سے یہی لگا ہے کہ وہ شوروم چھوڑنا چاہتا ہے' اس لیے میں نے سوچا کہ اگر وہی شوروم میں خرید لوں تو۔۔۔؟" نبیل نے اصل بات بتائی ول آور لمحہ بھر کے لیے چپ ہوا پھر بولنا شروع کیا۔

"دیکھو نبیل! تم جو بھی کام کرو اپنی مرضی سے کرو' میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالنا چاہتا لیکن یار میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ تمہارے ساتھ کوئی فراڈ ہو' تم پاکستان میں ابھی نئے نئے آئے ہو' تم یہاں کے گھاگ شکاریوں کو نہیں سمجھ سکتے' یہاں جو بھی مال دار اور موٹی آسامی نظر آتی ہے لوگ اسے گھیرنے کے لیے بڑے بڑے جال پھینکتے ہیں۔ اکرام مجید تم سے مل چکا ہے اور وہ یہ بھی جان چکا ہے کہ تم کتنی بڑی آسامی ہو' اور دوسرے یہ کہ یہاں ابھی بالکل نئے اور انجان ہو' لیکن اکرام مجید ابھی یہ نہیں جانتا کہ وہ ول آور شاہ کے دوست کو گھیرنے کی کوشش کر رہا ہے' وہ تمہارے ساتھ کوئی فراڈ کرے اس کی ایسی کی تیسی کر دوں گا۔۔۔ تم اسے یہ نہ کہو کہ میں نے شوروم خریدنا ہے' بلکہ تم اسے یہ کہو کہ ول آور شاہ نے یہ شوروم خریدنا ہے۔۔۔ پھر دیکھنا کیا تاثرات ہوں گے اس کے۔" ول آور نے کہتے ہوئے سگریٹ مسل دیا تھا اور نبیل اس کی بات پہ مسکرا اٹھا۔

"یار! یہ تو مجھے بھی پتا ہے کہ تمہارے ہوتے ہوئے میرے ساتھ کوئی بھی فراڈ نہیں کر سکتا۔" نبیل کے لہجے میں فخر اور یقین تھا۔

"ول آور۔۔۔" نبیل نے اچانک پکارا۔

"ہوں۔۔۔؟"

"میرے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا ہے۔"

"ہوں! کہو۔"

"مجھے شوروم بنانے کا شوق ہو رہا ہے اور تمہیں بزنس کرنے کا۔۔۔ کیوں نا ہم دونوں کام مل کر شروع کریں' پارٹنرشپ کے اصولوں پہ۔۔۔؟"

"مطلب۔۔۔؟"

"مطلب کہ تم اپنے شیئرز میرے ساتھ شوروم میں انویسٹ کرو اور میں تمہارے ساتھ بزنس میں انویسٹ کرتا ہوں۔" نبیل بہت پرجوش ہو رہا تھا۔
"وہ سب تو ٹھیک ہے یار لیکن تم جانتے ہو کہ میرا پروفیشن مجھے بزنس کو ٹائم دینے کی اجازت نہیں دیتا۔۔۔ بڑا مشکل ہو جاتا ہے زیادہ ٹائم نکالنا۔"
"ارے یار! تم کیوں پریشان ہوتے ہو؟ میں ہوں ناں سب سنبھالنے کے لیے میں بزنس کو ٹائم دوں گا اور تم شو روم کو۔" نبیل سارے پلان خود ہی بنائے جا رہا تھا۔ اور بالآخر اس نے دل آور کو کنونس کر ہی لیا تھا۔
"اوکے یار! جیسے تمہاری مرضی' جو دل چاہتا ہے کرو' لیکن کسی سے دھوکہ مت کھانا۔" وہ اسے سمجھا رہا تھا۔
"نہیں کھاؤں گا یار۔" نبیل مسکرایا۔
"خیر یہ بتاؤ مدیحہ اور آنٹی کیسی ہیں۔"
"ٹھیک ہیں یار' دو تین روز پہلے مدیحہ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔"
"واٹ؟ ایکسیڈنٹ؟" دل آور یکدم اٹھ بیٹھا۔
"ڈونٹ وری یار! زیادہ نقصان نہیں ہوا تھا شکر ہے کہ مدیحہ خود بچ گئی' بس گاڑی پہ کچھ خراشیں آئی ہیں۔" نبیل نے اسے تسلی دی۔
"تو اسے ابھی اتنی جلدی ڈرائیو کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟" وہ خفگی سے کہہ رہا تھا۔
"نئی گاڑی دیکھ کر سب کو ڈرائیو کرنے کا شوق ہو ہی جاتا ہے۔" جواباً نبیل نے وجہ بتائی۔
"یار! یہاں ہوش سے کام لینا پڑتا ہے جوش سے نہیں' سمجھانا اسے۔" دل آور نے تاکید کی۔
"کچھ عرصہ اور گزار لو خود بخود سمجھ جائے گی۔"
"خیال رکھا کرو اس کا۔" دل آور کے کہنے پہ نبیل مسکرا دیا۔
"مسکرا کیوں رہے ہو؟" وہ جان چکا تھا کہ نبیل مسکرا رہا ہے۔ ان لوگوں کے ایک دوسرے کے بارے میں اندازے اتنے درست ہوتے تھے کہ کوئی دیکھ لیتا تو حیران رہ جاتا۔ وہ تینوں دوست آپس میں ایک دوسرے کی حرکتیں آنکھیں بند کر کے بھی جان لیتے تھے۔
"تمہاری بات پہ مسکرایا ہوں۔"
"کس بات پہ؟" دل آور نا سمجھی سے بولا۔
"خیال رکھنے والی بات پہ' یار بھی کبھی بڑی حیرت ہوتی ہے کہ میں سب کا خیال رکھتا ہوں لیکن میرا خیال کوئی بھی نہیں رکھتا' تم بھی نہیں رکھتے۔" نبیل نے شکوہ کیا اور دل آور چند ثانیے کے لیے خاموش ہوا پھر گہری سانس کھینچتے ہوئے بولا۔
"تمہیں کیا پتا۔ میں ہی تو تمہارا خیال رکھتا ہوں۔" دل آور کا لہجہ عجیب سا ہو رہا تھا اس نے ایک نیا سگریٹ سلگا کر گہرا کش لیا اور دھواں فضا میں چھوڑ دیا' دھوئیں کے مرغولے بنتے چلے گئے تھے۔
"کیسے......؟"
"یہ صرف اللہ جانتا ہے۔"
"ایسا کیا ہے جو میں نہیں جانتا۔" نبیل کو تجسس ہوا۔
"ایسا بہت کچھ ہے جو تم نہیں جانتے اور کبھی کبھی نہ جاننا ہی بہتر ہوتا ہے۔" دل آور نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔ "دل آور! تو سمندر سے بھی زیادہ گہرا ہے' کبھی کبھی دل چاہتا ہے تمہاری گہرائی کی کھوج لگاؤں' لیکن ڈر لگتا ہے کہ ڈوب جاؤں گا۔" نبیل سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

تم ڈوبنے کے خیال سے ہی ڈر جاتے ہو اور ہم ڈوبنے کے خیال سے ہی ڈوب جاتے ہیں' بس تم ساحل پہ کھڑے تماشا دیکھتے رہو کہ اندر کیا ہو رہا ہے؟ سمندر پہ کیا گزر رہی ہے؟ کشتی پہ کیا گزر رہی ہے؟ کشتی اور سمندر بھنور سے کیسے بچیں گے؟ بس دیکھتے جاؤ' اس سمندر میں پیر مت ڈالنا' ڈوب جاؤ گے......"
دل آور کا لہجہ بھی عجیب تھا اور باتیں بھی عجیب تھیں۔ شاید اس "کشتی" کی سمت تھا جو بے دھیانی میں اس نے تھمیں بارے گہرے سمندر میں اتر آئی تھی اور نکلنے کا کوئی راستہ نہیں مل رہا تھا سمندر چاہتا تو پل میں اسے اپنی منہ زور لہروں کے بل بوتے پہ پار لگا دیتا لیکن نجانے کیا بات تھی کہ یہ سمندر بھی اس کشتی کی ہمت دیکھ رہا تھا جو بغیر کسی سہارے اور آس امید کے چل رہی تھی اور سمندر کبھی اس کشتی کو دیکھتا تھا کبھی ساحل پہ کھڑے تماشا دیکھنے والے اس دوست کو جو ڈوبنے کے خیال سے ہی ڈر جاتا تھا!
"کہاں کھو گئے ہو......؟" نبیل کی آواز نے اسے گہری سوچ سے متوجہ کیا تھا۔
"جہاں تم کھونا چاہتے ہو۔" اس کی بات مبہم تھی۔
"میں کہاں کھونا چاہتا ہوں......؟" نبیل کو حیرانی ہوئی۔
"یہ تو تمہیں ہی پتا ہو گا کہ تم کہاں کھونا چاہتے ہو۔" دل آور نے لاپروائی ظاہر کی۔
"بتاؤ' میں کہاں کھونا چاہتا ہوں؟" نبیل بتانے پہ آمادہ ہوا۔
"ابھی کہاں مت بتاؤ' نیند اور تھکن سے خاص پتا نہیں چلے گا مجھے' کبھی فرصت سے بتانا۔" دل آور نے اسے روک دیا۔
"کبھی بھی نہ بتاؤں؟"
"کیا مطلب؟"
"مطلب کہ کبھی فرصت جو نہیں ملے گی۔"
"ارے ڈونٹ وری یار! مجھے واپس آنے دو پھر فرصت ہی فرصت ملے گی۔" دل آور نے تسلی دی۔
"اوکے! انتظار کرتا ہوں۔"
"ضرور۔"
"ٹھیک ہے پھر تم آرام کرو میں فون بند کرتا ہوں' دوبارہ بات ہو گی۔" نبیل کو ٹائم کا احساس ہوا۔
"اب نیند کہاں......؟"
"کیوں......؟"
"نیند کا وقت گزر گیا یار۔"
"پھر بھی کوشش تو کرو' صبح چھ' سات بجے تک تو آرام کر ہی لو گے۔" نبیل مشورہ دیا۔
"اوکے! کوشش کر کے دیکھ لیتے ہیں۔"
"اوکے تو پھر گڈ نائٹ۔" نبیل نرمی سے بولا۔
"مدیحہ کو میری طرف سے پیار دینا' جلدی فارغ ہو گیا تو اسے کال کروں گا۔"
"ٹھیک ہے جناب' آپ کا پیغام دے دوں گا۔"
"تھینک یو' اینڈ گڈ نائٹ۔" دل آور نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور پھر اپنے دھیان میں سگریٹ پھونکتے ہوئے سوچوں کا رخ بدل گیا تھا۔ معاملہ سنگین تھا تو سوچیں بھی گہری تھیں۔

ہجر میں خون رلاتے ہو' کہاں ہوتے ہو؟
لوٹ کر کیوں نہیں آتے ہو' کہاں ہوتے ہو؟

جب بھی ملتا ہے کوئی شخص بہاروں جیسا؟
مجھ کو تم کیسے بھلاتے ہو، کہاں ہوتے ہو؟
سرد راتوں میں تمہیں کیسے بھلا سکتا ہوں؟
آگ سی دل میں لگاتے ہو، کہاں ہوتے ہو؟
مجھ سے بچھڑے ہو تو محبوب نظر ہو کس کے؟
آج کل کس کو ستاتے ہو، کہاں ہوتے ہو؟

"میں بتاؤں کہاں ہوتا ہے؟" نگارش بھابھی صوفے کے پیچھے کھڑی زری کے عقب سے اس کی گود میں رکھی شاعری پڑھ رہی تھی اور زری کو خبر ہی نہیں تھی جیسے ہی وہ بولی زری یکدم چونک گئی تھی۔

"بھابھی آپ۔۔۔؟" اس نے فوراً گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"کیوں میرے ہونے پہ کوئی اعتراض ہے؟" نگارش صوفے کی سائیڈ سے نکل کر سامنے آگئی تھی۔

"آپ ہمیشہ دبے پاؤں آتی ہیں؟ یا مجھے ہی خبر نہیں ہوتی۔۔۔" وہ تعجب سے پوچھ رہی تھی۔ نگارش اطمینان سے اس کے مقابل والے صوفے پہ بیٹھ گئی تھی۔

"تمہیں ہی خبر نہیں ہوتی۔۔۔ اور محبت کرنے والوں کی سب سے بڑی خوبی یہی ہوتی ہے کہ وہ ہر بات سے، ہر چیز سے بے خبر ہوتے ہیں تمہاری طرح۔" وہ سکون سے کہہ رہی تھی۔

"میں بے خبر ہوں۔"

"بالکل۔۔۔"

"وہ کیسے۔۔۔؟"

"وہ ایسے کہ تمہیں تو یہ سب ہی پتا نہیں ہوتا کہ دل میں آگ سی لگانے والا آج کل کہاں ہوتا ہے؟"

"کیا مطلب؟ کہاں ہوتا ہے؟" زری جی جان سے چونک کر متوجہ ہوئی۔

"اپنے اس سوال سے ہی سمجھ جاؤ کہ تم بے خبر ہو۔" نگارش مسکرائی۔

"بتائیے نا بھابھی؟ کہاں ہے وہ۔" زری کے انگ انگ سے بے چینی پھوٹ پڑی تھی۔

"آج کل جناب کراچی میں ہوتے ہیں کسی کیس کے سلسلے میں۔"

"آپ کو کس نے بتایا ہے؟"

"عبداللہ نے۔۔۔"

"کب۔۔۔؟" "ابھی تھوڑی دیر پہلے۔" "ان کی بات ہوئی ہے اس سے؟"

"ہاں! اس نے خود فون کیا تھا۔"

"اور کیا کہتا ہے۔۔۔؟"

"کہتا ہے میری طرف سے زری کو ایک زور کا پیار دے دینا اور میں وہی پیار دینے آئی ہوں۔" نگارش کے انداز میں شرارت تھی زری خفگی سے اسے گھورنے لگی۔

"یار گھور کیوں رہی ہو؟ پیار دینے ہی تو آئی ہوں۔"

"تو تھینکس! مجھے ایسے پیار کی ضرورت نہیں ہے اگر پیار دینا ہی ہے تو وہ خود آکر دے۔" کہتے ہوئے اس کا چہرہ گلابی پڑ گیا تھا۔

"ماشاءاللہ، ماشاءاللہ ذرا چہرہ تو دیکھو۔" نگارش ذو معنی انداز سے دیکھ رہی تھی۔

"بھابھی پلیز! مجھے کنفیوژ تو مت کیا کریں۔"

"تو پھر کیا کروں۔"

"میری شادی کروا دیا" زری بھی شرارت سے بولی۔

"ہیں۔۔۔ سچی۔۔۔؟" نگارش اچھل پڑی۔

"تو کیا میں مذاق کر رہی ہوں۔" زری بھی اسی کے انداز میں بولی۔

"تو پھر میں بات کروں عبداللہ سے۔"

"اف! آپ کریں گی؟" وہ مصنوعی خفگی کا اظہار کر رہی تھی۔

"آج کروں گی ابھی کروں گی ذرا دیکھنا۔" نگارش نے کمر کس لی تھی۔

"نگارش۔۔۔" عبداللہ نے پلنگ کے قریب آتے ہوئے پکارا تھا۔

"جی۔۔۔ تمہیں چائے بنانے کے لیے بھیجا تھا۔"

"سوری! میں زری کے پاس رک گئی ابھی آرہی ہوں۔" نگارش فوراً کھڑی ہو گئی تھی عبداللہ وہاں سے ہٹ کر بیڈ روم میں چلا گیا تھا۔

"آج مجھے تمہارے بھائی کے ارادے نیک نہیں لگتے شام سے ہی نگارش نگارش پکار رہے ہیں۔" نگارش نے شرارت سے کہا زری کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

"اچھا ہے آپ کی بولتی انہی کے پاس جا کے بند ہو گی۔"

"آج میری بولتی بند ہونے والی نہیں ہے۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"آج تمہارے بھائی کا ارادہ کچھ اور ہے اور میرا ارادہ کچھ اور۔۔۔"

"آپ کا ارادہ کیا ہے؟"

"تمہارے حق میں بولنے کا۔"

"واٹ؟ یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟"

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں یار یہ بڑا اچھا موقع ہوتا ہے بیویوں کے لیے کوئی بات کرنے کا ہنڈرڈ پرسینٹ چانس ہوتے ہیں بات ماننے کے۔" نگارش ذو معنی بول رہی تھی لیکن زری ——— نگارش کو باز رکھنا چاہتی تھی۔

"مگر بھابھی۔۔۔"

"چھوڑو یار! تم بھی نا بس، کچھ کرنے دو گی نہ ہی خود کچھ کرو گی؟" نگارش خفگی سے کہہ کر کچن میں گئی اور چائے بنانے لگی۔

چند منٹوں میں وہ چائے بنا کر واپس بھی آگئی۔

"اوکے گڈ نائیٹ۔"

"بھابھی سنیے تو۔۔۔" زری نے روکا۔

"ابھی وقت نہیں ہے تمہارے بھائی صاحب بہت بے چین ہو رہے ہوں گے تمہاری بات بعد میں سنوں گی اپنے بیڈ روم میں جاؤ تو تمام لائٹس آف کر دینا شاباش، تم آرام سے بیٹھ کر شاعری پڑھتی رہو باقی میں سنبھال لوں گی نگارش جاتے جاتے اسے بچوں کی طرح پچکار گئی تھی اور زری پریشان سی دیکھتی رہ گئی۔۔۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☆ ☆

نازیہ کنول نازی

بات زندگی کی ہے

مکمل ناول

ہوا تھمی تھی ضرور لیکن ' وہ شام جیسے سسک رہی تھی
کہ زرد پتوں کو آندھیوں نے عجیب قصہ سنا دیا تھا
وہ جس کو سن کر تمام پتے سسک رہے تھے
بلک رہے تھے '
جانے کس سانحے کے غم میں شجر جڑوں سے اکھڑ چکے تھے

بہت تلاشا تھا ہم نے تم کو
ہر ایک رستہ ' ہر ایک وادی
ہر ایک پربت ' ہر ایک گھاٹی
کہیں سے تیری خبر نہ آئی تو یہ کہ ہم نے بھی دل کو ٹالا

ہوا تھمے گی تو دیکھ لیں گے ہم اس کو رستوں میں ڈھونڈ لیں گے
مگر ہماری یہ خوش خیالی جو ہم کو برباد کر گئی تھی
ہوا تھمی تھی ضرور لیکن ' بڑی ہی مدت گزر چکی تھی
ہمارے بالوں کے جگنوؤں میں ' سفید چاندی اتر چکی تھی

فلک پہ تارے نہیں رہے تھے
گلاب سارے نہیں رہے تھے
وہ جن کے دم سے تھی دل کی بستی وہ لوگ سارے نہیں رہے تھے
یہ المیہ سب سے بالا تر تھا کہ ہم تمہارے نہیں رہے تھے
کہ تم ہمارے نہیں رہے تھے
ہوا تھمی تھی ضرور لیکن ـــــ بڑی ہی مدت گزر چکی تھی

تھکن سے بے حال جس وقت اس نے قدم گھر کی دہلیز پر رکھے ' تایا کی پاٹ دار آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"تو کنویں کا مینڈک ہے غلام محمد!! ۔ کنویں کا مینڈک ' اسی کنویں میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے گا ایک دن۔ کوئی واہ واہ کرنے نہیں آئے گا تجھ پر ' تیری غلامی پر ' اپنی عمر تو پوری کر چکا بے وقوف۔ اولاد کا سوچ اب۔ ساری عمر پڑی ہے ان کے سامنے۔ کیا کیا ہے تو نے ان کے لیے؟

تین جوان بیٹیاں ہیں تیری۔ کون اس مفلسی میں رشتے لے گا ان کے۔ اپنے بیٹوں کا سوچ [illegible] ہوتے ہوئے کیسی ذلت بھری زندگی گزار [illegible] کیا قصور ہے ان کا کہ انہیں اچھی [illegible] ملے بول۔" بنا آہٹ پیدا کیے [illegible] آئی تھی۔

نگاہ سے کچھ ہی [illegible] وسط میں اس کا باپ سر جھکائے [illegible] اس کے آنسو اس کا چہرہ بھگو رہے تھے [illegible]

[illegible] کی سب سے بڑی آزمائش ہے [illegible] بنا دے ' چاہے تو جنتی۔ میں نے [illegible] کے رزق سے پالا ہے اپنے بچوں کو۔ کبھی بھوکا نہیں سونے دیا۔ پھر کیسی ذلت؟ غلام محمد کے بچے ہیں یہ۔ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ادنیٰ غلام کے۔ مجھے یقین ہے یہ کبھی دنیا و آخرت میں میری رسوائی کا سبب نہیں بنیں گے۔ آپ چاہتے ہیں میں ان کی چند

روزنہ بہتر زندگی کے لیے آخرت کی رسوائی مول لے لوں۔؟ وہ وقت کہ جب اللہ جبار کی تعالیٰ کے جلال کے سامنے سوائے میرے آقا علیہ سلام کے کسی نبی کا سر نہیں اٹھ سکے گا اس وقت نبیوں کے سردار رحمتہ العلمین خدا کے محبوب محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سفارش سے دستبردار ہو جاؤں؟ چند فانی چیزوں کے لیے ان کی آن و شان کا سودا کرلوں۔ یہ سب کرلوں تو محشر کے روز کس منہ سے ان کی شفاعت طلب کروں گا؟ کس منہ سے سفارش کی بھیک مانگوں گا ان سے؟ شرم نہیں آئے گی مجھے ان کے سامنے سوالی بن کر کھڑا ہوتے ہوئے۔"

لسے تایا کی چنگھاڑ کے جواب میں اپنے باپ کی آنسوؤں میں ڈوبی آواز سنائی دی تھی۔ تبھی تایا پھر گرجا تھا۔

"تو نے چپ کر آخرت کا حال کس نے دیکھا ہے۔ اس وقت جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ اللہ بخشنے والا ہے۔ ہم شوق سے تھوڑی کررہے ہیں یہ سب مجبوری ہے۔ بیس سال ہو گئے حق حلال کی کھاتے ہوئے کیا ملا؟ تو چھوڑ یہ سب بھرے پیٹ والوں کی باتیں ہیں پیٹ میں آگ لگی ہو تو کیا مذہب کہاں کا حسب نسب۔ تو دیکھ تو رہا ہے کیا کیا نہیں ہو رہا اس ملک میں دولت کے لیے۔ جہاں یہ سب جائیں گے وہاں ہم بھی چلے جائیں گے۔"

"آپ جاسکتے ہیں بھاء۔ میں اتنی سہار نہیں رکھتا۔؟"

"نہیں رکھتے تو جاؤ بھاڑ میں۔ میری بلا سے۔" غلام محمد کے مختصر جواب پر تایا کو پھر اشتعال آیا تھا۔

"ساری عمر لوگوں کے بچوں کو نفع و نقصان کے سبق پڑھاتے ہیں کبھی اپنے بچوں کی طرف بھی دیکھ وہ کیا چاہتے ہیں ان کی کیا خواہشات ہیں؟ کہیں کا نہیں چھوڑتی یہ غربت انسان کو۔ ہر گناہ اسی کی کوکھ سے جنم لیتا ہے۔ چار پیسے ہاتھ آجائیں تو ہماری بھی تقدیر بدل جائے۔ ورنہ کون ایسا شخص ہے یہاں جو ایمان ہاتھ پر لیے نہ پھرتا ہو۔ موت کے [illegible] جا جا کر کہہ دے کسی ڈاکٹر سے کہ تیرا مفت علاج کر دے کیونکہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق ہے۔ سچا پکا مسلمان ہے۔ کون سنے گا تیری؟ صرف اس حوالے سے سر آنکھوں پر بٹھائے گا تجھے۔؟ نہیں۔ جوتیاں ماریں گے تجھے اور دھتکار کر پیسوں کے بغیر نکال باہر کریں گے۔ کوئی نہیں پوچھتا اس دنیا میں پیسوں کے بغیر۔ سب کی دولت کو سلام ہے۔ تجھے اتنا ہی غرور ہے اپنے ایمان پر تو جا کسی ہسپتال میں اور ایمان کا حوالہ دے کر ہو جا بھلا چنگا۔ ہوتا کیوں نہیں؟"

تایا کے اشتعال پر غلام محمد کی آنکھیں مزید شدت سے آنسو لٹانے لگی تھیں جبکہ اجالا کا دل اس لمحے جیسے کسی نے پاؤں تلے لے کر مسل ڈالا تھا۔

"کسی ڈاکٹر کی کیا مجال ہے بھاء کہ وہ مجھ سے نمانے کو بھلا چنگا کر دے۔ شفا دینے والی ذات تو میرے سوہنے رب کی ہے۔ وہی بھلا چنگا کرے گا مجھے۔ اسی کے سامنے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ سرٹیفکیٹ کی صورت کام آئے گا۔ وہی ہے بھاء جو دے کر بھی آزماتا ہے اور لے کر بھی۔ مردہ بکری کے بچے سے زیادہ حقیر اس دنیا کے لوگ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و حرمت کو کیا جانیں؟ وہ جن کے ایک اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو جائے انہیں اپنے ایک ادنیٰ غلام کو بھلا چنگا کرنا کیا مشکل ہے۔ یہ تو صرف آزمائش ہے بھاء۔ ورنہ ان کے در پہ تو بڑے بڑے بادشاہوں نے اپنی بادشاہی لٹادی۔ میری تو اوقات ہی کیا ہے۔"

آنسوؤں میں ڈوبا غلام محمد کا ایک ایک لفظ تایا کو بے چین کر رہا تھا [illegible] کہ وہ غلام محمد کے منہ [illegible] چپ کروا دیں۔

"تو کیا سمجھتے ہیں بھاء؟ یہ لوگ جو آپ سے آپ کے ایمان کا سودا کر رہے ہیں۔ انہیں آپ سے ہمدردی ہے۔ نہیں یہ صرف اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں۔ ان کا مقصد صرف ہمیں راہ راست سے بھٹکانا ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کرنا ہے۔ اسی لیے یہ کبھی ہم برسا کر اپنے اندر کی آگ ٹھنڈی کرتے ہیں تو کبھی ہماری غربت کو ڈھال بنا کر یہ ہم سے ہمارا ایمان خریدنے چلے آتے ہیں۔ یہی تو شان ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے وابستگی کی کہ محض ان سے جڑے ہونے کے باعث یہ ہمیں خریدتے ہیں۔ ہمارے ایمان کا مول لگاتے ہیں ورنہ دنیا بھری پڑی ہے رنگ رنگ کے مذہب والے بے آسرا لوگوں سے۔ ان کے پاس کیوں نہیں جاتے یہ۔ انہیں کیوں ایمان کے بدلے دولت میں نہیں تولتے۔"

"تیرا دماغ چل گیا ہے غلام محمد۔ سیدھی سی بات سمجھ میں نہیں آتی تجھے۔ اپنے حال کی طرف دیکھ ایک نظر، کوڑھ زدہ ہے تو۔ لوگ تو تیری طرف دیکھتے ہوئے بھی گھن آتی ہے۔"

"لوگوں کو گھن آتی ہے بھاء میرے مالک کو نہیں آتی۔ وہ اب بھی مجھے روزی دے رہا ہے۔ اس نے نہیں کہا مجھ سے کہ جا غلام محمد تجھے کوڑھ لگ گیا ہے اب تو میری عبادت کے قابل نہیں رہا۔ جا آج سے تیرا رزق بند ہے۔"

تایا کی بات درمیان میں کاٹتے ہوئے غلام محمد نے پھر زبان کھولی تھی۔

اجالا ابھی بھی وہیں بیٹھی رہی۔

"ٹھیک ہے اگر یہی تیری مرضی و منشاء ہے تو خوش رہ۔ میرا فرض تجھے سمجھانا تھا مگر تو خود ہی اپنا دشمن بنا ہوا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ میں تو آج سے ہی یہ بوسیدہ گھر یہ گندا محلہ یہ لوگ چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ تجھے عقل آجائے تو بتانا۔ آجاؤں گا تجھے لینے۔ نہیں تو پڑا سڑتا رہ یہاں۔ جب تجھے اپنا خیال نہیں تو میں کیوں کروں؟" تایا خفا ہو گیا تھا۔ اجالا کی جان پر بن گئی۔

وہ اس کا صرف تایا نہیں تھا۔ سسر بھی تھا۔ اسجد کا باپ بھی تھا۔ اس "اسجد" کا باپ کہ جس کی محبت خون بن کر اجالا کی رگوں میں سرایت کر رہی تھی۔ وہ ان کے رخصت ہوتے ہی لپک کر اپنے باپ کی طرف آئی تھی۔

"تایا کیوں آیا تھا ابا؟ اتنا غصہ کیوں ہو رہا تھا تجھ پہ؟"

غلام محمد نے بیٹی کے سوال پر سر اٹھانے سے پہلے آنکھیں جھٹک کی تھیں۔

"تیرے ابا کے ایمان کا سودا کرنے آیا تھا بیٹی۔ دنیا اور آخرت میں سے ایک چیز چن لینے کا سوال لے کر آیا تھا۔ میں نے آخرت چن لی۔"

"میں سمجھی نہیں ابا۔" وہ پریشان ہوئی تھی تو وہ بولے۔

"ہر کوئی کہاں سمجھ پاتا ہے میری دھی۔ ہر کسی کو کہاں سمجھ میں آتی ہیں یہ باتیں۔ اسی لیے تو نفسانی خواہشات غلبہ پالیتی ہیں اور انسان بھٹک کر اس راستے پر چل پڑتا ہے۔ جس کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔"

ان کی پلکیں اب بھی نم تھیں۔ اجالا حیران حیران سی انہیں دیکھے گئی۔

"تیرا تایا کہتا ہے میں اپنے دین سے پھر جاؤں۔ نبی آخری الزماں محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حرمت سے منکر ہو جاؤں۔ تم لوگوں کی چند روزہ عیش و عشرت کے لیے اپنے ایمان کا سودا کرلوں وہ دین کہ جس میں سکون و نجات ہے۔ اس میں ترمیم کرلوں۔ تو بتا اجالا! کیا میں نے ساری زندگی تم لوگوں کو پیٹ بھر کر کھلانے کے لیے کڑی محنت نہیں کی؟ کیا میرے رب نے تم لوگوں کو فاقے کی تکلیف دکھائی؟ کسی کڑے امتحان کی بھینٹ چڑھایا۔ اپنی ہزار نعمتوں کے ساتھ کبھی کوئی معمولی سی آفت میں بھی بے یار و مددگار چھوڑا؟ نہیں نا۔ پھر بھی پھر بھی تیرا تایا کہتا ہے کہ میں اپنے دین و ایمان سے پھر جاؤں۔ کیا میں کر سکتا ہوں ایسا؟ نہیں۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔

میرے رب کا احسان ہے مجھ پر کہ اس نے مجھے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی امت سے پیدا فرمایا۔ اس کا حق ہے مجھ پر کہ وہ مجھے جیسے حال میں رکھ کر آزمائے۔ میری اوقات نہیں ہے کہ میں اس رحیم و رحمن کو آزماؤں، اس سے اپنی مشکلات کا گلہ کروں۔ یا ان مصائب سے ہار مان کر اس کے نافرمان بندوں کی لسٹ میں شامل ہو جاؤں۔ کیا گارنٹی ہے ان لوگوں کے پاس کہ یہ ہمیشہ یونہی جیتے رہیں گے انہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔" دبا دبا سا جوش لیے غلام محمد کی آواز کانپ رہی تھی۔ اجالا کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے ابا۔ تایا اتنی بڑی بات کیسے کہہ سکتا ہے؟"

"وہ کہہ گیا ہے بیٹی۔ اس نے دنیا و آخرت میں سے دنیا چن لی ہے۔"

ابا کے الفاظ پر اجالا کو لگا جیسے اس کا دماغ سن ہو گیا ہو۔ "اگر تایا اپنے دین سے پھر رہا تھا تو اسجد؟" اور یہاں آکر اس کا دل بہت تیزی سے دھڑکا تھا۔

"میں اسجد سے بات کروں گی ابا۔ وہ تایا کو سمجھا دے گا۔ تو پریشان نہ ہو۔" باپ سے زیادہ خود کو تسلی دے کر وہ وہاں سے اٹھ آئی تھی مگر سکون و قرار جیسے اس کا بھی رخصت ہو چکا تھا۔ غلام محمد نے اس کی تسلی پر چپ چاپ پلکیں موندلی تھیں۔ یوں جیسے وہ کہیں گم ہو گئے ہوں۔

ان کے دماغ میں اس وقت ایک ہی شعر بار بار گونج رہا تھا۔

گنہگاروں کو جب جنت کے دروازے پہ روکیں گے
آواز آئے گی جانے دو یہ امت ہے محمد کی
اور آنسو تھے کہ بے اختیار بہتے چلے جا رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

بارش تیز ہو رہی تھی۔

بھاگتے پھولی سانسوں کے ساتھ اچانک اسے ٹھوکر لگی اور وہ منہ کے بل گر پڑی۔

"اللہ۔" تکلیف کی شدت سے اس کی سسکاری نکل گئی تھی۔ جبکہ آنکھوں میں جیسے ریت گھس آئی اس کا دوپٹہ جانے کہاں گر گیا تھا۔ تیز ہوتی بارش کی ہر بوند کے ساتھ اس کے حوصلے جیسے دم توڑ رہے تھے مگر پھر بھی وہ اٹھی تھی اور اس نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے پھر بھاگنا شروع کر دیا تھا۔ آبادی اب زیادہ دور نہیں رہ گئی تھی۔ پیروں میں پڑے آبلوں کی تکلیف کا احساس اسے اب ہونا شروع ہوا تھا۔

بارش کے پانی میں پڑتے قدموں کی چاپ قریب آرہی تھی اس نے اپنی رفتار مزید تیز کر لی۔

☼ ☼ ☼

"مصحف ۔۔۔ بس کر یار ۔۔۔ اور کتنی پیے گا تو؟"

وہ سب مصحف علی میر کے گھر پر "مصروف مستی" کر رہے تھے۔ جب اسے ایک اور پیگ تیار کرتے دیکھ کر شہریار نے گلاس اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ مصحف کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"آج نانو نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تو ساری حدود ہی پھلانگ جائے۔ تھوڑا بہت ہوش قائم رکھ۔ پھر کل اس وقت ہمارے جانے کے بعد سارا کام بھی سنبھالنا ہے۔" وہ اسے ڈانٹ رہا تھا۔ مصحف نے بے نیازی سے مسکرا دیا۔

"کام سنبھالتی ہے میری جوتی۔ تم سارے بندر کس مرض کی دوا ہو؟ جو گند بکھیرا ہے اسے سمیٹ کر بھی جاؤ۔"

"تم بھول رہے ہو شہزادے کہ یہ دعوت خالصتاً تمہاری طرف سے تھی۔"

"سو واٹ۔ چلو بیٹو شاباش۔ نانو کو ذرا بھی پتا چل گیا تو نکال باہر کریں گی گھر سے۔"

ہاتھ جھٹکے پیگ کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ عین اسی لمحے گیٹ پر زوردار دستک ہوئی۔

"مارے گئے۔ لگتا ہے نانو واپس آگئیں۔"

صرف ایک لمحے میں اس کا حال دیکھنے والا تھا۔ باقی سب جیسے اپنی جگہ فریز ہو گئے۔

"اب کیا ہو گا یار؟" شاہ میر نے لیپ کرائی وی آف کرتے ہوئے پوچھا تھا۔ جبکہ حمزہ نے میز پر پڑے لوازمات جلدی جلدی سمیٹنے شروع کر دیے تھے۔ دستک زور و شور سے جاری تھی۔

"لگتا ہے کسی نے مخبری کر دی ہے ہماری۔ ورنہ نانو اتنی جلدی نہیں لوٹ سکتیں۔" وہ بھی متفکر تھا۔

"خیر میں دیکھتا ہوں تم لوگ ذرا ادھر ادھر ہو جاؤ شاباش۔" کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے اس نے جلدی سے کپڑوں کی شکنیں درست کیں۔ پھر جل تو جلال تو کا ورد کرتا گیٹ کی طرف بڑھ آیا۔ یہ بھی اچھا تھا کہ چوکیدار آج چھٹی پر تھا ورنہ جانے کیا ہوتا۔

گیٹ تک آتے آتے کوئی دسویں بار پھر دستک ہوئی تھی۔ مصحف نے مزید تاخیر کیے بنا جلدی سے گیٹ وا کر دیا' نانو کے ڈر سے اسے باہر موجود ہستی کی تصدیق کرنے کا خیال بھی نہیں آیا تھا اور ادھر بارش تھی کہ پل میں اسے اچھا خاصا بھگو گئی تھی۔

گیٹ کھلتے ہی کوئی تیزی سے اندر داخل ہوا تھا اور پھر جس تیزی سے وہ اندر داخل ہوا تھا اسی تیزی سے اس نے گیٹ کو لاک بھی کیا تھا۔

"کون ہو تم؟" جونہی وہ پلٹی مصحف کی آنکھوں میں حیرانی اتر آئی جبکہ وہ بے ترتیب سانس درست کرتی وہیں گیٹ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

"وہ۔ وہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔ خدا کا واسطہ ہے آپ کو انہیں اندر آنے مت دینا۔"

وہ نا صرف رو رہی تھی بلکہ کانپ بھی رہی تھی۔ مصحف الجھ کر رہ گیا۔

"کون لوگ مار ڈالیں گے تمہیں۔"

"وہ۔ وہ میرے پیچھے آرہے ہیں' انہوں نے۔ انہوں نے مجھے دیکھ لیا ہے۔" وہ اب رو بھی رہی تھی۔ مصحف کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اسے گیٹ کھولنے پر کسی ایسی صورت حال کا سامنا بھی کرنا پڑ سکتا ہے۔ لڑکی کے خدشے کے عین مطابق گیٹ پر اب ایک بار پھر دستک ہو رہی تھی۔ مصحف نے دیکھا لڑکی کا چہرہ خوف سے لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا تھا۔ اسی لمحے شہریار' حمزہ اور شاہ میر اس کے پیچھے آگئے تھے۔

"مصحف۔ سب ٹھیک تو ہے نا؟"

"ہوں۔۔ تم ذرا گیٹ کھولو اور باہر جو بھی ہو اسے یہاں سے دفعان کرنے کی کوشش کرو' میں ذرا اس لڑکی سے نبٹ لوں۔" فی الحال انہیں کچھ بھی بتانے سے گریز کرتے ہوئے اس نے لڑکی کو اٹھنے کا اشارہ کیا اور اندر ٹی وی لاؤنج کی طرف بڑھ گیا۔ لڑکی شکستہ قدموں سے اس کے پیچھے آئی تھی' جبکہ وہ تینوں ہونقوں کی طرح منہ اٹھائے یہ سب دیکھتے رہے۔ دستک ایک مرتبہ پھر جاری تھی۔ شاہ میر نے آگے بڑھ کر گیٹ کھول دیا۔

"جی فرمایئے۔" باہر کھڑے دو صحت مند' چست و چالاک لڑکوں کو دیکھتے ہوئے اس نے تیوری چڑھائی تھی' جب ایک لڑکا آگے بڑھا۔

"ابھی جو لڑکی اس گھر میں داخل ہوئی تھی اسے باہر نکالو۔"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے' یہاں کوئی نہیں آیا۔"

"ہم نے خود دیکھا ہے اسے۔ زیادہ اسمارٹ بننے کی ضرورت نہیں ہے۔" دوسرا لڑکا پیچھے سے چلایا تھا۔ شہریار کو غصہ آگیا۔

"تم سائیڈ پر ہو شاہ میر۔ میں نبٹتا ہوں ان سے۔"

"نہیں۔۔ فضول میں ہمیں کسی کے منہ لگنے کی ضرورت نہیں ہے۔" نرمی سے کہتے ہوئے اس نے گیٹ بند کرنے کی کوشش کی تھی' جب آگے کھڑے لڑکے نے گیٹ کو زوردار ٹھوکر ماری اور شاہ میر لڑکھڑا گیا۔

"ہمارا شکار تم ہڑپ نہیں کر سکتے' سمجھے۔" وہ دونوں وارننگ دیتے ہوئے اندر گھس آئے تھے' پیچھے کھڑے لڑکے کے ہاتھ میں پسٹل تھی' مصحف لڑکی سے پوچھ گچھ کا ارادہ ترک کرتا خود بھی تیزی سے باہر دوڑ آیا۔

"کیا بدتمیزی ہے؟" اسے معاملے کی سنگینی کا احساس ہو گیا تھا۔ سارا نشہ اس لمحے جیسے ہوا ہو گیا۔ تب ہی وہ چلایا تھا۔ شاہ میر اور حمزہ اب لڑکوں سے گتھم گتھا ہو رہے تھے' جبکہ شہریار ان کے بچاؤ کی کوشش کر رہا تھا۔

"کتنے چوہے گھسا رکھے ہیں یہاں؟" پسٹل والے لڑکے نے حمزہ کے سر پر وار کیا تھا۔ تاہم اس سے پہلے کہ وہ فائر کرتا' مصحف نے اسے قابو کر لیا۔

"چوہے نہیں' شیر ہیں یہ۔۔۔ شیر۔ چوہے تو تم لوگ ہو' جو بزدلوں کی طرح گھس آئے ہو۔"

"شٹ اپ۔" لڑکا چلایا تھا اور اس کے ساتھ ہی پسٹل چھیننے کی کوشش میں فائر ہو گیا جو سیدھا مصحف کے دائیں بازو میں لگا۔ وہاں فضا میں ایک نسوانی چیخ بلند ہوئی تھی اور اسی کے ساتھ شہریار اور حمزہ ان لڑکوں پر بھوکے شیروں کی طرح پل پڑے' جبکہ شاہ میر مصحف کو سنبھال رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" دایاں بازو لٹک جانے کے باوجود اس نے اپنے دوست کو تسلی دی تھی کہ ان چاروں کی جان تھی ایک دوسرے میں۔ لڑکے اچھی خاصی درگت کے بعد وہاں سے بھاگ گئے۔ تاہم حمزہ اور شہریار کو معمولی سا زخمی بھی کر گئے۔

"سوری یار۔" مصحف ان تینوں سے شرمندہ تھا کہ اسی کی وجہ سے اس کے دوستوں کو یہ مشکل فیس کرنا پڑی' تاہم وہ تینوں اسے گھور رہے تھے۔

"ایک نمبر کے احمق ہو تم۔ کیا ضرورت تھی اس شر کو گھر میں پناہ دے کر رہا چند اصول لینے کی؟ پتا تو ہے ان لڑکیوں کا' پہلے چکر چلا لیتی ہیں' ماں باپ کی عزت کا سودا کرتی ہیں' پھر گھروں سے بھاگ کر ایسے اوباشوں کے ہاتھ لگ جاتی ہیں تو چیختی ہیں' ہم چاروں کو مروا دیا تھا اس نے۔" حمزہ کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ لڑکی کا چہرہ تھپڑوں سے سرخ کر دیتا۔ مصحف خود بھی پچھتا رہا تھا۔ اگر نانو وہاں ہوتیں تو اس کی اچھی خاصی کلاس یقینی تھی۔

"چل اب۔ اس بازو کا کچھ کروا' دیکھ کیسے خون رس رہا ہے۔" شاہ میر کی نظر اس کے زخمی ہاتھ پر تھی' شہریار تیزی سے گیراج کی طرف بڑھ گیا۔

"تم ذرا اس لڑکی کا دھیان رکھنا حمزہ۔ ہم ابھی واپس آکر خبر لیتے ہیں اس کی۔" گیٹ سے باہر نکلتے نکلتے شہریار حمزہ کو ہدایت کرنا نہیں بھولا تھا۔ حمزہ چپ چاپ اثبات میں سر ہلا کر گیٹ بند کرتے ہوئے ٹی وی لاؤنج میں پلٹ آیا' جہاں وہ ایک کونے میں دبکی بیٹھی شدت سے رو رہی تھی۔

"اب کیا مصیبت پڑ گئی ہے تمہیں جو یوں رو رہی ہو۔ میرے یار کو تو فائر لگوا دیا ہے' اب کیا چاہتی ہو وہ کسی دن آکر یہاں سب کا کام تمام کر جائیں؟" اسے غصہ آیا تھا۔ لڑکی نے منہ گھٹنوں میں چھپا کر اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹ دیا۔

"ہونہہ۔۔ پہلے جوانی قابو میں نہیں آتی' کوئی آگے سے ہوشیار نکل آئے تو جان بچانے کے لیے بھاگتی پھرتی ہیں اور دوسروں کو مصیبت میں ڈالتی ہیں' میرا بس چلے تو تم جیسی ساری لڑکیوں کو سولی پر لٹکا دوں۔" وہ آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ لڑکی نے سر گھٹنوں سے نہیں اٹھایا۔ اگلے پون گھنٹے میں مصحف لوگ واپس آگئے۔ شہریار اور شاہ میر دونوں ہی اس کے لیے متفکر تھے۔

"یہ مصیبت ابھی تک یہیں موجود ہے۔ نکال باہر کیوں نہیں کیا اسے؟" ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوتے شہریار کی چنگھاڑ پر لڑکی نے سر گھٹنوں سے اٹھایا تھا۔ وہ اسی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ شاید اسے پکڑ کر دھکے دیتے ہوئے گھر سے نکالنے کے لیے۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" اس کے سامنے پہنچ کر وہ دھاڑا تھا۔ لڑکی چپ چاپ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے معصوم چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔

"کہاں جاؤں اس اندھیری طوفانی رات میں؟ جبکہ باہر بھیڑیے گھات لگائے بیٹھے ہیں' اگر میں آپ کی بہن ہوتی تو کیا تب بھی آپ۔۔"

"تم جیسی بہن ہوتی میری تو یہاں تک نوبت ہی نہیں آتی' میں پہلے ہی گلا دبا کر کام تمام کر دیتا تمہارا۔۔" وہ چلایا تھا۔ مصحف ایک نظر لڑکی کے ستے ہوئے چہرے پر ڈالتا خاموشی سے صوفے پر ٹک گیا۔

"تو پھر گلا دبا کر کام تمام کر دیجیے میرا۔ ذلت کی موت سے عزت کی موت ہزار بار قبول ہے مجھے۔" لڑکی کا اعتماد شاید بحال ہو چکا تھا۔ شہریار اس کی ہٹ دھرمی پر جھنجلا اٹھا۔

"بہت ہوشیار سمجھتی ہو اپنے آپ کو۔ میں کیوں تم جیسی دو ٹکے کی لڑکی کا خون اپنے سر لوں؟"

"دو ٹکے کی بھی نہیں ہوں میں۔" اس کی نفرت پر وہ چلائی تھی۔

"ایک ٹکے کی حیثیت بھی نہیں ہے میری' آپ اپنی طرف دیکھیے' آپ کتنے ٹکوں کے ہیں؟" وہ اب خوف کا شکار نہیں تھی۔ شہریار کے ساتھ ساتھ باقی تینوں بھی اس کی جرأت پر دنگ رہ گئے۔

"صرف ایک رات پناہ دے دیجیے اس چار دیواری میں' صبح کہیں نہ کہیں چلی جاؤں گی۔" اگلے ہی پل ٹون بدلی تھی اور وہ ایک نظر ان چاروں پر ڈالتی ٹی وی لاؤنج سے باہر نکل گئی تھی۔

"یار یہ لڑکی ہے یا کوئی بلا ہے۔" شاہ میر متفکر ہوا تھا' مصحف مسکرا دیا۔

"مجھے تو بلا ہی لگتی ہے کوئی' باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔"

"کم بخت نے سارے رنگ میں بھنگ ڈال دیا' صبح نانو کی واپسی سے پہلے اسے یہاں سے دفعان کر دینا' نہیں تو ہم چاروں کی خیر نہیں ہے۔" شہریار تھکا تھکا سا

مصحف کے برابر جم گیا تھا۔ تب ہی حمزہ ہونٹ دباتے ہوئے بولا۔

"نقصان ہی کرنا ہے تو کیوں نہ موقع سے فائدہ اٹھائیں' شراب موجود ہے' شباب کا انتظام قدرت نے کر دیا' دیکھا نہیں کیا غضب کا سراپا ہے اس کا۔" اس کی تجویز پر ان تینوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

"وہ ایسی لڑکی نہیں ہے۔" مصحف نے نظریں چرائی تھیں۔

"تمہیں کیسے پتا وہ ایسی لڑکی نہیں ہے؟" حمزہ کو اس کی فوری بری لگی تھی۔

"پتا نہیں۔ بس اسے دیکھ کر لگتا ہے وہ ایسی لڑکی نہیں ہے۔"

"واہ۔ سبحان اللہ۔ ایک ہی رات میں بڑے نظر شناس ہو گئے ہو' جتنی مصیبت میں اس نے ہمیں ڈالی ہے اس کے بعد ہمارا یہ حق بنتا ہے کہ ہم اس سے لطف اٹھائیں۔"

"شٹ اپ حمزہ۔ وہ کسی مشکل کا شکار بھی ہو سکتی ہے۔ ہم لاکھ عیاش سہی' ہم اتنے بھی گرے ہوئے نہیں ہیں کہ پناہ دے کر کسی کو لوٹ لیں۔"

"یاروں سے غداری' غیروں سے وفاداری' واہ۔" شاہ میر کے لبوں پر تمسخرانہ مسکراہٹ پھیلی تھی' مصحف جھنجلا گیا۔

"بھاڑ میں جاؤ تم لوگ میری بلا سے۔"

"اوکے یار۔ فی الحال تو گھر جا رہے ہیں۔ ورنہ میرے تو ہٹلر فادر شام کے بعد گھر سے نکلنے پر پابندی لگا دیں گے' تو گرم نہ ہو۔ عیش کر۔" شاہ میر سب سے پہلے کہتے ہوئے کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ حمزہ اور شہریار بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

"جانے کو دل تو نہیں چاہتا' پھر بھی مجبوری ہے یار۔ کسی بھی قسم کی کوئی گڑبڑ ہو تو فوری اطلاع دینا۔ میرا آج رات سونے کا کوئی موڈ نہیں۔" حمزہ نے اس کا کاندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا' مصحف [illegible] بے نیاز بیٹھا رہا۔

"چل اٹھ اب۔ گیٹ لاک کر لے۔ جا رہے ہیں ہم۔"

اس بار شہریار نے صدا لگائی تھی۔ مصحف قطعی دل نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ باہر بارش اب تھم چکی تھی۔ اس کا دماغ جیسے رفتہ رفتہ سن ہو رہا تھا۔ کچھ تو نشے کا اثر تھا اور کچھ دوا کا' وہ گیٹ لاک کر کے واپس پلٹا تو لڑکی گھٹنوں میں سر دیے وہیں برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی دکھائی دی' وہ اسے یکسر نظر انداز کرتا اندر چلا گیا اور کچھ ہی دیر میں شدت سے طاری ہوتی غنودگی نے اسے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیا۔

☆ ☆ ☆

"کون ہو تم؟" ہٹلر نانو کی سواری باد بہاری اگلے روز مصحف کی بے داری سے قبل ہی پہنچ گئی تھی۔ گیٹ بخار میں جلتی پھنکتی لڑکی کو کھولنا پڑا تھا' تب ہی وہ گھسی تھیں۔

"جی میں۔ میں ایمان۔" گڑبڑا کر وہ محض یہ ہی جواب دے سکی۔ نانو ٹیکسی والے کو فارغ کرنے کے بعد اسے سائیڈ پر کرتی ہوئی اندر چلی آئیں۔

"کون ایمان؟ یہاں کیا کر رہی ہو؟" رات [illegible] جس نانو کا ذکر کرتے ہوئے وہ ڈر رہے تھے۔ وہ [illegible] یہ وہ ہی نانو ہیں اور انہیں دیکھتے ہوئے [illegible] قطعی مشکل نہیں تھا کہ اب اس کی شامت [illegible] کیا ہی چاہتی ہے۔ تب ہی وہ سر جھکا [illegible]

"بولتی کیوں نہیں [illegible] مجھے پہلے ہی شک تھا اس لڑکے نے ضرور [illegible] رکھا ہے۔ تب ہی شادی کی بات [illegible] آج آنکھوں دیکھ کر ثبوت بھی مل [illegible] مجھے' میں اچانک نہیں آسکتی یہ [illegible] مصحف کا بچہ۔ ذرا اس کو [illegible] اس [illegible]"

تیز لہجے میں بولتے بولتے وہ اس کی خاموشی پر اندر کی طرف بڑھ گئی تھیں۔ مگر مصحف کے کمرے کی کھلی دہلیز پر قدم رکھتے ہی انہیں ایک اور جھٹکا لگا تھا۔ نظر کے سامنے ہی وہ بے ترتیب سائیڈ پر لیٹا تھا اور اس کے دائیں بازو پر پٹی بندھی تھی جس پہ لگا خون صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے وہ جیسے دہل ہی گئیں۔

"مصحف۔" سارا غصہ' ساری خفگی بھولتے ہوئے وہ اس کی طرف لپکی تھیں۔ گہری نیند میں سوئے مصحف کی آنکھ بمشکل ہی کھل سکی۔

"نانو۔ آپ کب آئیں؟"

"ابھی آئی ہوں' تو بتا یہ بازو پر کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں نانو۔ ذرا سی چوٹ آگئی ہے۔" "آپ اندر کیسے آگئیں؟ کیا دیوار پھلانگ کر؟" وہ حیران ہوا تھا' نانو سلگ گئیں۔

"ہاں۔ اس عمر میں دیواریں ہی پھلانگوں گی تو مجھ سے تجھے۔" ایک [illegible] تھا بازو پر اور وہ کراہ کر رہ گیا۔

"ہائے۔"

"ہائے کے بچے۔ وہ لڑکی بتا کون ہے جو باہر کھڑی ہے؟"

"مجھے کیا پتا کون ہے' ہو گی کوئی آپ کی ہوتی سوتی۔" ابھی اس کا دماغ روشن نہیں ہوا تھا۔ اچانک رات کا خیال آیا تو آنکھیں پٹ سے کھل گئیں۔

"وہ گئی نہیں ابھی تک۔" بے خیالی میں وہ لونچا بڑبڑا گیا تھا۔ نانو کے ہاتھ سرا لگ گیا۔

"دیکھا میں کہتی تھی نا کوئی چکر ہے' ہائے اب کیا جواب دوں گی انصی کو میں۔ وہ بے چاری تو میری آس پر ہی چار سال سے جوان بیٹی لے کر بیٹھی ہے۔" ان کے افسوس بھرے بیانات جاری ہونا شروع ہو گئے تھے۔ مصحف بوکھلا کر رہ گیا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے نانو۔ آپ کی قسم میں تو اسے جانتا بھی نہیں' آپ چاہیں تو ابھی بلا کر پوچھ لیں اس سے۔" انصی خالہ کی جوان بیٹی سے ہاتھ دھونے کا حوصلہ اس میں نہیں تھا' تب ہی فوراً "صفائی" پیش کی تھی مگر نانو نے اس کا قطعی یقین نہیں کیا۔

"بکواس بند کر۔ تو جانتا نہیں تو وہ ہمارے گھر میں کیا کر رہی ہے؟"

"مجھے کیا پتا کیا کر رہی ہے' میں تو ابھی اٹھا ہوں' اسی سے پوچھیے نا وہ کیا کر رہی ہے۔" وہ چاہتا تھا لڑکی اپنی کہانی اپنی زبانی نانو کو سنا کر اپنی اور اس کی پوزیشن کلیئر کرے۔ تب ہی اس نے انہیں کچھ بھی بتانے سے احتراز کیا تھا۔ نانو اب کمرے سے باہر جا رہی تھیں' وہ بھی ان کے ساتھ ہی بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اے لڑکی۔ ادھر آؤ۔" جارحانہ تیوروں کے ساتھ نانو کی توپوں کا رخ اس اجنبی لڑکی کی جانب مڑ چکا تھا جو ابھی بھی اپنا وجود سمیٹے بیٹھی تھی۔ مصحف کو بے ساختہ ہی عجیب سی شرمندگی کا احساس ہوا' وہ ساری رات سرد موسم میں بنا کسی آنچل کے کیسے باہر بیٹھی رہی ہو گی؟

"جی۔" لڑکی کے چہرے سے ہی اس کی طبیعت کی خرابی کا پتا چل رہا تھا۔

"کون ہو تم۔ اور یہاں اس گھر میں کیا کر رہی ہو؟"

نانو خود چل کر اس لڑکی تک آئی تھیں۔ جبکہ مصحف شرمندہ سا وہیں کھڑا رہا۔

"بتایا تو ہے میرا نام ایمان ہے۔ اور میں۔ یہاں کیا کر رہی ہوں۔ تو یہ ان سے پوچھیے' اپنے نواسے سے۔ جس نے اپنا نام تو دے دیا مگر کوئی مقام نہیں دیا۔"

کوئی بم ہی تھا جو مصحف اور نانو کو اپنی سماعتوں میں بلاسٹ ہوتا سنائی دیا تھا۔ نانو نہیں جانتی تھیں کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس اجنبی لڑکی کے سامنے اپنے نواسے پر جس شک اور بداعتمادی کا اظہار وہ کر کے گئی تھیں اسی نے اس اجنبی لڑکی کو پناہ اور تحفظ کے لیے جھوٹ کی یہ راہ دکھائی تھی۔

"واٹ۔" مصحف اس کے سفید جھوٹ پر شاکڈ رہ گیا تھا۔ تب ہی وہ اس کی طرف لپکا تھا۔

"یہ کیا بکواس ہے۔ میں تو جانتا بھی نہیں تمہیں۔ صاف صاف بتاؤ نانو کو کہ کون ہو تم اور رات کن لڑکوں کے خوف سے یہاں اس گھر میں پناہ لی تھی تم نے۔"

وہ نانو کی شکی طبیعت سے بخوبی واقف تھا' تب ہی گھبرا گیا تھا مگر لڑکی نے پروا نہیں کی۔ عجیب بے نیازی سے وہ اب بھی کہہ رہی تھی۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اتنے بزدل نکلو گے۔ ورنہ ماں باپ کے گھر کی دیواریں کبھی پھلانگ کر نہ آتی تمہارے لیے۔ مجھے کیا پتا تھا نکاح کے بعد بھی کسی کچرے کی طرح چھپاتے پھرو گے تم مجھے...... ورنہ کبھی تمہارے ساتھ یہاں نہ آتی۔" اس کی آنکھیں اب آنسوؤں سے جھلملائی تھیں۔ نانو کا دل اس کی حالت پر پگھل گیا۔

"نری بکواس ہے یہ۔ تم نانو کے سامنے میرا امیج خراب کر رہی ہو' یہ صلہ دیا ہے میرے احسان کا۔ اس سے تو بہتر تھا میں رات ہی دھکے دے کر یہاں سے نکال باہر کرتا تمہیں۔"

"ہاں۔ مجھ غریب لاوارث سے نکاح کر کے احسان ہی تو کیا ہے آپ نے۔ مگر کب تک یہ بات سب سے چھپائیں گے آپ۔ ایک نہ ایک دن تو کسی کو پتا لگنا ہی تھا تو پھر آج کیوں نہیں۔ نانو بھی ایک عورت ہیں' یہ میرے ساتھ کبھی ظلم نہیں کریں گی۔ مجھے یقین ہے۔" بلا کی خود اعتمادی تھی اس کے لہجے میں۔ مصعف کی عقل جواب دے گئی۔

"بند کرو یہ ڈرامہ۔ خوب سمجھ گیا ہوں میں تم جیسی آوارہ بدچلن لڑکی کی چال' تم یہ ساری بکواس کر کے میری نانو کو بے وقوف بنانا چاہتی ہو' تاکہ جتنا مال یہاں اس گھر سے ہاتھ لگ سکتا ہے اڑا کر اپنے ان رات والے عاشقوں کی مدد کر سکو۔ سچ کہتا تھا حمزہ تم شر ہو۔ تم لڑکیوں سے بھلائی کی امید رکھنا ہی بے وقوفی ہے۔"

وہ چلا تھا اور جی بھر کر چلا تھا۔ لڑکی کے آنسوؤں کی روانی میں مزید شدت آ گئی۔ تبھی نانو بولی تھیں۔

"بکواس بند کرو مصعف' بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں میں تمہیں۔ یہ بچی جھوٹ نہیں بول رہی۔ یہ تم ہو جو جھوٹے ہو۔"

"نانو۔ نانو آپ اس دو ٹکے کی آوارہ' بدچلن اجنبی لڑکی کو اپنے نواسے پر ترجیح دے رہی ہیں۔" وہ شدت غم سے جیسے گنگ ہی تو ہو گیا تھا۔

"ہاں۔ کوئی بھی لڑکی اپنی عزت کے لیے اتنی بڑی بات یونہی نہیں کہہ سکتی۔ کر لیا اچھا ہے کر لیتی کسی کو گھر میں گھسنے دے۔" نانو بھی اپنے نام کی ایک ہی تھیں۔ وہ سر پیٹ کر رہ گیا۔

"ایک منٹ رکیں' میں ابھی حمزہ' شہریار' شہلا میر وغیرہ کو بلاتا ہوں' وہی دودھ کا دودھ پانی کا پانی کریں گے آپ کے سامنے۔"

"بس رہنے دو۔ بڑے آئے وہ جادوگر کہیں کے جیسے تم ویسے تمہارے دوست۔ میں اس بچی کو بے آسرا نہیں چھوڑ سکتی۔"

وہ واقعی رحم دل خاتون تھیں۔ ایمان نامی لڑکی کی آنکھیں تشکر کے آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"چلو بچی۔ اندر چلو۔" لڑکی کے حال پر دل گرفتہ ہوتی وہ بنا مصعف کی پروا کیے اسے اندر لے گئی تھیں۔ پیچھے مصعف اپنا درد' اپنا زخم بھول کر ان تینوں کے تمبر زادی کر رہا تھا جو رات بھر جاگنے کے بعد اب خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

ان کا گھر اگرچہ پرانی طرز کا بنا ہوا تھا مگر وہ ان کے سر چھپانے کے لیے ایک بہترین ٹھکانہ تھا۔ عبداللہ صاحب نے اپنی زندگی میں ہی دونوں بیٹوں کے حصے الگ کر دیے تھے۔ غلام عباس صاحب بڑے تھے اور ان کی کپڑے کی دکان تھی جبکہ غلام محمد صاحب ان سے پورے چھ برس چھوٹے تھے اور انہوں نے باپ کی خواہش پر درس نظامی پاس کر کے مقامی اسکول میں درس و تدریس کا پیشہ اپنایا تھا۔

عبداللہ صاحب مقامی مسجد کے امام تھے اور ان کی زندگی کے سال لوگوں کو اچھائی و بھلائی کی تلقین کرتے ہی بسر ہوئے تھے۔ یوں تو دونوں بیٹوں پر ان کا رعب تھا تاہم غلام محمد صاحب اپنے اچھے اوصاف کی بنا پر ان کے زیادہ قریب تھے اور ان کا زیادہ وقت عبداللہ صاحب کے ساتھ ہی مسجد میں بسر ہوتا تھا۔

ان کی ماں ایک نیک اور پرہیزگار خاتون تھیں۔ جن کے وجود کی ایک انوکھی سی خوشبو سے سارا گھر مہکتا تھا۔ عبداللہ صاحب اکثر انہیں بتاتے تھے کہ ان کی زندگی اور جوانی شادی سے پہلے بہت فضول تھی' زندگی میں "سہاگ بھری" کی آمد کے بعد' وہ جیسے جادوئی طریقے سے بدلتے چلے گئے۔ ایک نیک مومن عورت نے اپنی محبت اور کوششوں سے انہیں اللہ سے بہت قریب کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی وفات کے بعد وہ بہت زیادہ عاجز ہو گئے تھے۔ ساری ساری رات مسجد میں ایک کونے میں بیٹھے اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے اور پرسکون و خوش رہتے۔

عبداللہ صاحب کی غلام محمد صاحب سے خصوصی انسیت کے باعث غلام عباس صاحب کی کبھی اپنے چھوٹے بھائی سے نہیں بنی تھی۔ وہ اپنی من مانی کرنے والے ضدی انسان تھے' یہی وجہ تھی کہ ابھی اٹھارہ سال کے ہوئے تھے کہ ایک روز بنا کسی کو بتائے اپنی دکان پر آنے والی ایک خوبصورت دوشیزہ سے چوری چھپے شادی کر لی' بات زیادہ دن چھپی نہیں رہ سکی تھی' یہی وجہ تھی کہ محلے میں بے پناہ اچھی شہرت رکھنے والے عبداللہ صاحب نے بیٹے کی اس شرمناک حرکت کو دل پر لیا کہ پھر سنبھل ہی نہ سکے اور پندرہ روز کے اندر اندر دل کے دورے کا شکار ہو کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

باپ کی وفات کے بعد غلام محمد صاحب دنیا سے مزید کنارہ کش ہو کر اللہ رب العزت کی پاک و بے نیاز ذات سے اور قریب ہو گئے۔ ادھر غلام عباس کی شادی کو ابھی ایک سال ہی ہوا تھا کہ قدرت نے انہیں بے حد خوبصورت بیٹے سے نواز دیا۔ تاہم یہ شادی زیادہ عرصے نہیں چل سکی تھی۔ گھر میں روز کا معمول بنتے چھوٹے چھوٹے جھگڑوں کا انجام بالآخر طلاق پر ہوا تھا اور یوں غلام عباس صاحب شادی کے محض دو سال بعد بیوی کے ساتھ ساتھ بچے سے بھی محروم ہو گئے۔

غلام محمد صاحب کی شادی ان کی مرضی کے قطعی خلاف غلام عباس صاحب نے اپنی مرضی سے کی تھی۔ کیونکہ دوسری بار وہ جس خاتون سے شادی کے خواہشمند تھے ان کے گھر والے اپنی دونوں بیٹیاں ایک ہی گھر میں بیاہنے کا ارادہ رکھتے تھے یوں بھائی کی پسندو خوشی کو اہمیت دیتے ہوئے غلام عباس صاحب نے رشتہ بنانے کے لیے ان کی خالص ذاتی زندگی کا فیصلہ بھی خود کر لیا اور شہناز بیگم کے ساتھ ساتھ شمشاد بیگم بھی پورے چاؤ کے ساتھ بیاہ کر اس گھر میں چلی آئیں۔

غلام محمد صاحب نے دل ٹوٹنے کے باوجود صرف اپنے بھائی کا مان رکھنے کے لیے اپنی تیکھے مزاج کی گمراہ بیوی کے ساتھ نبھانے کی پوری کوشش کی اور اس کے بطن سے جنم لینے والے اپنے بچوں اجالا' عباد' عمرا' حمنہ اور سعد کی بہترین پرورش میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ وہ مقامی اسکول میں درمیانے درجے کے استاد تھے اور اپنی پوری تنخواہ بیوی کے ہاتھ پر لا کر رکھتے تھے۔ اس کے باوجود گھر میں لڑائی تھی کہ کبھی ختم نہ ہوتی تھی۔

غلام عباس صاحب کے دوسری بیوی سے دو بیٹے اسجد اور ولید تھے جبکہ ایک بیٹی ماریہ تھی۔ غلام محمد صاحب کی نسبت ان کے گھر میں امن تھا کیونکہ وہ بیوی اور بچوں کے حکم کے غلام تھے اور ان کی خوشی و خواہشات کے لیے جائز و ناجائز حدود ان کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی تھیں۔

غلام محمد صاحب کے بچوں میں اجالا اپنے نام کی طرح بے حد صاف رنگت کی حامل نہایت خوبصورت لڑکی تھی' اسی لیے اس کی پیدائش پر شہناز بیگم نے اسے اپنے بڑے بیٹے اسجد کے لیے مانگ لیا تھا۔ وہ ابھی میٹرک میں تھی کہ غلام محمد صاحب ایک چھوٹے سے ایکسیڈنٹ کا شکار ہو کر ٹانگ پر چوٹ لگوا بیٹھے' مناسب علاج نہ ہونے کے سبب زخم بگڑتا گیا اور آہستہ آہستہ کوڑھ میں بدل گیا۔ بچے بڑے ہو رہے تھے اور حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے گھر میں فاقوں نے ڈیرے ڈالے تو ان کی بیوی شمشاد بیگم نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور زبردستی طلاق لے کر اپنا علیحدہ گھر بسا لیا۔ ماں کے اس اقدام نے بچوں کے ذہنوں پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ وہ سب باپ سے متنفر تھے کیونکہ

شہناز بیگم اور غلام عباس صاحب نے رشتے کی اس ناکامی کا سارا ملبہ انہی پر ڈالا تھا۔ اجالا کے سوال کے بھی بچے شہناز بیگم کی مٹھی میں تھے اور انہوں نے ان کے ذہن خراب کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

زندگی کے ایسے کٹھن حالات میں صرف "اسجد" کی ذات تھی جو اجالا کے لیے زندگی کی واحد دلچسپی کا مرکز تھی۔ اس نے پرائیویٹ ایف اے کے بعد ایک فیکٹری میں سلائی کا شعبہ جوائن کرلیا تھا۔ جبکہ غلام محمد صاحب نے بھی اسکول والوں کی طرف سے معذرت کے بعد اپنے گھر میں ہی بیٹھک کو اپنا ذریعہ معاش بنالیا اور وہاں روز مرہ استعمال کی چیزیں رکھ کر سارا سارا دن بیٹھے رہتے۔ اجالا نے جب سے ہوش سنبھالا تھا' اپنے باپ کو بے حد پرہیز گار پایا۔ اکثر راتوں میں اس کی آنکھ کھلتی تو وہ جائے نماز پر بیٹھے سسکیاں بھر رہے ہوتے تھے۔ اس نے کبھی انہیں حالات سے دل برداشتہ نہیں دیکھا تھا یوں لگتا تھا جیسے اللہ رب العزت کی پاک و بے نیاز ذات سے لو لگانے کے بعد دنیا ان کے لیے گھاس کے تنکے سے بھی زیادہ حقیر ہو کر رہ گئی تھی۔

بڑے سے بڑے نقصان پر بھی اس نے کبھی انہیں پریشان نہیں دیکھا تھا۔ اور یہی بات شہناز بیگم و شمشاد بیگم کو چڑاتی تھی۔ حالات ابھی ٹھیک سے سنبھلے بھی نہ تھے کہ ایک روز غلام عباس صاحب کی کپڑے کی دکان میں آگ لگ گئی اور سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا۔ اسجد شہر سے باہر پڑھ رہا تھا اور ہاسٹل میں رہتا تھا پیچھے غلام عباس صاحب اور ان کے ملازم ہی ہوتے تھے۔ تقدیر کی طرف سے اس آفت پر صبر کرنے کا حوصلہ غلام عباس صاحب اور ان کی بیوی میں نہیں تھا' یہی وجہ تھی کہ وہ راہ راست سے بھٹکنے لگے تھے۔

اسجد کا کالج میں آخری سال تھا اور اجالا اسے پریشان نہیں دیکھ سکتی تھی یہی وجہ تھی کہ ان کے گھریلو حالات خراب ہونے کے بعد وہ اس کی مدد کر رہی تھی۔ اپنی ہر ضرورت سے کٹ کر جتنے پیسے بھی وہ جمع کرتی سب اسجد پر وار دیتی۔ اس کی اولین خواہش تھی کہ اسجد کا ہر خواب پورا ہو' وہ کبھی کسی مشکل کا سامنا نہ کرے۔ آخر اسجد بھی تو بچپن سے اس کا بہت خیال رکھتا آیا تھا۔

اگر اجالا کی آنکھوں میں اس کے خواب تھے تو اس کی بھی جان تھی اجالا میں۔ کوئی بھی خوشی یا غم ہوتا اجالا سے جب تک شیئر نہ کرلیتا اسے قرار نہیں ملتا تھا۔ گھر سے دور رہ کر بھی اسے ہر بات کی خبر تھی۔

عباد جو اجالا سے چھوٹا اس کی امیدوں کا واحد مرکز تھا' میٹرک کے بعد پڑھائی چھوڑ بیٹھا تھا۔ گھر کے ماحول میں ٹینشن کے ساتھ ساتھ عجیب سا بدلاؤ بھی آ رہا تھا۔ تایا اور ان کی فیملی کی سرگرمیاں مشکوک ہو گئی تھیں۔ اسجد کا نمبر قسمت سے ہی آن ملتا' حمنہ اور ندا سارا سارا دن تائی کے گھر گھسی رہتیں' عباد بھی اکثر گھر سے غائب رہنے لگا تھا۔ ایسے میں اسجد ایگزیم دے کر گھر لوٹ آیا تو اجالا خود کو مضبوط محسوس کرنے لگی۔ وہ اب ملازمت کرنے کا سوچ رہا تھا۔ اور یہاں اس موڑ پر بھی اجالا کی رہنمائی اس کے ساتھ تھی۔

☆ ☆ ☆

اسجد اس رات معمول سے کہیں زیادہ تاخیر سے گھر لوٹا تھا۔ اجالا جو بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی فوراً اس کے کمرے کی طرف لپکی۔

"اسجد۔" وہ شرٹ اتار رہا تھا جب اس کی پکار پر رک گیا۔

"ہوں" واپس پلٹتے ہوئے اس نے بہت سرسری سی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی تھی۔

"وہ مجھے تم سے بات کرنی تھی۔"

"ہاں بولو۔"

"تمہیں پتا ہے آج تایا نے ابا سے بہت عجیب بات کی ہے۔"

"کیا عجیب بات کی ہے؟"

"تمہیں نہیں پتا۔"

"نہیں۔"

"اسجد! تایا چاہتا ہے کہ ابا پیسے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حرمت سے منکر ہو جائیں' وہ چاہتے ہیں کہ ابا ان لوگوں میں شامل ہو جائیں۔ جو اللہ کے تحت عذاب کا شکار ہوں گے۔"

"پھر؟"

"پھر تم انہیں سمجھاؤ۔ انہیں اس کبیرہ گناہ سے روکو۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔"

"پہلے کیا ٹھیک ہو رہا ہے اس ملک میں۔ کون ہے جو اپنا ایمان ہاتھ پر لیے نہیں پھر رہا۔ یہ لوگ جو اسلام دشمنوں سے پیسے لے کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بندوں کو ناگہانی اموات کے سمندر میں دھکیل رہے ہیں' یہ ٹھیک ہیں۔"

"ہر شخص کے اپنے اعمال ہیں اسجد! کوئی کسی دوسرے کی قبر میں نہیں جائے گا۔ جب تک یہ زندگی ہے تب تک چھٹ ہے ادھر آنکھ بند ہوئی ادھر حساب شروع ہو گیا' وہ لوگ ہمارے سگے نہیں ہیں کہ ہم ان کے انجام کی فکر میں گھلتے رہیں مگر تایا! ہمارا اپنا ہے۔"

"او کے اجالا! اس وقت میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ ابھی تم جاؤ یہاں سے پلیز۔" اچانک اس کی بات کاٹتے ہوئے اس نے رخ پھیرا تھا۔ وہ شاکڈ سی کھڑی رہ گئی۔

"ہر شخص کی اپنی زندگی ہے' وہ جیسے چاہے گزارے۔ ابا نے بھی فیصلہ کرلیا ہے' لے لیے ہیں انہوں نے پیسے۔ ذرا سے رد و بدل سے بہت کچھ پا کر وہ کسی کی کوئی بات نہیں سنیں گے۔" وہ خود بھی اضطراب کا شکار تھا۔ اجالا کو لگا اس کا دل پھٹ گیا ہو۔

"ذرا سے رد و بدل سے۔۔۔؟ دین دنیا کی بربادی کو ذرا سا رد و بدل کہہ رہے ہو تم؟"

"میرا دماغ خراب مت کرو اجالا۔ ابھی کچھ بھی نہیں بگڑا۔ صرف بات طے ہے ہماری۔ تم چاہو تو اپنا راستہ بدل سکتی ہو۔"

"چپ کر جاؤ اسجد' خدا کا واسطہ ہے تمہیں چپ کر جاؤ۔ کیا سارے آسمان ایک ساتھ گرا دو گے اتنے ظالم تو نہیں تھے تم۔" وہ ٹوٹی تھی اور آنسو ایک لمحے میں اس کا چہرہ بھگو گئے تھے۔

اسجد اب بھی تیزی سے کمرے سے نکل گیا تھا۔

کیا اس کی اجالا کی اب اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رہی تھی کیا واقعی اسے اپنے باپ کی گمراہی سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا؟

وہ جتنا سوچ رہی تھی اتنا ہی اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ پوری رات جاگ کر بسر کرنے کے بعد صبح جب وہ فجر کی نماز کے لیے اٹھی تو سر بے حد بھاری ہو رہا تھا۔ تایا کے پورشن کی طرف مکمل خاموشی تھی۔ وہ بے دلی سے وضو کرنے کے بعد مصلے پر کھڑی ہوئی تو رکے ہوئے آنسوؤں کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا۔ کتنی بے شمار دعائیں تھیں جو اس وقت اس نے روتے ہوئے اپنے اللہ سے کی تھیں۔

☆ ☆ ☆

سنو لوگو میری آنکھیں خریدو گے؟
مجھے اک خواب کا تاوان بھرنا ہے
اک ایسا خواب تھا جو جاگتی آنکھوں سے دیکھا تھا
بہت ہی چاؤ سے اور کتنے ارمانوں سے دیکھا تھا
مگر دیکھے ہوئے اس خواب کی تعبیر الٹی تھی
نہیں شکوہ کسی سے اپنی ہی تقدیر الٹی تھی
جو اب تک ہو چکا ہے مجھ کو وہ نقصان بھرنا ہے
اب آنکھیں بیچ کر ہی خواب کا تاوان بھرنا ہے

وہ بیڈ پر اداس بیٹھی تھی جب نانو نے گرم کمبل اس کے گرد لپیٹ دیا۔

"آرام سے بیٹھ جاؤ بیٹی۔ اور پھر بتاؤ کون ہو' کہاں گئی ہو۔ مصحف کہاں ملا تم سے۔" وہ بے چین تھیں۔ ایمان نے ایک نظر ان کے پرنور چہرے پر ڈالنے کے بعد سر جھکا لیا۔

"وہ میرے آفس میں ملے تھے۔ جس دفتر میں میں کام کرتی تھی وہاں۔ تین اور لڑکے بھی تھے ان کے ساتھ۔ میں بے یار و مددگار تھی' جب انہوں نے میرے بارے میں جان کر مجھے پرپوز کیا اور یہ بتایا کہ اپنی بوڑھی نانو کے ساتھ تنہا رہتے ہیں تو میں انکار نہ

کر سکی۔ مجھے گھر اور تحفظ چاہیے تھا نانو۔ اسی لیے میں نے خوشی خوشی ان سے کورٹ میرج کرلی۔ بعد میں یہ اسی شام جانے کیسے کیسے خواب دکھا کر واپس لوٹ آئے اور میں ان کا انتظار ہی کرتی رہ گئی۔ کل شام یہ دوبارہ آئے اور کہا کہ نانو گھر نہیں ہیں اس لیے آج رات تم میرے ساتھ اپنے گھر رہ سکتی ہو۔ یہ بھی کہا انہوں نے کہ اس بار آپ کو سب بتادیں گے مگر۔۔۔ میرا خیال ہے کہ میرے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔ شاید انہوں نے اپنی عزت بچانے کے لیے مجھ سے شادی نہیں کی۔"

"تم دل پر مت لو بیٹی۔ اسے تو عادت ہے جگہ جگہ منہ مار کر اپنی نانو کا نام خوب روشن کرنے کی۔ مگر میں ظلم نہیں کروں گی کسی بے آسرا پر۔ تم یہیں اسی گھر میں رہو گی۔ میری بہو بن کر دیکھتی ہوں یہ کیسے لفٹ نہیں کرواتا تمہیں۔"

نانو اس کے دام میں آچکی تھیں۔ اس نے بے ساختہ سکھ کا سانس لیا۔

"شکریہ نانو! آپ بہت اچھی ہیں۔ بہت نیک دل' پتا نہیں' آپ یہاں نہ آتیں تو یہ اور ان کے دوست میرے ساتھ جانے کیسا سلوک کرتے۔ کل رات بھی ان کی لڑائی ہوگئی تھی اپنے دوستوں سے۔"

"ہائیں۔ ان لفنگوں کی تو جان ہے ایک دوسرے میں پھر لڑائی کیسے ہوگئی۔" نانو کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا' وہ گڑبڑا گئی۔

"پتا نہیں نانو! شاید یہ آپ سے کچھ چھپانا چاہ رہے تھے۔"

"ارے۔ مجھ سے کچھ نہیں چھپا سکتا یہ۔ ایک سال کا تھا جب اس کی ماں میری گود میں ڈال گئی تھی۔ تب سے اب تک میں ہی سنبھال رہی ہوں۔ بیس سال کا ہوگیا ہے مگر میرے لیے ابھی بچہ ہی ہے۔ ماں اور باپ کا پیار جو نہیں دیکھا اس نے' اس لیے زیادہ [illegible] کرتی ورنہ ایک ایک رگ سے واقف ہوں میں اس کی تو بے فکر رہو۔"

نانو کو جوش آیا تھا پھر فوراً "نرم پڑتے ہوئے بولیں۔

"تم نے بتایا نہیں کس شہر سے تعلق ہے۔ ماں باپ کیا کرتے ہیں؟"

"ماں باپ نہیں ہیں نانو۔ ماں کی موت تو بچپن میں ہی ہوگئی تھی۔ چھ ماہ پہلے بابا بھی تنہا چھوڑ گئے۔ اب تو کوئی رشتہ دار ہے نہ جاننے والا۔ اللہ کی بھری دنیا میں بالکل اکیلی ہوں میں۔"

"اللہ رحم کرے' اکیلی کیوں ہو۔ میں ہوں نا تمہاری نانو۔ تمہاری ماں اور میرا مصحف ہے نا۔ بہت پیارا بچہ ہے۔ تم بہت خوش رہوگی اس کے ساتھ۔"

فوراً ہی وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولیں اور پھر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اب کچھ آرام کرلو۔ بخار بہت تیز ہو رہا ہے۔ مصحف سے کہتی ہوں ڈاکٹر کو بلالائے۔ مجھ کو بتا ہی دیتی ہوں۔ یاد رہی تو دن چڑھے ہی آئے گا۔"

"جی نانو۔" اسے خود بھی آرام کی اشد ضرورت تھی سو جلتی آنکھوں اور ہزار وسوسوں کے ساتھ بالآخر پلکیں موند گئی۔ نانو ابھی ابھی کی قدرے سنگ اس کے کمرے سے باہر چلی آئیں۔ "تقریباً" آدھے گھنٹے بعد حمزہ' شہریار اور شاہ میر وہاں موجود تھے۔

"نانو! وہ قسم سے ایک نمبر کی فراڈ لڑکی ہے۔ رات اسی کی وجہ سے مصحف کو فائر [illegible] لوگوں کو پیچھے لگا کر لے آئی تھی۔ آپ [illegible] ہوگئیں۔ بھلا کہاں مصحف کہاں وہ [illegible]۔"

حمزہ نے [illegible] دہائی دی تھی جواب میں نانو نے اسے [illegible]۔

"بس کرو حمزہ۔ تمہیں کوئی حق نہیں ہے کہ [illegible] مصیبت کی ماری لڑکی پر اتنا بڑا الزام [illegible]۔"

"مگر نانو! وہ مصیبت کی ماری نہیں ہے۔ وہ خود بہت بڑی مصیبت ہے۔"

"یہ تمہیں مصحف سے اس کا نکاح کروانے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔"

"نکاح۔ کون سا نکاح؟" شہریار نے بھنویں

اچکائی تھیں۔ اسی پل وہ خود چل کر وہاں آگئی۔

"میں بتاتی ہوں کون سا نکاح۔ کتنی جلدی بھول گئے آپ کہ آپ میرے بھائی بنے تھے' میرے سر پر ہاتھ رکھ کر آپ نے کہا تھا کہ آپ کا دوست مجھے ہمیشہ خوش رکھے گا اور یہ کہ میں آپ کی زبان کا اعتبار کروں۔ میں نے اعتبار کیا۔ آپ نے کیا کیا میرے ساتھ۔۔۔؟ مجھ غریب لاوارث کو پہچاننے سے ہی انکاری ہوگئے؟"

اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے وہ آنکھوں میں آنسو بھر لائی تھی۔

"شٹ اپ۔ [illegible] اور ڈرامہ ہے۔"

"ہاں اب تو آپ یہی کہیں گے۔ بات کھل جو گئی ہے۔"

وہ [illegible] سال پار کرنے والی تھی۔ مصحف کا بس نہ چلتا تھا کہ اس کا منہ تھپڑوں سے سرخ کردیتا۔ نانو کو بالآخر مداخلت کرنی پڑی تھی۔

"چپ ہوجاؤ تم لوگ۔ سچ اور جھوٹ کا فیصلہ وقت کرے گا۔"

"مگر نانو یہ۔۔۔"

"بس چپ۔ ایک لفظ بھی مزید نہیں سننا ہے۔ جاؤ بیٹی تم جاکر آرام کرو۔ مجھے ذرا مارکیٹ تک جانا ہے' واپسی پر ڈاکٹر کو کال کروں گی۔"

ایمان ان کی ہدایت پر سر ہلا کر وہاں سے چلی آئی جبکہ مصحف سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کی کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اس کے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اس روز پہلی بار وہ خاصی دیر تک گھر سے باہر رہا تھا۔ حمزہ' شہریار اور شاہ میر اسے مختلف ٹپس دیتے رہے کہ وہ کیسے لڑکی کے منہ سے سچ اگلوا کر اپنی پوزیشن کلیئر کرسکتا ہے۔ جبکہ ایمان خرابی طبیعت کے باوجود نانو سے دنیا جہان کی باتیں کرتی' ان کا اعتماد جیتنے کی کوشش میں لگی رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"نانو! مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے۔ یہ لڑکی واقعی ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ہمارا نکاح ہوا ہے۔" ایمان رات [illegible] کے ساتھ انہی کے کمرے میں سوئی تھی اور [illegible] کی کوئی ارادہ تھا۔ مصحف کا اس سے کسی [illegible] سے انکار اس کے لیے فائدہ مند ہی تھا' تاہم اگلی صبح ہی ناشتے کی میز پر اس نے جیسے یہ اعتراف کرتے ہوئے اس کے سر پر بم ہی پھوڑ دیا۔ اس کے ہاتھ سے چائے چھلکی تھی اور کپڑوں پر گر پڑی تھی۔

"مجھے تو پہلے ہی یقین تھا یہ بچی جھوٹ نہیں بول رہی ہے تم ہو جو جھوٹے ہو۔ مگر میں اس کے لیے تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

"سوری بولا ہے نا نانو! غلطی ہوگئی پلیز معاف کردیں۔"

لجاجت سے کہتا وہ نانو کی ساتھ والی کرسی پر ٹک گیا تھا۔ ایمان شاکڈ سی اسے دیکھتی رہی۔ وہ یہ کیا کہہ رہا تھا۔

"میں اپنی ذمہ داریاں نبھاؤں گا۔ کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔ ایمان سے کہیں آج سے میرے کمرے میں سویا کرے۔"

وہ دیکھنا چاہتا تھا اس بات پر لڑکی کے تاثرات کیا ہوتے ہیں اور واقعی اس کا چہرہ فق ہوگیا تھا۔ وہ بہت پریشان نگاہوں سے مصحف کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"ابھی نہیں پہلے میں تمہاری شادی کا باقاعدہ اعلان کروں گی۔ دھوم دھام سے اپنی ساری خواہش پوری کروں گی۔ پھر ایمان تمہارے کمرے میں جائے گی۔" اب چہرے کا رنگ اڑنے کی باری مصحف کی تھی۔

"مگر نانو یہ تو زیادتی ہے۔ میں جب اسے اپنی بیوی تسلیم کر رہا ہوں تو دنیا میں ڈھنڈورا پیٹنے کی کیا ضرورت ہے؟ ویسے بھی خالہ افشی کو پتا چل گیا تو۔۔۔"

"تو ہو جائے پتا۔ یہ بات اب چھپنے والی تھوڑی ہے۔ ویسے بھی اس کی بیٹیوں کو کمی نہیں ہے رشتوں کی۔"

"انہیں رشتوں کی کمی تو ہے نا۔ کتنا دکھ ہوگا انہیں جب ان کی آس ٹوٹے گی؟ آپ خود ہی تو کہتی ہیں ہماری آس پر بیٹھی ہیں وہ۔"

"یہ بات پہلے سوچنی چاہیے تھی تمہیں۔ اب بھول جاؤ سب۔"

"نہیں ناؤ۔ کم از کم خالہ اتھی کی بیٹیوں کو نہیں بھول سکتا میں۔" وہ رونے والا ہوا تھا۔ ناؤ کا پارا چڑھ گیا۔

"تو چاہتا ہے تمہاری بیوی کے سامنے درگت بناؤں تمہاری۔"

"یہی امید ہے مجھے آپ سے۔" دل جلے انداز میں کہتا وہ وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ایمان نے بے ساختہ سکون کی سانس لی۔ مصحف سید ھا اپنے کمرے میں آیا اور حمزہ کا نمبر پریس کر ڈالا۔

"ہیلو بنی کچھ بات۔۔۔؟" دوسری طرف اس نے پہلی ہی بیل پر کال پک کر کے بنا دعا سلام کیے پوچھا تھا۔

"نہیں بنی ناؤ کے اصولوں اور خواہشوں نے پانی پھیر کر رکھ دیا۔ کچھ اور بتا۔"

"چل آجا پھر یہاں۔ مل کر کچھ اور پلان کرتے ہیں۔"

وہ عجلت میں تھا۔ مصحف نے کال کاٹ کر گاڑی کی چابی اٹھائی۔

☆ ☆ ☆

اگلی صبح کے طلوع ہوتے سورج سے قبل ہی اسجد گھر سے نکل گیا تھا۔ وہ آفس کے لیے تیار ہو رہی تھی جب تایا اور تائی خاموشی سے پھر ان کے پورشن کی طرف چلے آئے غلام محمد صاحب اس وقت ذکر الٰہی میں مشغول تھے۔ تایا آکر ان کے پاس چارپائی پر بیٹھ گئے۔

"پھر کیا سوچا ہے تو نے غلام محمد؟"

"کس بارے میں؟"

تایا کے سوال پر اس کے ابا سر یوں اٹھا تھا جیسے وہ کل ہونے والی ہر بات بھلا چکے ہوں۔ تائی نے ان کے جواب پر ناگواری سے پہلو بدلا تھا۔

"دو دن سے کس بات پر رکھا ہے جو تیرے ساتھ۔"

"کہا تو ہے مجھے یہ سودا منظور نہیں ہے۔ مرنے کے بعد بھی نہیں۔ کاش میرے بازوؤں میں طاقت ہوتی تو مجھ سے ایسا مطالبہ کرنے والے کا سر تن سے جدا کر دیتا۔"

"دیکھا آپ بھائی کی محبت میں پاگل ہو رہے ہیں اور یہ آپ کا سر تن سے جدا کرنے کی بات کر رہا ہے۔ یہی سننا تھا یا ابھی کچھ اور بھی سننا باقی ہے۔" تائی ان کے جواب پر بجلی کی طرح چمکی تھیں۔ تایا کا غصہ ان کا چہرہ سرخ کر گیا۔

"تو نے کیا سر تن سے جدا کرنا ہے میرا۔ میں خود ہی دفعان کرتا ہوں تجھے مدتوں سے سر پر چڑھا رکھا ہے۔ میں تو جا رہا ہوں یہاں سے۔ دیکھوں گا آج کے بعد کون پوچھتا ہے تجھے؟"

پہلی بار اجالا نے تایا کا ایسا غضب ناک روپ دیکھا تھا۔ اس کا دل پہلو میں شدت سے کانپ اٹھا۔ بات سنبھالنے کے لیے وہ جلدی سے آگے بڑھی تھی۔

"تایا میری بات سنیں۔ ابا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ۔"

"بھاڑ میں جائے ہماری طرف سے تیرا ابا اور تو بھی۔"

تائی نے اس کی بات پوری نہیں ہونے دی۔ وہ لپک کر ان کے پورشن تک ان کے پیچھے گئی مگر وہاں کوئی اس کی بات سننے والا نہیں تھا۔ وہ اس گھر کے در و دیوار کے اندر [illegible] وہ بے بسی سے شکستہ قدم گھسیٹتی واپس چلی آئی۔

تایا اور ان کی فیملی نے اسی روز اپنا گھر چھوڑ دیا تھا۔ انہوں نے نہ صرف پورشن خالی کر دیا تھا بلکہ اسے ایک ایجنٹ کے ہاتھوں فروخت بھی کر دیا۔ عباد، حمید اور سعد چاروں اپنے باپ سے خفا تھے کہ وہ تایا کے ساتھ کیوں نہیں گئے۔ اجالا کو لگتا تھا جیسے اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔ شدید نامساعد حالات اور ڈپریشن نے اس کے ایمان کی چولیں ہلا دی تھیں۔ اپنے ماں باپ کے ساتھ اسجد غلام عباس کی وہاں سے رخصتی نے اسے اندر سے کٹ ہی توڑ ڈالا تھا۔ اس

وقت جب وہ اس سے بچھڑ کے گھر واپسی پر اپنا سامان پیک کر رہا تھا تو وہ اس کے سامنے رو پڑی تھی۔

"اسجد کیا تمہارے لیے بھی دولت، میرے پیار سے بڑھ کر افضل ہے۔"

"نہیں۔" وہ خود بھی ڈسٹرب تھا۔ اجالا تڑپ اٹھی۔

"نہیں تو میرا ساتھ چھوڑ کر کیوں جا رہے ہو۔ جانتے ہو نا مجھے تمہارے بغیر جینے کا سلیقہ نہیں ہے۔ تم جانتے ہو اسجد۔ میرے لیے زندگی کا اگر کوئی معنی ہے تو وہ تم ہو، میں نہیں چل سکتی ایک قدم بھی تمہارے بغیر۔"

"جانتا ہوں۔" وہ اب بھی کمرے کی کھڑکی کے اس پار سڑک پر چلتے راہگیروں کو دیکھ رہا تھا۔ اجالا نے اس کا بازو تھام لیا۔

"جانتے ہو تو تماشا کیوں بنا رہے ہو میرا۔ کیوں ضبط آزما رہے ہو؟"

"میں مجبور ہوں اجالا۔ اپنے والدین کا مقروض ہوں۔ میری ذات پر پہلا حق ان کا ہے۔"

"اللہ کا نہیں ہے؟ جس نے تمہیں پیدا کیا۔ تم پر بے پناہ احسانات کیے۔"

"کیوں نہیں ہے۔ میں نے کب اقرار نہیں کیا اس کے احسانات کا۔ میں اپنے مذہب کو سستے داموں فروخت نہیں کر رہا ہوں۔ مجھے بھی پتا ہے، یہ چند لاکھ، یہ کروڑ، جنت کی قیمت نہیں ہیں۔"

"پھر؟"

"پھر کچھ نہیں۔ ذرا سے صبر اور حوصلے سے کام لو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ جانے کیا سوچ رہی ہوئی تھا۔ وہ خاموشی سے واپس پلٹ آئی۔

اسجد غلام عباس اسی رات اپنے والدین کے ساتھ وہاں سے چلا گیا تھا۔ تاہم اجالا کی محبت اور دعائیں اس کے لیے کم نہیں ہوئیں۔ اپنی ہر نماز میں ایمان کی سلامتی اور باپ کی صحت مندی کے بعد اس کی تیسری دعا اسجد غلام عباس کے لیے ہی ہوتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اللہ اس کی دعائیں کبھی رد نہیں کرے گا۔ وہ اگر بہت نیک نہیں تھی تو اتنی گنہگار بھی نہیں تھی کہ اللہ اس کی طرف توجہ ہی نہ کرتا۔

بعض اوقات اسجد کے لیے اس کی دعا، دعا نہیں بلکہ ضد بن جاتی تھی، ایک چھوٹی سی ننھی بچی کی ضد کہ ہر قیمت پر اپنی پسندیدہ چیز کو پانا تھا خواہ وہ اس کے لیے مناسب ہوتی یا نہیں۔ پچھلے کچھ روز سے اس کی دعاؤں کی ترتیب بدل گئی تھی۔ اس کا خیال تھا اللہ کے حضور ________ سب سے پہلے کی جانے والی دعا، جلدی قبول ہوتی ہے، لہٰذا اب ایمان کی سلامتی کے ساتھ ہی وہ اللہ سے اسجد کا ساتھ بھی مانگتی تھی۔ بقیہ دعائیں تو جیسے رٹے رٹائے مفہوم کے ساتھ لبوں پر آتیں۔ آج کل فیکٹری میں کام پر اس کی توجہ بھی پہلے جیسی نہیں رہی تھی۔ ایک ایک سوٹ کی سلائی میں دو دو گھنٹے لگ جاتے پھر بھی کام میں صفائی مفقود ہوتی تھی۔ اس روز فیکٹری انچارج نے اسے اپنے آفس بلوایا تھا وہ پریشان سی مشین سے اٹھ آئی۔

"السلام علیکم۔" اپنے انچارج کے کمرے میں داخل ہوتے ہی نظریں جھکا کر سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔ آؤ بیٹھو۔"

انچارج سیف اللہ ہاشمی صاحب نے سامنے پڑی فائل سے توجہ ہٹا کر اس کی طرف دیکھا اور فائل بند کر دی۔

"جی۔ آپ نے بلایا سر۔"

"ہوں بلانا پڑا اصل میں آج کل آپ کی توجہ کام پر نہیں ہے۔ جتنے سوٹ بھی آپ نے سلائی کیے ہیں۔ سب واپس آگئے۔ آپ کے علم میں ہے بی بی کہ صرف اور صرف یہاں آپ کے والد صاحب کی عزت کی وجہ سے میں نے آپ کو کام پر رکھا۔ دوسروں کی نسبت زیادہ ریلیف دیا۔ مگر پچھلے پندرہ بیس روز سے آپ نے تو قسم کھالی ہے مجھے شرمندہ کروانے کی۔" ہمیشہ دھیمے لہجے میں بات کرنے والے سیف اللہ ہاشمی صاحب کا رویہ اس وقت بے حد روڈ تھا۔ اجالا کا سر مزید جھک گیا۔

"معافی چاہتی ہوں سر۔ اصل میں آج کل میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو چھٹی لے کر گھر بیٹھ جائیں۔ کمپنی کو نقصان تو مت ڈالیں میں مالکوں کو کیا جواب دوں گا۔ مارکیٹ میں اس وقت اس کمپنی کا ایک نام ہے اگر آپ جیسے دو چار لوگ اور یہاں رکھ لیے تو بس ہو گیا ہمارا کام تو۔"

"مجھے ایک موقع اور دیں سر میں پوری کوشش کروں گی کہ دوبارہ آپ کو شکایت کا موقع نہ ملے۔"

"ٹھیک ہے۔ دوبارہ شکایت ہوئی تو خود کو فارغ سمجھیے گا یہاں سے۔"

حتمی لہجے میں کہتے ہوئے اس شخص نے اس وقت اسے بھرپور ذلت کا احساس دلایا تھا۔ وہ آنسو پیتی وہاں سے چلی گئی۔

غلام محمد صاحب کی بیماری تھی کہ کم ہونے کی بجائے مزید بڑھتی جا رہی تھی اور ادھر تایا کے پورشن میں آباد ہونے والے بزنس مین نے وہ سارا حصہ گرا کر وہاں نئی عمارت کی تعمیر شروع کروا دی تھی۔ عباد پڑھائی چھوڑ بیٹھا تھا اور اجالا کے گھر سے نکلنے کے بعد ندا اور بسمہ کی تمام تر دلچسپی کا محور نئے گھر میں آنے والے وہ "ہیرو ٹائپ" لڑکے ہوتے تھے جنہیں جانے کون سی مصیبت وہاں بزنس مین کے پاس کھینچ لاتی تھی۔

اس کا دماغ جیسے کام کرنا چھوڑ رہا تھا۔ گھر کے اندر سکون رہا تھا نہ گھر کے باہر۔ اب تو نماز میں بھی اس کا دل نہیں لگتا تھا۔ اوپر سے ابتر حالات نے رہی سہی ہمت و حوصلہ بھی ختم کر چھوڑا۔

اس رات شدید تکلیف کے باوجود اس نے آنکھ کھلنے پر تہجد کی نماز کے بعد غلام محمد صاحب کو رو رو کر بچوں کی طرح گڑگڑاتے ہوئے اللہ کے حضور دعا مانگتے دیکھا تو چپ نہ رہ سکی۔

"بس کرو ابا۔ اللہ کے پاس تجھ جیسے مفلس مجبور شخص کی دعائیں سننے کا وقت نہیں ہے وہ امیروں کی دعائیں سنتا ہے اور قبول کرتا ہے جو اس کی راہ میں روپیہ لٹاتے ہیں۔ تیرے پاس کیا ہے جو وہ تجھ پر توجہ کرے۔"

"میرا ایمان؟" جواب میں غلام محمد صاحب کے الفاظ نے اسے چپ کروا دیا۔

"کفر اور مایوسی دونوں تباہی کا نام ہیں اجالا۔ شدید غم اور مصیبت میں بھی انسان کو اپنی اوقات اور اپنے رب کا مقام نہیں بھولنا چاہیے۔ کیونکہ اس در کے سوا دوسرا کوئی در نہیں جو کچھ دے سکے۔ ایک وہی ذات تو ہے بیٹا۔ جو بندے کو اس کے ظاہر سے نہیں باطن سے پرکھتی ہے۔ وہ پاک و بے نیاز ہے۔ اسے فرق نہیں پڑتا کہ کون سوٹڈ بوٹڈ ہے اور کون کیچڑ میں لپٹا ہے وہاں۔ اس کے حضور تو صرف عاجزی چلتی ہے۔"

دعا مکمل کرنے کے بعد نرم لفظوں میں اسے ڈپٹتے ہوئے انہوں نے اصلاح کی تھی۔ اجالا دکھی دل کے ساتھ بنا مزید کچھ کہے چپ چاپ سو گئی۔

☼ ☼ ☼

"لائیں۔ پٹی بدل دوں آپ کی۔" نانو، مصحف کے ساتھ ابھی مارکیٹ سے ایمان کے لیے ڈھیر ساری شاپنگ کر کے لوٹی تھیں۔ جب وہ انہی کے سامنے جلتی پر مزید تیل کا کام کرتے ہوئے مصحف کے قریب آکھڑی ہوئی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے کام سے کام رکھو۔"

وہ جلا بیٹھا تھا۔ برسوں بعد ایمان کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"ضرورت کیوں نہیں ہے۔ آپ کی خدمت اور راحت تو میرا فرض ہے۔"

"دفع ہو... پھر نانو سے کہو، آج سے تمہیں میرے کمرے میں سونے کی اجازت دیں۔" وہ کہاں مات کھانے والا تھا۔ ایمان کی مسکراہٹ ایک پل میں معدوم ہو گئی۔

"نانو۔ چائے لاؤں آپ کے لیے۔"

"لے آؤ بیٹی۔ اگر چاہت سے بنائی ہے تو میرا تو تھکن سے برا حال ہے۔" وہ ساری چیزیں بکھیر کر بیٹھی تھیں۔ مصحف فوری اٹھ کھڑا ہوا۔

"سوچ سمجھ کر پیجیے گا۔ چائے پی کر اگلے جہاں پہنچ گئیں تو مجھے دوش مت دیجیے گا۔"

"لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ کبھی تو کوئی اچھی بات منہ سے نکال لیا کرو۔"

نانو نے ڈرنے کی بجائے اسے ڈپٹا تھا۔ وہ منہ بنا کر کمرے میں چلا آیا۔

"عجیب مصیبت گلے پڑ گئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا اس مکار لڑکی کا کروں کیا؟" اسے غصہ آ رہا تھا۔ اسی پل شہریار کی کال آ گئی۔

"مصحفی یار۔ جلدی سے حمزہ کی طرف آجا۔ ہم لوگ سینما جا رہے ہیں۔"

"میرا موڈ نہیں ہے یار۔"

"موڈ کی ایسی کی تیسی... تو آ تو سہی۔ آج بڑے مزے کا پروگرام سیٹ کیا ہے ہم نے۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہاں آنے پر سمجھائیں گے۔ بس سمجھ لے آج چاروں کے مزے ہونے والے ہیں۔"

"پورے خبیث ہو تم لوگ۔" وہ مسکرایا تھا شہریار نے قہقہہ لگا کر کال کاٹ دی تھی۔ نانو چائے پی رہی تھیں جب وہ دوبارہ لاؤنج میں چلا آیا۔

"نانو۔ میں ذرا شہریار کی طرف جا رہا ہوں، بہت ضروری کام ہے لیٹ ہو جاؤں گا کوئی مسئلہ ہو جائے تو آپ فوری مجھ سے رابطہ کر سکتی ہیں۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے کہیں جانے کی۔ آفس تو جا نہیں سکتے، اور کون سے ضروری کام آن پڑے ہیں تمہاری جان پر۔"

"آکر بتاؤں گا ابھی لیٹ ہو رہا ہوں۔ آپ اپنا خیال رکھیے گا پلیز۔" نانو کے غصے کی مطلق پروا نہ کرتے ہوئے وہ رخصت ہو گیا تھا۔ ایمان اس کے جانے کے بعد نانو کے پہلو میں ٹک گئی۔

"مصحف کی باتوں کا برا نہ ماننا بیٹی، یہ ایسا ہی ہے لاابالی سا۔ تمہیں بنا دیکھے بھالے نکاح نہیں کرنا چاہیے تھا۔ خیر۔ اللہ خوش رکھے، اب یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔" وہ ان کی تسلی کے جواب میں خاموش ہی بیٹھی رہی، کہنے کو بھی کیا کچھ کہنے کے لیے تھا ہی؟

"آہستہ آہستہ تم یہاں کی ہر چیز سے آشنا ہو جاؤ گی، پھر کوئی مسئلہ نہیں رہے گا۔"

"میں اب بھی بہت خوش ہوں نانو۔" بالآخر اسے لب کھولنے پڑے تھے۔

"اللہ اور خوش رکھے، یہ سب چیزیں سنبھال لو میں اب ذرا آرام کروں گی۔" اسے دعا سے نوازتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ ایمان خالی نگاہوں سے صوفے پر پڑی چیزوں کو دیکھتی جانے کتنی دیر وہیں بیٹھی رہی۔

"اگر اس روز مصحف گیٹ نہ کھولتا تو کیا ہوتا؟ اگر اسے گیٹ کھولنے میں مزید تاخیر ہو جاتی تو کیا ہوتا؟"

یہ تصور ہی ایسا تھا کہ وہ جی جان سے کانپ کر رہ جاتی تھی۔ بے شک اس کے رب نے اس کی عزت کی حفاظت کی تھی۔ صرف ایک انسان کے لیے اس نے پاگل پن کی ہر حد کو عبور کرتے ہوئے اپنے مہربان خدا کی خدائی سے منہ موڑ لیا تھا۔ مگر اس کے باوجود اس نے اسے بے آسرا نہیں چھوڑا تھا۔ آنسو تھے کہ تنہائی پاتے ہی امڈے چلے آ رہے تھے۔ وہ وہیں بیٹھی جیسے پھر سے پتھر ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ابا! اجالا کل سے فیکٹری نہیں جائے گی۔" وہ اس وقت غلام محمد صاحب کے زخموں کو اچھی طرح صاف کرنے کے بعد اب ان پر دوا لگا رہی تھی جب عباد کمرے میں داخل ہو کر بگڑے تیوروں کے ساتھ بولا۔ اجالا کے ہاتھ میں موجود پانی کا برتن ذرا سا لرزا تھا۔

"کیوں؟" پلٹ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا تھا جب وہ بولا۔

"پوچھیے آپ اسی سے یہ سوال۔ جسے عیاشی کرتے حیا نہیں آئی۔"

"کیسی عیاشی؟" کوئی پہاڑ تھا جو اس لمحے اس پر گرا تھا۔

"تجھے پتا ہے کس عیاشی کی بات کر رہا ہوں میں،"

کس کے ساتھ آئی تھی کل فیکٹری سے گھر؟" وہ اس سے چھوٹا تھا مگر اس کا لہجہ انتہائی گستاخانہ تھا۔ اجالا کو لگا جیسے کسی نے اس کے چہرے پر تیزاب پھینک دیا ہو۔ وہ اسے انتہائی حیران نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"میری دوست کا بھائی تھا۔ تم میں اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے میرے لیے' کل میلاد تھا اس کے گھر اسی لیے زبردستی لے گئی ساتھ' اللہ کے ذکر کا معاملہ تھا کیا انکار کر دیتی میں اسے بول؟" وہ چلائی تھی۔

"روز دفتر سے پیدل گھر آتی ہوں' تمہیں کبھی لانے کی توفیق ہوئی؟ اس کا گھر بھی دس میل دور نہ ہوتا تو اکیلی پیدل ہی آتی' سمجھے تم؟"

"بس کرو یہ جھوٹے بہانے۔"

"جھوٹے پر اللہ کی لعنت۔۔۔ اور تم ہوتے کون ہو جسے میں اپنے ایمان اور کردار کی صفائیاں دیتی پھروں' اتنے ہی غیرت مند ہو تو کماؤ چار پیسے' کیوں سارا سارا دن آوارہ گردی کرتے پھرتے ہو' شرم نہیں آتی تمہیں جب میں تم لوگوں کے لیے سارا سارا دن دھکے کھاتی فیکٹریوں میں خوار ہوتی پھرتی ہوں اور تم یہاں آرام سے بیٹھے مفت کی روٹیاں توڑتے رہتے ہو' آئے بڑے غیرت مند کہیں کے۔ روز پیدل دھکے کھاتی ہوں تو غیرت نہیں جاگتی۔ آج کسی نے ذرا سا احساس کر لیا تو خون رگوں میں ابلنے لگا تمہارے۔ جب خود چار پیسے کمانے لگو تب آکر رعب جمانا' اس سے پہلے دوبارہ ایسے لہجے میں بات کی تو زبان کھینچ لوں گی تمہاری۔"

وہ گرجی تھی اور جھوٹے الزام پر خوب برسی تھی۔ عباد بنا شرمندہ ہوئے راستے میں پڑی چیز ہی کو ٹھوکر مارتا گھر سے باہر نکل گیا۔ غلام محمد صاحب جواب تک خاموش تھے' اجالا کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ وہ بول اٹھی۔

"کچھ مت کہنا ابا۔ اللہ کی پاک ذات نہ چاہے تو پوری دنیا میں کوئی مجھے میرے بد ارادے [illegible] رکھ سکتا' آپ تو جانتے ہیں' عورت [illegible] تو سیمنٹ پتھر سے بنی دیواریں بھی [illegible] کا راستہ نہیں روک سکتیں۔ باپ بھائیوں کی [illegible] ہی کیا ہے۔"

وہ تلخ ہو رہی تھی' غلام محمد صاحب نے اپنا شفقت بھرا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔

گھر کا ماحول آج کل اس کی سمجھ سے باہر ہو رہا تھا۔ عباد کے ساتھ ساتھ باقی چاروں بہن بھائیوں کا رویہ بھی اس سے بدل گیا تھا۔ وہ سب "آزادی" کے متوالے تھے۔ مگر اجالا ہر ممکن حد تک ان پر رعب جمائے ہوئے تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ نفس کا بے لگام گھوڑا ایک بار قابو سے باہر ہو جائے تو بڑے بڑے ایمان والے قلابازیاں کھانے لگتے ہیں' پھر وہ چاروں تو ماں کی اچھی ابتدائی تربیت سے محروم "آزاد ماحول میں' خالہ کی پوری پوری حوصلہ افزائی کے ساتھ پروان چڑھے تھے۔ وہ کیسے قابو آتے۔ نتیجتاً اجالا کے ساتھ ان کی بول چال نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔

وہ فیکٹری سے تھکی ہاری گھر آتی تو دونوں چھوٹی بہنیں سر جوڑے بیٹھی کھسر پھسر کرتی دکھائی دیتیں' جبکہ غلام محمد صاحب بیٹھک میں کرسی پر بیٹھے گاہکوں کے انتظار میں اکڑ جاتے۔ وہ جانتی تھی باپ بستر سے اٹھنے لائق نہیں ہے اور دونوں بھائیوں کو اپنی آوارگی سے فرصت نہیں تھی۔ کبھی کبھی اسے اپنے باپ کے ان الفاظ پر رونا آجاتا جو انہوں نے بڑے [illegible] بچوں کے متعلق اپنے بڑے بھائی سے کہے [illegible]

حق حلال کے رزق سے [illegible] وہ "ہدایت" کھو رہے تھے اور [illegible] اجالا کے لیے منہ چڑھے دریا کے پار [illegible] ہو رہا تھا۔ ساتھ والے گھر میں ڈیرہ ڈالے [illegible] ان کی سرگرمیاں الگ سے پریشان [illegible] تھیں۔ ایسے میں اسجد کا ساتھ [illegible] ایک پریشانی سی پریشانی تھی۔

[illegible] رات گھر نہیں آیا تھا۔ شاید اس نے کملی [illegible] کو زیادہ ہی محسوس کر لیا تھا۔ اجالا اب پچھتاوے کا شکار ہو رہی تھی۔ اسے اتنا مشتعل نہیں ہونا چاہیے تھا۔ غلام محمد صاحب کو دوا دے کر سلانے کے بعد وہ پوری رات اس کے انتظار میں جاگتی رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ عباد کو اب کبھی لوٹ کر اس گھر میں آنا ہی نہیں تھا۔

✲ ✲ ✲

وہ دشت جاں پہ عذاب رت تھی
نہ برگ جاگے' نہ پھول آئے
بہار وادی سے جتنے پنچھی
ادھر کو آئے ملول آئے
وہ ساری خوشیاں جو اس نے چاہیں
اٹھا کے جھولی میں اپنی رکھ لیں
ہمارے حصے میں عذر آئے' جواز آئے
اصول آئے۔

"یار یہ بھی سیدھی [illegible] نکلنے والا نہیں ہے۔" تھکن سے چور [illegible] کے بعد وہ چاروں ہوٹل میں [illegible] جب ایمان کے ذکر پر شہریار نے اپنی [illegible] کیا۔

[illegible] انتہائی ہوشیار اور کسی خطرناک گروپ سے تعلق رکھنے والی لڑکی لگتی ہے۔ تمہیں یوں گھر اور نانو کو اس کے سپرد چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"تم ہی نے مجبور کیا تھا مجھے۔۔۔ اب سوچو اس بلا کا کیا کرنا ہے۔"

"میرے دماغ میں ایک آئیڈیا ہے' اگر تم لوگ قبول کرو تو۔" حمزہ اچانک بولا تھا۔

"کہو۔" باقی تینوں کی توجہ اس کی جانب مبذول ہو گئی۔

"یار اس سے پہلے کہ یہ لڑکی تمہیں کسی بڑے نقصان سے دوچار کرے' تمہیں اس سے پیچھا چھڑا لینا چاہیے۔ اب میں بتاتا ہوں کہ یہ کیسے ممکن ہے۔ دیکھو کل سنڈے ہے' تم بہانے سے نانو کو لے کر گھر سے نکل جانا' پیچھے وہ اکیلی ہوگی تو میں' شہریار اور شاہ میر وہاں چلے جائیں گے۔ میرا خیال ہے اس کے بعد وہ اس قابل ہی نہیں رہے گی کہ وہاں ٹھہر سکے' تمہارا نام بھی نہیں آئے گا اور مصیبت سے جان بھی چھوٹ جائے گی۔"

"ہوں۔ آئیڈیا تو بہت زبردست ہے۔" شہریار نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ شاہ میر البتہ خاموش تھا۔

"میرا خیال ہے وہ ایسی لڑکی نہیں ہے۔"

"چھوڑو یار' ایسے خیال کو' کوئی بھی شریف [illegible] پاک باز لڑکی یوں دھڑلے سے کسی اجنبی [illegible] کے گھر نہیں رہ سکتی' جبکہ اس گھر میں ایک بدد [illegible] مرد بھی موجود ہو' وہ جس حالت میں تم تک پہنچی [illegible] اس کے بعد تو اس کی پارسائی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" بالآخر اسے حمزہ کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا تھا۔ شاہ میر البتہ کل کے لیے ایکسکیوز کرتا مصروفیت کا بہانہ بنا کر وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

مصحف رات گئے گھر آیا تو وہ کچن میں مصروف تھی۔ شاید کچن سمیٹ رہی تھی' وہ کمرے میں جانے کی بجائے وہیں چلا آیا۔

"ہیلو۔" ایمان نے قدموں کی آہٹ پر اس کی ہیلو سے قبل ہی پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔ خانساماں کی چھٹی ہو گئی تھی اور ایمان نے پچھلے پانچ روز میں صرف نانو کے دل پر ہی نہیں پورے گھر پر بھی قبضہ جما لیا تھا۔

"السلام علیکم۔" سرد سپاٹ نگاہوں سے اسے دیکھتی وہ کتنی پراعتماد دکھائی دے رہی تھی' مصحف مسکرا دیا۔

"وعلیکم السلام۔ کچھ ہاتھ لگا کہ نہیں اب تک؟" دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر وہ چوکھٹ سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ ایمان اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"آپ کے اس شاندار محل میں کوئی چیز اتنی قیمتی ہے ہی نہیں کہ جس کے لیے میں اپنے ایمان کا سودا کروں۔" سمجھ میں نہ آنے والا جواب سننے کو ملا تھا۔

"اس۔۔۔ اس کا مطلب ہے کسی بہت بڑی چیز پر ہاتھ صاف کرنے کا ارادہ ہے آپ کا؟"

"جی ہاں۔" وہ اب بھی لب بھینچے اسے دیکھ رہی تھی۔ مصحف اس قدر صاف گوئی پر حیران رہ گیا۔

"پھر تو ڈیلی ہو کر ہی نکلنا پڑے گا یہاں سے کیونکہ اس گھر کی ساری قیمتی چیزیں میں نے لاکر میں رکھوا دی ہیں۔"

"اچھا کیا' عزت اور ذلت تو صرف میرے رب کے

ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہے سمیٹ لے اور جسے چاہے بکھیر کر رکھ دے۔" یا سیت سے کہتی وہ سر جھکا کر آنسو چھپا گئی تھی۔

"ماننا پڑے گا محترمہ کہ آپ بہت بڑی فنکارہ ہیں۔" پہلی بار وہ اسے فرصت سے دیکھ رہا تھا۔ ایمان کام سے ہاتھ روک کر عجیب پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر پھیلاتے ہوئے کچن سے نکل آئی۔

"آپ کی ممنون ہوں کہ آپ کی مدد سے اللہ رب العزت کے کرم کے بعد مجھے بے مول ہونے سے بچالیا۔"

"ہونہہ۔۔۔ اتنی پارسا ہوتیں تو اپنے گھر بیٹھی ہوتیں' یہاں زبردستی گھس کر میری مجبوری سے فائدہ نہ اٹھاتیں۔" وہ اس کی خود اعتمادی پر جل اٹھا۔ ایمان کے قدم نانو کے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے رک گئے۔ وہ پلٹی تھی اور آنسوؤں سے بھری نگاہیں اس کی آنکھوں میں ڈالتے ہوئے عین اس کے مقابل آرکی تھی۔

"جن کے گھر نہ ہوں' کوئی رشتہ باقی نہ ہو' تقدیر' زمانہ' حالات' کچھ بھی مہربان نہ ہو' تو کیا وہ پارسا نہیں ہو سکتے؟"

"تم کہنا چاہتی ہو کہ تم لاوارث ہو؟"

"ہاں۔۔۔" مصحف کے طنز پر بڑی بے بسی سے سر جھکایا تھا اس نے' وہ ہنس دیا۔

"بہت خوب' اگر تم سمجھتی ہو کہ میں تمہاری اس جھوٹی کہانی میں آجاؤں گا تو یہ تمہاری بہت بڑی بے وقوفی ہے۔"

"ٹھیک ہے' شب بخیر۔" وہ بحث کے موڈ میں نہیں تھی۔ مصحف نے زور سے دیوار پہ مکا رسید کرکے اپنے اندر کا غصہ نکالا۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز سنڈے تھا اور وہ کل رات [illegible] کے باعث خاصی تاخیر سے بے دار ہوا [illegible] کے بعد فریش ہو کر نیچے آیا تو ایمان [illegible] کے بعد نانو کے بالوں میں تیل لگاتے ہوئے مساج کر رہی تھیں' ساتھ ہی کسی دینی مسئلے پر گفتگو بھی جاری تھی۔

"السلام علیکم۔" کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے اس نے انہیں اپنی موجودگی کا احساس دلایا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" نانو کی بجائے جواب اس کی طرف سے آیا تھا۔ وہ وہیں صوفے پر ٹک گیا۔

"نانو! جلدی سے تیار ہو جائیں۔ اقصیٰ آنٹی کے گھر جانا ہے۔ کل سے فون پر فون آرہے ہیں ان کے۔"

"آنے دو۔ مجھ میں اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہے۔"

"ہو کم آن نانو اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ میں آپ کے ساتھ جا رہا ہوں میں خود ساری بات سنبھال لوں گا۔"

"اور پیچھے ایمان کے پاس کون رہے گا؟"

"اللہ ہے نا۔" بے خیالی میں اس نے کہا تھا پھر فوراً" سنبھلتے ہوئے بولا۔

"ہم جلدی آجائیں گے۔۔۔ ساتھ والی آنٹی بھی دو چکر تو ضروری لگائیں گی۔"

"چلو ٹھیک ہے' مگر یہ مرحلہ بھی [illegible] ہیں۔" نانو کا اپنا ارادہ بھی تھا اقصیٰ کی طرف جانے کا۔ لہٰذا وہ تیار ہو ہی گئیں۔ مصحف [illegible] روانہ ہوتے وقت حمزہ کو کال کرکے پیچھے میدان خالی ہونے کا عندیہ دے دیا تھا۔

ایمان جو ان [illegible] ہونے کے بعد' وضو کرکے قرآن [illegible] بیٹھ گئی تھی۔ تھوڑی ہی دیر کے [illegible] کی آواز سن کر نا چار اٹھ گئی۔ [illegible] کے نوکر کے تمام ملازمین چھٹی کرتے تھے' [illegible] کھولنے کے لیے اسے ہی آنا پڑا۔

"کون ہے؟" اس روز کے بعد پہلی بار وہ گیٹ کے قریب آئی تھی لہٰذا اطمینان ضروری تھا۔

"حمزہ' مصحف نے بھیجا ہے' اس کا موبائل یہیں کمرے میں رہ گیا ہے۔"

جواب میں حمزہ کی آواز اور کی ہول سے اس کا چہرہ دیکھنے کے بعد اس نے گیٹ کھولا تھا۔

"میں۔ میں اکیلی ہوں آپ کو۔۔۔ وہ اس وقت گھر پر کوئی نہیں ہے۔"

"آپ تو ہیں۔" حمزہ کی مسکراہٹ اس کا دل دھڑکا گئی تھی۔ وہ ابھی کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ شہریار [illegible] اسے سائیڈ پر ہٹا کر گھر کے اندر گھس آیا اور گیٹ لاک کر دیا۔

"ہم نے سوچا۔ اگر بنا نکاح کے آپ مصحف پر مہربان ہو سکتی ہیں تو ہم کیا [illegible]" کہنے کو وہ اس کے اسلامی بھائی تھے مگر ان کے چہروں پر رقصاں شیطانی مسکراہٹ [illegible] کی سی تھی وہ ان کے الفاظ پر ششدر رہ گئی تھی۔

"[illegible]"

"[illegible] کرے میں چلو' پھر بتاتے ہیں۔" حمزہ نے [illegible] کہتے ہوئے اس کا بازو پکڑا تھا۔ جواب میں وہ چلا اٹھی۔

"ڈونٹ ٹچ می۔ اللہ کا قہر نازل ہوگا تم پر اگر تم برے ارادے سے میری طرف بڑھے تو۔"

"اچھا۔۔۔ کیا ہوگا ذرا ہم بھی تو دیکھیں۔"

وہ بے علم بھی تھے' بے ہدایت بھی ایمان رو پڑی۔ اس کی مشکلات اور آزمائشوں کا وقت ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

عباد گھر سے چلا گیا تھا اور ادھر اجالا کے پچھتاوے تھے کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ غلام عباس صاحب نے ایمان کے بدلے دنیاوی آسائشات حاصل کرلی تھیں۔ ایک شاندار گھر' گاڑی' بچوں کے لیے بہترین کالجوں میں تعلیم' سب کچھ ہی تو پالیا تھا انہوں نے۔ امجد کا خواب باہر جانے کا تھا۔ یہ خواب بھی اب پورا ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔

وہ خوش تھے۔ زمین پر اکڑ کر چلنے لگے تھے۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ناموس کے بدلے "دس لاکھ روپے کی خطیر رقم نے رہا سہا پچھتاوا اور الجھن بھی ختم کر ڈالی تھی۔ وہ واقعی مذہب کیا دے رہا تھا انہیں [illegible] سکون۔ اور بس۔؟

[illegible] حالات سے وہ گزر رہے تھے ان حالات میں "سکون" سے گزارہ ممکن نہیں تھا۔ لہٰذا حالات بدلے تو تایا اور تائی کے خیالات بھی بدل گئے۔ اب امجد کے لیے اجالا کا ساتھ انہیں کسی صورت منظور نہیں رہا تھا۔ ویسے بھی وہ باہر جا رہا تھا۔ بٹی الگ اعلا کالج کی "زینت" بن گئی تھی' نفیس شلوار دوپٹے کی جگہ اسکرٹ اور جینز نے لے لی تھی۔ چھوٹا ولید جو ابھی بمشکل اٹھارہ سال کا بھی نہیں ہوا تھا۔ بری صحبت کا شکار ہو کر اس راستے کا راہی ہو گیا کہ جس کی منزل سوائے دنیا اور آخرت کی تباہی کے اور کچھ نہیں تھی۔

حق اور ہدایت کے راستے سے گمراہی کے بعد وہ صرف ذلت سمیٹ رہے تھے مگر ان کی آنکھوں پر بندھی گمراہی کی پٹی کے باعث یہ ذلت بھی انہیں کسی نعمت سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ تایا کے روابط بڑھ رہے تھے اور تائی کی مصروفیات۔ اپنی دانست میں وہ پیتل پر سونے کا پانی چڑھا کر ہائی سوسائٹی کا حصہ بن گئے تھے مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ ان سے کیسا عظیم نقصان سرزد ہو گیا تھا۔

ادھر اجالا سے چھوٹی بسمہ اور ندا کے چکر تائی کے گھر بڑھ گئے تھے۔ غلام محمد صاحب تھے کہ بس خاموشی اور صبر سے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ عباد کے بعد انہوں نے کئی بار اپنی دونوں چھوٹی بیٹیوں اور بیٹے کو سمجھانے اور آخرت کے عذاب سے ڈرانے کی کوشش کی تھی مگر دوسری نوجوان نسل کی طرح ان کے لیے بھی یہ سب کتابی باتیں تھیں۔ باپ کے دکھاوے کو وہ کسی وقت کی نماز پڑھ بھی لیتی تو دماغ میں دنیاوی نفع و نقصان کے خیالات ہی گردش کرتے تھے وہاں نہ آخرت کی کوئی پروا تھی نہ اللہ کی ناراضی کا خوف' نہ ہی معاشرے میں رسوائی کا کوئی خدشہ۔

ہر شے سے بے خبری و بے نیازی کی اس دنیا میں صرف مزاج تھا تو دل اور اس کی خواہشوں کا' باقی ہر چیز

ان کے لیے جیسے بے معنی ہو کر رہ گئی تھی۔

تائی آج کل ندا کو اسجد کے خواب دکھا رہی تھیں۔ کیونکہ ندا ایک تو اس کی جانشین تھی دوسرا وہ غلام محمد صاحب اور اجالا کو رلانا چاہتی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ اسجد باہر جانے کے لالچ میں کبھی بھی ان کے کسی فیصلے سے انحراف نہیں کرے گا اس کے باوجود اس عورت نے ندا کی مدد سے ان دونوں کے لیے بڑا مضبوط جال تیار کر لیا تھا۔

بسمہ کے روابط ساتھ والے گھر میں مقیم چالیس سالہ عیاش بزنس مین سے بڑھ گئے تھے۔ اجالا کی غیر موجودگی میں ندا کو بتا کر وہ سارا سارا دن وہیں گزارتی تھی۔ غلام محمد صاحب کو اجالا خود صبح فیکٹری جانے سے پہلے بیٹھک میں شفٹ کر جاتی۔ اور گھر واپسی کے بعد وہی انہیں وہاں سے اٹھا کر لاتی۔ انہیں علم ہی نہیں تھا کہ ان کی ناک تلے کون سا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔

اس دن اسجد کی انگلینڈ کے لیے روانگی تھی اور اجالا کو فیکٹری سے جواب مل گیا تھا۔ اعصاب پہلے ہی قابو میں نہیں تھے کہ دل پر ایک اور بوجھ آ پڑا۔ بسمہ حسب معمول ساتھ والوں کے گھر پہنچی ہوئی تھی جبکہ ندا اس کے لاکھ منع کرنے کے باوجود تائی کے گھر سدھار گئی تھی۔ بسمہ کی کیا سرگرمیاں تھیں اجالا اس سے باخبر نہیں تھی۔ اس وقت غلام محمد صاحب کی طبیعت بگڑنے پر وہ شدید اشتعال میں ساتھ والے گھر آئی تھی تاکہ بسمہ کو تھپڑ لگاتے ہوئے وہاں سے واپس لا سکے۔ پچھلی پوری رات کی جاگی ہوئی تھی اسی لیے سر بے حد بوجھل ہو رہا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ کیا منظر دیکھنے جا رہی ہے؟

ساتھ والے گھر کے اس شاندار کمرے میں بسمہ بزنس مین سے چپک کر بیٹھی تھی اور وہ اس کے گال سہلاتے ہوئے اس پر اپنا پیار لٹا رہا تھا وہ وہیں ٹھٹک گئی تبھی بزنس مین کی نظر اس پر پڑی۔

"ارے بڑی سالی صاحبہ آئی ہیں... امید بھی۔" بسمہ کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔ جبکہ بزنس مین کے چہرے پر فخریہ مسکراہٹ تھی۔ اجالا کو لگا وہ ال

بھی نہیں سکے گی۔

"تشریف لائیں اجالا صاحبہ رک کیوں گئیں۔" وہ بچھا جا رہا تھا۔ بسمہ موقع سے فائدہ اٹھا کر چپکے سے نکل آئی۔

"کتے۔ بے غیرت انسان۔ تمہاری جرات کیسے ہوئی میری بہن کے ساتھ اس حد تک جانے کی؟" وہ آگ بگولہ ہوئی تھی بس نہ چلتا تھا کہ تھپڑ مار کر اس شخص کا چہرہ سرخ کر دیتی۔ تاہم وہ اس کی گالی پر بھی مسکرایا تھا۔

"بیوی ہے میری۔ ایک ہفتہ پہلے ہی رو رو کر نکاح کیا ہے اس نے میرے ساتھ، یقین نہ آئے تو جا کر پوچھ لیجیے۔"

"اس سے تو پوچھ ہی لوں گی جا کر۔ لیکن پہلے تمہارا بندوبست کروں گی۔ جو تم نے گند بکھیر رکھا ہے یہاں پر۔"

"گند کہاں بکھیر رکھا ہے۔ میں تو دکھی انسانیت کی خدمت کرتا ہوں۔ ٹوٹے دلوں کو ملاتا ہوں۔ نوجوان دلوں کو سرور حاصل کرنے کے لیے ماحول فراہم کرتا ہوں خیر۔ آپ چاہیں تو آپ کے لیے بھی..."

"تڑاخ۔" اس سے پہلے کہ وہ اس سے مزید کوئی گستاخی کرتا اجالا کا ہاتھ اس پر اٹھ گیا۔ ادھر اسجد ندا کو چھوڑنے آیا تو بسمہ نے ندا کو ساری بات بتا دی اور وہ اسے تسلی دیتی۔ اسجد کا بازو تھام کر اسے برابر والے گھر میں لے آئی۔

اجالا کے لیے جو بھلائی اس نے اور تائی نے اسجد کے دل میں... کی کوشش کی تھی اس پر مہر لگانے کا وقت سے پہلے ہی مل گیا تھا۔ اسجد کے... پر چل رہے تھے۔ وہ ساری دنیا کے بھٹکنے کا یقین کر سکتا تھا مگر اجالا کا نہیں۔ اور وہاں اس وقت اس کا یقین ٹوٹا تھا۔

تھپڑ کھا کر انگارہ بننے والے بزنس مین کی گرفت میں پھڑپھڑاتی اجالا اسے حقیقی معنوں میں بے موت مار گئی تھی۔ نہ کوئی سوال ہوا تھا نہ کوئی وضاحت۔

چند لمحوں پہلے جس دہلیز پر وہ ... تھی اب اسی دہلیز

پر اسجد پتھر بنا کھڑا تھا۔ وہ اسجد جو اس کی دنیا تھا اس کا ایمان یقین تھا۔ آگے چند لمحے جیسے طوفان کی نذر ہو گئے تھے۔ اسجد کی وہاں آمد کے بعد بزنس مین نے اجالا کی کلائی چھوڑ دی تھی مگر تب تک وہ پلٹ گیا تھا۔ ٹوٹا مان ٹوٹی خواہشوں کی کرچیوں کے ساتھ۔

وہ دن شاید اپنے آغاز سے اختتام تک اس کے لیے دکھ ہی دکھ سمیٹ کر لایا تھا۔ ایسے دکھ کہ جن کا سایہ شاید آنے والے اگلے کئی برسوں تک اس کی ہستی پر چھایا رہتا تھا۔ کتنی کوشش کی تھی اس روز اس نے خود کو بے گناہ ثابت کرنے کی مگر اس کی کوئی کوشش بار آور ثابت نہیں ہوئی۔ اس کے خوابوں کے ساتھ ساتھ ندا اور بسمہ کے خواب بھی ادھورے رہ گئے تھے۔ اسجد نے اس روز کے بعد کسی کا سامنا نہیں کیا تھا۔ وہ چپ چاپ خاموشی سے انگلینڈ سدھار گیا تھا۔ اجالا کے لیے اس کے بعد جیسے زندگی کا ہر منظر ہی پھیکا پڑ گیا۔

بسمہ نے اپنا راستہ خود چن لیا اور ندا کی شادی تائی نے زبردستی ولید سے کروا دی تھی جو اس سے پورے تین سال چھوٹا تھا۔ شادی کے بعد اس کی عیاشیوں میں مزید اضافہ ہوا تھا۔ صرف سعد تھا جسے چپ لگ گئی تھی اور اس نے درس میں جانا شروع کر دیا تھا۔

عباد ندا اور بسمہ کے بعد غلام محمد صاحب ہر وقت روتے ہی رہتے تھے۔ ان کا کوڑھ آرام پا رہا تھا۔ بنا کسی علاج، کسی دوا کے وہ صحت یاب ہو گئے تھے مگر دل کے اندر جو زخم لگ گئے تھے اب وہ رس رہے تھے۔ گو اللہ نے ان کے بچوں کے ایمان کی حفاظت کی تھی وہ بھٹک گئے تھے مگر دنیا و آخرت کی نجات ان پر حرام نہیں ہوئی تھی وہ اللہ کی قائم کردہ حدود کے دائرے سے باہر نہیں نکلے تھے اس کے باوجود غلام محمد صاحب کی شرمندگی تھی کہ اپنے مالک کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہوئے کم نہیں ہوتی تھی۔

اجالا خالی خالی نگاہوں سے انہیں دیکھتی اور رو پڑتی۔ اس کا اپنا ہی دکھ تھا۔ فیکٹری سے جواب کے بعد اسے ایک سیٹھ کے گھر باورچی کی جاب مل گئی تھی۔

بھرا پرا گھر اللہ تھا اور لوگ قدردان تھے لہٰذا خود کو بہلانے کے لیے یہ مصروفیت اس کی ضرورت بن گئی تھی۔

... چار سال اس نے اللہ سے دور سکون کی تلاش میں گزار دیے تھے۔ مگر سکون تھا کہ ہاتھ نہ آ رہا تھا۔ چار سال بعد بھی اسے نہ عباد کا پتا چلا تھا نہ اسجد کا۔ تایا کے دیگر گھرانے سے اس کا رابطہ بھی نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ سعد کی شادی ہو گئی اور اس نے مقامی مسجد میں اپنے دادا عبداللہ صاحب کے منصب پر امامت شروع کر دی، اجالا کا زیادہ وقت غلام محمد صاحب کے ساتھ ہی بسر ہونے لگا تھا۔ انہی دنوں عباد کا سراغ لگ گیا۔ وہ سعودیہ میں تھا اور بہت اچھی زندگی گزار رہا تھا۔ پاکستان میں اپنے گھر کے تمام حالات سے بے خبر اس نے بڑی چاہ سے اپنے باپ کو اپنے پاس بلایا تھا اور انہیں عمرے کے ساتھ ساتھ حج بھی کروانے کے عزم کا اظہار کیا تھا۔

غلام محمد صاحب کے ساتھ ساتھ اجالا بھی بے حد خوش تھی کیونکہ اس نے اجالا کے لیے بہت اچھے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے اپنی تمام تر کامیابیوں کا سہرا اس کے سر باندھا تھا وہی تھی جس نے اسے کچھ کرنے پر اکسایا تھا ورنہ پاکستان میں رہتے ہوئے وہ جن سرگرمیوں میں پڑا تھا۔ وہ سرگرمیاں اسے تباہ و برباد کر ڈالتیں۔

بیٹے کی خواہش پر اپنے مالک کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہوئے غلام محمد صاحب سعودیہ روانہ ہو گئے تھے ان کے ویزے اور ٹکٹ کے لیے تمام پیسے عباد پہلے ہی بھجوا چکا تھا۔ یہ اس سے اگلے ہی روز کی بات تھی کہ اجالا کے ساتھ وہ حادثہ پیش آ گیا۔ وہ بھیانک حادثہ کہ جس نے اس کے لیے زندگی کے معنی ہی بدل کر رکھ دیے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ نانو کے ساتھ گھر سے نکل تو آیا تھا مگر اب اس کا ضمیر اسے بے چین کر رہا تھا۔ یہ محبت تھی نہ کسی

قسم کا کوئی احساس۔ بس ایک عجیب سے بے چینی تھی کہ شاید اسے اس لڑکی کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ جو بھی تھی جیسی بھی تھی یا اس کے جو بھی عزائم تھے۔ اسے پناہ دے کر پھر خود ہی اس کی عزت پر حملے کے لیے اپنے دوستوں کو اجازت نہیں دینی چاہیے تھی۔

نانو اقصیٰ آنٹی سے باتوں میں مصروف تھیں اور اس کے ذہن میں مختلف تصورات آ رہے تھے۔ تقریباً" آدھ گھنٹے بعد اس نے رہا نہ گیا تو بے قرار سا اٹھ کھڑا ہوا۔

"او کے نانو میں چلتا ہوں۔ بازار میں کچھ کام ہے۔ آپ کو جب جانا ہو کال کر کے بلوا لیجیے گا میں آجاؤں گا۔"

"ارے۔ بیٹھو نا بیٹا۔ میں کھانا لگوا رہی ہوں۔" اقصیٰ آنٹی فوری اٹھی تھیں۔ وہ ایکسکیوز کر گیا۔

"نہیں آنٹی۔ پھر سہی۔ ابھی بہت ضروری کام ہے۔"

کہتے ہی اس نے پاکٹ سے سیل نکال کر حمزہ کا نمبر ملایا مگر وہ رسپانڈ نہیں دے رہا تھا۔ تبھی اس نے گاڑی میں بیٹھتے بیٹھتے شہریار کو کال ملائی۔ مگر دوسری طرف بیل جاتی رہی کسی نے کال ریسیو نہیں کی۔ اس کا اضطراب اور پریشانی مزید بڑھ گئی تھی۔

دوسری جانب شہریار نے ایمان کا دوپٹہ کھینچ لیا تھا۔ "اتنی پارسا نہیں ہو تم جتنا خود کو شو کر رہی ہو۔" وہ طنز کر رہا تھا۔

ایمان کی نگاہیں اوپر چھت کی طرف اٹھیں اور وہ رو پڑی۔ ایک مرتبہ پھر اس کا کردار داؤ پر لگ رہا تھا۔ ایک مرتبہ پھر اسے عام سی گناہ گار لڑکی ہوتے ہوئے اپنی پارسائی کے لیے اپنے رب کو پکارنا پڑا تھا۔ اس رب کو کہ جس کے حقوق صرف ایک بدبودار گھٹن بنے عام سے انسان کی محبت اور چاہ میں پاگل ہو کر وہ کب کے پس پشت ڈال چکی تھی۔

وہ بھاگی تھی اور حمزہ کے پاؤں اڑانے کے باعث الجھ کر اوندھے منہ زمین پر آ پڑی تھی۔

"بہت ہو گیا ڈرامہ۔ اب دیکھتے ہیں کیسے نہیں نکلتیں تم یہاں سے۔" غرا کر کہتے ہوئے حمزہ نے اس کے بال کھینچ لیے تھے جبکہ شہریار کا مضبوط ہاتھ اس کے منہ پر جما تھا۔ دو طاقت ور مردوں کے مقابلے میں اس کی رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی تھی۔ قریب تھا کہ اس کا دل غم کی شدت سے پھٹ جاتا کہ اسی پل گیٹ پر زوردار دستک ہوئی۔ شہریار اور حمزہ دونوں ہی اس غیر متوقع دستک پر چونکے تھے۔ پھر شہریار حمزہ کو تسلی دیتے ہوئے گیٹ کی جانب بڑھ آیا۔ یہی وہ موقع تھا جب ایمان نے حمزہ کو ذرا سا غافل پا کر دھکا دیا اور اس کے سنبھلنے سے قبل ہی وہاں لاؤنج میں رکھا ڈیکوریشن پیس اٹھا کر اسے دے مارا۔ حمزہ کے سر پر ضرب پڑی تھی اور وہ تڑپ اٹھا تھا۔

ایمان بنا ایک لمحے کی تاخیر کیے بھاگی اور خود کو مصحف کے کمرے میں مقید کر لیا۔ اس کا دل اس وقت بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ مصحف نے مذاق میں کہا تھا "اللہ ہے نا۔" اور اللہ نے حقیقت میں اس کی مدد کر کے ثابت کر دیا تھا کہ وہ ہے۔ اپنے پکارنے والوں کے لیے ان کی شہ رگ سے بھی قریب تر ہے۔ صرف ایک لمحے میں بازی پلٹ گئی تھی۔

شہریار نے گیٹ کھول کر باہر دیکھا تو وہاں دور دور تک کسی ذی روح کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ ہوا بھی نہ چل رہی تھی کہ وہ اسے ہوا کی شرارت ہی سمجھ لیتا۔ حیران و پریشان وہ گیٹ بند کر کے واپس آیا تو سامنے حمزہ اپنا چھلا سر پکڑے ایمان کو گالیاں دے رہا تھا۔ مصحف فل اسپیڈ کے ساتھ گاڑی دوڑا کر گھر تک پہنچا تو شکست خوردہ سا شہریار، حمزہ کو سہارا دے کر اپنی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بٹھا رہا تھا۔

"کیا ہوا؟" وہ متوحش سا گاڑی سے باہر نکل آیا۔

"کچھ نہیں یار۔ بڑی ہوشیار لڑکی ہے۔ آسانی سے قابو میں آنے والی نہیں۔" شہریار کی سانس پھول رہی تھی۔ وہ اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اندر چلا آیا۔ لاؤنج میں ٹیلی فون سیٹ کے قریب ایمان کا دوپٹہ پڑا تھا۔ اس نے جھک کر اس کا دوپٹہ اٹھایا اور پھر اسے تلاشنا شروع کر دیا۔ وہ نیچے کہیں نہیں تھی تب وہ اسے صدا دیتا اوپر کے پورشن کی طرف آیا تھا اور سب سے پہلے اسی کمرے کے دروازے کو چیک کیا تھا۔ وہ اندر سے لاک تھا اسے قدرے تسلی ہوئی۔

"ایمان۔" صدا لگانے کے ساتھ ہی اس نے دروازہ ناک بھی کیا تھا۔ تاہم اندر سے کوئی جواب موصول نہ ہوا۔

"ایمان پلیز دروازہ کھولو۔ میں مصحف ہوں۔ مصحف۔" وہ اب بار بار صدا لگا رہا تھا۔ مگر وہاں ہنوز کوئی جواب نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے۔ تو پھر میں دروازہ توڑ رہا ہوں۔" اس بار دھمکی کارگر ثابت ہوئی تھی۔ دروازہ کھلا تھا اور پھر ہی وہ روتی ہوئی باہر آئی تھی۔ مصحف نے ایک شرمندہ سی نگاہ اس پر ڈالی پھر رخ پھیر گیا۔

"ٹھیک ہے نا؟" جانے کس منہ سے اس نے پوچھا تھا۔ جواب میں وہ منہ چھپائے روتی رہی۔

"یہ دوپٹہ پکڑو۔ میں پانی لے کر آتا ہوں۔" وہ اس سے نظریں نہیں ملا رہا تھا۔ ایمان نے روتے ہوئے دوپٹہ خود پر پھیلا لیا۔ وہ پانی لے کر آیا تو وہ بمشکل دو گھونٹ بھر سکی۔

"تم ٹھیک ہو نا؟"

"ہوں۔"

"تھینک گاڈ۔" جانے کیوں بے ساختہ اس نے گہری سانس بھری تھی۔

"ایم سوری۔ شاید مجھے تمہاری طرف سے لاپروا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ بہرحال نانو سے اس بات کا ذکر مت کرنا پلیز۔" وہ التجا کر رہا تھا۔ ایمان جیسے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ساری کہانی جان گئی۔

"آپ اچھے ہیں مصحف صاحب۔ مگر آپ کے دوست اچھے نہیں ہیں۔" اگلے ہی پل وہ اسے دیکھتے ہوئے آنسو پونچھ گئی۔ مصحف سر اٹھا کر اسے دیکھ بھی نہ سکا۔

"مجھے احساس ہے کہ میں نے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ مگر میں یہاں قطعی کسی خاص مقصد کے لیے نہیں آئی تھی۔ مشکل میں پھنسی تھی اور اللہ نے اپنی رحمت سے آپ کو میرا مددگار بنا دیا۔ آپ نے ہو سکتا ہے بہت نیک ہو کر بے نیاز کسی اور وسیلے سے میری حفاظت کرتا جیسے آج اس نے اپنی رحمت سے مجھ گناہ گار ذات کو محفوظ رکھا۔ بہرحال میں آپ کی احسان مند ہوں۔ مگر۔ آپ کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہوں۔" وہ آج پہلی بار اس پر کچھ واضح کر رہی تھی۔ مصحف اس کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ کر سکا۔

"فی الحال میرا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ کچھ وقت کے بعد ہو سکتا ہے میں یہاں سے چلی جاؤں تب تک نانو جو بھی سمجھیں، آپ کے لیے میں اس گھر کی معمولی ملازمہ کی حیثیت سے رہوں گی اتنا اعتبار تو آپ کر ہی سکتے ہیں مجھ پر۔" اسے پانی میں بھگو بھگو کر مارتا آ رہا تھا۔ مصحف لب بھینچے اسے دیکھتا سر ہلا کر واپس پلٹ گیا۔

اس رات جانے کیوں وہ پوری رات نہیں سو سکا تھا۔ دل و اعصاب پر ایک عجیب سا بوجھ تھا۔ اگلے روز وہ حمزہ اور شہریار سے الجھ پڑا۔

"میں نے کہا تھا نا وہ ایسی لڑکی نہیں ہے۔ اب ہو گیا شوق پورا؟"

"نہیں۔ اس مکار اسٹوپڈ لڑکی کو سبق سکھا کر رہوں گا میں۔" سر پر پٹی باندھے وہ مشتعل ہوا تھا۔ مصحف کا پارہ چڑھ گیا۔

"خبردار۔ اب دوبارہ تمہارے دماغ میں ایسا کوئی شیطانی خیال آیا تو پہلے ہی نظریں ملانے کے قابل نہیں چھوڑا ہے تم لوگوں نے مجھے۔"

"کیوں تمہارا کیا معاشقہ چل پڑا ہے اس سے جو نظریں ملانے کی نوبت آ گئی؟"

"جسٹ شٹ اپ حمزہ۔ انسانیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔"

"واقعی تو سوچو ہے کھا کر بلی کو انسانیت یاد آئے گی۔ اس وقت کہاں تھی یہ انسانیت جب تجھے خوش کرنے کے لیے ہم گھنٹوں خوار ہو کر کالجز اور یونیورسٹیز کے دھکے کھاتے تھے۔" وہ جلا بیٹھا تھا۔ مصحف مشتعل سا اٹھ کھڑا ہوا۔

"وجتانے کا بہت شکریہ۔ آج کے بعد تمہیں میرے لیے ایسی خواری کی ضرورت نہیں پڑے گی' بہرحال دوبارہ میرے گھر آؤ تو اس لڑکی کو اپنی بہن سمجھ کر آنا ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" شہریار نے بات سنبھالنے کی کوشش کی تھی مگر وہ اس کا ہاتھ جھٹکتا وہاں سے نکل گیا تھا۔

پچھلے چھبیس سالوں میں پہلی بار وہ اپنے دوستوں سے لڑا تھا اور ایک ایسی لڑکی کے لیے لڑا تھا جسے وہ ٹھیک سے جانتا بھی نہیں تھا۔ اسے یاد نہیں تھا مگر نانو بتاتی تھیں کہ وہ صرف ایک سال کا تھا' جب اس کی ماں اسے نانو کی گود میں ڈال کر چلی گئی تھی' نانو بے بس دیکھتی رہ گئی تھیں' اکلوتی لاڈلی بیٹی کی ہٹ دھرمی پر اس کی شادی کے بعد قطع تعلق کے باوجود' جب وہ طلاق لے کر ان کے پاس آئی تو وہ اسے دھکے دے کر گھر سے نکال نہ سکیں۔ بعدازاں ان کی بیٹی نے دوسری شادی کرلی اور ملک سے باہر اپنی نئی زندگی میں کھو گئی۔ چھوٹا مصحف نانو کی ذمہ داری بن گیا۔ پہلے پہل انہیں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بعدازاں وہ اس کے ننھے سے وجود کی عادی ہوتی چلی گئیں۔ کہتے ہیں اصل مال سے سود زیادہ پیارا ہوتا ہے۔ انہیں بھی تو اسے پاکر بیٹی بھول گئی تھی' وہ بیٹی کہ جسے صرف اپنی زندگی کو اپنی خوشیوں سے غرض تھی۔

مصحف پانچ سال کا ہوا تو وہ اسے اپنے ساتھ فیکٹری لے جانا شروع ہو گئیں۔ بی اے تک وہ ان کے ساتھ کالج کے بعد فیکٹری جاتا رہا۔ بعدازاں ہائی اسٹڈی کے لیے وہ باہر گیا تو اس نے فیکٹری جانا چھوڑ دیا۔ پھر نانو کا بھی دل نہ لگا اور یوں وہ سب کچھ مینیجر پر ڈال کر گھر کی ہو رہیں' مصحف دو سال کے بعد واپس آیا تو جیسے وہ زندگی کی طرف واپس آگئیں۔

ان کے گھر میں مصحف اور اس کے بچپن کے تین دوستوں حمزہ' شہریار اور شاہ میر کے دم سے ہی رونق تھی۔ چاروں بلا کے شریر تھے۔ شہریار کا ذاتی بزنس تھا جبکہ حمزہ کہیں جاب [illegible] شاہ میر البتہ ابھی بے روزگار ہی تھا۔ ادھر مصحف ساری ذمہ داری نانو اور ان کے پراعتماد ملازم پر ڈال کر خود عیش کر رہا تھا۔

زندگی میں کسی بھی رشتے کے قریب نہ پاکر اس کی ذات اس آزاد بیل کی مانند پروان چڑھی تھی' جس کا کوئی سربراہ نہیں ہوتا۔ اسے کبھی رشتوں کی نزاکت و حرمت کا پتا تھا' نہ زندگی کے صحیح چال چلن کا۔ نماز' قرآن سے اس کا واسطہ اتنا ہی تھا جتنا کسی بھی آزاد گھرانے کے بچوں یا افراد کا ہوتا ہے۔ دو سال لندن میں قیام کے دوران اس نے جی بھر کر آزادی کے مزے لوٹے تھے۔ کوئی ایسا گناہ نہیں تھا جو اس نے ان دو سالوں میں کھلم کھلا نہ کیا ہو' تاہم پاکستان واپسی کے بعد وہ ذرا سا محتاط ہو گیا تھا۔ اپنی خوشی یا عیاشی کے لیے اپنی بے حد پیاری نانو کو کسی بھی دکھ سے دوچار کرنا اسے کسی صورت گوارا نہیں تھا۔ عجیب بے خود سی زندگی تھی' جس میں کہیں کسی نفع و نقصان کا خیال تک نہیں تھا۔

نانو نصی آنٹی کا دل صاف کرنے کے بعد ان دونوں کی شادی کا باقاعدہ اعلان کرنے کی تیاری کررہی تھیں اور ایمان بیچاری اگر بری پھنسی تھی۔ اسے مصحف سے بات کرنی تھی۔ اس روز وہ تھکن سے چور الجھا الجھا سا گھر پہنچا تو ایمان نانو کو کھانا کھلا رہی تھی' وہ طبیعت کی خرابی کا بہانہ کرتا' بنا ایک لفظ کہے وہیں لاؤنج میں صوفے پر [illegible] گیا۔

"سنیے۔" وہ چونکا تھا۔ گردن پھیر کر ایمان کو دیکھتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔

"جی فرمایئے۔"

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تو چائے لے آؤں؟"

"[illegible] شکریہ۔"

"دودھ؟"

"کچھ بھی نہیں۔ پلیز۔ سو جائیں آپ جاکر' مجھے جو چیز چاہیے ہوگی میں خود لے لوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ مگر مجھے آپ سے بات کرنی تھی۔" بالآخر وہ اصل مدعا ہونٹوں پر لے آئی تھی۔ مصحف پاؤں زمین پر ٹکا کر سیدھا ہو بیٹھا۔

"کہیے۔"

"وہ نانو ایک دو روز میں ہماری... میرا مطلب ہے آپ کی اور میری شادی کا باقاعدہ اعلان کرنے کی تیاری کررہی ہیں۔ آپ پلیز ان سے بات کرکے انہیں روک دیں۔"

"کیوں روک دوں؟ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ آپ کی گھڑی ہوئی کہانی سچ ہونے جارہی ہے۔"

"میں نے آپ کو پس منظر بتادیا تھا۔"

"سو واٹ؟ پلاٹ آپ کا تھا' اس کی وضاحت بھی آپ ہی کریں گی۔ نانو کو میری کسی بات کا اعتبار نہیں ہے اب۔" وہ اس کی [illegible] سے صاف مکر گیا تھا۔

ایمان بے بسی سے [illegible] کر رہ گئی۔

فی الحال [illegible] نانو کو سچ بتاکر ان کی ناراضی مول لینے کی [illegible] تھی اور ادھر وہ جیسے ہتھیلی پر سرسوں جمائے [illegible]۔ بنا ایمان سے مشورہ کیے وہ اس کی فرضی کہانی کو حقیقت کا رنگ دینے کے لیے بے تاب [illegible]۔ ایمان کا دل چاہا وہ وہاں سے بھاگ جائے مگر بھاگ کر جاتی تو کہاں جاتی' اب تو کوئی در بھی ایسا نہیں رہ گیا تھا جو اسے پناہ دے دیتا۔

عجیب بے بسی اور خاموش دعائیں تھیں۔ ادھر مصحف یوں چپ سادھے ہوا تھا جیسے یہ اس کا نہیں کسی اور کا معاملہ ہو' اسے اب اس پر غصہ آرہا تھا۔ جبکہ وہ بے نیاز سا' اپنے دوستوں کے ساتھ ہونے والی جھڑپ کی ٹینشن ذہن سے جھٹکنے کے لیے بنا نانو کے مجبور کیے' فیکٹری جانا شروع ہوگیا تھا۔ ایمان چاہنے کے باوجود اس سے تنہائی میں بات کرنے کا موقع دوبارہ نہ پاسکی۔

☆ ☆ ☆

اس روز نانو نے اسے زبردستی مصحف کے ساتھ شاپنگ کے لیے مارکیٹ بھیجا تھا۔ تقریباً آدھا راستہ دونوں خاموش رہے تھے۔ تب ایمان نے ہی بولنے میں پہل کی۔

"آپ اپنے دوستوں سے ناراضی کی وجہ سے اپ سیٹ ہیں؟"

"نہیں۔" مگر وہ اس کی طرف دیکھنا گوارا نہیں کررہا تھا۔

"لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے دوستوں کی وجہ سے اپ سیٹ ہیں' اور آپ یقین کیجیے میں اس کے لیے بہت افسردہ ہوں' میری وجہ سے آپ کو..."

"اس موضوع کے علاوہ کوئی بات نہیں کرسکتیں تم؟" اس کی بات درمیان میں ہی کاٹتے ہوئے وہ اس پر برہم ہوا تھا۔ ایمان اسے دیکھ کر رہ گئی۔ باقی کا راستہ پھر خاموشی کی نذر ہوگیا۔ اگلے دس منٹ میں گاڑی ایک شاندار جیولر شاپ کے سامنے رکی تھی۔

"آؤ۔" گاڑی سائیڈ پر کھڑی کرنے کے بعد وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"مجھے کچھ نہیں خریدنا۔ نانو حقیقت سے بے خبر ہیں' آپ تو نہیں۔" وہ جھجکی تھی۔ تب ہی وہ پھر الٹ پڑا۔

"تم آتی ہو کہ میں کھینچ کر باہر نکالوں؟" اور وہ اس کے انداز پر حیران رہ گئی تھی۔ تاہم بولی کچھ نہیں۔ وہ اس کے لیے اپنی مرضی سے جیولری پسند کررہا تھا' ڈائمنڈ رنگ' بریسلٹ' ایئر رنگز' لاکٹ سیٹ' جانے کیا کیا۔ وہ بس خاموشی سے دیکھتی رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ اس کے بہانے اپنی کسی گرل فرینڈ کے لیے وہ سب خرید رہا ہے۔ تاہم اسے اس کے ارادوں کی خبر نہیں تھی۔

"اپنا بایاں ہاتھ ادھر کرو۔" ڈائمنڈ رنگ پر نظریں جمائے نیا حکم جاری کیا تھا اس نے' ایمان نا چاہتے ہوئے بھی حکم کی تعمیل کرگئی۔ تب اس نے رنگ اسے پہنا کے چیک کی' پھر بل پے کرکے اس سے یکسر لاتعلق نظر آتا شاپ سے باہر نکل آیا۔ وہ آج کل اتنا مصروف اور سنجیدہ ہو گیا تھا کہ ایمان لاکھ کوشش کے باوجود اس سے کوئی بات نہ کرپائی تھی۔ اس روز اس نے باتوں ہی باتوں میں نانو کو اپنا بیک گراؤنڈ بتایا تھا اور وہ چونک گئی تھیں۔

"کیا ہوا نانو؟"

"کچھ نہیں۔" اس کی حیرانی پر وہ اپنی پریشانی چھپا گئی تھیں اور رات میں جب مصحف گھر واپس آیا تو اس نے نانو کو اٹھ کر اس کے کمرے کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ شاید وہ اس کے بارے میں جان کر پریشان ہو گئی تھیں اور اب مصحف سے اس فرضی تعلق کا اختتام چاہتی تھیں۔ کتنی خوشگوار سوچ تھی یہ کہ وہ کسی نئے امتحان میں نہیں پڑے گی' آج نہیں تو کل ضرور اس کی واپسی کا کوئی راز نکل آئے گا۔ مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ وہاں مصحف کیا طے کیے بیٹھا ہے۔ اس کا ارادوں کی خبر اسے تقریب والے روز ہوئی تھی' جب اس کے بخار کی پروا کیے بغیر اسے نا صرف باقاعدہ دلہن بنایا گیا بلکہ مصحف نے چالاکی سے دوبارہ نکاح کی بیج بھی اڑا دی۔ نانو سے اس نے یہی کہا تھا کہ وہ شادی کی پوری رسم کرنا چاہتا ہے اور یہ کہ پہلے نکاح کی اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رہی۔

وہ احتجاج کرنا چاہتی تھی' نانو کو سب کچھ سچ سچ بتا کر اس جھنجھٹ سے نکلنا چاہتی تھی۔ مگر اتنے مہمانوں کے بیچ وہ جیسے پنجرے میں قید چڑیا کی مانند پھڑپھڑا کر رہ گئی۔ لوگوں کے بیچ ارتماشا لگا تھا اس کا اور۔۔۔ وہ پچھاڑ گئی تھی۔

نانو خوش تھیں' مصحف کا اسے پتا نہیں تھا۔ تاہم نکاح کے بعد یونہی اچانک اس کی نظر اٹھی تو وہ اسے حمزہ' شہریار اور شاہ میر کے درمیان خوشگوار موڈ میں کھڑے دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ یہ کیسا کھیل کھیلا تھا اس نے کہ اپنا نام دے کر اس کی عزت کے لٹیروں کے ساتھ صلح کر لی تھی! اسے پتا ہی نہ چلا کہ کب اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔ کاش اس موقع پر اس کے بابا اس کے پاس ہوتے تو وہ ان سے ضرور کہتی۔

"بابا دیکھیے۔۔۔ انہوں نے میرے ساتھ کیا کیا؟" مگر وہ اس کے پاس ہی تو نہیں تھے۔ اس کا کوئی بھی اپنا اس کے پاس نہیں تھا۔ تب ہی وہ بلک بلک کر رونا شروع ہو گئی تھی۔ نانو جو خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھیں۔ اس اچانک افتاد پر بوکھلا کر رہ گئیں۔ خود مصحف گھبرا کر اس کے پاس چلا آیا تھا۔ دونوں کو ہی اس کے یوں شدت سے رونے کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے بچی گھبرا گئی ہے۔" نانو روہانسی ہو رہی تھیں۔ مصحف نے اس کا سرد ہاتھ تھام لیا۔

"آپ اسے کمرے میں لے جائیں نانو۔ میں کھانے وغیرہ کا انتظام کرتا ہوں۔" وہ شاید اس کے یوں اچانک رونے کی وجہ سمجھ گیا تھا۔ نانو رشتہ دار خواتین کی مدد سے اسے مصحف کے فل ڈیکوریٹڈ کمرے میں لے آئیں' جسے تھوڑی دیر پہلے ہی اس کے دوست سجا کر گئے تھے۔

"میرا خیال ہے وہ ہمیں یہاں دیکھ کر ہرٹ ہوئی ہیں۔" حمزہ نے اس کے جانے کے بعد سب سے پہلے رائے پیش کی تھی۔ شہریار اور شاہ میر نے بھی اس کی تائید کی۔

"ہوں۔۔۔ ابھی وہ جانتی نہیں ہے نا کہ تم لوگ سالے بن گئے ہو۔" وہ مسکرایا تھا جواب میں تینوں نے مسکرا کر اسے ایک ایک مکا رسید کیا۔ رات گئے تھکن سے چور وہ کمرے میں آیا تو ایمان جیسے ہی گلاس ونڈو میں کھڑی جانے باہر کیا تلاش رہی تھی۔ وہ کمرہ لاک کرتا کچھ سوچتے ہوئے اس کے قریب چلا آیا۔

"السلام علیکم۔" وہ چونکی تھی اور پلٹ کر اسے دیکھتے ہوئے پھر [illegible]

"میرا خیال ہے تم یہاں آسمان پر وہ ستارہ تلاش کر رہی ہو جو [illegible] ہوگا۔" وہ مسکرایا تھا۔ سچی خوشی اس کے خوب صورت چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔ [illegible] وہ پھر رو پڑی۔

"کیوں کیا آپ نے میرے ساتھ ایسا؟" آواز بھی بھاری ہو رہی تھی وہ مسکرا دیا۔

"کیا' کیا ہے میں نے' پوری عزت اور مان کے ساتھ اپنا نام ہی تو دیا ہے۔"

"یہ جانے بغیر کہ میں کون ہوں' کیا ہوں؟"

"نہیں۔۔۔ سب کچھ جان کر ہی کیا ہے' البتہ تم نہیں جانتیں کہ جس فیکٹری میں تم کئی سال کام کرتی رہی تھیں وہ میری ہی ہے۔"

"واٹ۔۔۔؟" وہ واقعی حیران رہ گئی تھی۔ وہ اسے کندھوں سے تھام کر بیڈ پر لے آیا۔

"ہوں۔۔۔ یقین نہ آئے تو صبح ساتھ چلنا۔" وہ اب بھی مسکرا رہا تھا۔ ایمان نے اس کے ہاتھ اپنے کندھوں سے ہٹا دیے۔

"میں یہ سب نہیں چاہتی تھی۔" وہ اب اضطراب کا شکار تھی۔

"کیوں۔۔۔؟ تم یہ چاہتی تھیں کہ نانو نکاح کے بغیر ہمیں ایک کمرے میں ساتھ دیکھتیں اور پھر۔۔۔" اس نے دانستہ لب دبائے تھے جب وہ بے قراری اس کے پہلو سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں نے کچھ نہیں چاہا میں نے' صرف پناہ چاہی تھی' آپ سے اور کچھ نہیں۔"

"وہ پناہ کے ساتھ ساتھ پیار' محبت' عزت' تحفظ اور بہت کچھ بھی مل گیا تو کیا ہوا' تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔"

"مگر میں خوش نہیں ہوں۔" فوراً وہ دہاڑی تھی۔

"کبھی بھی خوش نہیں رہ سکتی میں آپ کے ساتھ' کیونکہ میں۔۔۔ میں کسی اور کو چاہتی ہوں۔" اس نے کہتے ہی رخ پھیر لیا تھا۔ ادھر مصحف کا چہرہ پل میں تاریک ہو گیا۔

"کیا بکواس ہے یہ؟"

"بکواس نہیں حقیقت ہے' میں امجد کو چاہتی ہوں' اس امجد کو جو میرا بچپن کا ساتھی ہے۔ جس سے میرے دکھ اور سکھ سانجھے ہیں' جو صرف میرے لیے ہے' صرف میرے لیے۔" وہ بول رہی تھی مگر مصحف کو لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کے منہ پر تھپڑ رسید کر رہا ہے۔ اس میں مزید کچھ سننے کی ہمت نہیں تھی۔ لہٰذا لب بھینچ کر ضبط کا مظاہرہ کرتا وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔ ایمان اس کے جانے کے بعد تھکی تھکی سی بیڈ پر آ بیٹھی۔ اسے وہ سب ایک خواب لگ رہا تھا۔ بھیانک خواب' جانے اس کے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا تھا۔ اجالا سے ایمان بن کر بھی وہ زندگی کی آزمائشوں سے پیچھا نہیں چھڑا سکی تھی۔

اسے یاد آ رہا تھا اس روز خرابی طبیعت کے باوجود وہ کام پر جانے کے لیے اٹھی تھی کیونکہ سیٹھ کے گھر مہمان آنے تھے اور اسے ان کے لیے بہت سی ڈشز کا اہتمام کرنا تھا۔ بھابھی نے اسے منع کیا تھا۔ خود سعد بھی اس کی جاب کے حق میں نہیں تھا۔ مگر وہ اس کی تسلی کے لیے پردے میں آتی جاتی تھی۔ محلے والوں کی اس کے لیے مختلف رائے تھی۔

کوئی اس کی تعریف کرتا تھا کہ اس نے مشکل وقت میں گھر کو سہارا دیا تو کوئی اس کا نام سنتے ہی کانوں کو ہاتھ لگاتا کہ اس کا کردار صحیح نہیں۔ حالانکہ اس نے ہمیشہ محتاط زندگی گزاری تھی۔ فیکٹری جانے کے علاوہ بھی بلا ضرورت گھر سے باہر قدم نہ نکالا۔ فیکٹری میں کام کے دوران بھی سب کے ساتھ اس کا رویہ لیا دیا سا ہی ہوتا تھا۔ اس کے باوجود دنیا اس سے خوش نہیں تھی۔ مگر اسے اب دنیا کے خوش ہونے نہ ہونے سے فرق بھی کہاں پڑتا تھا۔

امجد کے پاکستان سے چلے جانے کے بعد اس کے لیے جیسے ہر چیز بے معنی ہو گئی تھی۔ اس روز خراب طبیعت کے باوجود وہ گھر سے نکل آئی تھی۔ سیٹھ کی بیوی اور بیٹاں گھر پر نہیں تھی صرف ملازمین تھے' وہ آ کر پچھتائی مگر اللہ کا نام لے کر کام میں لگی رہی' دوپہر تک اس کا بخار مزید بڑھ گیا۔ کچن میں مزید کھڑے رہنا اب اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔ لہٰذا دوپٹے سے پسینہ پونچھتی وہ اجازت لینے کے لیے سیٹھ کے پاس آ گئی تھی۔ جو شراب کے نشے میں دھت بیٹھا مہمانوں کا انتظار کر رہا تھا۔

"آصف صاحب۔۔۔ میں نے کھانا تیار کر دیا ہے' میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے میں گھر جا رہی ہوں۔"

"ابھی نہیں جا سکتیں آپ۔" فوراً وہ بولا تھا۔ اجالا کا دل دھڑک اٹھا۔

"کیوں۔۔۔ میں فری ہو گئی ہوں تو۔۔۔"

"وہ کس نے فری کیا ہے آپ کو؟" اچانک وہ بدلے تیوروں کے ساتھ بولا تھا اور اجالا جیسے فریز ہو کر رہ گئی تھی وہ اٹھا تھا اور اس نے سب سے پہلے اجالا کے منہ پر ہاتھ جمایا تھا۔ یہ سب اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ وہ کچھ سمجھ ہی نہ سکی۔

سیٹھ نے اسے اوپر والے فلور پر اپنے کمرے میں قید کر دیا تھا۔ ساؤنڈ پروف اس کمرے میں اس کی آواز دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر واپس آ گئی رہی اور وہ اسے بدارادے سے قید کر کے اسی پل کمرے سے نکل گیا۔

صبح سے دوپہر ہوئی اور دوپہر سے شام۔ اس نے رو رو کر اپنی آنکھیں سوجا لی تھیں۔ مگر یہاں کوئی اس کی مدد کے لیے نہیں آیا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ سیٹھ کے ارادے کیا ہیں اور یہ کہ وہ اس کے ساتھ کیا کرنے کی ٹھانے ہوئے ہے۔ بھوک پیاس اور بخار نے اسے نڈھال کر چھوڑا تھا۔ اس میں اتنی سی سکت بھی نہیں تھی کہ وہ ونڈو کے شیشے توڑ کر ہی وہاں سے فرار کی کوئی کوشش کر سکتی' اس لیے وہ صرف کمرا اندر سے لاک کر سکتی تھی اور وہ اس نے کر لیا تھا۔ مگر کب تک؟

ایک روز۔ دو روز۔ تین روز۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ تین دن گھر واپس نہ جانے پر اس کے بھائی اور بھابھی کا کیا حال ہوا ہوگا۔ انہوں نے اس کے بارے میں کیا سوچا ہوگا؟ کتنا غلط سمجھا ہوگا اسے؟ سب ختم ہو گیا تھا جیسے۔ سب کچھ۔ وہ قدرت کی اس آزمائش پر صرف رو سکتی تھی اور وہ رو رہی تھی۔ اسے اس اجنبی کمرے میں قید ہوئے وہ تیسرا دن تھا جب سیٹھ اس رات اپنے ساتھ دو اور لوگوں کو بھی لے آیا۔ شاید اس میں مزید برداشت کی ہمت نہیں رہی تھی۔ وہ لوگ دروازہ توڑنے کے درپے تھے اور ادھر بھوک و بیماری سے نڈھال اجالا کی جان جیسے حلق میں اٹک آئی تھی۔ عزت گنوانے کے بعد موت کا تصور اس کے لیے بے حد بھیانک تھا' یہی وجہ تھی کہ چار سال بعد اسے پھر اللہ یاد آیا تھا۔

وہ جانتی تھی اس لمحے اللہ کی ذات کے سوا دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں بچا سکتی تھی۔ عزت گنوانے کے بعد زندہ بچ جانا کوئی معنی بھی نہیں رکھتا تھا۔ لہٰذا وہ اللہ سے اپنی عزت کی حفاظت کی دعا مانگتی۔ آخری کوشش کے طور پر لڑکھڑاتی اٹھی تھی اور طاقت سے جو چیز بھی ہاتھ لگی اس نے ونڈو پر دے ماری' باہر گھپ اندھیرے میں صرف لان کی لائٹیں جل رہی تھیں۔ نہ کچھ دکھائی دے رہا تھا نہ سمجھ میں آ رہا تھا۔ ونڈو کا شیشہ صرف اتنا ٹوٹا تھا کہ وہ زخمی ہو کر ہی سہی مگر باہر نکل سکتی۔ اگر سیٹھ کا کمرہ سیکنڈ یا تھرڈ فلور پر ہوتا تو شاید وہ کبھی وہاں سے زندہ بچ کر نہ جا سکتی۔

ونڈو سے باہر کودنے کے بعد وہ زخموں کی پروا کیے بغیر بھاگ کر گیٹ کے قریب آ گئی تھی جہاں موجود کتے نے بندھا ہونے کے باوجود اسے دیکھ کر بھونکنے کے ساتھ ساتھ اچھلنا کودنا شروع کر دیا تھا۔ گیٹ لاک نہیں تھا۔ پھر بھی وہ اسے کھول کر باہر نکلتے ہوئے ہانپ گئی تھی۔ سب کچھ جیسے ڈرامائی ہو رہا تھا۔ اللہ کی مدد شامل حال ہو تو وہ کیسے اپنے بندوں کو بھنور سے سلامت نکال لیتا ہے' اس وقت وہ جان پائی تھی۔

کتے کے بھونکنے کی تیز آواز پر وہ لوگ جو اسے شکستہ عمارت کی مانند مسمار کر دینا چاہتے تھے بھاگ کر باہر آئے تھے۔ مگر تب تک وہ کافی دور نکل چکی تھی پھر بھی انہوں نے اس کا پیچھا کیا تھا۔ عزت بچانے کے لیے سیٹھ کے گھر سے بھاگ نکلی تھی۔ [illegible] بچانے کے لیے مصعف علی میر کے گھر سے بھاگ نکلی تھی۔ جانے ابھی اس کی تقدیر میں اور کس کس سے بھاگنا لکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

شدید تھکن' بخار اور الجھن کے باوجود وہ بیڈ پر بیٹھے بیٹھے بنا لباس تبدیل کیے سو گئی اسے خبر ہی نہ ہوئی۔ مصعف دوبارہ کمرے میں واپس آیا تو وہ سمٹ کر سو رہی تھی' وہ ایک نظر اس پر ڈال کر گہری سانس بھر کر بیڈ کی دوسری سائیڈ پر آ بیٹھا۔

اجالا کی آنکھ کھلی تو وہ اسے قریب بیٹھا دیکھ کر فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اس کا خیال تھا وہ اب اسے بستر چھوڑنے کو کہے گا اور کہے گا کہ اسے نیند آ رہی ہے۔ لہٰذا وہ اس کے بستر سے اٹھ جائے۔ مگر اس نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔ خوب صورت آنکھوں کی سرخی اس کے اندر کا حال خوب واضح کر رہی تھی۔

"کیا تم مجھے بتاؤ گی کہ اس رات تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا اور تم کیوں بھاگ کر آئی تھیں؟" [illegible] خاموشی کے بعد کمرے میں اس کی آواز گونجی تھی۔ اجالا کے ہاتھ اپنے گلے پر رک گئے۔ وہ زیور اتارنے کی کوشش میں تھی۔

"ہوں۔ سب بتاؤں گی۔ مگر کیا آپ میرا یقین کریں گے؟"

"ہاں۔ کیوں نہیں۔" وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ اجالا اپنے ہاتھوں کے ناخن سے کھیلتی اسے شروع سے آخر تک تمام حالات و واقعات سے آگاہ کر گئی یہاں تک کہ اپنے تایا غلام عباس کے اپنے مذہب سے پھر جانے کے حوالے سے بھی۔ مصعف اس دوران بالکل خاموش رہا تھا۔

"اب کہاں ہوتے ہیں وہ؟ اور جس بیوی کو وہ شخص چھوڑ چکا ہے اس کا کیا بنا؟"

"پتا نہیں۔ تایا سے علیحدگی کے بعد انہوں نے دوبارہ کسی سے رابطہ ہی نہیں رکھا۔ اپنا بیٹا بھی وہ ساتھ ہی لے گئی تھیں۔"

"ہوں۔ یعنی اسجد غلام عباس کا بھائی؟"

"جی۔ تایا کا بڑا بیٹا اور اسجد کا بڑا بھائی۔"

"تمہیں پتا ہے اس کا نام کیا ہے؟" اب اس نے رخ پھیرا تھا۔ اجالا سر نفی میں ہلا گئی۔

"نہیں۔ مگر آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"اس لیے تاکہ تم اس ایمرجنسی شادی کی وجہ جان جاؤ' جاننا چاہو گی اسجد غلام عباس کا بڑا بھائی کون ہے؟ میں ہوں' میں' تمہارا شوہر مصعف علی میر۔" ایک دم وہ جذباتی ہوا تھا۔ اجالا حیرانی سے گنگ بنا پلک جھپکائے اسے دیکھتی رہی۔

"مجرم ہے وہ شخص میرا' جس نے زندہ ہوتے ہوئے بھی ہمیشہ باپ کی شفقت سے محروم رکھا مجھے' اور اب تو اس کا بیٹا بھی میرا مجرم ہے' جس نے بیوی ہوتے ہوئے بھی مجھے اس کی سچی محبت سے محروم رکھا۔ میں اس کے سامنے کمزور پڑنا نہیں چاہتا تھا۔" وہ بھی اٹھ گیا تھا' اجالا کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔

"تم اجالا یا ایمان جو بھی ہو' دونوں ہی نام بہت سوٹ کرتے ہیں تم پر۔ کچھ روز پہلے جانے کیوں مجھے لگا کہ اگر میں تمہارے جیسی لڑکی کے ساتھ زندگی گزاروں گا تو میری زندگی تاریک نہیں ہوگی۔ جو مضبوطی میں نے تمہارے کردار کے حوالے سے دیکھی' فیکٹری منیجر سے جانی' اس کے بعد مجھ پر واضح ہوا کہ عورت کی اصل خوب صورتی ایمان کی' کردار کی حفاظت ہی تو ہے' ورنہ تو کسی بھی شخص کو گھر میں اچھا نہیں لگتا۔ مگر وہ کہتے ہیں نا کہ نیک مرد کے لیے نیک عورت اور بد مرد کے لیے بد عورت ہوتی ہے تو پھر تم مجھے کیسے مل سکتی ہو' زبردستی بھی کبھی کوئی تعلق بن پایا ہے کسی سے؟" گلاس ونڈو سے پردے ہٹا کر باہر یاسیت سے دیکھتا وہ بھاری آواز میں کہہ رہا تھا۔ اجالا شرمندہ سی اٹھ کر اس کے پاس چلی آئی۔

"آپ بہت اچھے ہیں' کوئی بھی اچھی لڑکی۔۔۔"

"ہر موڑ ہر قدم پر اچھی لڑکیاں نہیں ملتیں۔ اپنے اصول' اپنے رنگ ہوتے ہیں زندگی کے۔ جس طرح کتاب میں ہر باب ایک جیسا نہیں ہوتا' اسی طرح زندگی کی اسٹیج پر ہر کردار ایک جیسا نہیں ہوتا' ایسے ہی ہوتے ہیں کچھ لوگ' جن کے حصے میں صرف پیاس آتی ہے' صرف پیاس۔" اسے بولنے کا موقع دیے بغیر وہ پھر جذباتی ہوا تھا۔ اجالا قصور نہ ہوتے ہوئے بھی سر جھکا گئی۔

"آپ کے بازو کا زخم کیسا ہے اب؟" وہ اس کا دھیان بٹانا چاہتی تھی۔ مصعف بے قرار سا ونڈو سے پلٹ آیا۔

"ٹھیک ہے۔ مگر میں اس زخم کو کبھی بھرنے نہیں دوں گا۔ یہ جب تک رستا رہے گا مجھے یاد رہے گا کہ میری زندگی میں کوئی آیا تھا۔" وہ اب ڈریسنگ ٹیبل کی دراز پر جھکا تھا۔

"اور یہ لو، یہ سب میری طرف سے تمہارے لیے ہے۔ جب یہاں سے جاؤ تو یہ سب چیزیں تحفتاً اپنے ساتھ لے جانا۔ پلیز۔" ڈریسنگ ٹیبل کی دراز سے کچھ روز پہلے اسی کے ساتھ خالص اپنی پسند سے خریدی جانے والی جیولری وہ اب اس کی نذر کر رہا تھا۔ اجالا ہکا بکا سی دیکھے گئی۔

"برا مت ماننا مگر میں اسجد غلام عباس سے جڑی ہر چیز سے نفرت کرتا ہوں۔ یہاں تک کہ اس کے باپ سے بھی۔ اسی لیے اس کا نام میرے نام کا حصہ نہیں ہے۔ تاہم اس کی محبوبہ سے شاید میں کبھی نفرت نہ کر پاؤں اور اس کی وجہ خود میں بھی نہیں جانتا۔ تمہیں جتنے دن یہاں رہنا ہے رہو، جب جانے لگو تو چپکے سے چلی جانا۔ پلیز۔" اس کا سر درد کی شدت سے پھٹ رہا تھا۔ اجالا ایک اجنبی شخص کی خود سے اتنی چاہ پر حیران ہی تو رہ گئی تھی۔ وہ ایک مرتبہ پھر کمرے سے نکل گیا تھا۔ تاہم وہ ابھی بھی وہیں کھڑی رہی۔ اس وقت وہ شخص کیا کیا منکشف نہیں کر گیا تھا اس پہ۔

پتے اشکوں کے تسلسل میں روانی کم ہے
ایسا لگتا ہے کہ دریاؤں میں پانی کم ہے

تو نے دامن میں سمیٹے ہیں زمانے کتنے
اے محبت تجھے انسان سا فانی کم ہے

☼ ☼ ☼

شام کے سائے ڈھل رہے تھے۔ ماربل کے شان دار گھر میں جوڑوں کے درد کے ساتھ تنہا بیٹھی شہناز بیگم جیسے اب گھبرانے لگی تھیں۔ اسجد ملک سے باہر تھا اور ولید کی جو سرگرمیاں تھیں وہ اب ان کی نگاہ سے اوجھل نہ رہ سکی تھیں۔ وہ ڈرنک کرنے لگا تھا۔ "چار پیسے" ہاتھ آجانے کے بعد اس کے طور طریقے بھی "ہائی سوسائٹی والوں" جیسے ہو گئے تھے۔

پانچ وقت کی نماز اور قرآن کی باتوں پر اب وہ اپنے دوستوں کا مذاق اڑاتا۔ صرف انیس سال کی عمر میں اس نے قدم بدکاری کی دلدل میں بھی اتار دیے تھے۔

شہناز بیگم سب کچھ دیکھ رہی تھیں، مگر خاموش تھیں۔

غلام عباس صاحب پر اب بہت سے بھید کھل رہے تھے۔ غریب مسلمانوں کی مجبوریوں کو جانچ کر ان سے ان کی دنیا و آخرت کی سرخروئی خریدنے والوں کے مظالم بہت بھیانک تھے۔ وہ شخص اب جان رہا تھا کہ حقیقت کیا تھی؟

بڑے پیمانے سے سارے ملک پر بھوک بکھیر دینے والوں کے اپنے ضمیر اور ایمان تو کب کے بک چکے تھے اب تو صرف مسلمان ہونے کا لیبل رہ گیا تھا ان پر۔ مگر یہ بڑے پیمانے سے سارے ملک پر بکھرنے والی بھوک، وہاں ان غریب، محنت کش، سفید پوشوں کی زندگیوں میں کیسے کیسے دکھ اور طوفان لا رہی تھی۔ شاید اس طرف ابھی کسی کا دھیان ہی نہیں جا رہا تھا۔ اندر سے کافر اور باہر سے بظاہر مسلمان وہ لوگ کس تباہی کی طرف عوام کو دھکیل رہے تھے۔ اس پر توجہ کرنے کی فرصت نہ اعلا عدالتوں کو محسوس ہو رہی تھی نہ پاک افواج کو، چھوٹے چھوٹے ننھے منے نونہالوں کے ذہن نام کے مسلمان، مگر اندر سے خطرناک عزائم رکھنے والے ایسے بے ضمیر اساتذہ واش کر رہے تھے کہ جن کو خصوصی تربیت ہی اس کام کے لیے دی گئی تھی۔ دولت مند گھرانوں کے مصروف ترین والدین کے پاس اتنی فرصت ہی نہ تھی کہ وہ اپنے بچوں کے اساتذہ کی تھوڑی سی جانچ پڑتال کر کے اتنا سا جاننے کی کوشش کرتے کہ بھاری فیس وصول کر کے آخر ان کے بچوں کے ذہنوں میں ڈالا کیا جا رہا ہے؟

بم دھماکوں اور خودکش حملوں میں ملوث سامنے آنے والے مسلمانوں کے ناموں کے پیچھے اصل حقیقت کیا ہے؟ کیا وہ مسلمان، نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا اقرار کرنے والے تھے بھی کہ نہیں؟ اپنے خسارے کا احساس اب ہو رہا تھا انہیں، اب جبکہ وہ دشمنوں کے جال میں بری طرح جکڑے جا چکے تھے۔

شہناز بیگم گھٹنوں کے درد میں مبتلا ہو گئی تھیں، جبکہ غلام عباس کو شوگر نے جکڑ لیا۔ وہ شخص اللہ کے محبوب کی حرمت سے منکر ہوا تھا، اس پاک و بے نیاز ذات نے اس مکروہ شخص کو اپنی بے شمار نعمتوں سے ترسا دیا۔ وہ شخص کہ جس نے انتہائی کروفر سے غلام محمد کو ان کی غربت کا طعنہ دے کر دولت سے علاج کی راہ دکھائی تھی، اب خود اسی دولت سے ہزاروں روپے خرچ کر کے بھی شفا سے محروم تھا۔

ایسی مہر لگی تھی اس شخص کے دل و دماغ پر کہ زبردستی کلمہ پڑھنا بھی چاہتا تو الفاظ زبان پر ہی نہ آتے۔ ساری ساری رات آنکھیں نیند کے لیے ترستیں۔ مگر کئی کئی راتیں جاگنے کے بغیر نیند نہ آتی۔ اسجد سے تو ویسے ہی [illegible] رہا تھا، ولید کی شکل بھی ہفتوں بعد [illegible] ملتی، بیٹی تھی تو اسے کوئی ادب لحاظ نہ تھا۔ اپنی مرضی سے کہیں بھی چلی جاتی اور [illegible] جب دل چاہتا گھر واپس آتی، روک ٹوک کی اب کچھ بھی کسی کام کا نہیں رہا تھا۔ اللہ رب العزت کی مقرر کردہ حدوں سے نکلنے کے بعد اب [illegible] کہیں سزا ہی سزا تھی۔ دونوں میاں بیوی نوکروں کے آسرے پر آپڑے تھے۔ کیونکہ ندا کو خود اپنے آپ سے فرصت نہیں تھی۔

حالات ابھی اسی نہج پر چل رہے تھے کہ ایک روز ولید کے قتل کی خبر نے ان دونوں میاں بیوی کے پاؤں تلے سے زمین نکال دی۔ شراب کے نشے میں دھت ولید غلام عباس، ایک کال گرل کے لیے اپنے چند اوباش دوستوں کے ہاتھوں انتہائی ذلت کی موت گلے لگا کر ہمیشہ کے لیے سو گیا تھا۔ ندا کا حال دیکھنے والا تھا۔ مگر وہ دونوں میاں بیوی یوں چپ تھے جیسے وقت ان کے منہ پر ریت بکھیر گیا ہو۔ اس لمحے اپنے جوان بیٹے کا کٹا پھٹا وجود دیکھ کر بے ساختہ غلام عباس صاحب کے کانوں میں غلام محمد صاحب کی آواز گونجی تھی۔

"اولاد مرد مومن کی سب سے بڑی آزمائش ہے بھاء۔ چاہے تو جنتی بنا دے، چاہے جہنمی۔ میں ان کی چند روزہ خوشیوں کے لیے ان کی دنیا و آخرت کا سودا نہیں کر سکتا۔ غلام محمد کے بچے ہیں یہ۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادنیٰ غلام کے۔ مجھے یقین ہے یہ کبھی دنیا و آخرت میں میری رسوائی کا سبب نہیں بنیں گے۔"

[illegible] کی آنکھیں پتھرائی تھیں، اسے لگا اس کے [illegible] بچے اس کا گلا گھونٹ رہے ہوں، اپنی بربادی پر مسمار کر رہے ہوں، وہ چاہتا تو انہیں تباہی کے راستے سے بچا سکتا تھا، مگر اس نے ایسا نہیں چاہا۔ جوان بیٹے کی ناگہانی موت کا صدمہ شہناز بیگم پر اٹیک کی صورت پڑا تھا۔ اٹیک کے ساتھ فالج نے انہیں کچھ کہنے سننے کا موقع ہی نہ دیا۔ آدھ پون گھنٹہ وہ تڑپتی رہی تھیں۔ انتہائی اذیت کے عالم میں سر ادھر ادھر مارتی رہیں، مگر روح ان کے حلق میں اٹک کر رہ گئی، جانے کون ان پر ترس کھا کر مولوی صاحب کو بلا کر لایا تھا۔ انہیں خبر ہی نہ تھی کہ ان کے پاس کوئی تھا بھی کہ نہیں، مولوی کی مسلسل پڑھائی کے بعد ان کا ذہن اندھیروں میں ڈوب گیا تھا۔ تاہم ان کی چارپائی کے قریب کھڑے غلام عباس کو لگا وہ اب زندگی میں بھی ایک لفظ بھی نہیں بول سکے گا۔

☼ ☼ ☼

اجالا غلام عباس پر زندگی کے بہت سے راز افشا کرنے کے بعد مصنف علی میر اپنی جون میں واپس لوٹ گیا تھا۔ وہ ہی اس کی آوارہ گردی، وہ ہی ذمہ داریوں سے لاپروائی، وہ ہی رات گئے دوستوں کے ساتھ شراب اور شباب کی محفلیں سجانا۔ اجالا بہت خاموشی سے اس کی سرگرمیاں دیکھ رہی تھی۔ وہ ملتو کو بے وقوف بنا سکتا تھا، مگر اسے نہیں۔ اس روز اس نے بہت زیادہ ڈرنک کر رکھی تھی۔ اسی لیے حمزہ اور شاہ میر اسے گھر تک چھوڑنے آئے تھے۔ اجالا جو اس کے انتظار میں جاگ رہی تھی، گاڑی رکنے، پھر گیٹ کھلنے کی آواز پر اٹھ بیٹھی۔ تاہم جس وقت وہ لاؤنج میں حمزہ اور شاہ میر کے سہارے آیا وہ گویا پتھر ہو گئی۔ وہ دونوں مصنف کو اس کے بیڈ روم میں چھوڑنے کے بعد اجالا کے پاس رکے تھے، جو سہمی کھڑی تھی۔ حمزہ کی

نظریں جھکی ہوئی تھیں 'جبکہ شاہ میر سر جھکائے کھڑا رہا تھا۔

"ایم سوری بھابھی' ہمارے لاکھ منع کرنے کے باوجود آج مصحف نے ضرورت سے زیادہ ڈرنک کرلی ہے' اسی لیے اسے یہاں چھوڑنے آنا پڑا' میں جانتا ہوں آپ کا دل حمزہ اور شہریار کی طرف سے بہت خراب ہے۔ تاہم میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ یہ دونوں آپ سے بہت شرمندہ ہیں' خود مصحف نے بھی انہیں اپنی غلطی کے احساس کے بعد معاف کیا ہے' پلیز آپ بھی انہیں معاف کردیجیے۔ اب یہ صرف مصحف کے دوست نہیں' آپ کے بھائی بھی ہیں۔"

وہ شاید کچھ اور بھی کہہ رہا تھا' مگر اس وقت اجالا کو کچھ سنائی دے رہا تھا نہ کچھ دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں لمحوں میں برف کی مانند سرد ہوگئے تھے۔ اس کی حالت کا احساس کرکے ہی شاہ میر نے حمزہ کی طرف دیکھا اور پھر بنا مزید ایک لفظ بھی کہے دونوں وہاں سے چلے گئے۔

اجالا تقریباً" آدھے گھنٹے بعد خود کو حرکت دینے کے قابل ہوئی تو مصحف کے بیڈ روم میں چلی آئی' وہ بیڈ پر مدہوش پڑا سارے عالم سے بے خبر دکھائی دے رہا تھا۔ اجالا کا دل اس لمحے جانے کیوں سینے میں بہت تیز دھڑک رہا تھا۔ وہ آہستہ سے جھکی اور مصحف کے پاؤں کو جوتوں کی قید سے آزاد کردیا۔ کتنا خوبرو شخص تھا وہ۔ مگر خود کو ضائع کررہا تھا۔ کتنا قریبی رشتہ تھا اس کا اس کے ساتھ۔ مگر۔ وہ اس کے کسی کام کی نہیں تھی۔

وہ ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا اور اس لمحے اجالا اس کے بازو پر اپنی وجہ سے لگنے والے زخم کی گہرائی بخوبی دیکھ سکتی تھی۔ یہ وہ شخص تھا جس نے اس کی جان ہی نہیں عزت بھی بچائی تھی۔ نا صرف اس کا اعتبار کیا تھا بلکہ اسے اپنا نام دے کر معتبر بھی کردیا تھا۔ یہ ہی تھا جس نے خود برائی مول لے کر نانو کے سامنے اس کے جھوٹ کا بھرم رکھا تھا۔ ورنہ وہ کہیں کی نہ رہتی۔ کتنے احسان تھے اس شخص کے اس پر۔ وہ دوبارہ جھکی تھی

اور اس کا ہاتھ تھام کر رو پڑی تھی۔

"کاش۔ کاش اسجد غلام عباس کے پاس بھی تمہارے جیسا دل اور یقین ہوتا میرے محسن۔ اے کاش۔" اسے پتا ہی نہ چلا کہ اس کے آنسو مصحف علی میر کے ہاتھ کو بھگو رہے ہیں۔ صبح جب وہ بیدار ہوا تو اجالا اس کے کمرے میں نہیں تھی۔ البتہ اس کے کپڑے پریس شدہ حالت میں ہینگ تھے۔ وہ ابھی اٹھنے کا قصد کررہا تھا کہ وہ کمرے میں چلی آئی۔

"السلام علیکم۔ صبح بخیر۔"

"وعلیکم السلام۔" چونک کر اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھتا وہ قدرے حیران ہوا تھا۔ جب وہ بولی۔

"اللہ کا شکر ہے کہ آپ اٹھ گئے' نانو کب سے آپ کا انتظار کررہی ہیں۔"

"کیوں۔ خیریت؟"

"پتا نہیں۔ یہ تو نانو ہی بتا سکیں گی' آپ جلدی سے ہاتھ لے لیجیے۔ پھر میں ناشتا لاتی ہوں' اور ہاں ناشتے میں کیا لیں گے' میٹرز ' برانڈی یا کچھ اور؟ سکی۔"

"واٹ؟" وہ آج اپنے یکسر بدلے انداز کے ساتھ اسے حیران کررہی تھی۔ اجالا مسکرادی۔

"واٹ کیا؟ آپ کی تو فیورٹ ہے یہ۔ مجھے تو کل رات پتا چلا کہ یہ کتنے مزے کی چیز ہے۔ اس کے بعد پلیز میرے لیے بھی لے کر آیا کریں' ایک دو گھونٹ مل کر پئیں گے۔"

"شٹ اپ۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"کیوں شٹ اپ؟ آپ پی سکتے ہیں' میں نہیں پی سکتی؟ میں تو اب پیوں گی' بلکہ نانو کو بھی پلاؤں گی۔"

"کھال کھینچ لوں گا تمہاری' اگر تم نے ان کو بھنک بھی پڑنے دی۔" بے زار ہوکر وارڈ روب کی طرف پلٹ گیا تھا۔

"آج آپ یہ وائٹ سوٹ ہرگز نہیں پہنیں گے' بالکل بھی اچھا نہیں لگتا' یہ بلیک والا پہن لیں نا پلیز۔" وہ پھرتی سے پھر اس کے مقابل آگئی تھی۔ مصحف نے ایک نظر دونوں ڈریسز پر ڈالی پھر وائٹ والا سوٹ اٹھا

لیا۔

"تمہارے حکم اور مرضی کا غلام نہیں ہوں میں۔" اگلے ہی پل اسے جتاتے ہوئے وہ واش روم میں گھس گیا تھا۔ اجالا اپنی چالاکی اور اس کی بے وقوفی پر دل کھول کر ہنسی۔

☆ ☆ ☆

اگلے روز وہ ابھی شاہ میر کے گھر سے آیا تھا کہ نانو کے حضور اس کی پیشی لگ گئی۔ اجالا بڑے مزے سے ان کی پشت پر کھڑی ان کے بالوں میں مساج کررہی تھی۔ وہ سرسری سی ایک نظر اس پر ڈالتا مجبوراً" وہیں چلا آیا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔" نانو کے تیور خطرناک تھے۔ وہ پھر ان کے قریب ہو بیٹھا۔

"کیا بات ہے نانو' کل پرسوں سے ناراض ناراض سی لگ رہی ہیں۔"

"میں کیوں ہونے لگی تم سے ناراض' میرا کیا واسطہ ہے تم سے؟" نانو بھری بیٹھی تھیں۔ مصحف کو زور کا جھٹکا لگا۔

"ارے۔ ایسا کیا کردیا میں نے جو آپ نے سارے واسطے ہی ختم کردیے؟"

"ہاں تم کیا کرو گے؟ تیس سے اوپر کے ہوگئے ہو ابھی تک لڑکے بالوں والی حرکتیں نہیں گئیں تمہاری' میں تو بے کار پرندہ ہوں' مجھے تو چھوڑو' گھر' بیوی کا خیال تو کرو۔ رات گئے تک تمہارا انتظار کرتی رہتی ہے۔ ادھر فیکٹری میں نقصان پر نقصان ہورہا ہے۔ مگر تمہاری جوتی کو پروا نہیں' سوچ کیا رکھا ہے تم نے آخر؟" وہ اس پر الٹ پڑی تھیں۔ مصحف انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

"آج میں ہوں' گھر کا انتظام چل رہا ہے' کل آنکھیں بند ہوجائیں گی تو کیا بھوکے مرو گے؟ آنے والے بچوں کا کیا ہوگا' کیا بھیک منگواؤ گے ان سے؟ یا انہیں بھی اپنی طرح آوارہ گرد بنا کر دوسروں کو کھلاؤ گے؟" غصے نے نانو کا چہرہ غضب ناک کردیا تھا۔ وہ ایک لفظ نہ بول سکا۔ نانو زندگی میں پہلی بار اس پر یوں غصہ ہوئی تھیں۔

"ایم سوری نانو۔" بہت دیر خاموشی کے بعد وہ بس یہ ہی کہہ سکا تھا۔ اجالا نے لب دبا کر اپنی کراہٹ کا گلا گھونٹ دیا۔ وہ کمرے میں آیا تو وہ اس کے پیچھے ہی چلی آئی۔

"نانو کی باتوں کو دل پر مت لیجیے گا۔ اصل میں آج کل ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تو مزاج تھوڑا چڑچڑا ہوگیا ہے۔ انہیں کیا پتا یہ ہی تو عمر ہے زندگی کو انجوائے کرنے کی' جہاں تک فیکٹری کی بات ہے تو وہ میں جوائن کرلوں گی' اب آپ میں یا مجھ میں کوئی فرق تھوڑی ہے۔" کتنی بے تکلفی سے وہ بیڈ پر اس کے قریب بیٹھ گئی تھی۔ مصحف کھا جانے والی نگاہوں سے اسے دیکھتا رخ پھیر گیا تھا۔

"اور جہاں تک بچوں کی بات ہے تو۔ وہ تو ہم ہونے ہی نہیں دیں گے' سو آپ ان کی بھی فکر مت کریں' مجھے تو اتنا اچھا لگتا ہے سارے دن گھر میں آزاد رہنا۔"

"تم چپ کرتی ہو یا میں کھڑکی سے اٹھا کر پھینک دوں باہر؟" اچانک وہ دھاڑا تھا۔ اجالا بمشکل ہنسی ضبط کرتی خاموش ہو بیٹھی۔

"کھانا لاؤں آپ کے لیے؟" تھوڑی دیر بعد پھر اس کی زبان میں کھجلی ہوئی تھی۔ وہ چپ بیٹھا رہا تب ہی وہ سنجیدہ ہوئی تھی۔

"کیا بات ہے۔ آپ پریشان دکھائی دے رہے ہیں؟"

"کوئی بات نہیں ہے' تم جاؤ یہاں سے' پلیز۔"

"کیوں جاؤں؟ اگر یہ آپ کا کمرہ ہے تو میرا بھی کمرہ ہے۔"

"تمہارا کمرہ نہیں ہے یہ' انجام جانتی ہو اس کمرے میں سونے کا؟" اچانک دھاڑ کر وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ اجالا بے ساختہ نظر چرا گئی۔

"بس۔ اتنا آزماؤ مجھے کہ ٹوٹ کر بکھر جاؤں' جب یہ

طے ہے کہ تمہیں یہاں سے جانا ہے تو مت عادی بناؤ اس گھر کے مکینوں کو اپنا' جو تعلق کاغذی ہے اسے کاغذی ہی رہنے دو بہت سادہ دل بہت بھولی ہیں میری نانو' انہیں مزید بے وقوف مت بناؤ' خدا کا واسطہ ہے تمہیں۔" وہ چیخ گیا تھا۔ اجالا جھکا سر اٹھا کر ایک نظر اس پر ڈالتی' وہیں اس کے قدموں میں بیٹھ گئی تھی۔

"میں جانتی ہوں' میری وجہ سے آپ بہت اذیت سے گزر رہے ہیں؟ اور میں یہ بھی مانتی ہوں کہ میں نے کسی طور ایسا نہیں چاہا تھا جو ہو گیا۔ مگر... میں آپ پر واضح کر دینا چاہتی ہوں کہ مجھے اب یہاں سے کہیں نہیں جانا' اس گھر میں میرے لیے کوئی جگہ ہو یا نہ ہو مگر اس گھر سے میں مرنے کے بعد ہی جاؤں گی' یہ یاد رکھیے گا۔"

"ہونہہ... کسے بہلا رہی ہو' مجھے یا اپنے آپ کو' ابھی تمہارا اسجد غلام عباس مل جائے تو پھر..."

"پھر بھی نہیں جاؤں گی۔" اس کا دل ایک لمحے کے لیے ٹھہرا تھا۔ مگر اس نے دل کی پروا نہ کرتے ہوئے جیسے فیصلہ کر لیا تھا۔ مصحف نے سر جھٹک کر اس کی بات کو ہنسی میں اڑایا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس روز موسم صبح سے ہی خاصا گرم تھا۔ اجالا کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی سو نانو نے اسے زبردستی مصحف کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس بھیج دیا تھا۔ ڈاکٹر سے فارغ ہو کر وہ نانو کی ہدایت پر مارکیٹ چلی آئی تھی اور یہیں مصحف نے اسے بتایا تھا۔

"شہریار کی شادی ہو رہی ہے' میں کچھ روز تک گھر نہیں آسکوں گا' اس کا اصرار ہے کہ تم سگی بہن کی طرح اس کی شادی میں شرکت کرو' کیونکہ اس کی اپنی کوئی بہن نہیں ہے' شاہ میر اور حمزہ بھی تم سے بہت شرمندہ ہیں' بلکہ حمزہ تو آج شام کی فلائٹ سے ہی واپس جا رہا تھا۔ میں نے اور شہریار نے زبردستی [illegible] بہرحال اگر تم ان سب کو معاف کر [illegible] تو میرے ساتھ چلنا' انہیں بہت [illegible] خوبصورت

مگر تم پر کوئی دباؤ نہیں ہے۔" وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی' مصحف کی اطلاع کے بعد اسے دیکھنے لگی۔

"ٹھیک ہے' میں چلوں گی آپ کے ساتھ' مگر نانو...؟"

"وہ بھی ساتھ ہی چلیں گی' بچپن سے ایک دوسرے کے گھروں میں آنے جانے اور رہنے کی عادت ہے ہمیں۔"

"نانو کے بچپن سے؟" وہ ہنسی تھی۔ مصحف نے ایک نظر اسے دیکھنے کے بعد پھر رخ پھیر لیا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ پتھر کا ہو گیا ہو۔

شہریار اور اس کی ہونے والی بیوی کے لیے بہت سی چیزیں خریدنے کے بعد وہ گھر واپس لوٹے تو دونوں کا ہی تھکن سے برا حال تھا۔ اسی روز شام میں وہ مصحف کے ساتھ جانے کے لیے ہلکی پھلکی سی تیاری کے ساتھ کمرے سے نکلی تو وہ جو نانو کے ساتھ باتوں میں مگن تھا ایک دم سے ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگا۔

"اچھی لگ رہی ہوں نا نانو۔" اس کی محویت پر شرارت سے مسکرائی وہ نانو پر جھکی تو مصحف نے جلدی سے نظر پھیری' راستے میں وہ اسے بتا رہا تھا۔

"تمہیں شاید خبر نہ ہو مگر مجھے ابھی کچھ روز پہلے پتا چلا ہے غلام عباس کی سیکنڈ وائف کی [illegible] اور اس کا جو چھوٹا بیٹا تھا ولید' [illegible] گرل کے لیے قتل کر دیا' [illegible] فرار ہو گئی' کچھ نہیں رہا اس [illegible] پچھتاووں اور خاموشی کے۔" وہ [illegible] اور اجالا کو لگ رہا تھا جیسے اس کا سارا وجود [illegible] ہو' پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ وہ [illegible] اسے دیکھ رہی تھی۔ اتنی جلدی [illegible] اس کا حساب کلیئر کر دیا تھا اللہ نے؟ اتنی جلدی [illegible] نقصان کا بھید کھول دیا تھا اس پر' اسے پتا ہی نہ چلا کہ کب آنسو اس کے گالوں پر پھسل پڑے۔ نانو اب مصحف سے کچھ کہہ رہی تھیں مگر اجالا کو لگا جیسے اس کا دماغ سن ہو گیا ہو۔

شہریار کے گھر اس کا خاصا شاندار استقبال ہوا تھا۔ حمزہ اور شاہ میر بھی وہیں تھے۔ وہ سن اعصاب کے

ساتھ چپ چاپ سی نانو کے ساتھ ہی جڑی رہی' شہریار' شاہ میر اور حمزہ بار بار آکر اسے تنگ کر رہے تھے۔ مگر وہ ان کی شرارتوں پر جواباً مسکرا بھی نہ سکی۔ تب ہی حمزہ نے مصحف سے کہا تھا۔

"لگتا ہے بھابھی نے ابھی تک ہمیں معاف نہیں کیا ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے یار' وہ اصل میں بہت اپ سیٹ ہے۔"

"دیکھو تم کہتے ہو تو مان لیتے ہیں [illegible] تم ہو بہت خوش نصیب' کیونکہ تمہیں [illegible] ملی ہے' جس کے چہرے پر کسی فیشن [illegible] کی چمک نہیں' بلکہ ایمان کا نور ہے' اور [illegible] جانتا ہوں اس کی صحبت میں بہت جلد تم [illegible] انسان بن جاؤ گے۔"

"[illegible] یار' اب اور کیا بننا ہے۔" ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے اس نے ترچھی نظر سے نانو کے ساتھ بیٹھی اجالا کو دیکھا تھا' حمزہ مسکرا دیا۔ رات وہ عشاء کی نماز سے فارغ ہوئی تو شہریار پھر اس کے پاس چلا آیا۔

"بھابھی... وہ آپ کا بستر مصحف کے کمرے میں لگانا ہے یا..."

"میں نانو کے ساتھ سوؤں گی۔" شہریار کی بات پوری ہونے سے پہلے وہ بول پڑی تھی۔ وہ مسکرا کر رہ گیا۔ اگلے روز وہ قدرے فریش تھی' مصحف بیدار ہو کر نانو کے پاس آیا تو وہ ان کی گود میں سر رکھے لیٹی ان کی ہدایتیں سن رہی تھی' وہ بھی پاس آکر بیٹھ گیا۔

"نانو... یہ زیادتی ہے' بیوی میری اور قبضہ آپ کا۔"

"خود کو بیوی کے قابل بناؤ' پھر شکوہ کرنا۔" نانو کے آج کل مزاج ہی بدلے ہوئے تھے' وہ تڑپ اٹھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟ فیکٹری جانے لگا ہوں' دوست یار سب چھوڑ دیے' شام ڈھلتے ہی گھر کی راہ لیتا ہوں' ابھی بھی قابل نہیں؟"

"اپنے آپ سے پوچھو یہ سوال۔"

"آپ بدل گئی ہیں نانو مجھے پتا ہے' اس ساحرہ نے

تعویذ پلا کر [illegible] ہم نوا بنا لیا ہے آپ کو' ماں باپ تو چھن ہی گئے [illegible] میری نہیں رہی۔" اس کا انداز ایسا تھا کہ اجالا کی ہنسی نکل گئی۔

"[illegible] گا میں' تمہیں ذرا ہاتھ لگاؤ بس میرے..." [illegible] سے دھمکا رہا تھا۔ وہ ہنستی گئی۔

رات مہندی کا فنکشن تھا' نانو کی فرمائش پر خواہش نہ ہونے کے باوجود وہ بہت اچھی طرح سے تیار ہوئی تھی' سی گرین کلر مصحف کا فیورٹ تھا' اس نے وہی پہنا' جبکہ خود مصحف رت جگے میں ہی پھر رہا تھا۔ اجالا نے پہلی بار اسے دل کی نظر سے دیکھا تھا۔ وہ وہاں موجود سب مردوں میں سب سے زیادہ حسین اور وجیہہ تھا۔ رت جگے میں بھی اس کی شخصیت بہت سی لڑکیوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی' شہریار کو مہندی لگ رہی تھی اور وہ اس کے برابر میں بیٹھا سب سے چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھا۔

اچانک کچھ سوچ کر اجالا کا سکون جیسے رخصت ہو گیا۔ اس نے اسجد کو کھویا تھا' کھو دینے کی اذیت' عجیب سی تکلیف اس کے لیے غیر شناسا نہیں تھی مگر... سب کچھ کھو کر... جو کچھ اس نے اللہ کی کرم نوازی سے پایا تھا اب اس سے بھی ہاتھ دھو لینے کی ہمت اس میں نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے کہ کوئی ہمیشہ کے لیے صرف اسی کا ہو کر رہے' مگر اس کا یہ بھی ایمان تھا کہ اگر وہ پورے خلوص اور یقین کے ساتھ اپنے رب' اپنے اللہ کے سامنے جھکتی ہے اور اس سے مصحف علی میر کا دائمی ساتھ مانگتی ہے تو اس بادشاہوں کے بادشاہ' اس کائنات کے واحد دیتا' خالق و مالک کے کرم سے' وہ شخص زندگی بھر کسی اور چہرے کو نہیں دیکھے گا' اگر دیکھے گا بھی تو اس کی نگاہ میں وہ پسندیدگی نہیں ہوگی جو دل کو بے ایمان کر دے۔

ایک دم سے اس کا دل محفل سے اچاٹ ہو گیا تھا' بہت چپکے سے وہ اٹھی تھی اور نانو کو بتا کر اندر کمرے میں چلی آئی۔ عشاء کی نماز کا وقت نکل رہا تھا۔ اس نے کپڑے تبدیل کیے اور سکون سے وضو کر کے اپنے

مالک کے حضور گڑگڑاتی ہوئی۔ نماز کے دوران اس کے ذہن سے جیسے سب نکل گیا تھا۔ اگر کچھ رہا تھا تو صرف اپنی نجات اور اپنے بابا کی سلامتی۔ نماز کے بعد کتنی ہی دیر تک وہ ہاتھ پھیلائے خاموش روتی رہی۔ سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا کہ اپنے مالک سے کیا مانگے اور کیسے مانگے...؟ ادھر مصحف کچھ دیر تو اس کے نظر نہ آنے پر بے چینی سے پہلو بدلتا رہا بعد ازاں رہا نہ گیا تو اٹھ کر نانو کے پاس چلا گیا۔

"نانو اجالا کہاں ہے۔ دکھائی نہیں دے رہی۔"

"اندر کمرے میں گئی ہے نماز پڑھنے۔"

"اوہ... ایک تو یہ لڑکی بھی ناں۔ لگتا ہے کسی مولانا کی روح سماگئی ہے اس میں، جب دیکھو مصلے پر ہی بیٹھی ہوتی ہے۔" وہ چڑا تھا۔ نانو اسے گھور کر رہ گئیں۔

"تمہیں توفیق نہیں ہوتی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسروں پر بھی اعتراض کرو۔"

"میری یہ مجال کہاں اب تو اس نے آپ کو بھی لگالیا ہے نماز روزے پر۔" آپ تو سائیڈ لیں گی نا۔" جل کر وہ پلٹا تھا۔

نانو دل ہی دل میں مسکراتی دوبارہ ساتھ والی آنٹی سے باتوں میں مشغول ہوگئیں۔

اجالا غلام محمد واقعی گلاب تھی، جس کی خوشبو سے ان کا گھر مہک اٹھا تھا۔ اگر وہ سگریٹ ثابت ہوتی تو شاید ان کے ساتھ ساتھ مصحف کی زندگی میں بھی دھواں بھر جاتا۔ واقعی ہر چیز اثر ڈالتی ہے ہر چیز کی صحبت کا اثر پڑتا ہے۔ مصحف جس وقت دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا، وہ سارے عالم سے بے نیاز مصلے پر بیٹھی، آنکھیں بند کیے روئے جارہی تھی اور اس کے لب بار بار ایک ہی دعا کر رہے تھے۔

"مجھ پر رحم کر میرے مولا۔ میرے شوہر کو میرا ہی رکھنا... اب کچھ بھی کھونے کی ہمت نہیں مجھ میں۔ مجھ گناہ گار کو رشتوں کی آزمائش سے بچالے۔"

وہ ٹھٹکا تھا اور اس کا یا پلٹ پر حیران رہ گیا تھا۔ کہاں تو وہ کسی اور کی محبت کے دعوے [illegible] تھی اور کہاں اب... وہ پلٹا تھا اور وہیں کمرے کے باہر سیڑھیوں پر بیٹھ گیا تھا۔ پچھلے چند دنوں سے اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ ساری سرگرمیاں جو اس کی بہترین وقت گزاری کا باعث تھیں، بے کار ہو کر رہ گئی تھیں ایک عجیب سی بے سکونی نے دل و دماغ کو جیسے جکڑ لیا تھا۔ شاہ میر کی نظر اس پر پڑی تھی اور وہ اسے کھینچ کر زبردستی پھر مہندی کے پنڈال میں لے گیا تھا۔ اجالا نماز سے فارغ ہو کر نیچے آئی تو وہ دوستوں میں گھرا ہلکا پھلکا ڈانس کر رہا تھا، وہ تادیر اسے دیکھتی جانے کن کن سوچوں میں کھوئی رہی۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز بارات جانی تھی، شہریار کی مما نے اجالا کو سچ مچ شہریار کی بہن بنا کر اس سے بہنوں والے سارے کام لیے تھے۔ وہ اتنی مصروف تھی کہ اسے مصحف کی تیاری میں اسے مدد دینے کا وقت بھی نہیں مل سکا تھا۔ جس پر وہ اس سے ناراض تھا۔

بارات مقررہ وقت پر ہوٹل پہنچی تھی، نانو گھر پر ہی رہ گئی تھیں، جبکہ اجالا شہریار کی مما کے ساتھ ساتھ تھی، مصحف خفا خفا سا شہریار اور بقیہ دوستوں کے ساتھ ہی اسٹیج پر بیٹھ گیا تھا جس کا [illegible] انتظام کیا تھا جبکہ وہ نیچے تھی۔

دلہن اور دلہا کا نکاح ہو گیا تھا [illegible] رنگارنگ قمقمے تھے، وہ دوپٹہ ٹھیک [illegible] رہی تھی جب ساکت رہ گئی۔ وہاں [illegible] قدموں کے فاصلے پر کھڑا وہ شخص [illegible] "اسجد غلام عباس" تھا، وہ اسجد [illegible] اس کے جینے کا سبب تھا۔ سامنے [illegible] ہوئیں اس وقت وہ ایک چھوٹے [illegible] ہاتھوں میں لیے کھڑا تھا اور اس کی نگاہیں اپنے پاس کھڑی ایک خوش شکل سی لڑکی کے میک اپ میں رنگے چہرے کو دیکھ کر چمک رہی تھیں۔ شہریار کی مما کی ان سے بے تکلفی ظاہر کر رہی تھی کہ وہ "خاص مہمان" تھے یہ تو اسے بعد میں پتا چلا تھا کہ شہریار کی دلہن اور اسجد کی ماڈرن بیوی دونوں آپس میں بہنیں تھیں۔

وہ شخص جو اس کے لیے زندگی کی مثال تھا اس نے اس کا انتظار نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی دنیا میں خوش اور مگن تھا اور وہ... وہ کیا سے کیا ہو کر رہ گئی تھی اس کے لیے...؟ اسے لگا شاید وہ زیادہ دیر تک اپنے پاؤں پر کھڑی نہیں رہ سکے گی، تبھی اس نے پاس پڑی کرسی کو تھاما تھا۔ مصحف جو اسٹیج پر مصروف تھا اچانک اس کی نگاہ اس پر پڑی تھی اور وہ لپک کر پاس آیا تھا۔

"تم ٹھیک ہو نا اجالا۔"

"پتا نہیں۔" اپنے کندھوں سے گرد اس کے مضبوط بازوؤں کا سہارا [illegible] تھی، مصحف نے دیکھا اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔

"کیا ہوا [illegible] کچھ کہا ہے؟"

"[illegible] پریشان ہو گیا تھا وہ اس کے لیے۔ اجالا چاہنے کے باوجود خود کو نارمل نہ رکھ سکی۔

"لوٹ چلو۔ شاید گیدرنگ کی وجہ سے بی پی لو ہو گیا ہے۔" فوری فیصلہ کرتے ہوئے وہ اسے سہارا دے کر وہاں سے نکال لایا تھا۔ اجالا کے ہاتھ اور پورا جسم جیسے برف ہو رہا تھا۔ مصحف کی جان پر بن گئی۔ باہر گاڑی میں کچھ پل اس کے ہاتھ مسلنے کے بعد وہ اسے ہوسپٹل لے آیا تھا اور وہیں سے فون کر کے اس نے شہریار کی مما سے معذرت کی تھی۔

رات گئے تک اجالا کی طبیعت قدرے بہتر ہوئی تو وہ اسے لے کر گھر واپس لوٹا۔ نانو کو بھی اس نے فون پر بتایا تھا اور اب وہ پہلی فرصت میں گھر واپسی کے لیے پرتول رہی تھیں کہ اجالا میں تو خود ان کی بھی جان تھی مگر شہریار کی مما نے انہیں زبردستی رات کے لیے روک لیا تھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے...؟" جونہی وہ بیڈ پر اٹھ کر بیٹھی، مصحف بے تابی سے پاس چلا آیا۔

"ٹھیک ہوں۔ بس سر چکرا رہا ہے۔ آپ وضو کروا دیں گے مجھے۔"

"شٹ اپ یار۔ آنکھیں مکمل نہیں کھل رہیں، سر چکرا رہا ہے اور تمہیں وضو کی پڑی ہے۔"

"ہاں۔ جان سولی پر کیوں نہ لٹکی ہو میں نماز نہیں چھوڑ سکتی بہت مشکل سے پایا ہے اپنے رب کو۔ اب جانے بوجھ کر [illegible] ایک معمولی سی آزمائش پر پھر اسے چھوڑ دوں... غافل ہو جاؤں اس سے اس کے حقوق [illegible]"

"[illegible] اس کے حقوق کی بہت فکر ہے، جبکہ کائنات میں اس سے بڑھ کر معاف کرنے والا کوئی نہیں مگر اس کے بندوں کے حقوق کی کوئی پروا نہیں۔" وہ اب گلہ کر رہا تھا، اجالا نظر چرا گئی۔

"بخار ہو رہا ہے تمہیں۔ صبح پڑھ لینا اکٹھی، پلیز۔"

"نہیں، مختصر پڑھ لیتی ہوں، نہیں تو ساری رات سو نہیں سکوں گی۔"

"بہت ضدی ہو تم۔ میری کوئی بات نہ ماننے کی تو ویسے بھی قسم کھا رکھی ہے تم نے۔"

"غلط بات کیسے کے تو کیسے مان سکتی ہوں، آپ کی جگہ میرے لاجی ہوتے تو کبھی نہ کہتے کہ نماز مت پڑھو، چاہے میری جان ہی کیوں نہ نکل رہی ہوتی۔"

"ٹھیک ہے۔ کرو جو دل میں آتا ہے، نماز پڑھتے ہوئے اگر گر پڑیں تو میں اٹھانے نہیں آؤں گا، خوامخواہ اتنا اچھا فنکشن چھوڑ کر یہاں آیا تمہارے ساتھ۔"

وہ جلا تھا۔ اجالا چاہ کر بھی خود کو ہنسنے سے باز نہ رکھ سکی۔ نماز پڑھ کر وہ بستر پر آئی تو مصحف اس کی طرف دیکھنے کا بھی روادار نہیں تھا۔

"آپ بھی کبھی نماز پڑھ لیا کریں، پھر دیکھیے گا، کتنی جلدی سکون کی نیند آتی ہے۔"

"تم نے پڑھ لی ہے نا کافی ہے۔" وہ جلا بیٹھا تھا۔ اجالا اس کے پہلو میں ٹک گئی۔

"کافی نہیں ہے... نماز ہی تو ہماری پہچان ہے مصحف... نماز سے ہی تو پتا چلتا ہے کہ ہم اپنے اللہ کے عاجز و فرماں بردار بندے ہیں، محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سنت پر چلنے والے ان کے غلام ہیں، نماز ہی تو ہے جو ہمیں اپنے رب کے قریب لاتی ہے، جب جب کوئی ہمارے ساتھ نہیں ہوتا، جب ہمیں کہیں

سے امان نہیں ملتی، تب تب نماز ہی تو کام آتی ہے ہمارے۔"

"تمہارا تبلیغ کا پروگرام ہے آج.....؟" وہ اس کے پاس آنے پر ذرا سا نرم پڑا تھا۔ اجالا نفی میں سر ہلا کر پلکیں موند گئی۔ دواؤں کے اثر سے اس کی پلکیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ مصحف بے تاب سا اس کے ہاتھ تھامے بیٹھا رہا۔ رات میں اس کا بخار کم ہونے کی بجائے مزید بڑھ گیا تھا، حلق خشک تھا اور بدن یوں ٹوٹ رہا تھا کہ نرم بستر پر ایک ہی کروٹ سے سونا بھی محال ہو گیا تھا، بہت بے بس ہو کر اس نے مصحف کا بازو تھاما تھا، جس کی ابھی کچھ ہی دیر پہلے آنکھ لگی تھی۔

"پانی۔" بہت بے بس پکار تھی مگر وہ فوراً اٹھا اور پانی لے کر آیا۔ اجالا نے ایک ہی گھونٹ لے کر منہ موڑ لیا۔

"بخار بہت تیز ہو گیا ہے اجالا، میں کسی ڈاکٹر کا پتا کرتا ہوں۔"

"نہیں۔ بس آپ میرے پاس رہیں پلیز....."

"بہت اسٹوپڈ لڑکی ہو تم قسم سے۔" وہ جھنجلایا تھا۔ اجالا نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں نے آپ سے کہا تھا مصحف میں اس شادی سے خوش نہیں ہوں، کیونکہ..... کیونکہ میں کسی اور کو چاہتی ہوں۔ بکواس کی تھی میں نے۔ بچپنا تھا وہ میرا ۔۔۔ میرے اللہ نے اس سے بہتر لکھا تھا میری قسمت میں، پھر وہ کیسے مل جاتا مجھے۔"

"یہ بات اس وقت کیوں یاد آ گئی۔؟" وہ سمجھ نہیں سکا تھا۔ اجالا نے آنکھیں بند کر لیں۔

"بس یونہی..... میں سوچ رہی تھی نانو کو ساری حقیقت بتا دوں اور پھر ان سے کہوں کہ جہاں آپ چاہتے تھے وہ وہاں آپ کی شادی کر دیں۔"

"سوچ تو بہت اچھی ہے مگر پھر تمہارا کیا بنے گا۔"

"کچھ نہیں۔ میں اپنے ابا جی کے پاس رہ کر ان کی خدمت کروں گی۔"

"مگر تم نے تو کہا تھا تمہارا دنیا میں کوئی نہیں۔" اب وہ اسے تنگ کر رہا تھا۔ وہ اٹھ بیٹھی۔

"ہاں۔ بس ایک ابا جی ہیں وہ بھی سمندر پار۔"

"چلو پھر ابا جی کو واپس آنے دو، تب تک میں ایک ہی بیوی سے گزارا کر لوں گا۔"

شرارت سے کہتے ہوئے اس نے پھر اسے اپنے برابر میں گرا لیا تھا۔

"ویسے فرض کرو۔ اس رات جب تم بھاگ کر آئیں اور جس طرح سے تم نے بنا سوچے سمجھے ایک اجنبی گھر میں پناہ لی۔ اس وقت اگر تمہارے ساتھ بہت کچھ غلط ہو جاتا تو؟"

"ہو سکتا تھا۔ بہت سی لڑکیوں کے ساتھ ہوتا ہے، ہر جگہ، ہر کسی کو مصحف علی میر ملے یہ ضروری نہیں مگر ۔۔۔ اس وقت تو مجھے صرف اپنی عزت کی پروا تھی، وہ میری عزت چھین کر پھر موت کے گھاٹ اتارتے مجھے اور یہ مجھے کسی طور گوارہ نہیں تھا، ایسی حالت میں اپنے رب کے پاس جانے کا تصور ہی نہیں تھا میرے پاس۔ اسی لیے اگر سامنے سمندر بھی بچاؤ کے لیے ہوتا تو میں اس میں کود جاتی، بنا جان کی پروا کیے۔"

"اور اگر اس وقت جس حال میں ہم لوگ بیٹھے تھے، ہمارے ہی ہاتھوں تمہاری عزت چلی جاتی تب؟"

"مجھے اپنے رب پر یقین تھا جس [illegible] ہستی نے تین دن ایک اوباش کے [illegible] محصور ہونے کے باوجود مجھے پاک رکھا [illegible] میری عزت کی حفاظت کرتا، بس [illegible] کرنی تھی اور وہی میں نے کی۔"

"ہاں۔ [illegible] اجالا، میں کتنا اوباش ہوں، دنیا کا [illegible] نہیں ہے جو میں نے نہ کیا ہو، تم [illegible] میں اتنا ہی غلط شخص ہوں، اسی لیے تو ڈر [illegible] تم سے، نانو سے کہ کہیں میرے جسم سے [illegible] اللہ تم دونوں پر میری حقیقت نہ کھول دے، میری سمجھ میں نہیں آتا اجالا کہ جب مومن مرد کے لیے مومن عورت اور بدکار مرد کے لیے بدکار عورت ہے تو مجھے کیسے مل گئیں۔"

"اس میں بھی میرے اللہ کی کوئی حکمت ہو گی، ہو سکتا ہے آپ نے کوئی ایسی نیکی کی ہو جس کے صدقے اللہ نے مجھے آپ کی زندگی سنوارنے کے لیے بھیج دیا ہو۔"

وہ اب مسکرا رہی تھی، مصحف نے اسے اور قریب کر لیا۔

"پھر سنوارو نا یار..... اب تو سب کچھ جنون [illegible] ہے۔" اس کے انداز بدلے تھے اور اجالا حقیقی [illegible] میں پہلی بار گھبرا گئی تھی۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہو جائے گی [illegible] تم تو جانتی ہی ہو گی شوہر کے کتنے حقوق ہوتے ہیں بیوی پر۔" وہ کچھ سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اجالا کو [illegible] کے سامنے شکست تسلیم کرنی پڑی تھی۔

[illegible] روز وہ ضد کر کے مصحف کے ساتھ [illegible] جا رہی تھی جب راستے میں اس کی نگاہ [illegible] صاحب پر پڑی تھی، نورانی چہرے کے ساتھ وہ چھڑی کے سہارے، تنہا کہیں جا رہے تھے۔ وہ تڑپ اٹھی۔

"مصحف..... وہ ..... وہ میرے ابا جی۔ پلیز گاڑی روکیں مجھے ان سے ملنا ہے۔"

وہ چونکا تھا اور فوراً بریک لگائی۔ اجالا گاڑی رکتے ہی بچوں کی طرح بے تابی سے باہر نکلنے لگی تھی جب اس نے ہاتھ پکڑ لیا۔

"اگر انہوں نے مجھ سے تمہاری شادی کو پسند نہ کیا تو کیا تم مجھے چھوڑ دو گی۔"

کس موقع پر کیسا مشکل سوال داغ دیا تھا اس نے، وہ کچھ پل خاموش رہی پھر بنا کوئی جواب دیے ہاتھ چھڑا کر بھاگ گئی، مصحف کو لگا جیسے اس پل اس کے اندر دھواں ہی دھواں بھر گیا ہے۔ اس نے اپنے ابا کو پکارا تھا اور پھر روتے ہوئے ان کے سینے سے جا لگی تھی۔ وہ چپ چاپ دیکھتا رہا، اگلے پانچ منٹ کے بعد وہ اپنے ابا جی کے ساتھ واپس پلٹی تھی اور اس کی طرف کھڑکی پر جھکتے ہوئے بولی تھی۔

"مصحف۔ کیا آپ میرے ساتھ بھائی کے گھر چلیں گے۔"

اور جانے کیوں اس کا سر اثبات میں ہل گیا تھا۔
غلام محمد صاحب راستے میں صرف اجالا سے ہی زیادہ بات کرتے رہے تھے۔

مقررہ مکان کے آگے گاڑی رکنے کے بعد جب وہ گیٹ کھول کر آگے بڑھے تو اجالا نے چپکے سے مصحف کا ہاتھ تھام لیا۔ سعد اس وقت گھر پر ہی تھا' وہ ظہر کی نماز کے لیے ابھی نکلنے کا قصد ہی کر رہا تھا جب ابا جی کے ساتھ اجالا کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"اجالا۔" وہ صرف حیران تھا' غضب ناک نہیں ہوا تھا۔ غلام محمد صاحب نے سکون سے بیٹھ کر اسے ساری بات سنادی جو اجالا راستے میں رو رو کر انہیں بتا چکی تھی۔ مصحف نے اس موقع پر خود کو غیر ضروری جانتے ہوئے شائستگی سے رخصت لے لی۔

سعد اب ساری بات سن کر رو رہا تھا۔

"تم نے غلط کیا نا ابا جی۔ مجھ پر اعتبار نہیں کیا۔ غیروں پر کرلیا۔ کیا میں اتنا جاہل تھا کہ کچھ بھی نے بغیر اسے قتل کروا تا' یا ہاتھ پکڑ کر گھر سے نکال دیتا۔ سات سال بڑی ہے یہ مجھ سے کیا میں ایسا کر سکتا تھا۔"

"میں ڈر گئی تھی۔ پھر مجھے یہ بتایا گیا کہ تم یہ گھر چھوڑ کر کہیں جا چکے ہو۔"

"بکواس کی ہوگی کسی نے۔ میں نے تو سب کو یہی بتایا کہ تمہیں شہر سے باہر جاب مل گئی ہے اور تم وہاں شفٹ کر گئی ہو۔ تم نے ایک بار بھی نہیں سوچا اجالا کہ میرا کیا ہوگا۔؟ دو بار موت کے منہ سے بچ کر آیا ہوں میں۔" وہ اب بھی رو رہا تھا۔ اجالا نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی ہے سعد' یقیناً تمہاری جگہ کوئی اور بھائی ہوتا تو کبھی میرا یقین نہ کرتا' پلیز مجھے معاف کردو۔ پلیز۔" وہ رو پڑی تھی۔ سعد بھی رو تا رہا۔

"مجھے تم پر نہیں اپنے رب پر یقین تھا۔ انسان کا کردار بڑی اہمیت رکھتا ہے اپی' مجھے یقین تھا تم کسی بھی حادثے کا شکار ہو سکتی ہو مگر اپنے ایمان اور وقار کا سودا نہیں کر سکتیں۔" کیسا

پختہ یقین اور ایمان تھا اس کا اپنے رب پر۔ اجالا غلام محمد کی گود میں سر چھپائے دیر تک روتی رہی۔ سعد کی بیوی میکے گئی تھی' لہٰذا وہ دونوں بہن بھائی غلام محمد صاحب کے بستر میں ان سے جڑے بیٹھے رات عشاء کی نماز کے بعد بہت دیر تک باتیں کرتے رہے تھے۔

اجالا نے انہیں غلام عباس کی فیملی اور مصحف و نانو کے بارے میں سب کچھ بتادیا تھا' جواب میں سعد نے بتایا کہ ہمسروں کی ذمہ ہو گئی تھی' اسے اس کے اوباش شوہر نے زہر کھلا کر ماردیا' جبکہ ندا نے ولید کے قتل کے بعد ایک بڑے کیئر سینٹر میں ملازمت کرلی تھی' وہ اتنی بدل گئی تھی۔ کہ سعد بھی اسے نہ پہچان سکا' عباد ایک دو روز میں پاکستان آنے والا تھا۔ سعد بتا رہا تھا کہ ابھی کچھ روز پہلے اس نے تایا کو دیکھا تھا' پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس' پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کا سودا کرنے والا وہ شخص۔ راستے میں بیٹھا اپنے سر میں خاک ڈال رہا تھا۔

اس رات اجالا نے تہجد کی نماز اپنے گھر میں اپنے باپ اور بھائی کے ساتھ ادا کی تھی' غلام محمد صاحب کا اب بھی وہی حال تھا' مصلے پر بیٹھے روتے رہے۔

اجالا کو بھول ہی گیا کہ وہ پیچھے کچھ چھوڑ کر آئی ہے۔ مصحف جب سے اسے چھوڑ کر گیا تھا' بے چین تھا' بار بار سیل اٹھا کر دیکھتا کہ کہیں اس کی کال تو نہیں آئی' ہو' نانو کو تو اس نے مطمئن کر دیا تھا مگر خود کو نہ کرسکا' اندر جیسے عجیب سی بے چینی سی تھی۔ کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

وہ فیکٹری بھی نہیں جاسکا' شہریار اپنی بیوی کے ساتھ مصروف تھا' ہم لوگ سے باہر چلا گیا تھا اور شاہ میر اس کے ہم لمان تھا۔ اس کا دل چاہا وہ اپنے نظر انداز کیے جانے پر اسے کال کرکے خوب کھری کھری سنائے جو اسے اپنوں میں بھول بیٹھی تھی مگر وہ کچھ بھی نہ کرسکا۔

نہ نیٹ میں دل لگ رہا تھا نہ کسی لڑکی سے chat میں۔ جانے یہ سب کیا تھا؟

بہت دیر بستر پر کروٹیں بدلنے کے بعد' جب

تکلیف بڑھتی گئی تو وہ اٹھا اور سیدھا واش روم میں گھس گیا۔ اجالا نے کہا تھا اللہ کی یاد میں سکون ہے' ٹھنڈک ہے' وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ بات کتنے فیصد صحیح ہے۔ صرف اپنے مفاد کے لیے اس روز' بارہ سال کے بعد وہ اپنے رب کے حضور پیش ہوا تھا' پہلے پہل بہت دماغ الجھا' ادائیگی بھی صحیح نہ ہوئی' وہ اللہ کا نام لیتا اور تصور میں اجالا کا چہرہ آکر اسے بھٹکا دیتا' تاہم ایک رکعت کے بعد اس کی کیفیت نارمل ہوگئی۔ اپنے معبود حقیقی کے ذکر میں وہ یوں کھویا کہ خدا نے آپ کو بھی بھول گیا۔

زندگی میں پہلی بار اس رات وہ بہت رویا تھا' اپنی گمراہی پر' اپنی بے خبری پر' بار بار یہ خیال آتا کہ اگر اسی حال میں موت آجاتی تو وہ اپنے رب کے پاس کیا لے کر جاتا؟

اس نماز کے بعد اسے لگا کہ پرانے مصحف علی میر کی موت ہو گئی ہو اور اس کے اندر ایک نئے مصحف علی میر نے جنم لیا ہو' وہ مصحف علی میر جس پر اس کے رب نے آگاہی کے در وا کر دیے ہوں جو اپنی حیثیت اپنی اوقات اور اپنے رب کا مقام جان گیا ہو۔

وہ رب کہ جس نے رات اس کے تڑپتے دل کو سکون بخشا تھا' صبح نماز کے بعد ابھی وہ بستر پر لیٹا تھا کہ اجالا کی کال آگئی۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام کیسی ہو؟" اس کا لہجہ بھاری ہو رہا تھا۔ وہ چونک گئی۔

"بہت خوش۔ آپ کیسے ہیں۔ اور رات میرے بغیر نیند آئی کہ نہیں؟"

"نہیں۔" کتنی سادگی سے اعتراف کرلیا تھا اس نے۔ وہ ہنس پڑی۔

"پھر تو اب عادت ڈالنی پڑے گی' کیونکہ میرے ابا جی کو میرے لیے اپنے جیسا پرہیزگار لڑکا پسند ہے' اگر تم اب بھی نہیں سدھرو گے تو وہ مجھے تمہارے پاس نہیں بھیجیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ اپنے ابا جی سے کہو مجھے کچھ دنوں کی مہلت دیں۔"

"کچھ دنوں کی؟" دوسری طرف وہ مذاق میں لے رہی تھی۔

"ہاں' کچھ دنوں کی۔ صبح میں شہر سے باہر جارہا ہوں' پھر کسی لڑکی کے ساتھ گھر واپس آجانا۔ نانو اکیلی ہوں گی۔ میں کچھ روز میں واپس لوٹ آؤں گا۔"

کہنے کے ساتھ ہی اس نے سیل آف کردیا تھا' اجالا الجھ کر رہ گئی۔ اگلے روز وہ اس کی گھر واپسی سے پہلے ہی نکل چکا تھا' نانو دیر تک غلام محمد اور سعد سے ماضی کی باتیں کرتی رہیں۔ ایک دن' دو دن' تین دن' وقت جیسے پر لگا کر اڑ رہا تھا اور ادھر اجالا کی جان پر بنی تھی۔

اس روز اس کی طبیعت بہت خراب تھی۔ بڑی مشکل سے نانو کے ساتھ ہسپتال گئی تو وہاں ملنے والی خوشخبری نے اسے رلا دیا۔ وہ امید سے تھی اور اس کے محبوب کا کوئی اتا پتا نہیں تھا' اب تو نانو بھی بہت متفکر رہنے لگی تھیں۔

اجالا کو لگا جیسے اس کا ضبط ٹوٹنے لگا ہو' مصحف کے

صبیحہ اقبال

جب بلائے غزالاں

بغیر اتنے دن وہ جس عذاب میں کاٹ رہی تھی یہ محض اس کو پتا تھا یا اس کے پاک رب کو۔ نماز میں بھی اب اس کا دل پہلے کی طرح نہیں لگ رہا تھا اس روز تھک ہار کر وہ نماز میں رو پڑی تھی ہر دعا صرف مصحف کے لیے مانگتے ہوئے وہ پھر سے اپنے رب کے سامنے جیسے ضدی بچی بن گئی تھی۔

"اے اللہ! تو جانتا ہے میں بہت گناہ گار ہوں میرا ایمان اتنا مضبوط نہیں کہ تیرے ذکر کی پناہ کے بعد میں ہر چیز سے غافل ہو جاؤں۔ تیرا کرم ہے مجھ پر۔ تیرا رحم ہے۔ مجھ گناہ گار کو اور مت آزما اے اللہ! ہم لڑکیاں بہت کمزور ایمان بہت کمزور نفس کی مالک ہیں ہماری زندگی میں جب تک کسی ایک سچے مخلص ساتھی کا سہارا میسر نہیں آتا تو بھٹکتی رہتی ہیں سکون نہیں ملتا تو نے اپنے کرم سے مجھے ہر عذاب اور مصیبت سے محفوظ رکھا ہے اب بھی میرے ایمان کا بھرم رکھ لے میرے مولا۔ میرے سچے مخلص ساتھی کو واپس بھیج دے۔"

صبح فجر کی نماز میں اس نے دعا مانگی اور شام میں وہ لوٹ آیا بڑھی ہوئی داڑھی سر پر ٹوپی نور سے دمکتا چہرہ اور سادہ لباس وہ جو نانو کے لیے پرہیزی کھانا بنا رہی تھی۔ اسے اس حال میں دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"کیسی ہو پرنسز" وہ مسکراتے ہوئے قریب آیا تھا۔ اجالا کی آنکھیں بھر آئیں۔ نانو البتہ اس کے لئے لینے لگی تھیں۔ جواب میں وہ انہیں گلے لگا کر اپنی جماعت کا احوال سنانے لگا۔ اجالا کو لگا جیسے اس کا دل رک جائے گا۔ کیا تھا اس شخص میں کہ وہ زندگی بن گیا تھا۔ آنسو تھے کہ اسے اتنے دنوں کے بعد مقابل دیکھ کر رو کے نہ رک رہے تھے۔

وہ نانو کو مطمئن کرنے کے بعد اس کے بازو پکڑ کر اسے کمرے میں لایا تھا۔

"میرا خیال تھا اتنے دنوں کے بعد تم مجھے سامنے دیکھ کر خوش ہو جاؤ گی۔ مگر یہاں آنسو ہی نہیں رک رہے۔ کیا مجھے نہیں آنا چاہیے تھا؟"

"ہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ کیونکہ تم بہت برے ہو۔" وہ روتے ہوئے دھاڑی تھی جواباً وہ مسکرا دیا۔

"یا اللہ۔ جب برا تھا تب خوش تھیں اب ہدایت کا راستہ پالیا ہے تو رو رہی ہو۔"

"بھاڑ میں جائیں میری طرف سے۔ میرا کوئی واسطہ نہیں آپ سے۔"

"دیکھو تم بھی آپ۔ لگتا ہے لڑکی تمہارا دماغ چل گیا ہے میری جدائی میں اور توبہ۔ استغفار کچھ تو سوچو کہاں بھیج رہی ہو مجھے۔"

اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے اس نے محبت سے اسے ساتھ لگایا تھا۔ جواباً وہ خاموشی سے روتی رہی۔

"خود ہی تو کہا تھا یار کہ اباجی کو پرہیز گار لڑکا پسند ہے مجھ سے پوچھو پرہیز گار بننے کے لیے یہ تین ماہ کیسے گزارے ہیں بہت مشکل ہے اجالا۔ برائی سے دامن چھڑا کر کامیابی کے راستے پر چلنا اور پھر اس پر ڈٹے رہنا بہت مشکل ہے قدم قدم پر شیطان پاؤں تلے سے زمین کھینچے آتا ہے۔ اور قدم قدم پر ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اب تم جیسی اچھی لڑکی کے قابل بننے کے لیے یہ جنگ تو ضروری تھی نا۔ نفس کے خلاف جنگ۔ اب تو تمہارے اباجی مجھے ریجیکٹ نہیں کریں گے نا۔"

وہ اسے بہلا رہا تھا۔ اجالا نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"ہزار شکر اللہ۔ چلو اب خوش ہو جاؤ نا۔ وہ نانو کسی خوشخبری کا ذکر کر رہی تھیں ذرا بتانا مجھے کیا خوشخبری ہے۔"

"تمہارا۔۔۔ انکار کرنگی ہے" کہتی وہ اس کے حصار سے نکلی تھی جبکہ مصحف کھل کر ہنستا اس کے ساتھ تھا اسے امید ہی نہیں یقین بھی تھا کہ وہ اپنی محبت سے اسے منا لے گا۔ اس لڑکی کو کہ جو واقعی اجالا بن کر اس کی بے مقصد اور تاریک زندگی کو منور کر گئی تھی۔

☆ ☆

"معاذ! معاذ!" مشکوٰۃ، آئمہ بیٹی سے ملنے والے جواب کی منتظر تھی اور معاذ تھا کہ اپنے کمرے سے باہر ہی نہ آرہا تھا۔ مشکوٰۃ نے اسے کئی بار پکارا، لیکن جواب ندارد۔ نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دابے وہ بولائی بولائی برآمدے میں چکر کاٹتی رہی، کبھی بکھرے کشن درست کرتی تو کبھی منی پلانٹ کے زرد ہو جانے والے پتوں کو شاخ سے علیحدہ۔

"میں۔" اور اس پتے کے ٹوٹنے کے ساتھ ہی جیسے کسی نے مشکوٰۃ کے دل کو چٹکی میں لے کر مسل دیا ہو۔ اسے معاذ کو پکارتے کم و بیش پانچ منٹ ہو گئے تھے۔ اس سے پہلے کبھی ایسا نہ ہوا تھا کہ ماں کی پکار کے ساتھ ہی اس کی تھری ڈی ویڈیو میسر نہ آگئی ہو۔

"بیگم صاحبہ کے نخرے اٹھا رہے ہوں گے، جواب دینے کی فرصت ہی کہاں ہوگی۔" وہ تلملائی۔

ایسے ہی موقع پر تو شیطان وسوسوں کا دانا ڈالتا اور رقابتوں کے جال بچھاتا ہے اور بدگمانیوں کی کونپلیں بڑھ کر وجود میں بستے خوش گمانی اور خوش اخلاقی کے جھرنوں کو یا تو خشک کر دیتی ہیں یا ان میں زہر ملا دیتی ہیں اور دل کی دنیا خشک اور پتھریلی ہو جاتی ہے۔ لیکن خالق و مالک اپنی مخلوق کو سرسبز و شاداب دیکھنا چاہتا ہے، اسی لیے تو عفو و درگزر کے بے پایاں خزانے کا لالچ دے کر انسان کو بدگمانی و زیادتی سے بچائے رکھتا ہے۔ مشکوٰۃ چونک اٹھی۔

"میرے رب مجھے صبر کرنے والوں میں شامل رکھنا۔" یہ ہی تو وہ سہارا تھا جس پر بھروسہ کرکے وہ زندگی کی شاہراہ پر پچھلی دو دہائیوں سے بڑی روانی اور شگفتگی کے ساتھ یوں چلی تھی کہ اس کے وجود پر کہیں تھکن کے آثار نہ تھے۔

✲ ✲ ✲

"وہ امی! سامنے والے فلیٹ میں جو نئے لوگ آئے ہیں نا، وہ مجھے کہہ رہے تھے کہ میں مسلم [illegible] یہ مسلم کیا ہوتا ہے؟" چار سالہ کھلنڈری [illegible] گھر میں داخل ہوئی اور پھولے سانس کے ساتھ ماں سے سوال کیا۔

"بیٹی جو کلمہ پڑھتا ہے وہ مسلم ہوتا ہے۔" بیڈ کور درست کرتی فائزہ لاپروائی سے جواب دے کر اپنے کام میں مصروف ہو گئیں اور اچھا کہہ کر مشکوٰۃ جس تیزی سے گھر میں داخل ہوئی تھی اسی تیزی سے دوبارہ باہر بھاگی کیونکہ فلیٹ میں آنے والے مکین ان کی ہم عمر بچیاں اور سب سے بڑھ کر ان کے خوب صورت نئے نئے کھلونے اس کی دلچسپی کا محور تھے۔ لیکن نئے پڑوس کی جانب سے ملنے والا "مسلم" کا لفظ وہ بھی اپنے وجود کے ساتھ مشکوٰۃ کی ڈکشنری میں ایک اضافہ تھا۔ اس کے بعد سے یہ ہوا کہ روز رات کو دادی ماں کے پہلو میں لیٹ کر جب کلمہ پڑھتی تو اپنے مسلم ہونے کا احساس ہوتا اور بس یہ ہی اسلام تھا اس کی زندگی میں۔

پری پرائمری، سیکنڈری ہر اسٹیج پر مسلم کا مطلب محض کلمہ گو ہی رہا تھا اور اب کالج کی زندگی میں بھی وہ اتنی ہی مسلم تھی جتنی چار سالہ کھلنڈری سی مشکوٰۃ۔

"آج کالج میں ایک نئی پروفیسر آئی ہیں جو ہمارا اسلامیات کا سبجیکٹ لیں گی۔" سفانہ نے کینٹین میں بیٹھی مشکوٰۃ کو اطلاع دی، وہ جانتی تھی کہ مشکوٰۃ کو نئے چہروں اور ان کے لباسوں سے کس قدر دلچسپی ہے۔

"تو ہو پہلے بتانا تھا نا۔" مشکوٰۃ [illegible] کلاس روم کی طرف بڑھ گئی۔

"اسلام دراصل زبان سے [illegible] ادا کر دینے والا منتر نہیں کہ انہیں [illegible] ادا کر دے تو انسان مسلم ہو جائے [illegible] اسلام تو ایک سراسر پریکٹیکل لائف کا مطالبہ [illegible] ہے اور ادا کرنے والے کو مسلم [illegible] سے سرفراز کرتا ہے۔" نئی آنے والی پروفیسر [illegible] نے جس طرح مسلم معاشرے کی نقشہ کشی کی تھی اور رب کی فرماں برداری کے جن راستوں سے متعارف کرایا تھا وہ تمام طالبات کے لیے توجہ اور توبہ کا سبب تو بنا ہی تھا، لیکن سادہ دل مشکوٰۃ پیریڈ آف ہونے سے قبل ہی اپنے سابقہ طریقہ زندگی سے بے زار ہو کر نئے راستوں کی مسافرت کا عزم صمیم کر چکی تھی۔

"آئندہ میں نے مسلم بن کر ہی رہنا ہے۔" مشکوٰۃ نے باقاعدہ زبان سے الفاظ ادا کرکے اپنے رب اور اپنی ذات سے ایک وعدہ کیا تھا جسے وہ آج تک نبھاتی چلی آرہی تھی۔ مشکوٰۃ کی اپنے کیے وعدے پر ثابت قدمی تو اسی دن سامنے آگئی تھی جب چھٹی سے [illegible] سفانہ اس کی جگری دوست نے اسے اطلاع دی تھی۔

"آج پی سی میں لان کی زبردست ایگزیبیشن ہے نئی نئی ماڈلز آرہی ہیں۔"

"زندگی کے معمولات سے انسان کے مسلم ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔" [illegible] جملہ اس کی سماعت سے ٹکرایا۔

"چلو [illegible]"

"[illegible] کوئی موڈ نہیں ہے۔" ہمیشہ سے ماڈلز کی پرستار مشکوٰۃ نے کوئی رسپانس نہیں دیا۔

"خیریت بھی آج موڈ کو کیا ہوا؟" سفانہ نے اپنی انگلی دانتوں تلے دبائی۔

"کچھ نہیں۔" کہتی مشکوٰۃ اپنا دوپٹہ درست کرتی کالج گیٹ کراس کر گئی۔

"کیا کوئی حادثہ خدانخواستہ؟" ثمرہ نے ڈرتے ڈرتے اپنا خیال پیش کیا۔

"نہیں اس کی کیفیت حادثے کی نہیں بلکہ انقلاب کی غمازی کر رہی تھی۔" عمارہ نے ہمیشہ کی طرح تجزیہ کر ڈالا تھا۔

"اللہ جانے۔" سفانہ نے کندھے اچکائے اور سب نے اپنی اپنی راہ پکڑی۔

فون کی بیل ہو رہی تھی اس نے کال ریسیو کی۔

"ہیلو۔"

"مسلم کے الفاظ بدل جاتے ہیں لب و لہجہ بدل جاتا ہے۔" جیسے پروفیسر شائقہ نے کہیں قریب ہی سرگوشی کی تھی۔

"جی السلام علیکم کون؟" پوچھا گیا۔

"سفانہ بات کر رہی ہوں، مجھے مشکوٰۃ سے بات کرنی ہے۔ آپ کون بات کر رہی ہیں؟" سفانہ کو کبھی اس نمبر سے سلام نہیں کیا گیا تھا سو وہ حیران ضرور ہو رہی تھی۔

"[illegible] تو بات کر رہی ہوں، بولو خیر ہے؟"

"ہیں مشکوٰۃ!" سفانہ چونکی۔

"تمہاری آواز، انداز کو کیا ہوا؟ پہچانی نہیں جا رہی ہو؟" سفانہ ابھی تک حیرت زدہ تھی۔

"اب بولو بھی کیوں یاد کیا ہے؟" مشکوٰۃ جان کر انجان بن گئی تھی۔

"وہ ہی پی سی ایگزیبیشن والی بات، چلو گی نا؟" سفانہ نے بڑی رسانیت سے پوچھا۔

"فرصت نہیں ہے۔" مشکوٰۃ نے مختصر جواب دے کر فون رکھنا چاہا۔

"بدلے بدلے ہیں سرکار میرے۔" سفانہ کب پیچھا چھوڑنے والی تھی۔

"ہوں یہ ہی سمجھ لو۔" اسے گول مول جواب دے کر فون بند کر دیا۔

ایک طرف اپنے نفس پر قابو پانا اور دوسری طرف سفانہ سے پیچھا چھڑانا، اسے کافی دقت محسوس ہو رہی تھی، فون بند کرکے اسے بامقصد زندگی کے راستے کی پہلی کامیابی کا احساس ہوا تو وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"مشکوٰۃ بی بی تم نے اپنا مال، اپنی جان دونوں کو ضائع ہونے سے بچا لیا۔" کسی نے سرگوشی کی۔

✲ ✲ ✲

"سنو! مشکوٰۃ اپنا وعدہ یاد ہے نا آج شام مارکیٹ چلنے والا۔" دو گھر دور رہنے والی پڑوسن ہمیشہ ہی مشکوٰۃ کے ساتھ بازار جاتی تھیں کیونکہ وہ بازار جانے کی شوقین بھی تھی اور بارگیننگ کے فن سے آشنا بھی۔

"اوہو میں تو بھول ہی گئی تھی، ہاں بولیں کیا کیا لینا ہے؟" مشکوٰۃ نے بھولے سے سوال کیا۔

"ارے تم اور بازار جانا بھول گئیں؟" پڑوسن کو حیرت نے آلیا۔

"اور لانا کیا ہے ربیع الاول آرہا ہے بچوں کے کپڑے بنانے پڑیں گے، ایک طرف تو مہنگائی کمر

توڑے دے رہی ہے اوپر سے نئی نئی ضروریات آپڑتی ہیں۔" پڑوسن اچھی خاصی بےزار نظر آرہی تھیں۔

"یہ تو ہماری خود ساختہ ضروریات ہیں، چھوڑو گھر ہی سے کوئی بستر کپڑے نکال کر سلوا دینا۔" مشکوٰۃ بازار جانے کو منع کررہی ہے، پڑوسن کو اچنبھا ہوا تھا لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ مشکوٰۃ پر یہ عقدہ کھل چکا ہے۔

اپنی ہی ذات میں پستی کے کھنڈر ملتے ہیں
اپنی ہی ذات میں کوہِ ندا رہتا ہے

صرف اس کوہ کے دامن میں میسر ہے نجات
آدمی ورنہ عناصر میں گھرا رہتا ہے

دنیا کی بھی عجیب ریت ہے، کوئی برائی میں ملوث ہو، تو اس پر انگلیاں اٹھتی ہیں، لیکن جب کوئی برائی سے کنارہ کش ہوجائے تو انہیں مروڑ اٹھتے ہیں۔ یہ ہی معاملہ مشکوٰۃ کے ساتھ تھا شروع شروع میں تو کالج کی ساتھیوں نے اس کا مذاق اڑایا، پھبتیاں کسیں، طعنے دیے گئے، پچھلے طرز زندگی کی یاد دلائی گئی، لیکن جب یہ اوچھے ہتھکنڈے وہ مسکرا مسکرا کر سہتی رہی تو اس کو انتہا پسند، رجعت پسند کے القابات دے کر چھوڑ دیا۔

کالج میں سالانہ فنکشن تھا، پچھلے تین سالوں سے کئی کئی ایوارڈ لینے والی ذہین مشکوٰۃ اب کیوں پیچھے رہتی۔ اس کے پاس بھی تو موقع تھا اپنی بات خوب صورتی کے ساتھ دوسروں تک پہنچانے کا۔ اسٹیج سے اپنا نام پکارے جانے پر وہ جذبہ خیر کے ساتھ آگے بڑھی۔ تمہید باندھنے کے بعد وہ کہ "کاش تیرے دل میں اتر جائے میری بات" کی دعا کرتی ہوئی اپنے مطلب کی طرف آگئی تھی۔ وہ بتارہی تھی کہ "ہم یہاں سے گریجویٹ ہوکر جارہے ہیں، مگر ماحول، ماحول کی ناسازگاری کا یہ عالم ہے کہ

گھٹا کچھ ادبار کی چھا رہی ہے
فلاکت سماں اپنا دکھلا رہی ہے

نحوست پس و پیش منڈلا رہی ہے
یہ چاروں طرف سے صدا آرہی ہے

کہ کل کیا تھے آج کیا ہوگئے تم
ابھی جاگتے تھے ابھی سوگئے تم

مگر مگر کی تکرار میں وہ دیر تک سر پر منڈلاتے خطرات اور ان کے سدباب کے لیے ذہنوں کو جھنجوڑتی رہی اور سونے والوں کو جگانے کا فریضہ ادا کرتی رہی۔

☼ ☼ ☼

"مجھے ماسٹرز کرانے کا آپ کا وعدہ ہے مما۔" مشکوٰۃ نے فائزہ بیگم کو ان کا وعدہ یاد دلایا۔

"مگر گھر کے مخصوص معاشی حالات میں، میں تمہیں کیسے یونیورسٹی جوائن کرنے کی اجازت دے سکتی ہوں، جبکہ ابھی تمہارے دوسرے چھوٹے بہن بھائی بھی پڑھ ہی رہے ہیں۔" فائزہ نے مشکوٰۃ کو سمجھایا، پہلی سی عادت و اطوار والی مشکوٰۃ ہوتی تو گھر سر پر اٹھالیتی مگر بھلا ہو پروفیسر شائقہ کا کہ انہوں نے مشکوٰۃ کو دین کی سمجھ و گہرائی عطا کردی تھی وہ اطاعت والدین ہی میں کامیابی ڈھونڈ رہی تھی۔ لہٰذا اتنا مچلنا تو کیا معنی رکھتا مشکوٰۃ نے اف بھی نہ کیا۔

"ڈگری ہی تو تعلیم نہیں، بلکہ تعلیم تو [illegible] سے آگہی کا نام ہے۔ جس کا کوئی [illegible] پروفیسر شائقہ اس کے ذہن کے پردے [illegible] اور مشکوٰۃ مطمئن ہوگئی۔

آج پھر کچھ لوگ [illegible] رہے تھے۔ گھر کو سنوارا جارہا تھا [illegible] عجیب عجیب زاویوں سے لڑکیاں [illegible] اور پرکھتے ہیں اور لڑکی والے بھی [illegible] نئے ڈھنگ اختیار کرتے ہیں، لڑکی والے لڑکی کے کیسے کیسے قصیدے اور لڑکے والے اپنے لڑکے کے کون کون سے گن ہوتے ہیں جو ڈسکس نہیں ہوتے۔ لیکن مشکوٰۃ تو اس راستے کی راہی بن گئی تھی جہاں دنیوی مال و متاع عزت و شہرت بے معنی ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا اس نے ایک ہی شرط رکھی۔

"نہ جہیز لے کر جاؤں گی اور نہ بری قبول کروں گی۔" اس نے والدین کو اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔ عجیب ہوتی شرط ہے۔

"کوئی تمہیں بغیر جہیز کے کیوں لے کر جائے گا۔ کوئی بھگا کر لے کر جارہا ہے جو اس طرح لے جائے گا۔" سفانہ چڑ کر بولی تھی۔

"نہیں بھی تو بری نہیں مانگ [illegible]" مشکوٰۃ کا موقف تھا کہ یہ سب چیزیں وقت اور پیسے کا ضیاع ہیں، بعد میں اکثر الماریوں میں پڑی رہتی ہیں، پھر ضائع ہوجاتی ہیں۔ زمانہ کبھی خیر [illegible] حقیقت شناس افراد سے خالی نہیں رہا [illegible] ان کی تلاش ہے۔ ان کی حوصلہ افزائی کر[illegible] ایڈیل بنانے کی ہے۔ مشکوٰۃ کے [illegible] ہوا اس کی خواہش، اس کی جستجو کو [illegible] حقیقت پسند نے پایہ تکمیل کو پہنچایا۔ رواحہ جس نے اپنی ماں اور بہن کو ایک ایسی شریک حیات کی تلاش میں سرگرداں رکھا تھا جس میں [illegible] کی کوئی بھی انفرادیت ہو اور مشکوٰۃ کی شرط نے رواحہ اور اس کے گھر والوں کو یقین دلا دیا تھا کہ جستجو اب تلاش ختم ہوگئی۔

اگر اس جانب مشکوٰۃ کو بے وقوف کہنے والے کم نہیں تھے تو دوسری جانب رواحہ بھی ایسے جملوں کی زد میں تھا۔

"ارے رواحہ تمہارے اسٹیٹس کے لوگ بنگلہ، کوٹھی، کار کی ڈیمانڈ کرتے ہیں اور ایک تم ہو اللہ دے اور بندہ لے سے بھی ہاتھ کھینچ رہے ہو۔" اس کے دوست فرخ نے لتاڑ دیا۔

"ہونہہ یہ سب اللہ کی دین کب ہوتی ہے، یہ تو رسومات کے پیچھے بھاگنے والے، دنیا ہی کو اپنا سب کچھ سمجھ لینے والے، ناموری اور ایک دوسرے سے زیادہ شہرت حاصل کرنے کی تگ و دو میں لگے رہنے والوں کی دوڑ ہوتی ہے۔ جس میں نہ دینے والے خوش اور نہ لینے والے مطمئن۔" رواحہ چپ نہ رہ سکا تھا۔

"یار رواحہ! اس دور میں جب مادی بھوک کی آگ ہر سو لگی ہے اور لوگ اپنی ڈگریوں کو کیش کروا رہے ہیں۔ تمہارے [illegible] اس شادی میں سوائے ذمہ داریوں کے [illegible] سمجھ کر رواحہ نے جواد کو ایسی کھا جانے والی نظروں سے دیکھا کہ اس کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا اور دوسرے دوستوں نے بھی اپنے لب بند کرلیے۔ جب جہیز جمع کرنا ہو نہ بری تیار تو دیر کب لگتی ہے سو چٹ منگنی پٹ بیاہ والا معاملہ ہوا۔

رواحہ، مشکوٰۃ کی خواہش کے عین مطابق سادہ اور خوب صورت دل کے مالک تھے۔ وہ اپنے رب کے حضور سجدہ شکر بجا لائی۔ واقعی شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے، خواہشات کے پیچھے اس طرح لگاتا ہے کہ رب کا شکریہ ہی ادا نہ ہوسکے۔ نظر انسانی خوبیوں کے بجائے مال و متاع کے ڈھیر میں ہی بھٹکتی رہتی ہے۔

نیا گھر، نئے لوگ، نئے ماحول میں مشکوٰۃ کو کوئی گھبراہٹ نہیں ہوئی کہ وہ فیصلہ کرکے ہی آئی تھی کہ یہ ہی اب اس کا گھر ہے، یہی لوگ اس کے اپنے ہیں اور اسے اسی ماحول میں اپنا مقام بنانا ہے۔

اختلافات تو ہر جگہ ہوتے ہیں، اپنے ہی ہاتھ کی پانچ انگلیاں یکساں کہاں ہوتی ہیں، اختلافات کو ٹھنڈے دل سے قبول کرلینا ہی سمجھ داری ہے۔ میکے میں جب ہماری مرضی کے خلاف کچھ ہوتا ہے تو ہم اسے قبول کرتے ہی ہیں نا۔ مشکوٰۃ کی دینی بصیرت نے اس کے دل کو صبر و رضا و خوش گمانی کی دولت عطا کی تھی۔ کوئی بھی مسئلہ درپیش ہوتا، چار مختلف زاویوں سے ہی سوچنے پر وہ مطمئن ہوجاتی۔ سو ناگواری و بدگمانی کے بیج ہی دل میں نہ گرتے کہ پھلتے پھولتے اور کڑے سے کڑا وقت بھی دبے پاؤں گزر جاتا۔

☼ ☼ ☼

"اففو! اتنے ڈھیر برتن تم اکیلے کیسے دھوگی؟ بھابھی نے سوچا ہوگا بہو ہے کیا بولے گی۔" مشکوٰۃ کو رات کے کھانے کے برتن دھوتے دیکھ کر پھوپھی ساس کو ہمدردی نے آلیا۔

"نہیں پھوپھو! یہاں تو سب مل کر کام کرتے ہیں۔" مشکوٰۃ نے انہیں مطمئن کیا۔

"ارے بہو! چھوڑو اپنی خوش فہمیوں کو جب سے آئی ہوں دیکھ رہی ہوں کام میں جتی پڑی ہو۔"

"پھوپھو فروا بھی میرے ساتھ ہی باورچی خانے کے کام نبٹاتی ہے بس آج مہمانوں کی وجہ سے اس کی توجہ ادھر ہو گئی ہے۔" مشکوٰۃ نے حقیقت بیان کر دی تھی۔

"ارے بچی! میں خوب سمجھتی ہوں بھابھی کی چالوں کو' آج ہمارا بہانہ کل خالہ آئیں گی تو ان کا بہانہ ہو گا' پرسوں مہمانی مصروفیت کی وجہ بن جائیں گی فروا کی۔" پھوپھو پتا نہیں کیا جتا رہی تھیں' لیکن مشکوٰۃ کو لگا کہ واقعی صبح سے کام کرتے کرتے وہ بالکل تھک کر چورا ہو گئی ہے' اس کے تیزی سے چلتے ہاتھ یک دم رک گئے' اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ محسوس کرتی کہ کوئی قریب ہی سے پکار اٹھا۔

"مشکوٰۃ تمہاری تھکن کا سبب مضر صحت' مردار گوشت کھانا ہے' غیبت سننا بھی غیبت کے برابر ہے' جو کھایا ہے ابھی اگل دو۔" اور مشکوٰۃ استغفار پڑھ کر دوبارہ تازہ دم ہو کر باورچی خانے میں مصروف ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

"بوجھو تو جانیں!" فروا نے بازار سے آ کر اس کے سامنے خوب صورت گفٹ پیک لہرایا۔

"کتاب۔" کتاب دوست مشکوٰۃ کو کتاب ہی محسوس ہوئی تھی۔

"اونہہ۔" فروا نے نفی میں گردن ہلائی۔

"وال ڈیکوریشن پیس۔"

"نہیں۔"

"اچھا پرس ہو گا۔" مشکوٰۃ نے خیال ظاہر کیا۔

"آخری چانس نہ بوجھا تو سمجھو یہ میرا ہوا۔" فروا نے وارن کیا۔

"اس کا مطلب ہے غور کرنا ہی پڑے گا۔" وہ مسکرائی۔

"آ! سوٹ پیس۔" مشکوٰۃ تقدرے زور سے بولی۔

"دیکھنا ہاتھ سے نکل جانے کے خوف سے کیسا دماغ لڑایا۔" گویا فروا نے سوٹ پیس ہونے کی تصدیق کر دی تھی۔

"چلیں کھولیں اور داد دیں اپنی نند کی پسند کو۔" فروا نے اپنے خیالی کالر اونچے کیے اور مشکوٰۃ تیزی سے پیکنگ کھولنے لگی۔ لیکن سوٹ پیس کا کلر دیکھ کر اس کے جوش پر اوس پڑ گئی۔ اسے ہمیشہ سے ڈل کلر پسند تھے۔ شوخ کلر اس کو کبھی پسند نہ آتے تھے اور یہ بات اس گھر میں سب ہی جانتے تھے۔

"سوچا ہو گا بلدی لگے گی نہ پھٹکری اور رنگ آئے گا چوکھا' بھابھی مجھے واپس کر دیں گی اور تحفہ دینے کا نام بھی ہو جائے گا۔" شیطان ایسے ہی لمحوں کی تو تاک میں رہتا ہے۔ اس نے وسوسہ ڈالا' لیکن مومن تو وہی ہے جو مردود کی آہٹ پر چوکنا ہو جائے' وہ چونکی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تحفے کو حقیر نہ جانو۔"

"ارے یہ تو بہت خوب صورت لگ رہا ہے' کہاں سے لیا؟ اپنے لیے بھی لیا ہے یا سب کچھ صرف بھابھی ہی پہنے گی؟" مشکوٰۃ نے دل میں آئی بدگمانی کا ازالہ کرنا چاہا۔

☆ ☆ ☆

نظام قدرت کے تحت اس کے آنگن میں بھی دو کلیاں آئمہ اور ناعمہ کی صورت میں کھلیں' جن کی خوشبو سے گھر کے در و دیوار مہک اٹھے' ایسے میں مہینے کی گزری بے داغ گرہستی اور مشکوٰۃ کی طبیعت کی کسلمندی نے آنے والے نئے مہمان کی خوش خبری دی تو جہاں مشکوٰۃ کے دل میں بیٹے کی فطری خواہش پیدا ہوئی' وہیں رواحہ نے بھی مشکوٰۃ کو ٹوکا۔

"اماں کا دل اب اپنے پوتوں سے کھیلنے کے لیے چاہ رہا ہے۔"

"بھئی یہ تو اللہ کے کام ہیں ہاں انسان نعمت کا سوال بھی کر سکتا ہے اور رحمت کی آس بھی ہوتی ہے۔" مشکوٰۃ نے اپنے رب سے تسلیم و رضا دعا و فریاد کے در ہمیشہ وا رکھے اور پھر سمیع الدعا نے اس کی سن لی جس طرح آئمہ اور ناعمہ تتلیاں بن کر رنگ بکھیرتی تھیں' ایسے ہی معاذ اور فہاد جگنو بن کر چمکتے تھے۔

والدین میں اگر مکمل ہم آہنگی ہو اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون رہے تو گھر کی فضا اور بچوں کی تربیت اس کا منہ بولتا ثبوت ہوتی ہے پرسکون "بیت الرواحہ" میں وقت کا تیز رفتار گھوڑا ایسے گزرا کہ دیکھتے ہی دیکھتے آئمہ اور ناعمہ نے ایک ساتھ ہی ماسٹرز کر لیا اور معاذ اور فہاد اپنی پسند و رجحان کے حوالے سے میڈیکل اور انجینئرنگ کے میدان میں پہنچ چکے تھے۔

دنیا گول ہے بالکل ہاں جس طرح بیٹے پر اپنے والدین کو قائل کر رہی تھی' آج آئمہ بھی مطالبہ لیے کھڑی تھی' نہ جہیز لے کر جاؤں گی اور نہ بری کی فضول رسمیں قبول کروں گی' جو قسمت میں ہو مل کر رہتا ہے' بیٹیوں میں اخلاص ہونا چاہیے۔ آئمہ کے لیے آنے والے اس شرط سے پہلے ہی آشنا تھے' یوں تھوڑی بہت تحقیق کے بعد معاملات طے پا گئے۔ لیکن آئمہ کے ساتھ ہی ناعمہ کو بھی رخصت کرنے کی خواہش رواحہ اور مشکوٰۃ دونوں ہی کو تھی اور اب اسی کا انتظار تھا کہ کوئی شریف گھرانے کا رشتہ آئے۔

"میں نے کہا بہو ایک بچی کو تو تم نے ایسے اچھے گھر میں دیا ہے کہ وہ بیٹھ کر بھی کھائیں تو بے فکری اور ناعمہ کے لیے تم نے۔۔۔" ساس نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری جو نسبت ہے وہ اس بات کی متقاضی ہے کہ ہم قدم قدم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مطابق جو دعوے کرتے ہیں اس کا عکس ہماری زندگیوں میں نظر آئے۔" مشکوٰۃ نے اپنی بات جاری رکھی۔

"وہاں عثمان جیسا مال دار داماد بھی ہے تو علی جیسا بھی' لیکن دین قدر مشترک ہے اور یہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب ہے۔" دلیل کے وزن نے گھر کے سب معترضین کو خاموش کرا دیا۔

جب بندہ اپنے رب پر بھروسہ کرے تو وہ مایوس نہیں کرتا۔ عرصہ دراز سے جاب کے لیے سرگرداں ناعمہ کا منگیتر شادی کی تاریخوں سے قبل ہی حصول معاش میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اور یوں آئمہ اور ناعمہ ایک ساتھ ہی اپنے گھر سدھار گئیں۔ دونوں بیٹیوں کو رخصت کرتے مشکوٰۃ اور رواحہ کی نظر انتخاب معاذ کے سسرالی رشتہ کی کڑی ہانیہ پر ٹھہر گئی۔ جو معاذ کو اپنا ہی ماضی لگی۔

"بیٹا گریجویشن تو تم نے کر لیا اب آگے کیا ارادے ہیں؟" مشکوٰۃ نے ہانیہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس سے راہ و رسم بڑھائی۔

"وہ آنٹی ارادہ تو ماسٹرز کرنے کا ہے' آگے جو اللہ کا حکم۔" "اور اس اللہ کے حکم کے ساتھ ہی اپنی خواہش کا سوچ کر مشکوٰۃ مسکرا دی۔

اور ابھی پندرہ دن پہلے ہی ہانیہ اس کے آنگن میں بہو بن کر اتری تو طمانیت کے احساس نے اسے سرشار کر دیا تھا۔ لیکن محض ان دو ہفتوں میں اس کے اور معاذ کے درمیان جو ایک انجانا سا خلا پیدا ہوا تھا بس اسے وہ ہی محسوس کر سکتی تھی۔ صبح اس نے معاذ کو آئمہ کی طرف کام سے بھیجا تھا اور معاذ نے واپسی پر اپنی دلہن کو لیتے ہوئے آنا تھا کہ ہانیہ کا میکا وہیں قریب ہی تھا۔ اور اب مشکوٰۃ گاڑی کو پورچ میں کھڑی دیکھ کر جان گئی تھی کہ معاذ اور ہانیہ آ چکے ہیں اور کافی دیر انتظار کر لینے کے بعد وہ اب معاذ کی جانب آئی تھی اور بار بار پکار کے جواب میں خاموشی سے وہ خاصی دلبرداشتہ ہوئی تھی۔

ماضی کی کشادہ سڑک پر خیالات کا سفر بغیر کسی رکاوٹ کے بڑی سبک رفتاری سے طے ہوا تھا اور منی پلانٹ کا سلا ہوا پتا ابھی تک اس کی ہتھیلی پر دھرا تھا۔ لیکن اسے اندازہ ہو رہا تھا آگے شاہراہ زندگی بڑی تنگ' خستہ حال اور پر پیچ ہے۔ لیکن اصل امتحان بھی تو یہ ہی تھا کہ باہر کے فرد کی گھر کی ہر شے بلکہ اپنے جگر گوشے کی سوچ اور توجہ تک میں حصہ داری کو قبول کرنا ہے۔ اپنی آنکھوں کے بھیگتے گوشوں کو خشک کر کے اس نے تنگ و پر پیچ سڑک پر بڑے اعتماد سے قدم بڑھا دیا تھا کہ کہیں ہماری زندگی بے ثمر نہ ہو جائے۔

==

نبیلہ عزیز

بے داغ

"اگر مرد ہو تو اپنے قدموں پہ قائم رہو۔" فیاض احمد کا کوڑے کی طرح سنسناتا ہوا جملہ اس کے دماغ پہ پڑا تھا اس نے کرنٹ کھا کے اس کی طرف دیکھا، وہ بھی ان کی بات پہ ششدر سی رہ گئی تھی وہ ابھی تک پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی جبکہ وہ قہر و غضب کی تصویر بنے کھڑے تھے۔

"کیا بات ہے؟ چپ کیوں ہو گئے ہو کیا اپنی مردانگی پہ کوئی شک ہے؟" ان کا دوسرا وار بھی کچھ کم نہیں تھا وہ بلبلا کے رہ گیا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" وہ حیرت زدہ سا پوچھ رہا تھا۔

"میں جو کہہ رہا ہوں وہ تم ہی نہیں پورا محلہ سن رہا ہے، اس نے تمہارے ساتھ منہ کالا کیا ہے، اب یہ طوق تم ہی اپنے گلے ڈالو گے، تمہارا گند میں کسی اور کے گلے تو نہیں ڈال سکتا نا؟ تم اپنا گناہ خود سنبھالو، نکاح کرو اس سے۔" فیاض احمد کا انداز اور لہجہ بے لچک تھا سارے محلے والے اک دوسرے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں عجیب عجیب اشارے کر رہے تھے بلکہ کچھ تو سرگوشیوں میں تبادلہ خیالات کر رہے تھے لیکن فیاض احمد کو اب کسی کی بھی پروا نہیں تھی وہ عزت کا لبادہ اتار چکے تھے۔

"فیاض! یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ بس جانے بھی دیں اب، نادان، ناسمجھ تھی، غلطی ہو گئی اس سے، اب معاف کر دیں۔" شمائلہ بھابی نے آگے بڑھ کے فیاض احمد کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے جلتی پہ پانی کی آڑ میں تیل چھڑکا تھا وہ سچ مچ دوبارہ بھڑک اٹھے۔

"یہ نادان، ناسمجھ کسی کے ساتھ منہ کالا کر کے آ رہی ہے تو تمہارا مطلب ہے کہ میں اسے اپنی عزت اور غیرت کا قتل معاف کر کے سینے سے لگالوں اور اس کے "یار" کو جانے دوں جو اتنے دن اس کے ساتھ عیاشی کرتا رہا ہے۔" ان کا رخ شمائلہ بھابی کی طرف ہو گیا تھا۔

"بھابی! خدا کے لیے آپ... آپ مجھ پہ شک نہ کریں میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا، خدا کے لیے مجھ

پہ الزام نہ لگائیں میں بے گناہ ہوں۔" وہ رو پڑی تھی۔

"ہر گناہ گار یہی کہتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں۔" وہ حقارت سے بولے تھے۔

"بھائی! اللہ کے واسطے مجھ پہ یقین کریں میں بے داغ ہوں۔" اس نے فیاض احمد کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

"تم بے داغ ہو تب بھی یہی شخص تم سے نکاح کرے گا اور اگر داغ دار ہو تب بھی یہی تمہیں قبول کرے گا۔" وہ ان دونوں کو حقارت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"ان کا کوئی قصور نہیں ہے آپ انہیں کیوں سزا دے رہے ہیں؟ اگر میں گناہ گار ہوں تو پھر اس گناہ کی سزا بھی صرف مجھے ہی ملے گی' آپ مجھے سزا دیں۔" وہ روتے روتے بپھر گئی تھی۔

"ٹھیک ہے تمہاری سزا پھر یہی ہو سکتی ہے کہ میں تمہیں گولی مار دوں۔" ان کا سفاک اور بے رحم لہجہ بہت بلند تھا۔

"مجھے بے شک گولی مار دیں' اس ذلت سے موت اچھی ہے میرے لیے' لعنت بھیجتی ہوں میں ایسی زندگی پہ جس میں میرا ماں جایا ہی مجھ سے آنکھیں پھیر لے' مجھے گھر سے بے گھر کر دے' میرے سر سے چھت کا سایہ چھین لے' میری بے داغ چادر پہ خود کیچڑ اچھالے' محض دوسروں کی باتوں میں آکر' کسی کا فریب کھا کر' کسی اور کا اعتبار کر کے۔" وہ کب سے چپ تھی۔ گھٹ گھٹ کے رو رہی تھی کچھ بھی کہے بغیر سب سن رہی تھی لیکن جب بات اختیار سے باہر ہوئی تو اسے بولنا پڑا تھا اس کی برداشت جواب دے گئی تھی اس نے کہتے کہتے شمائلہ بھابھی کی طرف دیکھا تھا وہ کمال بے نیازی سے نظریں پھیر گئی تھیں۔

"میں اور کچھ کہنا اور سننا نہیں چاہتا بس میرا ایک ہی فیصلہ ہے یا تو یہ نکاح کرے گا یا تم کو گولی [illegible]" انہوں نے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی [illegible] ہمدانی مرد تھا' اپنے قدم پیچھے کیسے [illegible] لیتا تو یقیناً" وہ لڑکی گولی کا نشانہ بن [illegible] کیونکہ ان لوگوں کی بے حسی اور بے رحمی تو اسے ان کے چہروں سے ہی نظر آ رہی تھی یقیناً" وہ اسے گولی مارنے سے دریغ نہ کرتے سوائے بھی فیصلہ کرتا تھا جو اس نے کر لیا تھا کسی کی زندگی بچائی تھی اور اپنی مردانگی ثابت کرتا تھی کیونکہ وہ "مرد" تھا جس کی لیے اس کے ضد اور انا اس کے ماں باپ' اولاد' اور محبت سے بھی زیادہ اہم ہوتی ہے' اتنی اہم کہ وہ اس کے لیے اہم چیزیں بھی گنوا دیتا ہے اور پچھتاتا بھی نہیں' اور اس وقت عذیر ہمدانی کے لیے بھی اس کی انا اور مردانگی ہی زیادہ اہم تھی' اتنی اہم کہ وہ باقی سب بھول گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

رات کے گیارہ بجے کا وقت تھا پورے شہر میں رات جاگ رہی تھی۔ سڑک پہ روشنیوں اور گاڑیوں کا جیسے سیلاب امڈ آیا تھا ہر طرف جلدی مچی ہوئی تھی ہر کوئی آگے بڑھنے اور آگے نکلنے کی کوششوں میں تھا لیکن ایک وہ تھا جس کی گاڑی کی اسپیڈ انتہائی کم تھی اور گاڑی کی کم اسپیڈ سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کی سوچوں اور خیالات کی اسپیڈ کہاں تک پہنچی ہوئی ہے؟ وہ اس کے برابر والی سیٹ پہ چپ چاپ کسی مجرم کی طرح بیٹھی تھی اور وہ بے دلی سے ڈرائیو کر رہا تھا [illegible] ڈرائیو کرتے ہوئے اس کی نظر [illegible] وجود پہ پڑی اور لب بھینچ گئے تھے۔

وہ مظلوم تھی [illegible] نظر آ رہی تھی' چند سیکنڈ اس [illegible] کے بعد نظریں دوبارہ ونڈ اسکرین پہ جما [illegible] گیئر بدلا اور اسپیڈ بڑھا دی۔ [illegible] بہت سی گاڑیوں کو پیچھے [illegible] اور گاڑی کی اتنی اسپیڈ پہ وہ بھی ٹھٹک گئی [illegible] نے چونک کر اس کی سمت دیکھا وہ سامنے ونڈ اسکرین کی سمت دیکھتے ہوئے سختی سے لب بھینچے ڈرائیونگ کر رہا تھا اور اسی سختی سے اس نے اسٹیرنگ بھی تھاما ہوا تھا وہ اسے دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں کر پا رہی تھی کہ وہ کس موڈ میں ہے؟ اور اسی کو دیکھتے ہوئے وہ ایک بار پھر بری طرح چونکی تھی کیونکہ گاڑی کے ٹائر

بہت زور سے چرچرائے تھے اور گاڑی ایک عالیشان بنگلے کی کشادہ اور وسیع روش پہ اک جھٹکے سے آ رکی تھی پورا بنگلہ روشنیوں سے جگمگا رہا تھا چوکیدار نے اس کی گاڑی اندر داخل ہونے کے فوراً بعد مستعدی سے گیٹ بند کر دیا تھا عذیر ڈور کھول کر نیچے اتر آیا اور گاڑی کے سامنے سے گھوم کر اس کی سائیڈ میں آتے ہوئے دوسرا ڈور بھی کھول دیا تھا وہ شاید اترنے میں چند سیکنڈ کا وقت لیتی لیکن اس کے موڈ کے پیش نظر وہ بھی فوراً ہی اتر آئی تھی اور اس کے پیچھے اس نے دھڑام سے دروازہ بند کر دیا تھا۔

"چلیے۔" وہ اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی آگے بڑھ آیا تھا اس کے قدم مضبوط تھے جبکہ وہ سست رفتاری سے چل رہی تھی۔

[illegible] ڈور عبور کر کے وہ کوریڈور میں داخل ہوئے وہ اس چکنے فرش پہ چلنے کا عادی تھا اس لیے اسے کوئی ڈر نہیں تھا لیکن اس کے لیے یہ روشنیاں اور یہ سنگ مرمر نیا تھا اس لیے وہ ڈر ڈر کے قدم اٹھا رہی تھی یوں لگ رہا تھا جیسے دودھیا ٹیوب لائٹس اور فانوس دیواروں اور چھت پہ نہیں بلکہ نیچے فرش میں نصب ہوں اور فرش میں نصب روشنیوں پہ پاؤں رکھتے ہوئے اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے اسے ڈر تھا کہ وہ پھسل کے گر جائے گی اور اس کے قدموں کی سست رفتاری دیکھتے ہوئے وہ چلتے چلتے ٹھہرا اور گردن موڑتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا تھا اور دوبارہ سے قدم آگے بڑھا دیے وہ اس کے ساتھ گھسیٹتی چلی گئی اب تو آہستہ قدم اٹھانا بھی دشوار تھا اگر ایسا کرتی تو یقیناً گر جاتی۔

"آخر وہ ہے کہاں؟ کتنی بار فون کیا ہے لیکن وہ فون اٹھا ہی نہیں رہا؟" روحانہ بیگم کی آواز اسے کوریڈور میں ہی سنائی دے گئی تھی اور وہ جان گیا تھا کہ وہ کس کی بات کر رہی ہیں؟

"میں یہاں ہوں ماما۔" اس نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی انہیں مخاطب کیا تھا۔

"عذیر تم کب سے۔" وہ اس کی آواز پہ اس کی

طرف پلٹیں لیکن قدم اور زبان ـــــ وہیں تھم گئے عذیر کے ساتھ بڑی سی چادر میں لپٹی ہوئی ایک لڑکی بھی تھی اور اس لڑکی کا ہاتھ عذیر کے ہاتھ میں تھا اس کے ساتھ کسی لڑکی کا ہونا تو ان کے لیے زیادہ پریشانی کا باعث نہیں تھا البتہ اس لڑکی کا حلیہ اور عذیر کے ہاتھ میں دبا اس کا ہاتھ ضرور پریشانی کا سبب بن گئے تھے اس کا یہ انداز بہت کچھ کہہ رہا تھا۔

"یہ کون ہے؟" وہ زیادہ دیر صبر نہ کر سکیں۔

"مسز عذیر ہمدانی۔" عذیر نے بڑے ہی سکون سے بم بلاسٹ کیا تھا یوں جیسے اس بم بلاسٹ سے کسی قسم کے سائیڈ افیکٹ کا کوئی خدشہ نہیں تھا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ اس بم بلاسٹ سے تباہی خاصے وسیع پیمانے پر ہوگی۔

"واٹ ــــ؟" ان کو دو ہزار والٹ کا کرنٹ لگا تھا اور آرام دہ صوفے پہ بیٹھی نوشابہ بھابھی بھی یکدم اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھیں۔

"جی! آج تھوڑی دیر پہلے ہی شادی کی ہے۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"عذیر! تم ہوش میں تو ہو ــــ؟" روحانہ بیگم کی بجائے نوشابہ بھابھی نے پوچھا تھا۔

"مکمل ہوش و حواس میں ہوں۔" اس نے مضبوطی سے کہا۔

"تم نے ڈرنک تو نہیں کی؟" انہوں نے مشکوک نظروں سے دیکھا۔

"میں جس روز ڈرنک کرتا ہوں اس روز گھر نہیں آتا۔" اس نے ان کا شک دور کرنے کے لیے انہیں یاد دلایا۔

"یہ کیا مذاق ہے عذیر؟" روحانہ بیگم اس کے سامنے آ گئیں۔

"یہ مذاق نہیں ماما یہ میری بیوی ہے میں نے اس سے نکاح کیا ہے بہت سے لوگوں کے سامنے نکاح کر کے لایا ہوں۔" اس نے اپنی ماں کو سکون اور تحمل سے اطلاع دی تھی اور اب کی بار وہ خود بم کی طرح پھٹ گئی تھیں۔

"وہ کیسی بیوی؟ اور کیسا نکاح؟ تم جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو؟ تمہاری منگیتر اور ہونے والی بیوی ماریہ ہے صرف ماریہ یہ کون ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟ ہم کچھ نہیں جانتے اس لیے اسے جہاں سے لائے ہو وہیں پھینک کر آؤ ابھی اور اسی وقت۔" انہوں نے تیز دھاری زبان میں کہتے ہوئے فیاض احمد کو بھی مات دے دی تھی۔

"ماما میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ یہ میری بیوی ہے جہاں سے لایا ہوں وہاں ہی پھینکنا ہوتا تو لے کر کیوں آتا؟" اس نے ذرا اونچی آواز میں کہا تھا اور اس کی آواز سن کر ماریہ بھی سیڑھیاں اتر آئی تھی۔

"عذیر آ گیا؟" وہ نارمل سے انداز میں کہتی اندر آ گئی لیکن ڈرائنگ روم کے اندر کی سچویشن کچھ اور ہی کہہ رہی تھی۔

"زرقون ــــ؟" اس کے منہ سے حیرانی سے اس کا نام نکلا تھا۔ اور روحانہ بیگم چونک گئی تھیں۔

"تم اس لڑکی کو جانتی ہو ؟" وہ ماریہ سے استفسار کر رہی تھیں۔ انداز الجھن لیے ہوئے تھا۔

"ہوں! ہاں مگر یہ یہاں؟" ماریہ گڑبڑا گئی تھی اس نے چونک کر عذیر کی سمت دیکھا لیکن عذیر کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ دیکھ کر اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

"کون ہے یہ لڑکی؟" انہوں نے اس سے پوچھا۔

"یہ لڑکی جو بھی ہے اب میری بیوی ہے میں اسے پسند کرتا ہوں اور میں نے اپنی پسند سے اس سے شادی کی ہے لہٰذا آپ کو میری پسند کو قبول کرنا ہوگا۔ آپ اچھی طرح جانتی ہیں اگر آپ کو میری پسند پہ کوئی اعتراض ہے تو میں گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا لیکن اس لڑکی کو چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کروں گا۔" وہ بڑی مضبوطی اور ثابت قدمی سے ان کے مقابل ڈٹ گیا تھا اور زرقون اپنے سامنے دیوار بن کے کھڑے ہونے والے عذیر ہمدانی کو دیکھتی رہ گئی تھی وہ اسے اور اس کے کردار کو بے داغ رکھنے کے لیے نجانے کہاں کہاں سے پوائنٹ ڈھونڈ کے لا رہا تھا اس نے فیاض احمد کی زبیدہ کی کو اپنی پسند کا نام دے دیا تھا۔

"یہ کیا بکواس کر رہے ہو تم؟" اشفاق ہمدانی بھی اس کی بات سن چکے تھے اور ان کے ساتھ عمیر ہمدانی بھی انجان نہیں رہا تھا۔

"نور ــــ نوراں ــــ!" عذیر نے ملازمہ کو آواز دی۔

"جی صاحب؟" وہ فوراً حاضر ہوئی۔

"انہیں میرے بیڈ روم میں چھوڑ کر آؤ۔" اس نے زرقون کی طرف اشارہ کیا۔ زرقون گھبرا گئی تھی۔

"نہیں یہ لڑکی تمہارے بیڈ روم میں نہیں جائے گی۔" روحانہ بیگم پھنکار کے آگے بڑھیں۔

"میری بیوی میرے بیڈ روم میں نہیں جائے گی تو اور کہاں جائے گی؟" اس نے ضبط کر کے کہا۔

"بھاڑ میں جائے جہاں بھی جائے لیکن تمہارے بیڈ روم میں نہیں جا سکتی تمہارے بیڈ روم میں جانے کا حق صرف ماریہ کو ہے۔"

"پلیز ماما آپ کی یہ ضد فضول کی ہے ماریہ کو کیا حق ہے میرے بیڈ روم میں جانے کا؟ نہ تو وہ میری منگیتر ہے اور نہ بیوی آج تک جو بھی بات ہوئی بس زبانی کلامی ہوئی باقاعدہ کوئی رشتہ یا انگیجمنٹ تو نہیں ہوئی تھی نا؟ میں نے اپنی پسند سے شادی کر لی ہے تو اس میں اتنا ایشو بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا آج تک کسی نے اپنی پسند سے شادی نہیں کی؟ میں نے کوئی نیا یا انوکھا کام تو نہیں کیا؟" عذیر کو پتا تھا کہ اسے اس محاذ پہ کسی بھی لحاظ سے کمزور نہیں پڑنا اگر ذرا بھی وہ حقیقت ظاہر کرتا تو روحانہ بیگم دوسرے ہی لمحے زرقون کو اٹھا کر گھر سے باہر پھینک دیتیں۔ اور جو کچھ وہ سوچ کے آیا تھا وہ سب الٹ ہو جاتا۔

"لیکن تم نے یہ سب کیوں کیا؟"

"میں آپ کو بتا چکا ہوں دوبارہ نہیں بتا سکتا۔"

"ہم تمہیں عاق کر دیں گے؟" اشفاق ہمدانی کی طرف سے دھمکی موصول ہوئی۔

"اگر آپ کا غصہ اسی سے ٹھنڈا ہوتا ہے تو یہی کر کے دیکھ لیں۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔

"آخر کیا ہے اس لڑکی میں جس نے تمہیں شادی پہ مجبور کر دیا؟" روحانہ بیگم کی کاٹ دار نظریں زرقون پہ کچھ دیر کے آرپار ہو رہی تھیں لیکن ابھی شکر تھا کہ وہ اپنے آپ کو چادر میں ڈھانپے ہوئے تھی اس کا چہرہ نظر آ رہا تھا اور جسم تو تقریباً پورے کا پورا چھپا ہوا تھا۔

"اس لڑکی میں وہ سب کچھ ہے جو مجھے آج تک ماریہ کی کسی بھی لڑکی میں نظر نہیں آیا۔" عذیر نے ایک اور پوائنٹ کھیلا کیونکہ اس جنگ میں جیتنے کے لیے اسے ہر داؤ آزمانا تھا۔

"اس بات کا احساس تمہیں آج سے دس دن پہلے کیوں نہیں تھا؟ پہلے تو تمہارے لیے ماریہ ہی اہم تھی؟" ماریہ نے کافی تیز اور تلخ لہجے میں پوچھا تھا۔

"آج سے دس دن پہلے اس لیے احساس نہیں تھا کیونکہ میری اس سے ملاقات نہیں ہوئی تھی اور ماریہ اس لیے اہم تھی کیونکہ میں نے ماریہ سے آگے کبھی دیکھا ہی نہیں تھا لیکن جب دیکھا تو پتا چلا کہ ماریہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔" عذیر نے یہ سنگین وار بھی کر ڈالا ماریہ کے ساتھ ساتھ روحانہ بیگم بھی بلبلا اٹھی تھیں اس نے ماریہ کی انسلٹ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی حالانکہ وہ ایسا کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن یہ اس کی مجبوری تھی اسے زرقون کے قدم جمانے کے لیے ماریہ کے قدم اکھاڑنے تھے ورنہ زرقون کا گزارا مشکل تھا وہ اسے سب کے سامنے "من چاہی" ظاہر کرنا چاہتا تھا تاکہ کوئی اس کی حیثیت کو کم نہ سمجھے۔

"شٹ اپ عذیر تم حد سے بڑھ رہے ہو۔" عمیر ہمدانی نے مداخلت کی۔

"پلیز عمیر بھائی یہ آپ کا نہیں میرا اور میرے پیرنٹس کا مسئلہ ہے آپ کو درمیان میں بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر کافی شائستگی سے عمیر ہمدانی کو مداخلت سے روک دیا تھا۔

"تم مجھے کہہ رہے ہو؟" وہ غصے سے بولے۔

"جی آپ کو کہہ رہا ہوں۔" وہ بھی انہی کا بھائی تھا۔

"شٹ ــــ" عمیر نے کچھ کہنا چاہا لیکن اشفاق ہمدانی نے روک دیا۔

"اس لڑکی کو بیڈ روم میں بھیجو۔" انہوں نے اشارہ

کیا۔
"فوراً اسے میرے بیڈ روم میں چھوڑ آؤ۔" عذیر کو اور کیا چاہیے تھا بھلا۔ اس نے فوراً اسے اوپر بیڈ روم میں بھیج دیا اور خود اکیلا ان کی عدالت میں کھڑا رہ گیا اب پتا نہیں کب تک یہ بحث کا سلسلہ چلنا تھا اور اس بحث کا انجام کیا تھا اس سے وہ بھی انجان تھا اور زرقون بھی۔

☆ ☆ ☆

رات کے تین بجے کا وقت تھا اور شہر پرسکون اور گہری نیند سو رہا تھا جب وہ تھکے تھکے بوجھل انداز میں آہستگی سے بیڈ روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا زرقون پچھلے تین گھنٹے سے متواتر رو رہی تھی قسمت نے اسے کہاں سے کہاں لا پھینکا تھا۔ کوئی اپنا قبول کر رہا تھا نہ ہی پرایا ایسے میں ماں باپ کی کمی شدت سے رلا رہی تھی اگر اس کی ماں ہی زندہ ہوتی تو اسے یوں در در بھٹکنے کے لیے اور دوسروں کی جھڑکیاں سہنے کے لیے تو نہ چھوڑتی۔ وہ ہر ایک کے لیے بوجھ بلکہ مصیبت بن گئی تھی اس شخص کے لیے بھی جو مشکل وقت میں اس کے لیے ڈھال بن گیا تھا جس نے اس کا ساتھ دیا تھا اور اس کی خاطر اپنوں کی بدگمانی اور ناراضی مول لے لی تھی بلکہ سب سے ڈانٹ پھٹکار اور لعنت ملامت بھی سن رہا تھا قصور نہ ہوتے ہوئے بھی قصوروار بن گیا اس کی نیکی اس کے گلے پڑ گئی تھی۔ اور رات کے اس پہر بھی وہ اپنوں کے ہاتھوں ذلیل ہو رہا تھا زرقون صوفے پہ بیٹھی گھٹ گھٹ کے رو رہی تھی جب آہٹ پہ بری طرح چونک کر دیکھا تو وہ بیڈ پہ بیٹھا اپنے بوٹ اتار رہا تھا اور دونوں پاؤں بوٹوں کی قید سے آزاد کرتے ہوئے وہ بیڈ پہ گرنے کے سے انداز میں چاروں شانے چت لیٹ گیا اور یونہی لیٹے لیٹے آنکھیں بند کیے اس نے گہری سانس کھینچی تھی شاید اپنے تھکے تھکے اعصاب ریلیکس کر رہا تھا لیکن چند منٹ بعد اس کے اعصاب [illegible] ہوا تو اس نے چونک کر بیڈ کی طرف [illegible] بھی [illegible] نہیں تھی اور اس کا خیال آتے ہی وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھا تھا لیکن اسے زیادہ تردد نہیں کرنا پڑا وہ سامنے ہی صوفے پہ سمٹی بیٹھی تھی۔ چند ثانیے کے لیے وہ پھر ریلیکس ہو گیا تھا۔
"آپ ابھی تک سوئی نہیں؟" وہ آہستگی سے پوچھ رہا تھا۔
"آپ بھی تو ابھی تک نہیں سوئے۔" وہ دھیمے سے بولی۔ لیکن مسلسل رونے کی وجہ سے آواز خاصی بھیگی ہوئی اور بوجھل ہو رہی تھی۔
"میں تو لیٹ نائٹ سونے کا عادی ہوں۔" اس نے سر جھٹکا بیڈ سے کھڑا ہو گیا اور واش روم میں چلا گیا تقریباً دس پندرہ منٹ بعد وہ باہر آیا تو کپڑے چینج کرنے کے ساتھ ساتھ شاور بھی لے چکا تھا اور ابھی بالوں میں تولیہ رگڑ ہی رہا تھا جب کچھ خیال آنے پہ ٹھٹک گیا۔
"اوہ مائی گاڈ!" زرقون نے چونک کر دیکھا لیکن وہ کچھ یاد آنے پہ اپنے آپ کو سرزنش کرتا ہوا یونہی تولیے سمیت کمرے سے باہر نکل گیا تھا زرقون نے اس کے پیچھے حیرانی سے دیکھا لیکن وہ غائب ہو چکا تھا کافی دیر بعد جب وہ واپس آیا تو اسے [illegible] تھی اس کے ہاتھ میں کھانے کی ٹرے تھی۔
"آئی ایم سوری مجھے یاد ہی نہیں تھا کہ آپ نے کل صبح سے کچھ نہیں کھایا شام کے وقت وہ مسئلہ کھڑا ہو گیا اور پھر بعد میں مجھے یاد ہی نہیں رہا کہ کیا ہوا ہے اور کیا کرنا ہے خیر آپ کھانا کھا لیں۔" اس نے ٹرے اس کے سامنے [illegible]
"کھانا!" وہ کھانے سے بھری ٹرے دیکھنے لگی جو وہ اس وقت [illegible] سجا کے لایا تھا۔
"کیوں کیا آپ کو بھوک نہیں ہے؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ زرقون چپ ہو گئی اتنا کچھ ہونے کے بعد بھوک کا احساس بھلا کہاں رہا تھا۔ سارے احساسات ہی مر گئے تھے۔
"آپ نے بھی تو کل صبح سے کچھ نہیں کھایا" آپ بھی کھانا کھا لیں۔" زرقون نے اسے بھی اس کی

بھوک کا احساس دلایا اور وہ جو انکار کرنے والا تھا نجانے کیا سوچ کر رک گیا۔
"ٹھیک ہے آپ کھانا نکالیں میں بھی کھا لیتا ہوں۔ واقعی بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔" وہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا کمپیوٹر کے سامنے رکھی کرسی گھسیٹ کے قریب لے آیا اور زرقون کے مقابل بیٹھ گیا اور وہ جو بھوک نہ ہونے کا اعلان کرنے والی تھی عذیر کو کھانے آمادہ دیکھ کر چپ ہو گئی اسے پتا تھا کہ اگر وہ نہیں کھائے گی تو وہ بھی ٹال دے گا۔ مجبوراً دونوں کو اک دوسرے کا خیال کرنا پڑا تھا وہ ابھی تک اس بڑی سی چادر میں لپٹی ہوئی تھی اور عذیر ٹراؤزر پہ بغیر کی شرٹ کے وائٹ اور بلو چیک والا تولیہ کندھوں پہ رکھے اتنے [illegible] انداز میں کھانا کھا رہا تھا جیسے رات کے ساڑھے تین بجے وہ کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں بیٹھا مزے سے ڈنر کر رہا ہو۔ زرقون نے اک نظر اسے دیکھا وہ شخص اس کے لیے فرشتہ ثابت ہوا تھا اس نے زرقون کی خاطر اپنی زندگی اپنا کیریئر بھی داؤ پہ لگا دیا تھا لیکن پھر بھی وہ کتنا پرسکون اور مطمئن تھا اس کے لہجے اور انداز کا ٹھہراؤ ہنوز وہی تھا۔
"کیا دیکھ رہی ہیں؟" اس نے اچانک سر اٹھاتے ہوئے زرقون کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ یکدم گڑبڑا گئی تھی۔
"کک... کچھ نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔
"میں اتنا اچھا بھی نہیں ہوں جتنا آپ کو نظر آ رہا ہوں۔" وہ اس کی سوچ کا صفحہ پڑھ چکا تھا۔
"ہر انسان کی طرح مجھ میں اگر چند خوبیاں ہیں تو چند خامیاں بھی ہیں میرے ساتھ رہیں گی تو آہستہ آہستہ سب پتا چل جائے گا۔" وہ پانی پیتے ہوئے نیپکن سے ہاتھ پونچھ کر کھڑا ہو گیا۔
"کھانا کھانے کے بعد بہتر ہے کہ آپ تھوڑی دیر کے لیے سو جائیں کچھ ہی دیر بعد تو صبح ہو جائے گی۔" وہ بیڈ کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔
"میں اب نماز پڑھوں گی اذان ہونے ہی والی ہے۔" وہ وضو کرنے کی غرض سے کھڑی ہو گئی۔
"[illegible]" اس نے کندھے اچکائے اور سونے کے لیے لیٹ گیا تھا اور وہ وضو کر کے باہر آئی تو تب تک وہ سو چکا تھا لیکن وہ مشکل میں پڑ گئی کمرے میں جائے نماز نہیں تھی سو مجبوراً اس نے عذیر کی وارڈ روب کے پٹ کھول کے دیکھے کہ شاید کوئی چادر مل جائے اور بالآخر وارڈ روب کے اوپر والے حصے سے اسے ایک تہ شدہ چادر ملی اور وہ قالین پہ چادر بچھا کر نماز پڑھنے کے لیے کھڑی ہو گئی اذان ہو چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

"ماریہ... ماریہ! میری بات سنو پلیز رکو۔" وہ راہداری سے تقریباً بھاگتے ہوئے باہر نکلا تھا ماریہ اپنا [illegible] گھسیٹتی ہوئی اپنی گاڑی کے پاس پہنچ گئی تھی۔
"ماریہ پلیز! یہ کیا پاگل پن ہے؟" اس نے قریب جا کے ماریہ کا بازو تھام لیا تھا۔
"کیا ابھی بھی یہ میرا ہی پاگل پن ہے؟" ماریہ تلملا کر اس کی سمت پلٹی تھی۔
"ماریہ پلیز تم تو کہتی تھیں کہ تم میری کزن بعد میں لیکن دوست پہلے ہو کیا دوست اس طرح کرتے ہیں؟ اپنے دوست کی مجبوری بھی نہیں سمجھتے؟" عذیر نے بے بسی سے کہا تھا۔
"تو کیا دوست تمہاری طرح کرتے ہیں؟"
"میری مجبوری تم جانتی ہو۔"
"تم میری محبت کو نہیں جانتے تو میں تمہاری مجبوری کو کیا جانوں؟" وہ دوبدو جواب دے رہی تھی۔
"میں تمہاری محبت کو بخوبی جانتا ہوں مجھے تمہاری محبت پہ کوئی شک نہیں ہے لیکن ماریہ وہ لڑکی مشکل میں تھی میں نے اس کی مدد کی تھی تو پھر اسے اکیلا کیسے چھوڑ دیتا؟"
"تم اسے اکیلا چھوڑنا چاہتے بھی نہیں تھے تمہاری نیت اسی روز بدل گئی تھی جس روز تم نے اسے دیکھا تھا مجھے تمہاری ہمدردی پہ اسی روز شک ہو گیا تھا تم اس کی خوبصورتی پہ فدا ہو گئے تھے۔" ماریہ

چیخ چیخ کے کہہ رہی تھی اور عذیر اس کی بدگمانی پہ خاموش ہو گیا تھا۔

"تمہاری اور بہت سی لڑکیوں کے ساتھ بھی فرینڈ شپ ہے لیکن میں نے کبھی اعتراض نہیں کیا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ تم میرے ہو تمہاری شادی صرف مجھ سے ہوگی مجھے کسی طرف سے کوئی ڈر کوئی خدشہ نہیں تھا تم اگر اس لڑکی کو ساری زندگی اپنے فلیٹ میں رکھتے اور اس کے ساتھ عیاشی کرتے تب بھی میں کوئی اعتراض نہ کرتی، میں یہی سمجھتی رہتی کہ چلو تم نے اسے رکھیل بنا کے رکھا ہے بیوی تو نہیں۔"

"ماریہ۔" عذیر نے یکدم غصے سے اسے دیکھا تھا۔

"شٹ اپ، جسٹ شٹ اپ۔" اس نے ماریہ کا بازو جھٹکے سے چھوڑ دیا تھا۔

"تم میرے بارے میں جو جی چاہے کہو، لیکن بے گناہ کسی پہ الزام تراشی میں برداشت نہیں کروں گا۔" اس نے ماریہ کی سمت انگلی اٹھاتے ہوئے اسے وارننگ دی تھی۔

"کیوں؟ کیوں برداشت نہیں کرو گے؟ ایسی بھی کہاں سے پاک دامن بی بی اٹھا لائے ہو؟"

"ماریہ پلیز، پلیز مجھے غصہ مت دلاؤ، جاؤ یہاں سے۔" اس نے غصہ ضبط کرتے ہوئے ماریہ کا راستہ چھوڑ دیا تھا اس نے ماریہ کو روکنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ ماریہ بمشکل اپنا اٹیچی گاڑی کی ڈگی میں ڈال کے ڈرائیونگ سیٹ پہ آ بیٹھی تھی۔

"تم نے اچھا نہیں کیا عذیر ہمدانی۔" وہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے نفرت سے چبا کر بولی اور گاڑی زناٹے سے نکال لے گئی تھی عذیر چند لمحے یونہی کھڑا گیٹ کی سمت دیکھتا رہا پھر پلٹتے ہوئے قریبی گملے کو پاؤں سے ٹھوکر دے ماری تھی۔

"ہونہہ! اچھا نہیں کیا۔" وہ بڑبڑاتا ہوا اندر آیا تھا ابھی روحانہ بیگم اور باقی گھر والے سو رہے تھے ورنہ تو زرقون کی وجہ سے اسے پتا چل جاتا کہ ماریہ گھر چھوڑ کر جا رہی ہے۔ اسی نے عذیر کو خبر کیا تھا اور وہ نیند سے اٹھ کر سیدھا ماریہ کے پیچھے بھاگا تھا لیکن ماریہ کے تیور رکنے والے نہیں تھے اسی لیے اس نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا تھا۔

"صاحب ناشتا لگاؤں آپ کے لیے؟" نوراں اسے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے دیکھ کر الرٹ ہو گئی تھی آج سنڈے تھا اس لیے اشفاق ہمدانی اور عمیر ہمدانی بھی گھر پہ ہی تھے اور فی الحال سو رہے تھے۔

"نہیں ابھی نہیں۔" اس نے انکار کر دیا اور یونہی ڈھیلے ڈھالے انداز میں صوفے پہ ڈھے گیا رات کو نیند پوری ہوئی تھی اور نہ اب سو سکا تھا دماغ ایک دم بوجھل ہو گیا تھا کل سے مسلسل وہ ٹینشن کا شکار تھا شاید اسی لیے اب سر میں درد ہونے لگا تھا۔ ڈپریشن اس کے چہرے سے نظر آ رہا تھا۔

"نوراں...... نوراں؟" روحانہ بیگم نے اپنے بیڈ روم سے نکلتے ہی ملازمہ کو آواز دی تھی۔

"جی بیگم صاحبہ؟" وہ فوراً حاضر ہوئی۔

"ناشتا تیار ہے؟"

"جی تیار ہے۔"

"اوکے ناشتا لگاؤ میں فریش ہو کر آتی ہوں۔" وہ ایک نظر عذیر پہ ڈال کر واپس پلٹ گئیں۔

"سنو۔" انہوں نے پلٹ کر دوبارہ نوراں کو مخاطب کیا۔

"جی بیگم صاحبہ؟"

"ماریہ اٹھ گئی؟" انہوں نے چہیتی بھانجی کا پوچھا۔ نوراں نے عذیر کو دیکھا اس کے سوال پہ وہ بھی ٹھٹک گیا تھا۔

"میں تم سے پوچھ رہی ہوں نوراں؟" انہوں نے نوراں کو خفگی سے دیکھا۔

"جی بیگم صاحبہ وہ تو چلی گئیں۔" نوراں نے ذرا اٹک کر جواب دیا تھا۔

"چلی گئی؟ مگر کہاں؟" انہیں حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

"واپس حیدر آباد۔"

"حیدر آباد مگر کیوں؟" ان کی حیرانی ختم نہیں ہو رہی تھی۔

"وہ اپنے گھر چلی گئی ہیں اپنا سارا سامان بھی لے گئی ہیں عذیر صاحب ان کو روکنے کے لیے گیٹ تک گئے تھے لیکن وہ نہیں رکیں۔"

نوراں نے لگے ہاتھوں عذیر کی طرف داری بھی کر ڈالی تھی۔

"کیا ماریہ گھر سے چلی گئی اور تم مجھے اب بتا رہی ہو؟ پہلے کہاں مر گئی تھیں تم؟" وہ نوراں پہ چڑھ دوڑیں۔

"بیگم صاحبہ آپ سو رہی تھیں اسی لیے میں نے۔"

"سو رہی تھی مر نہیں گئی تھی نا؟" وہ بری طرح غرائیں۔

"اشفاق، عمیر، نوشاب۔" وہ چیخ چیخ کر پکارنے لگیں اور چند منٹوں میں ہی وہ سب جمع ہو گئے عذیر ایک بار پھر مجرم بنا بیٹھا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟" اشفاق ہمدانی پریشانی سے پوچھ رہے تھے۔

"ماریہ واپس اپنے گھر چلی گئی ہے، وہ یہاں سے جا رہی تھی لیکن اس نے ہمیں بتایا ہی نہیں۔" اب ان کی توپوں کا رخ عذیر کی سمت تھا۔

"عذیر! یہ سب کیا ہو رہا ہے گھر میں؟" اشفاق ہمدانی بھی غصے میں آ گئے تھے۔

"مجھے نہیں پتا کہ کیا ہو رہا ہے۔" وہ جھنجلا گیا تھا۔

"تو پھر کس کو پتا ہے؟ یہ سب تمہارا ہی تو کیا دھرا ہے؟"

"میرا کیا دھرا کیوں ہے؟ جب وہ یہاں آئی تھی تو میں نے اسے آنے کے لیے نہیں کہا تھا اور آج اگر وہ گئی ہے تو تب بھی میں نے اسے جانے کے لیے نہیں کہا، وہ یہاں اپنی مرضی اور اپنی ضرورت کے لیے رہ رہی تھی میرے لیے نہیں کہ آج میں اسے برا لگا تو وہ اٹھ کر چل دی۔" عذیر نے کافی بے زاری اور کوفت کا اظہار کیا تھا اس کا انداز بے حد چڑا سا تھا وہ کل رات سے تھک گیا تھا۔ سب کے سامنے وضاحتیں دے دے کر۔

"تمہیں اس کو روکنا تو چاہیے تھا وہ ہماری مہمان تھی۔"

"میں نے روکنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ خود ہی رکنے کے لیے تیار نہیں تھی۔" وہ اب طنزیہ بول رہا تھا۔

"تم نے ہمیں کیوں نہیں بتایا؟"

"آپ کو بتاتا تب بھی وہ چلی جاتی۔"

"بس کرو عذیر تم نے تو میرا خون ہی جلا دیا ہے۔" روحانہ بیگم سر تھام کے بیٹھ گئی تھیں اور عذیر وہاں سے جھٹکے سے اٹھ کر اوپر آ گیا تھا اور کمرے میں بے چین سی کھڑی زرقون اسے دیکھ کر شرمندہ سی ہو گئی عذیر کی پریشانی اور ٹینشن اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ اس کے تیور دیکھ کر زرقون کی اتنی ہمت نہ ہوئی کہ وہ آگے بڑھ کے اس سے گھر کی صورت حال پوچھ سکے وہ واش روم میں گیا شاور لے کر کپڑے چینج کیے اور بالوں میں برش پھیر کر والٹ، موبائل اور گاڑی کی چابی لے کر کچھ بھی کہے بغیر گھر سے نکل گیا تھا اتنے دنوں میں پہلی بار زرقون نے اس کے چہرے پہ پریشانی اور کوفت دیکھی تھی ورنہ اس نے اتنے دنوں سے اس شخص کو ہر بار مطمئن ہی دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

"بھابھی...!"

"ہوں؟" وہ آرام سے اپنے بیڈ پہ بیٹھی ناشتا کر رہی تھیں۔ جب زرقون پریشان سی اندر داخل ہوئی تھی۔

"وہ امی کی طبیعت خراب ہے ان کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہے۔" وہ ذرا رک کر بولی تھی۔

"تو لے جاؤ مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟" وہ بے نیازی سے کندھے اچکا کر بولیں۔

"وہ دراصل کچھ پیسوں کی ضرورت تھی ڈاکٹر کی فیس اور رکشا کے کرایہ کے لیے۔" زرقون کو بھابھی سے پیسے مانگتے ہوئے شرمندگی سے ماتھے پہ پسینہ آ گیا لیکن امی کی طبیعت اتنی خراب تھی کہ اور کوئی چارہ

بھی تو نہیں تھا۔
"اور جو کل پیسے دیے تھے؟"
"وہ امی کے پرہیزی کھانے کے لیے سبزیاں اور گوشت منگوالیا تھا ڈاکٹر نے یخنی پلانے کی تاکید کی تھی۔"
"تو پھر اب یخنی ہی پلاتی رہو' دوائی کہاں سے پلانی ہے؟ تمہارے بھائی کی کوئی فیکٹری تو نہیں چل رہی کہ روز روز ڈاکٹروں کی فیسیں بھی ادا کریں' دوائیاں بھی لے کر آئیں اور یخنی اور سبزیاں بھی پکا کر کھلائیں؟ تم خود ہی کچھ شرم کرو۔" انہوں نے زرقون کو کھری کھری سنا کر حد سے زیادہ شرمندہ کردیا تھا لیکن اس وقت وہ شرمندہ ہو کر چپ نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ امی تکلیف میں تھیں۔
"بھابھی وہ بھائی کے آنے میں ابھی کافی دیر ہے اتنی دیر امی یہ تکلیف برداشت نہیں کرسکتیں پلیز آپ ان کی حالت تو دیکھیے۔" اس نے التجائیہ انداز سے کہا تھا۔
"میں کیا کروں گی ان کی حالت دیکھ کر' میں کوئی ڈاکٹر ہوں۔" انہوں نے کندھے اچکائے۔
"زرقون' زرقون۔" باہر صحن سے مہرین کی آواز سنائی دی تھی زرقون بھابھی کے کمرے سے تیزی سے باہر نکل آئی۔
"مہرین! تم.... تم آج کالج نہیں گئیں؟" مہرین زرقون کی دوست اور ہمسائی تھی ساتھ والا گھر مہرین کا تھا۔
"کالج میں آج فنکشن تھا میرا موڈ نہیں تھا جانے کا اس لیے گھر پہ ہی ہوں تم سناؤ کیا بات ہے پریشان نظر آرہی ہو؟" مہرین اس کے چہرے سے ہی اس کی پریشانی بھانپ گئی تھی۔
"یار امی کی طبیعت بہت خراب ہے ان کے سینے میں آج پھر درد اٹھ رہا ہے۔ بہت تکلیف میں ہیں۔"
"تو تم کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہو؟ ان کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤ۔" مہرین نے تیزی سے کہا۔
"کیسے لے کر جاؤں؟ فیاض بھائی گھر پہ نہیں ہیں وہ کسی کام سے ملتان گئے ہوئے ہیں اور بھابھی اور میرے پاس...." وہ کہتے کہتے چپ ہوگئی تھی لیکن مہرین اس کی دوست تھی اس کی چپ کی زبان بھی سمجھ گئی تھی۔
"تم امی کو تیار کرو میں ابھی آتی ہوں۔" مہرین الٹے قدموں اپنے گھر کی طرف لپکی تھی اور زرقون اسے روک بھی نہ سکی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ واپس بھی آگئی۔
"یہ رکھ لو اور جلدی سے امی کا چیک اپ کروالاؤ۔"
"لیکن مہرین۔" اس نے کچھ کہنا چاہا۔
"لیکن ویکن کا وقت نہیں ہے پہلے ہی اتنی دیر ہو چکی ہے یہ پیسے ابو نے مجھے فنکشن میں جانے کے لیے دیے تھے اور میں تو فنکشن میں گئی ہی نہیں' اس لیے بہتر ہے کہ تمہارے کام آجائیں' شاباش اب جلدی نکلو۔" اس نے زرقون کے ساتھ مل کر امی کو اٹھایا چادر اوڑھائی اور باہر دروازے تک چھوڑنے کے لیے آئی تھی۔
"تمہارے گھر پہ کوئی بھی نہیں ہے' اگر امی وغیرہ گھر پہ ہوتیں تو میں تمہارے ساتھ ضرور چلتی۔"
"تھینکس لوکے مہرین یار تھینک یو۔ تھینک یو سو مچ۔" زرقون اس کے احسان پہ مشکور ہو رہی تھی۔
"بس بس اتنا ہی کافی ہے۔ جاؤ اب۔" مہرین نے ہاتھ اٹھا کے اسے روک دیا تھا زرقون امی کے ساتھ باہر نکل گئی لیکن اپنے کمرے کی چوکھٹ میں کھڑی شائلہ بھابھی زرقون اور مہرین کو غصے سے بار بار نظروں سے دیکھ رہی تھیں ان کے انکار کے باوجود وہ ماں کو لے کر چلی گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

شام ہوگئی تھی اسے اس بیڈ روم میں بیٹھے بیٹھے اور صبح سے شام ہوگئی تھی عذیر کو گھر سے نکلے ہوئے' وہ پریشان حال بیٹھی لاشعوری طور پر اس کا انتظار کیے جارہی تھی اور وہ ابھی تک نہیں آیا تھا اور نہ ہی کسی اور نے اس کے بیڈ روم میں جھانک کر دیکھا تھا کہ یہاں ایک اور جیتا جاگتا فرد بھی موجود ہے یہاں تک کہ صبح سے کسی ملازم یا ملازمہ نے بھی خیر خبر نہیں لی تھی نہ کسی نے کھانے پینے کا پوچھا اور نہ ہی جینے مرنے کا' کہ وہ زندہ بھی ہے یا اندر پڑے پڑے مر گئی ہے.... ؟ وہ بھوک پیاس پہ صبر کرتی انتظار کی گھڑیاں گنتی رہی لیکن وقت تھا کہ بھوک کی طرح بڑھتا ہی جارہا تھا۔
صبح نو بجے سے گھڑی کی سوئیاں چلتی ہوئیں رات کے بارہ بجے تک پہنچ گئی تھیں اور اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تھا وہ تکیے پہ گر کر پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی تھی اس نے اپنے ساتھ ساتھ اس شخص کو بھی مصیبت میں ڈال دیا تھا وہ نہ ادھر کا رہا تھا نہ ادھر کا.... کس کو اپنائے اور کس کو چھوڑتا؟ اور گھر والوں کو بھی صاف صاف کچھ بتا بھی نہیں سکتا تھا ورنہ وہ زرقون کے ساتھ کسی بھی قسم کا رویہ اختیار کرسکتے تھے اور زرقون کے سامنے وہ اپنی اس مشکل کا رونا بھی نہیں رو سکتا تھا کیونکہ یقیناً" وہ یہ سب سن کر پشیمان اور شرمندہ ہوجاتی۔ اور اسے شرمندہ کرنے کا کیا فائدہ تھا وہ پہلے ہی بہت شرمندہ اور مصیبت زدہ تھی سو پورا دن اور پوری رات گھر سے باہر دوستوں کے ساتھ باہر گزار کر وہ فجر کے وقت گھر آیا تو زرقون بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی نظر آئی۔ عذیر کو اسے دیکھ کر حیرانی نہیں ہوئی تھی وہ دونوں تقریباً" ایک جیسی فیلنگز سے گزر رہے تھے۔ اس لیے نیند دونوں سے روٹھی ہوئی تھی ہر بار آنکھوں کی چوکھٹ پہ آکر پلکوں پہ دستک دے کر چلی جاتی تھی اور آنکھیں تھکن اور انتظار سے نڈھال نیند کے آنے اور جانے سے بے خبر بیٹھی تھیں۔ عذیر خاموشی سے آکر بیڈ پہ بیٹھ گیا تھا اور اپنے پاؤں بوٹوں کی قید سے آزاد کرنے لگا۔
"کہاں تھے آپ؟" زرقون کا سوال بیویوں والا تھا لیکن انداز بیویوں والا نہیں تھا۔
"دوستوں کے ساتھ۔" وہ لاپروائی سے بولا۔
"گھر کیوں نہیں آئے؟" ایک اور سوال بیویوں والا' عذیر نے نظر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا اس کی پلکیں جڑی ہوئی تھیں اور پپوٹے سرخ ہو رہے تھے۔
"میں جس روز ڈرنک کرتا ہوں اس روز گھر نہیں آتا۔" اس نے بے نیازی سے کہا زرقون اس کے ڈرنک کرنے پر چونک گئی لیکن پھر ریلیکس ہوگئی جیسے وہ تو روز کرتا ہو۔ وہ بھلا اس پہ اعتراض کرنے والی کون ہوتی تھی؟
"کہیے آپ کچھ کہتے کہتے رک کیوں گئیں؟" وہ بوٹ اتار کر پوری طرح سے اس کی طرف متوجہ ہوا۔
"میں ساری رات سوئی نہیں' بس آپ کے اور اپنے مسئلے پہ سوچتی رہی۔"
"پھر کچھ حل ملا؟"
"جی! صرف ایک حل ہے آپ کی مشکل اور پریشانی دور کرنے کے لیے۔" اس نے سہلا کر کہا۔
"وہ کیا؟" عذیر بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ چہرا جھکائے ہوئے تھی۔
"طلاق...." زرقون نے بڑی مشکل سے یہ لفظ زبان سے ادا کیا تھا۔
"ہوں! تو یہ حل سوچا ہے آپ نے؟" وہ پرسوچ سے انداز میں بولا۔
"اس کے سوا اور کوئی حل بھی تو نہیں ہے اس مسئلے کا؟ آپ مجھے طلاق دے کر دوبارہ سے ماریہ کو اپنا سکتے ہیں اس طرح آپ کے گھر والوں کی ناراضی بھی دور ہوجائے گی اور آپ بھی ماریہ کے ساتھ خوش رہیں گے ماریہ آپ سے محبت کرتی ہے۔"
"دیکھیے خاتون! آپ ماریہ کو چھوڑیے اپنی بات کیجیے۔" اس نے زرقون کی بات کاٹتے ہوئے کہا تھا۔
"میں اپنی کیا بات کروں؟ میری تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔" اس نے بے بسی سے سر جھکایا۔
"آپ کی بات کیوں نہیں ہے؟ ساری بات آپ کی ہی تو ہے۔" عذیر نے اپنی بات پہ زور دیا تھا۔
"میری کوئی بات نہیں ہے عذیر صاحب' جن کی ذات رل جاتی ہے' ان کی بات بھی رل جاتی ہے' آپ میری فکر نہ کریں' اپنی زندگی کا خیال کریں۔" اس نے تلخی سے کہتے ہوئے جیسے اپنی ذات کا مذاق اڑایا تھا۔
عذیر چند ثانیے اسے دیکھتا رہا پھر اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا

تھا۔
"ٹھیک ہے میں اپنی زندگی کا خیال کر لیتا ہوں اور آپ کو طلاق دے دیتا ہوں لیکن کیا آپ مجھے بتا سکتی ہیں کہ مجھ سے طلاق لینے کے بعد اس گھر سے نکل کر آپ کہاں جائیں گی؟ آپ کا اگلا ٹھکانہ کہاں ہو گا۔؟" وہ وارڈ روب سے کپڑے نکالتے ہوئے اس سے سوال کر رہا تھا۔

"اپنے اگلے ٹھکانے کا تو کسی کو بھی پتا نہیں ہوتا۔"

"میں کسی کی نہیں آپ کی بات کر رہا ہوں۔" اس نے کپڑے نکالنے کے بعد شوز ریک سے اپنے لیے سادہ سلیپر نکالے۔

"میں آپ سے کہہ تو رہی ہوں کہ آپ میری فکر نہ کریں۔"

"یہ بات آپ آج کہہ رہی ہیں نا؟ جب میں آپ کی فکر میں سب کچھ داؤ پہ لگا چکا ہوں' اور آپ کی اس بات کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"کیوں کیا ماریہ اب آپ سے شادی نہیں کرے گی؟" وہ متفکر سی پوچھ رہی تھی۔

"وہ تو اب بھی کرے گی' لیکن میں نہیں کروں گا۔" اس نے شرٹ کے بٹن کھولتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟ آپ کیوں نہیں کریں گے؟"

"کیونکہ میں شادی کر چکا ہوں۔" اس کے جواب پہ زرقون خاموش ہو گئی تھی وہ پلٹ کر واش روم کی سمت چلا گیا۔

"آپ میری بات کو مذاق سمجھ رہے ہیں۔" اس کی آواز پہ عذیر کے قدم تھم گئے۔ اس نے پلٹ کر دوبارہ زرقون کو دیکھا تھا۔

"فجر کا وقت مذاق کا وقت تو نہیں ہوتا؟ اذان ہو رہی ہے' لوگ نمازیں پڑھ رہے ہیں۔ اور مجھے کیا پڑی ہے کہ میں اس وقت مذاق کرتا پھروں؟ یا آپ کی بات کو مذاق سمجھوں؟ آپ نے سوچا وہ آپ نے [illegible] اور میں نے جو سوچا۔ میں نے کہہ دیا۔ اب آپ [illegible] اور حل سوچیے۔ میں اتنا کمزور یا بے غیرت نہیں ہوں کہ پہلے کسی کو سہارا دوں اور پھر وہی سہارا چھین لوں'

اب تو یہ گھر بھی چھوڑنا پڑا تو چھوڑ دوں گا۔" اس نے کھڑے کھڑے فیصلہ سنایا تھا اور زرقون تڑپ کر اس کے سامنے آ گئی تھی۔

"آپ بہت غلط کر رہے ہیں' میری وجہ سے اپنوں کو چھوڑنا ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے عذیر کو کسی بھی انتہائی اقدام سے باز رکھنا چاہا۔

"آپ کی وجہ سے مجھ کو چھوڑنا بھی تو میرے اپنوں کے لیے ٹھیک نہیں ہے؟ اگر وہ مجھے چھوڑنے کا فیصلہ کر سکتے ہیں تو میں بھی ان کو چھوڑ کر جا سکتا ہوں' مرد ہوں اپنے زور بازو سے کما کر کھلا سکتا ہوں آپ کو بوجھ نہیں بننے دوں گا کسی پر' میرے گھر والوں کو کوئی فیصلہ کرنا ہے تو بہت سوچ سمجھ کر کرنا ہو گا۔" اس نے زرقون کو بھی اپنا ارادہ بتا دیا تھا اور دوبارہ پلٹ کر واش روم میں گھس گیا زرقون حیران پریشان کھڑی رہ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

ڈاکٹر نے امی کی حالت کے پیش نظر ان کو ڈرپ لگائی اور چند انجکشن دیئے تھے اور بہت ساری ہدایات کے بعد انہیں گھر بھیج دیا تھا اور اس [illegible] سرفہرست ان کو ہسپتال میں ایڈمٹ کروانے کی [illegible] تھی ان کی حالت ایسی نہیں تھی کہ انہیں گھر میں رکھا جاتا زرقون کا دل [illegible] امی کی حالت کا سن کر اندر ہی اندر [illegible] جیسے تیسے ان کو لے کر واپس گھر آئی [illegible] فیاض احمد بھی گھر آ چکے تھے حالانکہ [illegible] کی کہ وہ شام کو آئیں گے زرقون [illegible] کافی ڈھارس ہوئی تھی۔

"[illegible] بھائی؟" وہ امی کو بستر پہ لٹا کر ان کی [illegible]

"تم میرے آنے کو چھوڑو' اپنے جانے کی بات کرو' تمہاری بھابھی نے جب تمہیں کہا بھی تھا کہ وہ تمہارے ساتھ جا رہی ہے تو امی کو اکیلے لے کر جانے کی کیا ضرورت تھی؟ اتنی ہی جلدی تھی تمہیں جانے کی؟" فیاض احمد انتہائی بددماغ اور اکھڑ مزاج آدمی

تھے ان کی بات میں کوئی لچک اور گنجائش نہیں ہوتی تھی جو بات کہہ دیتے سو کہہ دیتے' یہاں تک کہ امی بھی ان کے سامنے کچھ نہیں کہہ پاتی تھیں' وہ شروع سے ہی ضدی اور غصیلے تھے' لیکن بیوی کی بات بڑے دھیان سے سنتے تھے اور مانتے بھی تھے۔ اس وقت بھی کچھ یہ ہی ہوا تھا۔

"بھابھی نے کب جانے کا کہا؟" زرقون ہکا بکا رہ گئی۔

"تو کیا وہ جھوٹ بول رہی ہے؟" وہ اور بھی غصے میں آ گئے۔

"لیکن بھائی۔" زرقون نے پلٹ کر ماں کو دیکھا۔

"فیاض۔۔۔ [illegible] تمہارا۔۔۔ غصہ۔۔۔ سہنے والی ماں۔۔۔ [illegible] تم [illegible] نہیں رہا۔ یہ۔۔۔ بے چاری تمہارا [illegible] نہیں سہہ سکتی' بس کرو۔" وہ سینے کی تکلیف کے باعث بمشکل بول پائی تھیں۔

"امی! آپ کیا چاہتی ہیں' یہ غلط بات کرے اور میں اسے منع بھی نہ کروں؟" فیاض احمد ماں کی طرف پلٹے۔

"کون غلط ہے اور کون نہیں' اس بات کو تم رہنے دو۔" انہوں نے ذرا سا اٹھنے کی کوشش کی' لیکن وہ اٹھ نہیں پائی تھیں' ان کا جسم کانپ رہا تھا۔

"یعنی آپ کا مطلب ہے کہ شمائلہ غلط ہے؟" انہوں نے معصوم اور مظلوم بن کے کھڑی شمائلہ بھابھی کی طرف اشارہ کیا۔

"دیکھو فیاض۔۔۔ میری زندگی بہت تھوڑی ہے' اتنی تکلیف کے ساتھ میں اور۔۔۔ اور زیادہ نہیں جی سکتی' میرے بعد زرقون کا واحد سہارا اور رشتہ تم ہی ہو' اسے کبھی اکیلا مت کرنا' ماں اور باپ دونوں کی کمی پوری کرنا' میں نے بڑے لاڈ پیار سے پالا ہے تم دونوں کو' تیرے ابا کی جان تھی زرقون میں' تم سے چھوٹی ہے' غلطی ہو بھی جائے تو در گزر کر دینا' اس کا بھائی بن کے نہیں اس کی بہن بن کے رہنا' اسے ماں جیسا پیار دینا' فیاض احمد بن کے نہ رہنا ورنہ وہ۔۔۔ وہ تنہا ہو جائے گی۔" امی کی آواز لرز رہی تھی' فیاض احمد ٹھٹک گئے

تھے۔ چونک کر ماں کی حالت دیکھی۔

"امی آپ ٹھیک تو ہیں؟ زیادہ طبیعت خراب ہے تو ڈاکٹر [illegible] لے چلتا ہوں؟" وہ فوراً امی کے قریب آ [illegible] رنگت سفید لٹھے کی مانند ہو رہی تھی۔

"امی آنکھیں کھولیں پلیز۔" زرقون نے لپک کر ماں کو بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

"نہیں۔۔۔ میں ٹھیک ہوں بیٹا' بس تھک گئی ہوں۔" انہوں نے کمزور سی آواز میں کہا تھا۔

"بھائی امی کی طبیعت بہت خراب ہے' ڈاکٹر نے کہا تھا کہ آپ انہیں فوراً ایڈمٹ کروانے کی کوشش کریں' پلیز بھائی آپ امی کو اسپتال لے جائیں۔" زرقون رو پڑی تھی اور فیاض احمد کو بھی ماں کی بگڑتی حالت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ انہوں نے اسپتال چلنے کا ارادہ کر ہی لیا تھا' لیکن اللہ نے ان کی قسمت میں یہ نیکی نہیں لکھی تھی' سو وہ اس نیکی سے محروم ہی رہے' امی کو اسپتال لے جانے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی' وہ بیٹے کو ہر زحمت سے آزاد کر گئی تھیں' لیکن زرقون اتنے لوگوں میں اکیلی [illegible] رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

اپنا وہ ہی فیصلہ جب عذیر ہمدانی نے اپنے گھر والوں کو سنایا تو وہ خاموش ہو گئے تھے۔ روحانہ بیگم اور اشفاق ہمدانی کے صرف دو ہی تو بیٹے تھے۔ اب ان میں سے بھی ایک بیٹا اگر گھر چھوڑ کر چلا جاتا تو وہ کہاں جاتے؟ آخر وہ ان کا چھوٹا اور لاڈلا سپوت تھا۔ وہ بھلا اسے گھر سے نکالنے کی سزا کیسے دے سکتے تھے۔ بالآخر اپنی اپنی جگہ پہ سب خاموش ہو گئے تھے۔ البتہ زرقون کو انہوں نے پھر بھی قبول نہیں کیا تھا۔ وہ کسی بھی صورت اسے اپنی بہو تسلیم کرنے پہ راضی نہیں تھے۔ بس عذیر اسے شادی کر کے گھر لے آیا تھا' اس کے یہاں رہنے کے لیے یہ ہی جواز کافی تھا' ان کا رویہ زرقون کے حوالے سے اب بھی سرد اور ناگوار تھا' جس پہ عذیر کو اعتراض تو تھا لیکن اتنا بھی نہیں کہ وہ اس ایشو پہ کوئی بڑا ہنگامہ کھڑا کرتا۔

وہ اس مسئلے کو وقت کے دھارے پہ چھوڑ کر تھوڑا ریلیکس ہو گیا تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ لوگ بھی زرقون کے وجود کو تسلیم کر لیں گے اور یہ ہی خیال رفتہ رفتہ اسے روٹین لائف کی طرف لے آیا تھا۔ وہ دوبارہ سے یونیورسٹی جوائن کر چکا تھا اس کا بی ایس آنرز کا فائنل ایئر تھا اور یہ اس کا لاسٹ سمسٹر تھا اس لیے وہ زیادہ محنت کر رہا تھا۔ اسے ذہنی سکون اور مکمل یکسوئی کی ضرورت تھی اور وہ کوشش بھی یہ ہی کرتا تھا کہ ادھر ادھر دھیان دینے کی بجائے اپنی اسٹڈی پہ توجہ دے لیکن بیوی کے ہوتے ہوئے کوئی طالب علم یکسوئی کے ساتھ کیسے پڑھ سکتا تھا؟ کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو اسے پانی کی طلب ہوئی تھی پیاس کے احساس نے اسے اپنی جگہ سے اٹھنے پہ مجبور کر دیا تھا جگ کی تلاش میں نظر دوڑائی تو جگ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ رکھا نظر آیا تھا۔ وہ ست قدموں سے چلتا بیڈ کے قریب آ گیا جیسے ہی پانی گلاس میں انڈیلنے کی غرض سے تھوڑا نیچے جھکا تو نظر بیڈ پہ سوئی زرقون پہ جا پڑی تھی۔

وہ صبح فجر کے وقت بے دار ہوتی تھی اس لیے اس وقت اگر کمرے کی لائٹس جل رہی ہوتیں یا پھر کمرے میں میوزک بج رہا ہوتا تو وہ تب بھی سو جاتی تھی کیونکہ اگر وہ لائٹ بند کرنے کا یا پھر میوزک کمپیوٹر اور ٹی وی آف کرنے کا انتظار کرتی تو ساری رات جاگتی رہتی جبکہ اس وقت اسے شدید نیند نے ستا رکھا تھا۔

عشاء کی نماز پڑھنے کے فوراً بعد سونے کے لیے لیٹنا اس کی پرانی عادت تھی۔ اس کی اس عادت سے عذیر بھی ریلیکس رہتا تھا۔ وہ بیڈ روم میں جو بھی چاہے کر سکتا تھا۔ اب زرقون کی ڈسٹربنس کی کوئی فکر نہیں ہوتی تھی لیکن اس وقت وہ خود ڈسٹرب ہو گیا تھا۔ زرقون بلاشبہ بے حد خوب صورت تھی اس کی خوب صورتی صرف اس کے چہرے تک ہی محدود [illegible] بلکہ اس کی خوب صورتی اس کے ہاتھوں [illegible] سے لے کر اس کے بالوں تک سے عیاں ہوتی تھی۔ عذیر نے اسے ابھی تک چھوا نہیں تھا لیکن وہ اسے دیکھ کر ہی جانتا تھا کہ وہ کتنی نرم و گداز ہے اس کی معصومیت اس کے رخساروں اور گداز کلائیوں سے جھلکتی تھی۔ عذیر اسے دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اس کی رنگت زیادہ سفید ہے یا اس کے بال زیادہ کالے ہیں؟ عذیر کو یہ اعتراف کرنے میں دیر نہ لگی کہ وہ واقعی اللہ کی قدرت کا شاہکار تھی۔ قدرت کی مصوری سر تا پا اس کے سامنے تھی جس سے پلک جھپکنا دشوار ہو گیا تھا۔ وہ نظر ہٹانا چاہتا تھا لیکن ہٹا نہیں پا رہا تھا جب سے زرقون یہاں آئی تھی اس نے ایک بار بھی اسے اس نظر اور اس نیت سے نہیں دیکھا تھا اور آج جب دیکھا تھا تو اچھی خاصی مشکل ہو گئی تھی۔ آخر مرد تھا اور بہکنا اس کی عادت تھی لیکن چویشن کچھ ایسی تھی کہ اسے اپنی نظر اور نیت پہ قابو پانا تھا۔ اگر ایسا نہ کرتا تو کئی پلان اور کئی دعوے دھرے کے دھرے رہ جاتے جن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے وہ ابھی زرقون سے دور ہی رہنا چاہتا تھا۔ اسی لیے دونوں الگ الگ سوتے تھے۔ آج بیڈ کی نرمیاں دیکھ کر صوفہ انتہائی سخت تنگ اور مختصر لگ رہا تھا وہ پانی پینے کے بعد صوفے پہ تو آ گیا تھا لیکن سویا نہیں جا رہا تھا نظریں بار بار بھٹک رہی تھیں اور جب رہ نہ سکا تو اس کے قریب پہنچ گیا۔

"زرقون۔ زرقون۔" اس نے قریب جا کر آواز دی۔

"جی! کیا ہوا؟" وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔

"کچھ نہیں ہوا۔" وہ اپنے بال جھاڑتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"تو پھر آپ اس طرح کیوں کھڑے ہیں۔ کچھ چاہیے؟" زرقون اپنے حواس درست کرتے ہوئے بولی۔

"نہیں نہیں کچھ نہیں چاہیے۔" اس نے فوراً انکار کر دیا اب اس کے سامنے کیا کہتا کہ تمہیں دیکھ کر میری نیت خراب ہو گئی ہے؟ یا تمہیں دیکھ کر اپنا حق وصول کرنے کا خیال آ گیا ہے۔

"آپ ٹھیک تو ہیں؟" وہ فکرمند سی تشویش سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں وہ دراصل صوفے پہ نیند نہیں آ رہی گردن میں بل پڑ گیا ہے شاید۔" اسے بروقت بہانہ سوجھ گیا تھا اور ہاتھ گردن پہ رکھ لیا تھا۔

"او ہو یہ کیسے ہو گیا؟ آپ ادھر بیٹھیے میں تیل سے مالش کر دیتی ہوں۔" وہ رات کے اس پہر بھی کمر بستہ ہو کے اٹھ کر اس کے لیے اتنی کانشس ہو گئی تھی کہ عذیر کو اپنی حرکت اور حماقت پہ شرمندگی ہونے لگی۔

"نہیں مالش کی کوئی ضرورت نہیں خود ہی ٹھیک ہو جائے گا آپ آج صوفے پہ جا کر سو جائیں۔" اس نے زرقون کو ٹالا۔

"یہ ایسے ٹھیک نہیں ہو گا آپ بیٹھیے تو سہی۔" زرقون خود بیڈ سے کھڑی ہو گئی تھی اور عذیر اس کے گداز [illegible] نظریں چرا گیا تھا۔

"عذیر! آپ چپ کیوں ہیں؟ کیا زیادہ تکلیف ہو رہی ہے؟" وہ اور پریشان ہوئی تھی۔

"پلیز زرقون جلتی پہ تیل مت چھڑکو، جاؤ سو جاؤ جاکر۔" اس نے اپنی خفگی اس پہ انڈیل دی۔

"جلتی پہ تیل؟" وہ اس کی بات کا مفہوم سمجھتی رہ گئی اور یوں ہی کھڑے کھڑے عذیر کی سمت نگاہ اٹھی تھی وہ اسے انتہائی کڑی نظروں سے گھور رہا تھا۔ زرقون سٹپٹا کر نگاہ چراتی ہوئی پلٹ کر صوفے پہ جا کے لیٹ گئی اب وہ عذیر کی جگہ سو رہی تھی اور عذیر اس کی جگہ۔ لیکن جگہ بدلنے کے باوجود اسے نیند نہیں آ رہی تھی اب اسے بستر کی نرمی ڈسٹرب کر رہی تھی وہ سر سے پاؤں تک چادر تان کے لیٹ گیا تھا تاکہ زرقون کو دوبارہ نہ دیکھ سکے۔ اور وہ تنی ہوئی چادر کو دیکھتی حیرت سے سوچ رہی تھی کہ اس نے اسے کیوں جگایا تھا؟ اس کی گردن میں بل تو کہیں سے بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا وہ ٹھیک ٹھاک گردن ہلا رہا تھا۔ پھر اسے جگانے اور صوفے پہ بھیجنے کا مطلب؟ وہ سوچتے سوچتے سو گئی لیکن مطلب پھر بھی سمجھ نہیں آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" صبح وہ نیند سے بے دار ہوا تو زرقون نے پہلا سوال یہ ہی کیا تھا۔

"طبیعت؟" عذیر نیند سے اٹھا تھا اس لیے کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ وہ کیسی اور کس کی طبیعت پوچھ رہی ہے۔

"رات کو آپ کی طبیعت خراب ہو گئی تھی شاید گردن میں بل پڑ گیا تھا۔" زرقون نے اسے اس کی طبیعت خرابی یاد دلائی تھی اور عذیر ٹھٹک گیا۔

"وہ ہاں! گردن میں بل پڑ گیا تھا لیکن اب ٹھیک ہے۔" اس نے اپنی گردن سہلاتے ہوئے کہا۔

"شکر ہے ورنہ مجھے تو رات سے پریشانی ہو گئی تھی۔" اس نے شکر ادا کیا اور عذیر اس کی طرف دیکھے بغیر بول رہا تھا اب اسے کیا بتاتا کہ گردن میں نہیں بلکہ نیت میں بل پڑ گیا تھا۔

"پریشانی تو مجھے بھی ہو گئی تھی۔" وہ آہستگی سے بولا۔

"کیا مطلب؟"

"کچھ نہیں۔" وہ سر جھٹک کر اٹھ گیا تھا۔ وارڈ روب سے اپنے کپڑے نکالتے ہوئے بلا ارادہ ہی اس کا دھیان زرقون کے کپڑوں کی طرف چلا گیا اس نے پلٹ کر زرقون کو دیکھا وہ چادر تہہ کر کے رکھتی اب بیڈ شیٹ اور تکیے درست کر رہی تھی اس نے وہ ہی چادر اور وہ ہی کپڑے پہن رکھے تھے جو اس روز فلیٹ سے پہن کر اس کے ساتھ نکلی تھی اور اتنے دن ہو گئے تھے اسے یہ ہی ایک لباس پہنے ہوئے کالے رنگ کی چادر اور جامنی رنگ کا سوٹ اپنی اصل حالت کھو چکے تھے ان پہ بے شمار شکنیں اور میلا پن صاف نظر آ رہا تھا جن کو دیکھ کر عذیر کو اپنی کوتاہی اور لاپروائی کا احساس ہوا تھا۔

"کیا بات ہے؟ اب کیا ہوا ہے؟" زرقون بیڈ شیٹ سیٹ کر کے پلٹی تو اسے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"نہیں! کچھ نہیں۔" وہ سر نفی میں ہلاتے ہوئے واش روم میں چلا گیا۔

"ناشتا کریں گی؟" وہ تیار ہو کر باہر نکل رہا تھا جب

زرقون کا خیال آتے ہی ٹھہر گیا۔

"بچے؟" وہ تھوڑا جھجک کر پوچھ رہی تھی۔

"کیوں آپ اوپر ناشتا کرنا چاہتی ہیں؟"

"نن نہیں! مگر وہ بچے سب......" اس نے پرابلم بتائی۔

"وہ سب تو ہمیشہ رہیں گے' کیا آپ ہمیشہ کمرے میں بند رہیں گی؟"

"ہمیشہ تو نہیں' لیکن......"

"لیکن چھوڑیے' آئیے میرے ساتھ۔" وہ کہہ کے کمرے سے نکل گیا تھا اور مجبوراً زرقون کو اس کے پیچھے آنا پڑا' لیکن اندر ہی اندر وہ حد درجہ کنفیوز ہو رہی تھی' دونوں ایک ساتھ سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے آئے تھے۔

"گڈ مارننگ۔" عذیر نے ڈائننگ روم میں داخل ہوتے ہوئے معمول کے مطابق سب کو مارننگ وش کی تھی۔

"السلام علیکم۔" زرقون نے بھی سلام کیا تھا' ناشتے کی ٹیبل پہ موجود سب ہی نے چونک کر دیکھا تھا' روحانہ بیگم کے چہرے کے تاثرات میں تناؤ آگیا تھا۔ اشتیاق ہمدانی نے اخبار سے نظریں ہٹا کر دیکھا اور دوبارہ نظریں اخبار پہ جمادیں' نوشابہ بھابھی اور عمیر ہمدانی بھی سلگتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"بیٹھو۔" عذیر نے کرسی کھینچ کر اسے پیش کی۔ روحانہ بیگم اس کا انداز دیکھ کر جل گئیں۔

"آج ماریہ واپس آرہی ہے' میں اسے لینے کے لیے حیدر آباد جارہی ہوں۔" انھوں نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے جان بوجھ کر ماریہ کا ذکر کیا تھا۔

"آپ کا گھر ہے' آپ کسی کو بھی لے کر آسکتی ہیں۔" عذیر نے کندھے اچکائے۔

"تم میرے ساتھ چلو گے۔"

"میں یونیورسٹی جارہا ہوں۔" اس نے توس پہ جیم لگا کر جیم کی بوتل زرقون کے سامنے رکھ دی۔

"یونیورسٹی سے پہلے اتنی چھٹیاں کی ہیں تو اب ایک اور سہی۔"

"میں اپنی پہلی چھٹیوں کو کور کرنے کی کوشش کر رہا ہوں' اب ایک اور نہیں کر سکتا' آپ نوشابہ بھابھی یا عمیر بھائی کو ساتھ لے جائیں۔" اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔

"میرے ساتھ تم جاؤ گے' وہ تمہاری وجہ سے ناراض ہو کر گئی تھی' اب تم ہی ساتھ لے کر آؤ گے۔" انھوں نے سختی سے زور دے کر کہا۔

"یعنی میں اس سے معافی مانگ کر اسے منا کر واپس لے کے آؤں؟"

"تو اس میں کیا قباحت ہے۔"

"قباحت ہو گی ماما ضرور ہو گی' جب وہ دوبارہ ناراض ہو کر جائے گی تب آپ کو دوبارہ۔"

"تم مجھے لیکچر مت دو' تم یہ بتاؤ کہ تم میرے ساتھ چل رہے ہو یا نہیں؟" انھوں نے عذیر کی بات درمیان سے کاٹتے ہوئے اپنی بات پہ زور دے کر پوچھا تھا۔

"نہیں! میں نہیں جارہا' آپ مجھے فورس نہ کریں۔" اس نے سختی سے منع کر دیا۔

"اچھا! تو تم اپنی ساری باتیں منوا لیتے ہو؟ اور ہماری ایک بھی نہیں مان سکتے؟" اشفاق ہمدانی چہرے کے سامنے سے اخبار ہٹاتے ہوئے طنزیہ لہجے میں بولے تھے۔

"لیکن ڈیڈ میں اس وقت یونیورسٹی [illegible]"

"بھاڑ میں گئی تمہاری یونیورسٹی۔" وہ جواباً دھاڑ اٹھے تھے اور عذیر کو مجبوراً ان کی بات ماننا پڑی تھی' اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

"کبھی کبھی بات منوانے کے لیے اس کی بات ماننا بھی ضروری ہوجاتا ہے۔" عذیر نے یہی سوچ کر وہ مان لیا تھا' روحانہ بیگم کا چہرہ قدرے مطمئن نظر آنے لگا تھا۔ عذیر نے گردن موڑ کر زرقون کی سمت دیکھا' وہ نارمل سے انداز میں ناشتا کرنے میں مصروف تھی۔ عذیر کو وہاں کچھ بھی نظر نہیں آیا۔

۞ ۞ ۞
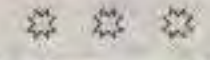
امی کی وفات کے بعد زرقون اکیلی اور شائلہ بھابھی

آزاد ہو گئی تھیں' ساس کا جو ذرا سا بھی لحاظ اور مروت تھا' اب وہ بھی ختم ہو گیا تھا' وہ آزاد اور بے فکر ہو چکی تھیں' گھر کا ہر کام زرقون کے ذمے تھا' وہ تو پہلے بھی سارے کام خود ہی کرتی تھی' لیکن اب شائلہ بھابھی نے اپنے بیڈ روم کی صفائی ستھرائی' کپڑے دھونا' استری کرنا' صبح کا ناشتا' دن کا لنچ اور رات کا کھانا بنانا بھی زرقون کے کندھوں پہ ڈال دیا تھا اور دن بھر کاموں میں جتی رہنے والی زرقون نے کبھی اس بات پہ دھیان ہی نہ دیا کہ آج کل ان کے گھر میں بھابھی کے خالہ زاد کزن جبران کا بہت آنا جانا ہو گیا ہے اور بھابھی زرقون کے ساتھ بھی کافی شیریں لہجے میں پیش آتی ہیں' یہ تو مہرین تھی جس نے اسے [illegible] احساس دلایا تھا۔

"[illegible]" زرقون نے ہنڈیا کے نیچے چولہے کی آنچ دھیمی کرتے ہوئے حیرت سے پوچھا تھا۔

"کیوں' میں کچھ غلط کہہ رہی ہوں؟" مہرین نے گھور کے پوچھا تھا۔

"لیکن مہرین وہ تو بھابھی کا کزن ہے' جب امی زندہ تھیں تب بھی آتا تھا۔" زرقون بات ماننے کو تیار نہیں تھی۔

"تب بھی آتا تھا' لیکن اتنا نہیں آتا تھا' اب تو فیاض بھائی گھر سے نکلتے ہیں اور وہ ٹپک پڑتا ہے' وہ شام کے وقت نہیں آسکتا جب فیاض بھائی گھر پہ ہوتے ہیں؟" مہرین اسے اس سنگین صورت حال سے آگاہ کرنا چاہ رہی تھی جس سے وہ بے خبر پھر رہی تھی۔

"تمہارا مطلب ہے بھابھی کا اپنے کزن کے ساتھ کوئی چکر ہے؟"

"ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔" مہرین نے کندھے اچکائے۔

"یار تم مجھے صاف صاف کیوں نہیں بتاتیں؟ پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہو؟" زرقون جھنجلا گئی۔

"تم صاف صاف سمجھ ہی نہیں رہیں۔"

"پلیز مہرین میرا دل گھبرا رہا ہے۔"

"تم دل کو مت گھبراؤ' بلکہ دل کو اور حوصلے کو مضبوط رکھو' مجھے یوں لگتا ہے جیسے جبران کا اٹھنا بیٹھنا تو بھابھی کے ساتھ ہے' لیکن اس کی نظر تم پہ ہے' میں اگر [illegible] جاؤں یا پھر سیڑھیاں اترنا چڑھنا [illegible] تمہارے صحن کی طرف اٹھ جاتی ہے اور جہاں تم جاتی ہو وہاں وہاں تمہارے پیچھے اس جبران کی نظریں جاتی ہیں اور اسی چیز نے مجھے پریشان کر دیا تھا' میں نے سوچا اپنے خیالات تم سے شیئر کر کے دیکھتی ہوں' لیکن تم تو بالکل ہی بدھو واقع ہوئی ہو' اتنی بے خبر ہو کے رہتی ہو گھر میں؟" مہرین نے اسے سرزنش کی تھی اور زرقون کے چہرے پہ ہوائیاں اڑنے لگی تھیں' اس کے چہرے کی رنگت زرد پڑ گئی تھی' معاملہ بھابھی پہ شک تک ہوتا تو ٹھیک تھا' لیکن مہرین تو زرقون کے سر پہ خطرے کی گھنٹی بجا رہی تھی۔

"اب کیا ہوگا مہرین؟" زرقون کی حالت غیر ہو رہی تھی' اس کی ٹانگیں لرز رہی تھیں۔

"اب یہ ہوگا کہ تم کھڑے کھڑے گر جاؤ گی۔" مہرین نے خفگی سے کہا اور اسے پکڑ کر کرسی پہ بٹھا دیا۔

"مہرین... مم... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" زرقون واقعی اندر سے ڈر گئی تھی' یہ سن کر تو اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے تھے کہ وہ کسی کی نظروں کی زد میں ہے۔

"ڈرو گی تو مرو گی' تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے' بس کسی نہ کسی طرح یہ بات فیاض بھائی تک پہنچانی ہے کہ جبران آپ کے گھر آتا ہے' وہ یقیناً بات کی گہرائی کو سمجھ جائیں گے' ماشاء اللہ شکی تو وہ پہلے سے ہیں' رہی سہی کسر تمہاری اس بات سے پوری ہو جائے گی۔"

"لیکن مہرین وہ الٹا مجھے اپنے عتاب کا نشانہ بنالیں گے۔" زرقون گھبرا گئی تھی۔

"ان کے عتاب کا نشانہ ان کی بیوی کو بننا چاہیے' تمہیں نہیں۔" مہرین نے چبا کر کہا۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟" شائلہ بھابھی اندر داخل ہوتے ہوئے کافی سختی سے بولی تھیں' مہرین اور زرقون ایک لمحے کے لیے بوکھلا گئی تھیں۔

"لگ رہا ہے کچھ نہیں وہ میں ہنڈیا بنا رہی تھی۔" زرقون فوراً کھڑی ہو گئی۔

"باتیں بنا رہی ہو یا ہنڈیا بنا رہی ہو؟ ہنڈیا کا مسالا جل رہا ہے۔" انہوں نے ڈھکن اٹھا کر ناگواری اور غصے سے کہا۔

"اچھا زرقون میں چلتی ہوں تم سے دوبارہ بات ہو گی۔" مہرین اٹھ کر باہر نکل گئی اور زرقون چاہتے ہوئے بھی اسے نہ روک سکی۔

"یہ محلے میں ملاپ بڑھانے کا بہت شوق ہے تمہیں؟ جانتی بھی ہو کہ فیاض کتنا غصہ کرتے ہیں؟" وہ الٹا زرقون کو لتاڑنے لگیں۔

"بھابھی! مہرین میری بچپن کی سہیلی ہے فیاض بھائی جانتے ہیں اس لیے مہرین کے حوالے سے انہوں نے کبھی اعتراض یا غصہ نہیں کیا۔" زرقون نے شائلہ بھابھی کی غصے والی غلط فہمی دور کرنا چاہی۔

"کیوں نہیں کیا؟ مجھے تو وہ کئی بار کہہ چکے ہیں کہ مہرین کے آنے جانے پہ نظر رکھا کرو اچھے کردار کی نہیں ہے نہ جانے کہاں کہاں جاتی ہے۔"

"بھابھی پلیز آپ اس کے بے داغ کردار پہ شک مت کریں وہ ایسی ویسی لڑکی نہیں ہے صرف میرے گھر آتی ہے اس کے بھائی بھی بہت غیرت والے ہیں کہیں اور آنے جانے نہیں دیتے۔" زرقون نے مہرین کے لیے احتجاج کیا تھا۔

"بس بس زیادہ وکالت کرنے کی ضرورت نہیں ہے اپنا کام کرو۔" وہ کہہ کے باہر نکل گئیں اور زرقون ضبط کر کے رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

"تو تم مجھے لینے کے لیے آ ہی گئے؟" ماریہ گہری سانس کھینچتی ہوئی خوشی اور فخر کا اظہار کرتی اس کے مقابل ـــــ صوفے پہ بیٹھ گئی تھی۔ عذیر کے چہرے پہ سنجیدگی کی چھاپ تھی وہ ماریہ کی بات کا جواب دینے کی بجائے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟ کیا زیادہ اچھی لگ رہی ہوں؟"

وہ اپنے بالوں کو ہاتھ کی انگلیوں سے پیچھے ہٹاتے ہوئے اوائے بولی تھی۔

"عذیر! میں تم سے مخاطب ہوں۔" وہ اس کی جانب دماغی ہٹاتے ہوئے جھنجلا گئی تھی۔

"لیکن میں کسی اور سے مخاطب ہوں۔" عذیر اس کا خیال تھوڑی دیر کے لیے دماغ سے جھٹکتے ہوئے بولا تھا۔

"کسی اور سے اور کون ہے یہاں؟" ماریہ کو اچنبھا ہوا۔

"جو خود موجود نہ ہو اس کا خیال موجود ہوتا ہے۔"

"اوہ! تو یہ بات ہے تم اس بنگل والی لڑکی کے خیالوں میں کھوئے ہوئے ہو؟" ماریہ کے انداز میں تمسخر اور طنز تھا۔

"تقریباً۔" اس نے سر ہلا کر کہا۔

"کیا سوچ رہے تھے؟" ماریہ طنزیہ پوچھ رہی تھی۔

"یہ ہی کہ آج واپسی پہ اس کے لیے شاپنگ کر لی ہے وہ جب سے میری لائف میں آئی ہے ہر طرف ٹینشن ہی ٹینشن ہے اس کی ضرورتوں کا تو مجھے خیال ہی نہیں آیا۔" وہ اس کا ذکر بڑی دل جمعی سے کر رہا تھا اور اسے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ عذیر بھی شاپنگ کے متعلق سوچ سکتا ہے؟ جو شاپنگ کے نام سے ہی کوسوں دور بھاگتا تھا۔ ماریہ اسے بھی اپنے ساتھ زبردستی شاپنگ پہ لے کر جاتی [illegible] وہ خود شاپنگ پہ جانے کے لیے نام [illegible]

"تم شاپنگ کرو [illegible]" ماریہ رہ نہ سکی اور پوچھ لیا۔

"[illegible] ہے تو شاپنگ بھی میں ہی کروں گا۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"[illegible] کے لیے تو کبھی تم نے شاپنگ نہیں کی؟" ماریہ نے شکوہ کیا۔

"میری تم سے شادی بھی تو نہیں ہوئی؟" عذیر کا جواب برجستہ تھا۔

"تم اس لڑکی کو پسند کرنے لگے ہو؟" ماریہ بغور اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے اسے کریدنا چاہتی تھی۔

"پسند۔ محبت کی پہلی سیڑھی کا نام ہے اور اب تو میں اس سیڑھی سے اور بھی آگے آ گیا ہوں۔"

"پسند تو تم مجھے بھی کرتے تھے؟"

"کرتا تھا بالکل کرتا تھا لیکن یہ سچ ہے کہ اس پسند کی پہلی سیڑھی سے کبھی آگے نہیں بڑھا بڑھنا چاہا بھی تو کبھی آگے بڑھ ہی نہیں سکا اس میں پتا نہیں کہ میری غلطی تھی یا تمہاری کمزوری؟" اس کی بات پہ ماریہ کا رنگ بدل گیا تھا پتا نہیں اسے ہتک کا احساس ہوا تھا یا پھر کچھ کھو جانے کا۔

"ایسا کیا ہے اس لڑکی میں؟"

"یہ تو میں بھی نہیں جانتا کہ ایسا کیا ہے اس لڑکی میں کہ میں پسند شوق [illegible] اعتبار اور بھروسے کی تمام سیڑھیاں [illegible] کی سیڑھی تک جا رہا ہوں وہ سیڑھی جو محبت پر انجام ہے۔" عذیر بڑے سکون سے [illegible] رہا تھا ماریہ کا دل نہ جانے اور کتنا جلتا اگر روحانہ بیگم اور فرزانہ بیگم ڈرائنگ روم میں داخل نہ ہوتیں وہ دونوں باتیں کرتی ہوئی نیچے آئی تھیں۔

"چلیں بیٹا؟" روحانہ بیگم نے دونوں کو مسکرا کر دیکھا عذیر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا انہیں واپسی کے لیے نکلنا تھا۔

☼ ☼ ☼

عصر اور مغرب کا درمیانی وقت تھا جب عذیر نے روحانہ بیگم اور ماریہ کو کراچی پہنچ کر گھر ڈراپ کیا تھا اور گاڑی وہیں سے واپس موڑ لی تھی۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"مارکیٹ۔"

"مارکیٹ کیوں؟" روحانہ بیگم کو حیرت ہوئی کہ وہ اتنا سفر طے کر کے آیا ہے تو دوبارہ کیوں جا رہا ہے؟

"ماریہ سے پوچھ لیجیے گا اسے پتا ہے۔" وہ کہہ کے گاڑی نکال لے گیا تھا۔

"عذیر اس وقت مارکیٹ کیوں گیا ہے؟" ان کا رخ ماریہ کی سمت ہو گیا۔

"اپنی بیوی کے لیے شاپنگ کرنے۔" ماریہ نے سلگ کر جواب دیا تھا۔

"بیوی کے لیے شاپنگ؟" روحانہ بیگم کو بھی یہ جملہ [illegible]

"جی [illegible] چہیتی بیوی کے لیے شاپنگ۔" ماریہ تنگ کر اپنا بیگ گھسیٹتی ہوئی اندر کی طرف بڑھ گئی۔

"اس کی چہیتی بیوی کا کوئی بندوبست کرنا ہی پڑے گا۔" وہ کچھ سوچتی ہوئی اندر آ گئیں۔

"کیسی ہو تم؟ اتنا مس کر رہے تھے ہم۔" نوشابہ بھابھی نے ماریہ کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر فارملی بھائی وہ ہی فارملٹی جو ہر کلاس کا خاصہ تھی۔

"سیم ٹو یو بھابھی۔" ماریہ ان کے گلے لگی تھی اور اک دوسرے کے رخسار پہ بوسہ دیا تھا وہ بھی فارمل سا۔

"آپ کی دیورانی کہاں ہے؟"

"یار میری دیورانی کے روپ میں تو تم ہی جچتی ہو نہ جانے عذیر وہ عجوبہ کہاں سے اٹھا لایا ہے؟"

"میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ کہاں سے اٹھا کے لایا ہے؟" ماریہ چبا کر بولی تھی۔

"جہاں سے اٹھا کے لایا ہے اسے وہیں پہ واپس نہ پھینکا تو میرا نام بھی روحانہ بیگم نہیں۔" انہوں نے اندر داخل ہوتے ہوئے اپنے عزائم ظاہر کیے تھے نوشابہ اور ماریہ دونوں چونک کر متوجہ ہوئی تھیں۔

"مام یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" نوشابہ حیرت سے بولی وہ ہمیشہ ساس سے بنا کے رکھتی تھی اسی لیے کافی اتفاق تھا ان لوگوں میں۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں اور بہت سوچ سمجھ کر کہہ رہی ہوں وہ لڑکی عذیر کو پسند آئی وہ اسے گھر لے آیا اب اس کا شوق پورا ہو چکا ہو گا اس لیے اسے عمر بھر کے لیے گلے کا طوق بنانے سے بہتر ہے کہ اسے چلتا کریں۔"

"لیکن کیسے مام؟"

"وہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی۔" انہوں نے سر جھٹکا۔

"او گریٹ مام۔" ماریہ بے اختیار ان سے لپٹ گئی

تھی۔ عذیر، عمیر اور نوشابہ کی دیکھا دیکھی وہ بھی انھیں ماسی ہی کہتی تھی۔

"خوش رہو میری جان، یہ گھر تمہارے بغیر سونا تھا، اس گھر کی چھوٹی بہو تم ہی ہوگی۔" انھوں نے ماریہ کو تسلی اور یقین دلایا تھا۔ ماریہ ریلیکس ہو گئی تھی، اب اسے اپنی خالہ کی سپورٹ حاصل تھی، اسے ڈرنے یا پیچھے ہٹنے کی کیا ضرورت تھی؟

وہ بڑے ٹھاٹھ سے دندناتی ہوئی عذیر کے بیڈ روم میں آگھسی تھی مقصد زرقون کو ڈسٹرب کرنا تھا۔

"ہیلو! کیا ہو رہا ہے؟" زرقون عذیر کی کتابوں کے ریک کے پاس کھڑی تھی، اپنے عقب میں نسوانی آواز سن کر فوراً پلٹی تھی، اتنے دن ہو گئے تھے اس بیڈ روم میں تو چڑیا تک نہیں پھٹکی تھی سوائے عذیر کے۔

"آپ؟" زرقون کو واقعی ماریہ کو دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔

"کیوں؟ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں اب دوبارہ آ ہی نہیں سکتی تھی؟" ماریہ کا انداز طنزیہ تھا۔

"نہیں میرا ایسا کوئی خیال نہیں تھا، صبح جب عذیر اور آنٹی آپ کو لینے کے لیے حیدر آباد گئے تھے تو میں بھی وہیں موجود تھی، خیر چھوڑیے اس بات کو، آیئے بیٹھیے نا۔" زرقون نے ہاتھ میں پکڑی کتاب واپس ریک میں رکھتے ہوئے اسے بیٹھنے کی آفر کی۔

"میں نے بیٹھنا ہوا تو مجھے تمہاری آفر یا اجازت کی ضرورت نہیں ہوگی، یہ بیڈ روم عذیر کا ہے تمہارا نہیں۔"

ماریہ ہتک آمیز لہجے میں کافی چبا کر بولی تھی۔

"صرف یہ بیڈ روم ہی عذیر کا نہیں ہے ماریہ جی! میں بھی عذیر کی ہوں۔" زرقون کے اندر اتنی ہمت نہ جانے کہاں سے آگئی کہ وہ بے ساختہ ماریہ کو حقیقت کا آئینہ دکھا بیٹھی تھی، جس پہ ماریہ بل کھا کے رہ گئی۔

"لیکن عذیر تو میرا ہے نا؟" ماریہ نے [illegible] تھی۔

"کسی کے گھر کو اپنا گھر کہنے سے وہ اپنا تو نہیں ہو جاتا نا؟" زرقون کے جواب برجستہ تھے۔

"شٹ اپ! اپنی اوقات میں رہو، نہ جانے کس گندی گلی سے اٹھ کر ہمارے گلے پڑ گئی ہو، لیکن زیادہ خوش فہم ہونے کی ضرورت نہیں، وقت کی کایا کسی وقت بھی پلٹ سکتی ہے۔" ماریہ دھمکی دے رہی تھی۔

"یہ مجھ سے بہتر اور کون جان سکتا ہے؟" زرقون نے استہزائیہ کہتے ہوئے سر جھٹکا۔

"تم!" ماریہ انگلی اٹھا کر کچھ کہتے کہتے رک گئی تھی اور پھر جھٹکے سے پلٹ کر باہر نکل گئی۔ زرقون وہیں کی وہیں کھڑی اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی، پھر دروازہ دھڑام سے بند ہو گیا تھا۔ زرقون دل کے رہ گئی، وہ ماریہ کے رویے پہ یقیناً کچھ دل برداشتہ ہوتی، لیکن اتنے میں مغرب کی اذان ہونے لگی وہ ہر چیز ذہن سے جھٹک کر نماز کے لیے وضو کرنے چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد نماز پڑھ کے فارغ ہوئی تو دوبارہ بک ریک سے کتاب نکال کر بیٹھ گئی اور یوں ہی کتاب پڑھتے پڑھتے اسے ٹائم گزرنے کا پتا ہی نہ چلا، وہ چونکی تو اس وقت جب عذیر کمرے میں داخل ہوا، اس کے دونوں ہاتھوں میں بے شمار شاپنگ بیگز تھے جو اس نے لا کر بیڈ پہ ڈھیر کر دیے تھے، زرقون [illegible] رکھے شاپنگ بیگز کو دیکھنے لگی۔

"میں شاپنگ کرنے سے بہت [illegible] تھی کہ اپنی شاپنگ بھی کبھی کبھار [illegible] اس لیے مردانہ تو [illegible] مجھے [illegible] شاپنگ کا بھی کوئی ایکسپیرینس [illegible] میرا زیادہ وقت اوروں کے ساتھ [illegible] گزرتا ہے، لیکن پھر بھی کبھی کسی کو [illegible] کا خیال بھی نہیں آیا۔ لہٰذا اس وقت [illegible] مجھے جو اچھا اور مناسب لگا وہ لے آیا ہوں۔" عذیر بیڈ پہ آڑا ترچھا لیٹا اسے شاپنگ کے متعلق بتا رہا تھا۔

"میرے لیے اتنی شاپنگ؟" وہ حیران و پریشان رہ گئی۔

"کیوں آپ کوئی جن بھوت ہیں، جس کو شاپنگ کی ضرورت نہیں۔"

"نہیں میرا مطلب ہے کہ۔" وہ چپ ہو گئی اور کچھ کہنے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔

"پہلے آپ اپنا سامان تو چیک کر لیں اگر کسی اور چیز کی ضرورت ہے تو وہ بھی بتا دیں۔" عذیر نے بیگز کی طرف اشارہ کیا تھا اور اس کے اصرار پہ زرقون کو مجبوراً تمام چیزیں نکال کر دیکھنا پڑیں، اس کے لیے کپڑے، جوتے، پرفیومز، باڈی اسپرے، لوشن، کاسمیٹکس، تولیہ، ہیئر برش، ٹوتھ برش، شولڈر بیگ، شیمپو اور ایسی ہی بہت سی لیڈیز ضروریات کی اشیاء بھی موجود تھیں، جن کو شاپنگ [illegible] کر زرقون کا چہرہ لال پڑ گیا تھا اور اس نے وہ چیزیں دیکھے بغیر ہی واپس بیگ میں ڈال دیں [illegible] کی اس حرکت کو دیکھتے ہوئے اپنی مسکراہٹ [illegible] روک سکا تھا۔

"آپ [illegible] ہی ہیں کہ یہ ساری چیزیں میں ہی [illegible] لایا ہوں اور آپ مجھ سے ہی چھپا رہی ہیں [illegible] نے زرقون کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا، اس کا چہرہ مارے شرم کے اور بھی جھک گیا تھا۔

"آپ کو یہ سب۔" وہ جو کہنا چاہتی تھی کہہ نہ سکی۔

"میں نے کئی بار مردوں کو اپنی بیویوں کے لیے ایسی شاپنگ کرتے ہوئے دیکھا ہے، اس لیے آج سوچا کہ میں بھی ٹرائی کر کے دیکھتا ہوں۔" وہ اسے خاصی بے باک نظروں کی زد میں رکھے ہوئے تھا۔ زرقون کی ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا تھا۔ وہ بے اختیار بیڈ سے کھڑی ہو گئی تھی۔ لیکن عذیر نے بھی بے اختیار ہی اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"شکریہ ادا نہیں کریں گی؟" عذیر نے اسے دوبارہ بیڈ پہ کھینچ لیا تھا۔

"شکریہ کس بات کا؟" زرقون جان بوجھ کر انجان بنی۔

"بتاؤں آپ کو؟" وہ کہنی کے بل اونچا ہوا۔

"بتانا ضروری ہے؟" وہ آہستگی سے بولی۔

"جو انجان بنے اسے بتانا ضروری ہو جاتا ہے۔" عذیر کا لہجہ گمبھیر ہو رہا تھا، آواز میں جیسے حرارت تھی۔

"انجان اس لیے بن رہی ہوں کہ میں آپ کی شاپنگ [illegible] بھی شکریہ ادا نہیں کر سکتی۔" زرقون [illegible] جھکی ہوئی تھی۔

"[illegible] رخ سمت بدلیں میں کچھ اور کہہ رہا ہوں، [illegible] کچھ اور سن رہی ہیں۔" عذیر نے زرقون کے گلے میں بازو ڈال کر اسے اپنی سمت اپنے اوپر جھکا لیا تھا۔ زرقون کو لگا اس کا تن ہی نہیں من بھی پگھلنے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں سے نہ چاہتے ہوئے آنسو پھسل آئے تھے۔ وہ جھکی ہوئی تھی، اس لیے اس کے آنسو عذیر کے چہرے پہ گرے تھے۔ وہ آنسوؤں کی نمی سے ٹھٹک گیا تھا اور اس کے گلے سے بازو ہٹاتے ہوئے فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

"زرقون کیا بات ہے؟ آپ رو کیوں رہی ہیں؟" وہ اپنے رخساروں سے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے تشویش بھرے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"زرقون میں آپ سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔" عذیر نے اس کا چہرہ اونچا کیا، وہ دونوں بھی بیڈ پہ بیٹھے ہوئے تھے اور آج کی ساری شاپنگ بھی بیڈ پہ بکھری ہوئی تھی، لیکن پھر بھی انھیں کوئی پروا نہیں تھی۔

"میں یہ سب نہیں چاہتی جو آپ کر رہے ہیں۔" اس نے روتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا، انداز بے بس سا تھا۔

"میں کیا کر رہا ہوں؟ اور آپ کیا نہیں چاہتیں؟" عذیر کے ماتھے پہ ناسمجھی سے بل پڑ گئے تھے۔

"آپ۔ آپ میرے قریب مت آئیں، آپ واپس ماریہ کی طرف پلٹ جائیں۔ میرے ساتھ رہ کر آپ کبھی خوش نہیں رہیں گے میں آپ کے معیار کی نہیں ہوں، میری اتنی اوقات نہیں ہے کہ آپ کی بیوی بن کے آپ کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر سوسائٹی میں موو کر سکوں۔" زرقون نے کہہ ہی دیا تھا۔ عذیر گہری سانس کھینچ کے رہ گیا۔

"تو گویا آپ یہ سب میری خاطر، میرے خیال سے کہہ رہی ہیں؟" اس نے زرقون کو براہ راست دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں آپ کو ٹینشن اور ڈپریشن میں نہیں دیکھ سکتی' ماریہ سے شادی کر کے آپ کی زندگی سہل ہو جائے گی' پلیز آپ مجھے آزاد کر کے خود بھی آزاد ہو جائیں۔"

"دیکھیے خاتون میں نے آپ سے کب کہا کہ میں قید ہوں اور آزادی چاہتا ہوں؟" عذیر جھنجلا کے پوچھ رہا تھا۔

"آپ کے گھر والے اور ماریہ تو یہ ہی چاہتے ہیں نا؟"

"زندگی میری اور آپ کی ہے' اس میں میرے گھر والوں کے چاہنے اور ماریہ کے چاہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' ہاں اس میں میرا چاہنا اور آپ کا چاہنا ضرور اہمیت رکھتا ہے' آپ بتایئے آپ کیا چاہتی ہیں؟ آپ دوسری بار طلاق کی بات کر رہی ہیں' تیسری بار کریں گی تو میں سچ مچ طلاق دے بھی دوں گا' میں آپ کو زبردستی اپنے ساتھ باندھ کے تو نہیں رکھ سکتا نا؟"

"نہیں عذیر! اس میں میرے چاہنے کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔" وہ فوراً" تیزی سے بولی تھی اور پھر خود ہی اپنی بے اختیاری پہ ٹھٹک گئی۔ عذیر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"اتنا کیوں ڈرتی ہیں لوگوں سے؟" وہ مسکرا کے پوچھ رہا تھا۔

"لوگ ڈراتے جو ہیں۔" وہ نظر چرا گئی۔

"کس نے ڈرایا آپ کو؟"

"آپ کے آنے سے کچھ دیر پہلے ماریہ آئی تھی۔" زرقون کا لہجہ سنجیدہ تھا۔ عذیر کی مسکراہٹ تھم گئی تھی۔

"ماریہ یہاں آئی تھی؟"

"جی! اور وہ اس لیے آئی تھی کہ یہ بیڈ روم آپ کا ہے وہ کسی وقت بھی آسکتی ہے۔"

"میں بات کرتا ہوں اس سے۔" اس نے اٹھنا چاہا۔

"نہیں آپ کچھ نہیں کہیں گے' میں نے آپ کو صرف اس لیے بتایا ہے کہ ماریہ کے دل میں اب بھی آپ کی واپسی کی امید زندہ ہے' آپ اب بھی اس کے بارے میں سوچنا چاہیں تو سوچ سکتے ہیں۔ میں کبھی بھی آپ کی زندگی کی یا آپ کی خواہش کی رکاوٹ نہیں بنوں گی۔" وہ کہہ کر وہاں سے اٹھ گئی تھی اور عذیر چپ کا چپ رہ گیا تھا۔ وہ ان سب کو کس طرح قائل کرتا کہ وہ قدرت کے اس فیصلے پہ خوش ہے' جو اللہ نے اس کے مقدر میں لکھ دیا وہ اس مقدر پہ راضی ہے' کیونکہ وہ ایسی بیوی ہی تو چاہتا تھا جو ہر لحاظ سے مشرقی اور ہر لحاظ سے پاک صاف ہوتی۔ ماریہ جیسی بوائے فرینڈز کے ساتھ رہنے والی' اسموکنگ کرنے والی اور وہسکی پینے والی نہ ہوتی' آزاد اور بے باک' سب کے ساتھ مل کر سڑکوں پہ قہقہے لگانے والی اور کلبز میں پارٹیز اٹینڈ کرنے والی نہ ہوتی۔

ماریہ سراسر روحانہ بیگم کی پسند تھی' وہ ان کی بہن کی بیٹی تھی' پہلے عمیر کے لیے اشفاق ہمدانی اپنی بھتیجی توشابہ کو بیاہ کر لائے تھے' اس لیے اس بار روحانہ بیگم کی باری تھی' اب چھوٹے بیٹے کے لیے وہ اپنی بھانجی کو بیاہ کر لانا چاہتی تھیں' عذیر نے کئی بار ان کی اس پسند سے اختلاف بھی کیا تھا' لیکن روحانہ بیگم خود ماریہ کی ٹائپ کی ہی تھیں' اس لیے انہیں ماریہ ہی پسند تھی' ماریہ کراچی یونیورسٹی میں ایڈمیشن [illegible] سو روحانہ بیگم اسے اپنے گھر [illegible] تاکہ وہ یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے [illegible] پچھلے دو سال سے ماریہ ان [illegible] تھی اور اب پھر وہ واپس آگئی تھی [illegible] ماریہ کا دوبارہ یہاں آنا کچھ ٹھیک نہیں [illegible]

☆ ☆ ☆

"بھئی وہ میری بچپن کی سہیلی ہے' آپ بھی اسے بچپن سے جانتے ہیں وہ ایسی نہیں ہے۔" زرقون فیاض احمد کی بات سن کر تڑپ گئی تھی۔ وہ مہرین کے اور زرقون کے آپس میں ملنے پہ پابندی لگا رہے تھے۔

"میں جو بکواس کر رہا ہوں وہ تمہیں سمجھ نہیں آرہی؟" وہ کھانا کھاتے ہوئے دھاڑ اٹھے تھے۔

"مگر بھائی میں اسے اپنے گھر آنے جانے سے کیسے منع کروں؟" زرقون کا لہجہ بھر آگیا تھا' ماں کی وفات کے بعد وہ واقعی اکیلی اور تنہا ہو گئی تھی' صرف ایک مہرین تھی جو اس کی ڈھارس بندھاتی رہتی تھی' جس نے اسے کافی حد تک سہارا دیا تھا اور اب بھابھی کی کرم نوازی سے وہ سہارا بھی چھن رہا تھا۔ زرقون کے حلق میں آنسوؤں کا گولا سا اٹک گیا تھا۔

"تم منع نہ کرو' میں اسے منع کر دوں گی۔" شمائلہ بھابھی نے پیش کش کی۔

"یہ ٹھیک ہے' شمائلہ اسے منع کر دے گی۔" انہوں نے بھابھی کی بات سے اتفاق کیا تھا اور زرقون بے بسی سے کھڑی [illegible] اس وقت جبران کے حوالے سے بھی کوئی بات [illegible] کر سکتی تھی' اگر کرتی تو الٹا اپنے گلے ہی پڑ جاتا۔

"شمائلہ میرے لیے اور سالن لے کر آؤ۔" فیاض احمد کو کھانے میں سالن کم ہوا تھا' اس لیے بیوی کو پلیٹ تھمائی۔

"جی ابھی لے کر آئی ہوں۔" وہ فوراً" چلی گئیں۔

"اب تم کیوں کھڑی ہو؟"

"وہ۔ وہ بھائی م۔ مجھے آپ سے۔ آپ سے ایک بات کرنا تھی۔" زرقون کی زبان لڑکھڑا گئی تھی۔

"کیا بات کرنی ہے؟" ان کی آواز ابھی بھی کرخت تھی۔

"وہ بھائی آپ آفس جاتے ہیں تو وہ۔"

"یہ لیں گرم کر کے لائی ہوں۔" شمائلہ بھابھی نے اندر داخل ہوتے ہوئے تیزی سے کہا۔ زرقون کی بات درمیان میں ہی رہ گئی تھی۔ زرقون کو پتا تھا کہ بھابھی کے ہوتے ہوئے اسے فیاض احمد سے بات کرنے کا موقع نہیں ملے گا' کیونکہ جب وہ گھر آتے تھے تو شمائلہ بھابھی ہر وقت ان کے آگے پیچھے ہی منڈلاتی رہتی تھیں اور ان کے ہوتے ہوئے وہ کبھی گھر سے باہر بھی نہیں نکلتی تھیں۔ زرقون کو کافی مشکل کا سامنا تھا' اب تو وہ مہرین کے ساتھ مشورہ بھی نہیں کر سکتی تھی۔

"بتاؤ' کیا بات کرنی ہے؟" وہ دوبارہ سے کھانا شروع کرتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئے تھے۔

"وہ مجھے یاد ہی نہیں رہا کہ کیا بات کرنے والی تھی۔" زرقون نے نظر چراتے ہوئے بہانا کر دیا۔

"اتنی جلدی بات بھول گئی؟" شمائلہ بھابھی کی نظریں کاٹ دار تھیں۔

"ایک بار اچھی طرح یاد کرلوں' پھر بات کروں گی۔" زرقون کہہ کے باہر آگئی' تاکہ دوبارہ بھابھی کی تیز دھار نظروں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ وہ اپنے کمرے میں آکر یہ ہی تانا بانا بن رہی تھی جب دروازے پہ دستک ہوئی۔

"کون ہے؟" تھوڑی دیر بعد فیاض احمد اپنے کمرے سے باہر نکل آئے تھے اور اونچی آواز میں دستک دینے والے سے پوچھا تھا۔

"میں جبران ہوں فیاض بھائی۔" باہر سے جبران کی آواز سنائی دی' زرقون کو اس کی آواز بھی پگھلے ہوئے سیسے کی مانند لگنے لگی تھی۔ وہ جب بھی ان کے گھر آتا تھا زرقون یہ ہی کوشش کرتی تھی کہ وہ اپنے کمرے سے باہر نہ نکلے' وہ اس کی نظروں کی زد میں نہیں آنا چاہتی تھی۔

اسے اب اس کی نظروں سے ڈر لگنے لگا تھا' یہ تو بھلا ہو مہرین کا جس نے اسے غفلت اور بے خبری کی نیند سے جگا دیا تھا۔ ورنہ وہ یہ ہی سمجھتی تھی کہ جبران' شمائلہ بھابھی کا کزن ہے اور اکثر ان سے ملنے کے لیے آتا رہتا ہے۔ حالانکہ خود زرقون کو بھی دو' تین بار یوں محسوس ہوا تھا کہ جبران اسے دیکھ رہا ہے' لیکن وہ اپنا وہم سمجھ کر اس بات کو دماغ سے جھٹک دیتی تھی۔

"اوہ' آؤ جبران بیٹھو یہاں۔" فیاض بھائی اسے ساتھ لیے برآمدے میں آگئے تھے۔

"میں تو بیٹھ جاتا ہوں' آپ سنائیں' آپ کہاں بزی ہوتے ہیں' کئی بار آپ سے ملنے آپ کے گھر آیا ہوں' لیکن آپ سے ملاقات ہی نہیں ہوتی' آپ کا انتظار کر کے چلا جاتا ہوں۔" جبران کی بات پہ کمرے میں موجود زرقون ہکا بکا رہ گئی تھی کہ یہ کیا چکر ہے؟ وہ خود

ہی فیاض بھائی کو بتا رہا تھا کہ وہ ان کے گھر آتا ہے اور ان کا انتظار کر کر کے چلا جاتا ہے۔

"ہاں بتا رہی تھی شائلہ، تم شاید کوئی نیا کاروبار شروع کرنے لگے ہو۔"

"جی بالکل ٹھیک سنا آپ نے۔ میں نے سوچا آپ کاروباری آدمی ہیں پہلے آپ سے مشورہ کرلوں۔"

زرقون اس کی باتوں پہ حیران ہو رہی تھی۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔" انہوں نے بخوشی مشورے کے لیے ہامی بھری۔

"زرقون۔ زرقون۔" بھابی نے اسے آواز دینا شروع کردیا۔

"جی بھابھی؟" وہ مرے مرے قدموں سے باہر نکلی۔

"کیا تمہیں اتنا بھی احساس نہیں ہوتا کہ گھر میں کوئی مہمان آیا ہے تو اس سے چائے پانی کا ہی پوچھ لو؟"

"جی! وہ مجھے پتا نہیں تھا۔"

"لیکن اب تو پتا ہے نا؟ جاؤ جلدی سے چائے وغیرہ لے کر آؤ، بلکہ آج تو جبران کھانا بھی ہمارے ساتھ ہی کھائے گا، کیوں جبران؟" انہوں نے کافی اطمینان سے جبران کو مخاطب کیا تھا۔

"نہیں شائلہ باجی اتنی دیر نہیں رک سکتا، بس چائے تک ٹھیک ہے۔" جبران اور شائلہ کی باتوں سے لگ رہا تھا جیسے دونوں ایکٹنگ کر رہے ہوں، زرقون کو لگا وہ دونوں چونکنے ہو گئے تھے، "اپنے آپ سے شک کا داغ دھونے کے لیے یہ ڈرامہ کر رہے تھے۔ یقیناً" شائلہ بھابھی کو مرین اور زرقون کی گفتگو کا پتا چل گیا تھا، اسی لیے تو وہ مرین کا بائیکاٹ کروا رہی تھیں۔ وہ تھوڑا دماغ لڑا کر ان کی چال بازی سمجھ گئی تھی، لیکن ان کے جال سے بچنے کے لیے اور محفوظ رہنے کے لیے اسے کوئی حل سمجھ نہیں آرہا تھا، کوئی طریقہ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

"چائے بن رہی ہے یا یاسے...؟" شائلہ بھابھی کی آواز پہ وہ چونک کر سنبھل گئی۔

"جی لے کر آرہی ہوں۔" وہ چھوٹی سی ٹرے میں تین کپ رکھے باہر آگئی اور نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اس کے سامنے جانا ہی پڑا، جس کی خباثت اس کی آنکھوں سے چھلکتی تھی۔

"جبران بھائی چائے لے لیں۔" اس نے جان کر بھائی پہ زور دیتے ہوئے کہا تھا۔ جبران فیاض احمد کی نظر سے اوجھل تھا، کیونکہ سامنے زرقون کھڑی تھی، اسی لیے اس نے اپنی ہوس زدہ نظریں اس کے سراپے پہ گاڑ دی تھیں، لیکن کہا کچھ نہیں تھا۔ زرقون کی ریڑھ کی ہڈی میں جیسے سنسنی دوڑ گئی تھی۔ یوں لگا جیسے کوئی نوکیلی چیز اس کے جسم کے آرپار ہو گئی ہو، اس کی ننگی نظروں سے زرقون کو جھرجھری آگئی تھی۔ وہ فوراً اس کے سامنے سے ہٹ گئی تھی۔ لیکن اس کی غلیظ نظروں کا احساس نہیں ہٹا تھا۔ وہ اس کی نظروں کی لپک سے آگاہ ہو چکی تھی، اسی لیے آج احساس بھی کچھ زیادہ ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

"صاحب آپ کے لیے کھانا لگا دوں؟" وہ یونیورسٹی سے واپس آیا تو ملازمہ کو اس کے لنچ کا خیال آیا تھا۔

"تمہاری چھوٹی بی بی نے لنچ کرلیا؟" اس نے زرقون کے متعلق پوچھا تھا۔

"نہیں صاحب، میں پوچھنے گئی تھی، وہ شاید نہا رہی تھیں۔"

"اوکے تو پھر کھانا لگاؤ، میں ابھی آتا ہوں۔" وہ کہہ کے بیڈروم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"زرقون... کہاں ہیں آپ؟" عذیر نے اندر داخل ہوتے ہی پوچھا۔

"میں نے بھی اسی لیے نہیں کیا کہ تب تک آپ آجائیں گے۔" وہ ہیر برش ڈریسنگ ٹیبل پہ ڈال کر جلدی سے بیڈ سے ڈوپٹہ اٹھانے کے لیے لپکی تھی، لیکن ڈوپٹہ بیڈ سے غائب تھا اور دوسری طرف عذیر کے ہوش غائب ہو رہے تھے، وہ اس پہ نظر پڑتے ہی مبہوت ہو چکا تھا۔ ڈارک براؤن کلر کے سوٹ میں

اس کی رنگت دمک رہی تھی، وہ اس کے سوٹ بھی اندازے کے مطابق لے کر آیا تھا، اس لیے ان کپڑوں کی فٹنگ بھی کچھ زیادہ ہی فٹ تھی، اتنی کہ عذیر کا دم سینے میں اٹک گیا تھا، اب پتا نہیں کہ اپنے سینے میں اٹکا تھا یا اس کے سینے میں؟

"میرا ڈوپٹہ کہاں گیا؟" وہ صوفے پہ ڈھونڈ رہی تھی اور عذیر کی نظریں اسے ڈھونڈ رہی تھیں۔ قمیص کا گلا خاصا گہرا تھا اور گہرا تو قمیص کا پچھلا گلا بھی تھا، لیکن اسے بالوں نے ڈھانپ لیا تھا۔ گھنے سیاہ اور لمبے بال اس کی پشت پہ دبیز چادر کا کام کر رہے تھے۔

"جب تک میں ایک مظلوم ہوں، تب تک اس بیڈروم میں احتیاط... اور ہوش و حواس کے ساتھ رہا کریں، ورنہ ... ہوش کھو بیٹھا تو یقیناً" ایک روز... ہوجاؤں گا۔" اس نے جھک کر بیڈ کے قریب قالین پہ گرے ڈوپٹے کو اٹھاتے ہوئے کہا تھا اور ڈوپٹہ زرقون کے گرد پھیلا دیا تھا۔ زرقون کو لگا وہ ڈوپٹے کے نہیں بلکہ عذیر کے حصار میں آگئی ہو۔

"آپ تو کہتے ہیں آپ بہت مضبوط اعصاب کے مالک ہیں؟" وہ ڈوپٹہ ٹھیک کر کے اوڑھتی ہوئی بولی۔

"کیا آپ کو ابھی بھی میرے مضبوط اعصاب پہ کوئی شک ہے؟" وہ اس کے قریب آرکا تھا۔

"اس شک میں آپ خود ہی تو ڈال رہے ہیں؟"

"آپ یہ نہیں جانتیں کہ مرد کے اعصاب جتنے مضبوط ہوتے ہیں اتنے کمزور بھی ہوتے ہیں اور انہیں کمزور کرنے میں سب سے بڑا ہاتھ عورت کے وجود کا ہوتا ہے، عورت کا وجود آگ کی مانند ہوتا ہے اور مرد کے اعصاب موم کی مانند، آگ جتنی قریب آئے گی موم اتنا ہی پگھلے گا، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ جلتے جلتے وہ موم خود آگ پکڑ جاتا ہے۔" عذیر کا لہجہ بھی پگھل رہا تھا۔ زرقون دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ وہ اس کی حرکت پہ ٹھٹکا پھر مسکرا دیا۔

"اچھی بات ہے مجھ سے دور ہی رہا کریں۔" اس نے زرقون کے پیچھے ہٹنے کی حرکت کو سراہا تھا۔

"آپ کو بھوک نہیں لگ رہی؟" زرقون نے بات بدلنا چاہی۔

"زرقون کو بھوک؟" وہ چڑی سے اترا ہوا تھا۔

زرقون اس کے سوال پہ سٹپٹا گئی تھی۔

"اب بھوک بڑھ جائے تو بندہ کچھ بھی کھانے پہ مجبور ہو جاتا ہے، یہ تو آپ کو پتا ہی ہوگا؟" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا، زرقون کو آج اپنا آپ بچانا مشکل نظر آرہا تھا۔

"گھبرایئے نہیں، وقت سے پہلے یا بے وقت کھانے کا عادی نہیں ہوں۔" اس نے باتوں باتوں میں اسے سمجھا بھی دیا تھا۔

"آیئے نیچے چلتے ہیں، کھانا لگ گیا ہوگا۔" عذیر نے آگے بڑھ کے دروازہ کھول دیا تھا۔

زرقون اچھی طرح ڈوپٹہ لپیٹتی ہوئی اس کے ساتھ باہر نکل آئی تھی۔

"آج ہمیں لانگ ڈرائیو پہ چلنا چاہیے؟" وہ کھانا شروع کرتے ہوئے بولا۔

"آج کیا خاص بات ہے؟" وہ اس کے لیے اور اپنے لیے کھانا نکالتے ہوئے پوچھ رہی تھی، عذیر پہلے ہی سلاد کھانا شروع ہو چکا تھا۔

"میں کچھ کہوں گا تو آپ کو شکایت ہوگی۔" اس نے معنی خیزی سے کہا۔

"آپ شکایت والی بات ہی نہ کریں۔"

"ہاہاہا۔ یعنی کوئی بھی بات نہ کروں؟" وہ اس کی بات سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"میں نے یہ تو نہیں کہا؟" عذیر دوبارہ قہقہہ لگا کر ہنسنے پہ مجبور ہو گیا تھا۔

"یعنی کسی طرح بھی گزارا نہیں؟" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا، زرقون سر جھکا گئی، اس کا ڈوپٹہ سر سے پھسل گیا تھا۔ ریشمی ڈوپٹہ سر پہ ٹک ہی نہیں رہا تھا۔ وہ بار بار اوڑھ رہی تھی اور وہ بار بار سرک رہا تھا۔

"میرا خیال ہے آپ کو چادر ہی اوڑھنی چاہیے، ڈوپٹہ آپ سے سنبھالا نہیں جائے گا، جس سے آپ کو بھی مشکل ہوگی اور مجھے بھی۔" وہ نمکین سے ہاتھ

پونچھتے ہوئے بولا اور پانی پی کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"دھوپ تھوڑی ڈھل جائے پھر ڈرائیو پہ چلتے ہیں۔" وہ گلاس ونڈو سے باہر دیکھتے ہوئے بولا تو نیلیں ذرقون کو کچھ بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ اپنی ہی شرم میں مری جارہی تھی۔ "وہ جوابا" ہاں یا نہ کہہ ہی نہ سکی عذیر اس کی سمت دیکھ کر مسکراتے ہوئے اوپر چلا گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"دیکھو شمائلہ میں اور برداشت نہیں کر سکتا' اپنا وعدہ پورا کرو اب تو کم بخت راتوں کی نیندیں بھی اڑ گئی ہیں۔" جبران دبے لہجے میں جھنجلا کر کہہ رہا تھا۔

"دیکھو جبران اتنے اتاولے کیوں ہو رہے ہو صبر کرو میں موقع اچھا دیکھ کر ہی کچھ کروں گی نا؟" شمائلہ بھابھی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی' لیکن وہ روز روز کے بہلاوے سن سن کر اب برداشت کا دامن چھوڑ رہا تھا' آج وہ اپنے لوفرانہ انداز میں نظر آرہا تھا' وہ انتہائی عیاش اور ہوس زدہ آدمی تھا' باپ امیر تھا' اس لیے عیاشی بھی دھڑلے سے کرتا تھا۔

"کب آئے گا اچھا موقع؟ کبھی تم اپنے شوہر کو مطمئن کرنے کا کہتی ہو' کبھی اپنی ہمسائی کو' کبھی اپنی نند کو' کبھی محلے والوں کو' ہونہہ۔ اتنے میں تو میں پچاس لڑکیوں کے ساتھ راتیں بسر کر لیتا ہوں' تم نے مجھے ایک پہ پھنسا رکھا ہے؟" جبران آج غصے اور کوفت کا شکار تھا۔

"میں نے کیوں پھنسا رکھا ہے؟ تم خود ہی فدا ہو اس پہ۔" شمائلہ بھابھی خفا ہونے لگیں۔

"وہ چیز ہی ایسی ہے بڑے سے بڑا کافر بھی ایمان لے آتا ہے' فدا ہونا تو ہے ہی چھوٹی سی بات' چلتی پھرتی قیامت ہے' چادر میں چھپی ہو تب بھی لشکارے مارتی ہے' چادر سے نکل کے دیکھوں گا تو نہ جانے کیا قیامت ڈھائے گی۔" جبران کے منہ میں پانی آرہا تھا اس کا خبیث ذہن نہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔

"بس بس صبر کر لو دو' چار دن کے لیے' جیسے ہی موقع ملا بلا لوں گی تمہیں۔" شمائلہ نے اسے شانت کرنے کی کوشش کی تھی۔

"مجھ سے دو' چار گھنٹے صبر نہیں ہو رہا' تم دو' چار دن کا کہتی ہو؟" وہ اپنی بے قراری کا برملا اظہار کر رہا تھا۔

"خدا کے لیے جبران' سمجھنے کی کوشش کرو' اگر کسی کو شک پڑ گیا کہ میں بھی تمہارے ساتھ ملوث ہوں تو مجھ کو فیاض یا تو مجھے قتل کر دیں گے یا طلاق دے دیں گے۔" شمائلہ دبے لہجے میں بات کر رہی تھی۔

"ارے میری جان تمہیں قتل تو نہیں ہونے دوں گا میں' تم بھی بڑے کام کی چیز ہو۔" جبران نے آنکھ دباتے ہوئے شمائلہ بھابھی کے رخسار کو انگلی سے چھوا تھا۔

"بس اب زیادہ بکواس نہ کرو اور اب نکلو یہاں سے۔" شمائلہ فورا" پیچھے ہٹی تھی۔

"دوبارہ کب آؤں؟"

"اگر فیاض ملتان چلے گئے تو کل آجانا' تمہیں مس کال دے دوں گی۔"

"پھر تم کہاں جاؤ گی؟"

"میں بازار چلی جاؤں گی۔"

"او کے کب؟" وہ ساری پلاننگ پوچھ رہا تھا۔

"جب تم فارغ ہو گے۔"

"ہائے یار میرا تو پورا دن اسے چھوڑنے کو دل نہیں چاہے گا۔" وہ مسرور سے انداز میں جھومتے ہوئے بولا۔

"بس بس پورا دن نہیں ایک گھنٹہ ہی کافی ہے اور دھیان رکھنا کسی کو آواز نہ نکلے' ورنہ پورے محلے والے جوتیاں پھٹکا دیں گے۔" شمائلہ نے اسے اچھی طرح سمجھایا۔

"تم فکر نہ کرو ایسا منہ بند کروں گا کہ اف بھی نہیں کرنے دوں گا۔" وہ جاتے جاتے پھر خباثت سے ہنسا اور شمائلہ نے اسے بھیج کر دروازہ بند کر لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ہیلو سر! کیسے ہیں آپ؟" عذیر جیسے ہی آفس کی

عمارت میں داخل ہوا' سامنا اشفاق ہمدانی کے منیجر سے ہوا تھا جو اسے دیکھتے ہی ٹھٹھر گیا تھا۔

"ہوں' ٹھیک ہوں میں' ڈیڈ کہاں ہیں؟" اس نے سرسری سی نگاہ دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"وہ اپنے روم میں ہیں۔"

"اور عمیر صاحب؟"

"جی وہ بھی اوپر اپنے روم میں ہیں۔" منیجر صاحب نے اشارہ کیا۔

"او کے تھینک یو۔" وہ منیجر صاحب سے ہاتھ ملا کر اور عمیر ہمدانی کے روم میں پہنچ گیا۔

"السلام علیکم۔" اندر داخل ہوتے ہوئے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" عمیر ہمدانی نے اسے بیٹھنے کے لیے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا۔

"کیا لو گے؟" انہوں نے ریسیور اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"نو تھینکس میں یونیورسٹی سے سیدھا یہیں آیا ہوں' گھر جا کر لنچ کروں گا۔"

"ہوں! تو آج کل تم گھر پہ لنچ کر رہے ہو؟" عمیر ہمدانی کا انداز معنی خیز تھا۔

"کیوں بری بات ہے کیا۔"

"ارے نہیں نہیں اچھی بات ہے بلکہ بہت اچھی بات ہے میں تو اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ پہلے تو تمہارا لنچ اور ڈنر اکثر گھر سے باہر ہی ہوتا تھا' کبھی مونا کے ساتھ کبھی ٹینا کے ساتھ' کبھی روما کے ساتھ اور کبھی ماریہ کے ساتھ۔"

"وہ سب ٹائم پاس تھا بھائی۔"

"اور یہ سب کیا ہے؟"

"یہ سب لائف ٹائم ہے۔"

"بہت پسند کرتے ہو اسے؟"

"بہت محبت بھی کرنے لگا ہوں۔"

"اس کے بائیوڈیٹا کا بھی پتا ہے یا نہیں؟"

"سب پتا ہے اور نہ بھی پتا ہو تو کیا فرق پڑتا ہے؟ مجھے اس کا تو پتا ہے نا؟" عذیر' ذرقون کی طرف داری کر رہا تھا۔

"اتنا اعتبار ہے اس پہ؟"

"بے اعتبار کی حد' آپ جان ہی نہیں سکتے۔"

"وہ کردار کے لحاظ سے کیسی ہے جانتے ہو؟"

"وہ باکردار اور بے داغ ہے یہی میں جانتا ہوں اور اس سے زیادہ جاننے کی مجھے ضرورت ہی نہیں ہے۔"

"کل کلاں کو وہ تمہیں چھوڑ کر بھاگ گئی تو؟"

"تو آپ لوگ مجھے چھوڑ دیجیے گا۔"

"اتنا اعتماد مت کرو' عورت ذات ہے۔" عمیر نے اسے باز رکھنا چاہا۔

"عورت ذات' عورت بننے پہ آجائے تو مرد ذات سے زیادہ مضبوط بن جاتی ہے' مرد لاکھ کوشش کرے اسے زک نہیں پہنچا سکتا۔" عذیر کا دعوا' بانگ دہل تھا۔

"بھئی دے آپ بتائیے آپ نے مجھے بحث کرنے کے لیے بلایا تھا؟" عذیر سر جھٹک کر اصل بات کی طرف آیا۔

"میں نے نہیں ڈیڈ نے تمہیں بلایا تھا۔"

"ڈیڈ نے؟" عذیر کو تعجب ہوا۔

"خیریت؟"

"ہاں دراصل انہوں نے تم سے کوئی بات کرنا تھی۔"

"کیسی بات؟"

"لو وہ خود ہی آگئے ہیں ان سے پوچھ لو۔" عمیر کی نظر دروازے کی سمت اٹھی جہاں سے اشفاق ہمدانی اندر داخل ہو رہے تھے عذیر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام! کب آئے تم؟"

"جی ابھی تھوڑی دیر پہلے۔"

"ہوں! بیٹھو۔" وہ اسے اشارہ کرتے ہوئے خود بھی بیٹھ گئے تھے۔

"آپ نے بلایا تھا مجھے خیریت؟" اس نے خود ہی سوال کیا۔ اشفاق ہمدانی نے سر اٹھا کر سرتاپا اسے دیکھا

اور گہری سانس کھینچی تھی۔

"جانتے ہو مجھے آج اتنی سبکی محسوس ہو رہی ہے؟" انہوں نے بات شروع کی۔

"کس لیے؟" عذیر حیران ہوا۔

"سنا ہے تم جاب تلاش کر رہے ہو؟" انہوں نے غصہ ضبط کرنے والے انداز میں پوچھا تھا اور ان کی بات پہ عذیر بری طرح چونک گیا تھا کیونکہ وہ یہ کام سب کو بتائے بغیر کر رہا تھا۔

"آپ کو کسی نے بتایا۔؟"

"برخوردار! تم اشفاق ہمدانی کے بیٹے ہو، تم جاب تلاش کر رہے ہو تو کیا کسی کو پتا نہیں چلے گا؟" وہ طنزیہ بولے تھے۔

"کوئی برا کام کر رہا ہوں کیا؟"

"برا کام؟ تم نے میری ساکھ ڈبو کے رکھ دی ہے اور تم پوچھ رہے ہو برا کام؟ میں خود اشفاق ہمدانی ایک ہفتے میں لاکھوں کروڑوں بلکہ اربوں کا بزنس کرتا ہوں، ہر مہینے ہزاروں لوگوں کو نوکریاں دیتا ہوں اور ہزاروں لوگوں کو نوکریوں سے فارغ کرتا ہوں اور تم میرے بیٹے ہو کر جگہ جگہ جاب مانگتے پھر رہے ہو؟ کیا تمہارا اکاؤنٹ اور کریڈٹ کارڈز خالی ہو گئے ہیں؟ جو تمہیں جاب تلاش کرنے کی ضرورت پڑ گئی۔ اگر ایسا تھا تو مجھے بتاتے میں تمہارے سارے اکاؤنٹس لوڈ کروا دیتا۔" وہ ایک دم سے دھاڑنا شروع ہو گئے تھے۔

"اس پیسے کے لیے جاب تلاش کر رہے ہو؟ یہ لو رکھو یہ پیسہ۔" انہوں نے عمیر کی ٹیبل کی دراز کھول کر ہزار ہزار کے نوٹوں کی گڈیاں اس کے سامنے پھینک دیں عذیر ان کا اشتعال اور نوٹوں کا ڈھیر دیکھتا رہا پھر کرسی سے اٹھ کر ان کے سامنے کھڑا ہوا۔

"دیکھیے ڈیڈ میری جاب کا ریزن تو آپ کے سامنے ہی پڑا ہے۔" اس نے پیسوں کی طرف اشارہ کیا۔ "جس طرح غصے اور طیش میں آکر آپ [illegible] سامنے پیسوں کا انبار۔ ڈھیر لگا سکتے [illegible] غصے اور طیش میں آکر آپ یہ ڈھیر [illegible] سکتے ہیں، آپ کی کوئی بات نہ مانی تو آپ عاق [illegible] سکتے ہیں اور عاق نہ بھی کریں تو عاق کرنے کی دھمکی دے سکتے ہیں، ماریہ گھر چھوڑ کر چلی گئی تب بھی آپ کی دھمکی، ماریہ کو لینے نہ جاؤں تب بھی آپ کی دھمکی، ماریہ کے ساتھ مسکرا کر نہ بولوں تب بھی آپ کی دھمکی اور اسی دھمکی کی وجہ سے میں یہ سوچنے پہ مجبور ہوا ہوں کہ خدانخواستہ کسی روز آپ اپنی دھمکی پہ عمل کر بیٹھے تو میرا کیا ہوگا؟ کہاں جاؤں گا؟ خیر میں اگر کہیں چلا بھی جاؤں تو میری بیوی کہاں جائے گی؟ اسے کون دے گا؟" عذیر نے اطمینان سے جواز پیش کیا تھا۔

"تو تم یہاں بھی تو کام کر سکتے ہو؟ جیسے عمیر کر رہا ہے؟"

"یقیناً کر سکتا ہوں لیکن کروں گا نہیں، کیونکہ میری بیوی تو شاید بھابھی کی طرح آپ کی بھتیجی نہیں ہے جس کے لیے میں لاکھوں کے گفٹس خریدوں گا تو تب بھی آپ برداشت کر لیں گے بلکہ پورا پورا حساب کتاب رکھیں گے کہ میں کیا کر رہا ہوں اور کیا نہیں؟ اور میں اپنی ذات کا حساب کتاب تو دے سکتا ہوں لیکن بیوی کا نہیں۔ اس لیے مجھے یہی لگا کہ میں جاب کروں اور اپنی ذمہ داری اٹھاؤں کم از کم [illegible] کی دھمکی اور ماریہ کے نام کے آسیب سے [illegible] جاؤں گا نا؟"

"عذیر یہ تم کہہ رہے ہو؟"

"جی ڈیڈ یہ میں کہہ رہا ہوں عذیر ہمدانی آپ کا بیٹا۔" اس نے [illegible] سے کہا۔

"اور [illegible] آپ نے مجبور کیا ہے، اپنی [illegible] جاب [illegible] آپ کو یہ بھی بتاتا چلوں کہ مجھے ایک [illegible] میں جاب مل گئی ہے یونیورسٹی ٹائمنگ کے بعد جاب کی ٹائمنگ ہوا کرے گی چار بجے سے نو بجے تک۔ البتہ مستقل جاب کا بندوبست [illegible] وقت کروں گا جب یونیورسٹی سے فارغ ہو گیا اور ان شاء اللہ ایک روز آپ کو اپنا بیٹا کامیابی کی سیڑھی پہ نظر آئے گا، بس آپ دعا کیجیے گا۔" وہ ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے ذرا دیر کے لیے ٹھہرا اور پھر باہر نکل گیا تھا اشفاق ہمدانی اور عمیر ہمدانی دیکھتے رہ گئے۔

❋ ❋ ❋

"زرقون... زرقون!" عذیر واپسی پہ سیدھا اپنے بیڈ روم میں آیا تھا کیونکہ زرقون ہمیشہ بیڈ روم میں ہی ملتی تھی لیکن آج خلاف معمول وہ بیڈ روم میں کہیں بھی نہیں تھی وہ اسے آوازیں دیتے ہوئے لمبے لمبے قدموں باہر نکل آیا تھا۔

"زرقون۔" اس نے دوبارہ آواز دی۔ لیکن وہ نجانے کہاں تھی کہ اس کی آواز ہی نہیں سن رہی تھی عذیر کو پریشان ہوتے لگی وہ لمبے ڈگ بھرتا سیڑھیاں اتر آیا تھا۔

"زرقون۔" اس نے پھر بھی آواز دی لیکن جواب ندارد، اس کی پیشانی پہ پسینہ آگیا تھا کہ نجانے وہ کہاں گئی۔ وہ [illegible] کی طرف بڑھنے ہی والا تھا کہ کچن [illegible] گرینڈر کی آواز سن کے ٹھٹک گیا وہ زرقون کے [illegible] نوراں سے پوچھنے کے خیال سے کچن کی طرف ہی آگیا تھا۔

"نوراں وہ زرقون...." وہ اندر داخل ہوتے ہوئے بولا لیکن گرینڈر میں گرم مسالا گرینڈ کرتی زرقون کو دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔

"زرقون آپ یہاں؟" وہ حیرت سے بولا اور زرقون اس کی آواز پہ اطمینان سے اس کی سمت پلٹی تھی۔

"میں یہاں اچھی نہیں لگ رہی؟" اس نے مسکرا کے پوچھا۔

"میں آپ کو بیڈ روم میں ڈھونڈ رہا تھا۔"

"آئندہ آپ مجھے کچن میں ڈھونڈا کریں گے۔"

"لیکن کیوں ملازمہ ہے نا کچن کا کام کرنے کے لیے۔"

"ملازموں کے ہاتھ میں ذائقہ نہیں ہوتا، آپ آج میرے ہاتھ سے بنا کھانا کھا کر دیکھیے۔"

"لیکن زرقون اس طرح تو آپ کچن کی ہو کر رہ جائیں گی۔"

"تو کیا بیڈ روم کی ہو کر رہ جاؤں؟ پورا دن ہاتھ پہ ہاتھ رکھے بھی تو نہیں گزرتا۔"

"آپ میری ہو کر بھی تو رہ سکتی ہیں؟" عذیر کا لہجہ [illegible]

"[illegible] کر میں آپ کی ہو کر ہی تو رہ رہی ہوں۔؟" وہ [illegible] ہوئے رخ موڑ گئی اور کڑاہی سے ڈھکن اٹھا کر مسالا چھڑکنے لگی۔

"مجھے تو ابھی تک احساس نہیں ہوا کہ آپ میری ہو کر رہ رہی ہیں۔؟" وہ کرسی گھسیٹ کر وہیں بیٹھ گیا تھا۔

"آپ کو ابھی تک احساس نہیں ہوا تو اس میں میری کیا غلطی ہے؟"

"غلطی تو ہے نا، آپ میری ہو کر تو رہتی ہیں لیکن میرے پاس قریب آکر نہیں رہتیں۔" اس کی بات پہ زرقون خاموش ہو گئی تھی۔

"آپ کے لیے کھانا لگاؤں؟" وہ فریج سے رائتہ نکالتے ہوئے بولی۔

"جو میں کہہ رہا ہوں اسے آپ ٹال کیوں رہی ہیں۔"

"مجھے بھی بھوک لگ رہی ہے میں کھانا لگاتی ہوں۔" وہ اس کی باتیں سنی ان سنی کر رہی تھی۔

"آپ کھانا لگائیے چاہے دل لگائیے لیکن اتنا یاد رکھیے گا جس روز میرا آخری پیپر ہوگا اس روز آپ کا پہلا پیپر ہوگا ڈیٹ شیٹ آگے یا پیچھے نہیں ہوگی۔" اس نے زرقون کی کلائی پکڑتے ہوئے اسے اطلاع پہنچا کر ہوشیار کیا تھا۔

"نوراں۔" اچانک ماریہ نوراں کو پکارتی ہوئی کچن میں داخل ہوئی تھی لیکن ان دونوں کا انداز قربت دیکھ کر وہیں کی وہیں جم گئی۔ زرقون فوراً کلائی چھڑا کے پیچھے ہٹ گئی تھی۔

"نوراں کہاں ہے؟" اس نے دونوں کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"وہ مارکیٹ سے کچن کا کچھ سامان لینے گئی ہے آپ کو اگر بھوک لگ رہی ہے تو میں کھانا لگا دیتی ہوں۔" زرقون نے پیش کش کی۔

"ہونہہ! تمہارے ہاتھ سے بنا ہوا کھانا میں کھاؤں گی؟" ماریہ کے انداز میں ہتک تھی۔

"ماریہ تمیز سے بات کرو۔" عذیر کرسی سے کھڑا ہو گیا تھا۔

"تو تم بھی اپنی بیوی سے کہو کہ اپنی حد میں رہے گھر کے کاموں میں انوالو ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر ہوتی ہے تو اپنے چہیتے شوہر تک ہی رہے اسے پکا کر کھلائے اور معدے کے رستے دل میں اترنے کے جتن کرے۔" ماریہ نے نفرت اور حقارت کا بھرپور استعمال کیا تھا۔

"تمہیں بکواس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' اگر تم نہیں کھانا چاہتیں تو دفع ہو جاؤ۔" عذیر بھی اسی کا کزن تھا بھی کبھی ان جیسے مزاج میں ہی ڈھل جاتا تھا۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟" روحانہ بیگم بھی ان کی اونچی آوازیں سن کے وہیں آگئی تھیں۔

"تم مجھے کہہ رہے ہو دفع ہو جاؤں۔؟" ماریہ چیخ کے بولی۔

"ہاں تمہیں کہہ رہا ہوں۔" وہ بھی کوئی مروت اور لحاظ رکھے بغیر بولا تھا۔

"عذیر یہ کس لہجے میں بات کر رہے ہو تم؟" روحانہ بیگم آنکھیں پھیلائے آگے بڑھیں۔

"جس لہجے میں یہ بات کر رہی ہے۔" اس نے ماریہ کو غضب ناک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم اس کی وجہ سے میرے ساتھ۔"

"یہ اس گھر کی ملازمہ نہیں میری بیوی ہے۔" وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

"اور اس کے ساتھ تم کوئی بھی بدتمیزی کرو گی تو تمہیں منہ توڑ جواب ملے گا۔" عذیر اسے اس کی بدتمیزی بخشنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"عذیر تم مجھے۔"

"ماریہ پلیز چپ ہو جاؤ۔" روحانہ بیگم نے بھانجی کو منع کیا۔

"ماما آپ مجھے منع کر رہی ہیں پہلے بات تو سن لیں۔" ماریہ پٹاخ پٹاخ بولنے لگی اور روحانہ بیگم ساری بات سننے کے بعد اطمینان سے گہری سانس کھینچ کے رہ گئیں۔

"اگر اس نے کھانا بنا لیا ہے تو تمہیں کیوں برا لگ رہا ہے؟" وہ بھانجی سے پوچھ رہی تھیں۔

"ماما آپ بھی؟" ماریہ دکھ سے بولی۔

"عذیر' زرقون سے کہو کھانا لگائے میں فریش ہو کے آتی ہوں۔" وہ کہہ کے باہر نکل گئیں اور عذیر کے ساتھ ساتھ زرقون بھی حیران رہ گئی گویا انہوں نے گھر میں اس کی شراکت کو قبول کر لیا تھا۔

"عذیر سنا آپ نے؟" زرقون کی آواز چہک اٹھی تھی۔

"ہوں! سن بھی رہا ہوں اور دیکھ بھی رہا ہوں۔"

"کیوں کیا ہوا؟ آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟" زرقون ٹھہر گئی۔

"خوشی کی کچھ سمجھ نہیں آرہی اس لیے خوشی نہیں ہو رہی' خیر آپ کھانا لگایئے۔" وہ کہہ کے باہر نکل گیا تھوڑی دیر بعد عذیر' روحانہ بیگم' نوشابہ بھابھی اور زرقون ایک ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے ماریہ گاڑی لے کر نکل گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"آپ کی واپسی کب تک ہو گی؟" فیاض احمد دفتر کے کسی کام سے آج پھر ملتان جا رہے تھے اور شائلہ بھابھی ان کی واپسی کے [illegible] تھیں۔

"ہو سکتا ہے [illegible] جاؤں۔" وہ اپنی گھڑی اٹھا کے باہر نکلے۔

"جلدی [illegible] آپ کی ہمیں بڑی فکر رہتی ہے۔" شائلہ شوہر سے بڑا پیار جتا رہی تھیں۔

"فکر کیسی؟"

"بس ہر وقت آپ کی طرف دھیان لگا رہتا ہے۔" وہ لہجے کو اداس بناتے بولیں۔

"میرا دھیان بھی گھر کی طرف ہی لگا رہتا ہے' اور ہاں تم بتا رہی تھیں کہ تمہیں کمر کا درد ہے اگر زیادہ تکلیف ہو تو کسی کو ساتھ لے جا کر ڈاکٹر کو دکھا لینا۔" وہ جاتے جاتے تاکید کر رہے تھے۔

"دکھاؤں گی اگر زیادہ درد ہوا تو دکھاؤں گی ورنہ گھر بیٹھی رہوں گی۔"

"اچھا اللہ حافظ۔" وہ کہہ کے باہر نکل گئے اور اتنی توفیق نہ ہوئی کہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے لگی کھڑی بہن سے بھی مل لیتے۔

وہ چپ چاپ بھائی کی بے حسی پہ گہری سانس کھینچتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی تھی۔ شائلہ بھابھی دروازہ بند کر کے اپنے کمرے میں چلی گئیں ابھی وہ گھنٹے گزرے ہی تھے کہ بھابھی کے کمرے سے ان کے کراہنے کی آواز آنے لگی۔

"زرقون۔" انہوں نے آواز دی مجبوراً زرقون کو ان کے کمرے [illegible]

"[illegible] کمر کی سائیڈ میں بہت درد ہے' یہاں سے دبا دو۔" انہوں نے کراہتے ہوئے کہا زرقون کا دل چاہا ان کا گلا دبا دے لیکن ابھی اس کے ہاتھوں میں ان کا گلا دبانے کی ہمت نہیں تھی۔

"کیا کہہ رہی ہوں تم سے؟"

"جی دباتی ہوں۔" وہ ان کے قریب بیٹھ گئی اور آہستہ آہستہ ان کی کمر دبانے لگی۔ وہ درد سے دوہری ہو رہی تھیں۔

"آپ ڈاکٹر کے پاس چلی جائیں۔" زرقون نے دل پہ پتھر رکھتے ہوئے مشورہ دیا۔

"ڈاکٹر کے پاس اکیلی کیسے جاؤں؟" وہ کراہ کے بولیں۔

"تو اور کون جائے گا آپ کے ساتھ؟"

"ہاں یہ بھی ٹھیک کہہ رہی ہو میں خود ہی چلی جاتی ہوں فیاض بھی کہہ رہے تھے کہ چیک اپ کروا لینا۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھیں اور ہائے وائے کرتے ہوئے گھر سے نکل گئیں۔

"دروازہ بند کر لو' میں تھوڑی دیر تک آجاتی ہوں۔" وہ کہہ کے چلی گئیں اور زرقون دروازہ بند کر کے اندر آگئی گھر میں تنہائی پاتے ہی اسے سب سے پہلا خیال مہرین کا آیا تھا وہ دیوار کے ساتھ اسٹول رکھ کے دیوار سے [illegible] جھانکنے لگی۔

"مہرین [illegible] مہرین۔" اس کا دل مہرین کو آوازیں دیتے [illegible] کے اندر سے سہم رہا تھا کیونکہ فیاض بھائی اور شائلہ بھابھی نے مہرین سے ملنے ملانے پہ سختی سے پابندی لگائی تھی۔۔۔ اسی لیے وہ شائلہ بھابھی کے جانے کے بعد اسے بلا رہی تھی اتنے دنوں سے دونوں کی ملاقات بھی تو نہیں ہوئی تھی۔

"مہرین۔" اس نے خاصی بلند آواز سے پکارا تو مہرین کی امی سامنے آگئیں۔

"کیا بات ہے بیٹا؟"

"خالہ وہ مہرین کہاں ہے؟"

"بیٹا وہ تو ٹیوشن کے لیے گئی ہے۔"

"اوہ کب آئے گی؟"

"بیٹا دو گھنٹے تو لگ ہی جاتے ہیں۔"

"اوہ ہو اخیر وہ آئے تو اسے بتا دیجیے گا۔"

"ٹھیک ہے بیٹا۔"

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا اور زرقون اسٹول سے نیچے اتر آئی وہ بے چینی سے اپنے صحن میں ٹہلنے لگی بارہ بجے کے قریب بھائی گئے تھے اور دو بجے بھابھی ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں اور اب شام کے چھ بجے کا وقت ہو رہا تھا سائے ڈھل چکے تھے وہ بھابھی کا انتظار کرتے ہوئے اندر ہی اندر ہول رہی تھی کہ اتنے میں دروازے پہ دستک ہوئی۔

"بھابھی۔" وہ لپک کے دروازے کے قریب آئی اور دروازہ کھول دیا تھا۔ لیکن آنے والا اسے دھکیل کر اندر داخل ہوا اور فوراً دروازہ بند کر دیا۔

"تم ۔۔۔؟" وہ جبران کو دیکھ کر چکرا گئی تھی اس کے چہرے کی رنگت سفید لٹھے کی مانند ہو گئی تھی۔

"کیوں میں نہیں آسکتا؟" وہ خباثت زدہ مسکراہٹ سے بولا۔

"مگر گھر پہ کوئی بھی نہیں ہے۔ وہ۔۔۔ وہ بھابھی ڈاکٹر کے پاس۔"

"تمہاری بھابھی ڈاکٹر کے پاس اور تم میرے

پاس۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"یہ... یہ تم کیا کر رہے ہو تم۔ جاؤ یہاں سے۔" زرقون نے باہر دروازے کی سمت بڑھنا چاہا لیکن جبران نے اسے بازو سے کھینچ کے برآمدے کی سمت دھکیل دیا تھا۔ وہ کرسی سے ٹکرانے کی وجہ سے درد سے کراہی تھی۔

"خاموش ذرا سی بھی آواز نکالو گی تو پورے محلے میں بدنام ہو جاؤ گی' میں صاف صاف مکر جاؤں گا بلکہ سب کو یہی بتاؤں گا کہ تم نے مجھے خود بلایا تھا۔" جبران نے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے دھمکی دی تھی۔

"چھوڑو مجھے دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" وہ اپنی ساری ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے دھاڑی تھی۔

"بکواس بند کرو۔" جبران نے پوری قوت سے اس کے چہرے پہ تھپڑ دے مارا تھا۔

"میری سفید کبوتری 'بڑا تڑپایا ہے تم نے مجھے' کتنے مہینوں سے تمہارے در پہ کتوں کی بو سونگھتا پھر رہا ہوں' اپنی جیب خالی کر دیا ہے تمہاری خاطر اور آج تو تجھ سے سب کچھ وصول کر کے ہی جاؤں گا۔" جبران اسے کھینچتے ہوئے اندر لے آیا تھا زرقون کی زبان گنگ ہو گئی تھی۔

"تمہاری چند لمحوں کی قربت کے لیے میں نے لاکھوں لٹائے ہیں' تمہارا یہ چمکتا بدن میری حسرت تھا۔" وہ کمرے کا دروازہ بند کر رہا تھا زرقون ہوش میں آ گئی۔

"کتے چھوڑو مجھے... مجھے پتا تھا کہ تم... تم ذلیل اور گھٹیا انسان ہو تمہاری ہوس تمہارے چہرے سے جھلکتی تھی' مہرین سچ کہتی تھی۔" وہ جبران پہ جھپٹ پڑی تھی لیکن اس کا مقابلہ کہاں تک کر سکتی اس نے زرقون کو بری طرح دیوار کے ساتھ پٹخ دیا تھا زرقون دیوار کے ساتھ ٹکرائی تو اس کی چیخ نکل گئی تھی اور دماغ چکرا گیا تھا۔

"میں نے سوچا تھا تم اگر میرے ساتھ تھوڑا تعاون کرو گی تو میں بھی تمہیں زیادہ نقصان نہیں پہنچاؤں گا لیکن لگتا ہے کہ تم اپنا نقصان بھی کرو گی اور میرا بھی۔"

جبران دروازہ بند کر کے اس کی طرف پلٹا اور اپنی پیشانی سے نکلنے والے خون کو ہاتھ سے پونچھتی ہوئی زرقون بمشکل چکراتے دماغ کو سنبھالتے ہوئے اپنے قدموں پہ کھڑی ہوئی تھی۔

اسے اس وقت اپنے ہوش ٹھکانے پہ رکھنے تھے اور اس بھیڑیے کے شکنجے سے بچنے کے لیے جدوجہد بھی کرنا تھی۔ اس نے آگے پیچھے نظر دوڑاتے ہوئے کوئی ایسی چیز تلاش کرنا چاہی جس کو استعمال کر کے وہ اپنا بچاؤ کر سکتی لیکن اسے کوئی چیز تو نظر نہ آئی البتہ وہ قریب آ گیا تھا اس نے اپنا ہاتھ زرقون کے منہ پہ جما دیا تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کا دوپٹہ پرے پھینک دیا لیکن زرقون نے بڑی پھرتی سے اپنے ہاتھ کا پنجہ اس کے منہ پہ دے مارا زرقون کا ناخن اس کی آنکھ میں چبھا اور وہ تکلیف سے پیچھے ہٹ گیا زرقون نے اس ذرا سے موقع سے فائدہ اٹھایا اور ایک ہی جست میں دروازے تک پہنچ گئی اس نے لرزتے ہاتھوں کے ساتھ تیزی سے دروازے کا بولٹ گرا دیا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ باہر نکلتی جبران نے اسے دوبارہ واپس کھینچ لیا تھا۔

"مہرین۔" اس نے بلند آواز سے پکارا۔

"نہیں آئے گی تمہاری مہرین سارے انتظام کر کے آیا ہوں۔"

"بھابھی...!" وہ پھر چیخی۔

"ہونہہ! تمہیں پہلے [illegible] خود میرے سامنے پیش کرنے والی [illegible] کیوں آئے گی بھلا؟" وہ زرقون کو بالوں سے پکڑتے ہوئے بولا۔

"[illegible] کریں گے' فیاض بھائی تمہارا قتل کریں گے۔" وہ چلا کے بولی اور اپنے بال چھڑانے کی کوشش کی۔

"انہیں کوئی ثبوت دو گی تو وہ میرا قتل کریں گے نا؟" وہ کمینگی سے ہنسا اور اپنا دوسرا ہاتھ اس کے کندھے پہ رکھ دیا تھا۔

"تمہاری اس حالت کی ذمہ دار تمہاری یہ قیامت ڈھاتی جوانی ہے' اتنی خوبصورتی اور ایسی اٹھان' ہائے

میں مر ہی نہ جاؤں کہیں تم پہ؟" وہ اس کے کندھے اور بازو کو سہلاتے ہوئے بول رہا تھا اور زرقون کو لگا جیسے اس کے جسم پہ چھپکلی رینگ رہی ہو وہ ایک بار پھر اس کے منہ پہ جھپٹی تھی اور جبران کی گرفت ایک بار پھر ڈھیلی پڑ گئی اور اتنے میں زرقون گرتی پڑتی باہر نکل گئی تھی وہ بھی اس کے پیچھے بھاگا تھا زرقون کی دوڑ کچن تک گئی تھی جیسے ہی وہ بھی اس کے پیچھے اندر داخل ہوا اس نے اپنی پوری قوت سے موٹا سا ڈنڈا اٹھا کر اس کے سر میں دے مارا تھا اور اتنی قوت اور اتنے زور سے مارا تھا کہ جبران جیسے مرد کی بلند کراہ نکلی تھی اور وہ کھڑے قد سے زمین پہ گر کر لوٹ پوٹ ہو گیا تھا اس کے سر سے خون کا فوارہ سا نکلا تھا اور کچن کا فرش خون سے رنگین ہوتا چلا گیا بس... پھر جبران کا وجود بے حس و حرکت ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے زرقون کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں وہ بے جان پڑے جبران کو حق دق دیکھتی رہ گئی دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔

✿ ✿ ✿

"میرے ساتھ پارلر چلو گی؟" روحانہ بیگم اپنا فیشل وغیرہ کروانے کے لیے پارلر جا رہی تھیں کہ ڈرائنگ روم سے نکلتی زرقون کو دیکھ کر ٹھہر گئیں۔

"نہیں آنٹی میں کبھی بیوٹی پارلر نہیں گئی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے تم واقعی بہت خوبصورت ہو لیکن اگر تم پارلر جاؤ گی تو تمہاری خوبصورتی اور بھی نکھر جائے گی بس تمہیں تو ذرا سی توجہ کی ضرورت ہے۔" انہوں نے اس کا رخسار چھو کے کہا۔

"لیکن آنٹی مجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا میں کبھی پارلر گئی ہی نہیں۔"

"ارے تم ایک بار میرے ساتھ چلو تو سہی' تم آئندہ بھی جاؤ گی۔" انہوں نے اسے اصرار کیا۔

"ایم سوری آنٹی' پھر کبھی سہی' ابھی عذیر گھر آنے والے ہیں۔" اس نے شائستگی سے منع کر دیا۔

"اوکے بیٹا! ایز یو وش۔" وہ کہہ کے مسکراتے ہوئے راہداری کی سمت بڑھ گئیں۔ اور زرقون اوپر وضو کرنے کے لیے آ گئی۔

عشاء کی اذان ہونے والی تھی اور عذیر بھی جاب سے واپس آنے والا تھا۔ وہ وضو کر کے باہر نکلی تو اسے ملازمہ بلانے کے لیے آ گئی۔

"وہ نیچے بوبی صاحب آئے ہیں۔"

"بوبی صاحب کون؟" زرقون انجان تھی اسی لیے سیڑھیاں اترتے ہوئے رک گئی۔

"بوبی صاحب ماریہ بی بی کے بھائی ہیں' کبھی کبھار ہی آتے ہیں بڑے دنوں بعد آئے ہیں لیکن گھر پہ کوئی نہیں ہے۔"

"وہ اچھا تم بٹھاؤ ان کو میں آتی ہوں۔" اس نے اشارہ کیا وہ کچن سے سارا کھانا وغیرہ چیک کر کے نوراں کو چائے وغیرہ کا آرڈر دے کر ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

"السلام علیکم۔" اس نے آہستگی سے سلام کیا اور اپنے موبائل پہ کسی سے بات کرتا بوبی اس کی طرف پلٹا اور اپنی جگہ پہ جم سا گیا تھا اس کی نظریں مبہوت رہ گئی تھیں وہ موبائل پہ بات کرنا بھول گیا تھا۔

"السلام علیکم۔" زرقون نے دوبارہ اسے متوجہ کرنے کی غرض سے سلام کیا تھا اور وہ چونک کر متوجہ ہوا۔

"وعلیکم السلام۔" اس نے اس کے سلام کا جواب بمشکل دیا تھا۔

"بیٹھیے نا آپ ابھی تک کھڑے ہیں۔" زرقون کو اس اجنبی لڑکے کے ساتھ اکیلے ڈرائنگ روم میں بیٹھنا عجیب تو لگ رہا تھا لیکن وہ بد اخلاقی نہیں کر سکتی تھی کیونکہ وہ ماریہ کا بھائی اور روحانہ بیگم کا بھانجا تھا اگر وہ اسے اٹینڈ نہ کرتی تو یقیناً روحانہ بیگم کو برا لگتا اور وہ روحانہ بیگم کو ناراضی کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی ڈرائنگ روم میں آنا پڑا تھا۔

"آپ کون؟"

"جی میں مسز عذیر ہمدانی ہوں۔" زرقون اپنا تعارف بتاتے ہوئے بڑے مان سے بولی تھی۔

"اوہ! مسز عذیر ہمدانی۔" بوبی کا اشتیاق کم پڑ گیا تھا اور حیرت بڑھ گئی تھی۔

"عذیر کہاں ہے؟"
"وہ اس وقت جاب پہ ہیں۔"
"آپ کو چھوڑ کر وہ جاب پہ بھی جاتا ہے؟"
"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ ٹھٹک گئی۔
"کچھ نہیں۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔
"بوبی تم یہاں؟" عذیر نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔
"عذیر۔؟" زرقون اسے دیکھ کر کھل اٹھی اس کی جان میں جان آگئی۔
"کیسے ہو تم؟" عذیر قریب آگیا بوبی نے کھڑے ہو کر اس سے ہاتھ ملایا تھا۔
"میں ٹھیک ہوں تم سناؤ؟"
"اللہ کا شکر ہے میں بھی ٹھیک ہوں۔" عذیر نے شکر ادا کیا۔
"بڑے شکر گزار ہو گئے ہو؟" بوبی نے مذاق اڑایا۔
"اللہ کی نعمتوں اور رحمتوں کی پہچان ہو گئی ہے۔"
"حالانکہ اکثر انسانوں کو یہ پہچان بڑھاپے میں جا کر ہوتی ہے جب وہ ہر عیاشی کر چکا ہوتا ہے۔" بوبی نے لقمہ دیا۔
"اس کی پہچان کسی وقت بھی ہو جائے تو شکر ادا کرو۔"
"ماشاء اللہ تم تو مولانا لگتے ہو؟ خیر چھوڑو اس بحث کو یہ بتاؤ کچھ لیا؟" عذیر نے سر جھٹکا۔
عذیر اس سے باتیں کر رہا تھا اور زرقون وہاں سے نکل آئی تھی۔
"ابھی تک تو کچھ نہیں لیا ویسے مجھے بھوک بہت شدید لگ رہی ہے۔" بوبی نے اپنی بھوک بڑھا لی تھی۔
"ارے کیوں نہیں یار میں زرقون سے کہتا ہوں وہ کھانا لگوا دیتی ہے تب تک میں فریش ہو جاتا ہوں۔" عذیر اوپر آگیا زرقون کمرے میں ہی تھی۔
"آپ کھانا لگوا دیں بوبی ہمارے ساتھ ہی کھانا کھائے گا۔" عذیر واش روم کی سمت بڑھتے ہوئے بولا۔
"وہ صرف آپ کے ساتھ کھانا کھائے گا میں نیچے نہیں آؤں گی۔" اس نے انکار کر دیا۔
"کیوں خیریت؟" عذیر ٹھہر گیا تھا۔
"بس جب سے مرد کی نظروں کی پہچان ہوئی ہے تب سے کسی کا سرسری دیکھنا بھی برا لگنے لگا ہے۔"
"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟"
"جی ٹھیک کہہ رہی ہوں، بوبی آپ کا کزن ہے آپ کو برا تو لگے گا لیکن ایم سوری میں دوبارہ اس کے سامنے نہیں جا سکتی البتہ اس کے لیے اور آپ کے لیے کھانا ضرور لگوا دوں گی۔" زرقون کا لہجہ دوٹوک تھا عذیر کے ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے اس نے ساری بات میں بس یہی بات نوٹ کی تھی کہ بوبی نے اسے ایسی ویسی نظر سے دیکھا ہے اسی لیے وہ ایسا کہہ رہی ہے اس کے غصے اور ضبط سے لب بھینچ گئے تھے۔
"آپ کو اگر واقعی برا لگ رہا ہے تو میں اسے واپس بھیج دیتا ہوں۔"
"نن۔۔۔ نہیں اس طرح اچھا نہیں لگے گا خوامخواہ بات بڑھے گی۔" زرقون نے اسے روک دیا تھا۔
"لیکن زرقون آپ۔"
"پلیز عذیر جانے دیں میں کوئی نیا ایشو نہیں بنوانا چاہتی پلیز۔" زرقون اسے منع کر رہی تھی اور پھر عذیر کو چند لمحے کے برداشت کرنا پڑا تھا۔ بوبی نے کھانا کھایا اور چلا گیا وہ حیدر آباد کی بجائے زیادہ تر کراچی میں ہی پایا جاتا تھا اور کبھی کبھی [illegible] آجاتا تھا۔ اس کے جانے کے بعد عذیر کافی دیر خاموش رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"کیا ہوا کیا؟" زرقون کے حواس اڑ گئے تھے۔ جبران کا خون روانی سے بہتا جا رہا تھا اور وہ لرزنے لگی تھی۔ تھوڑی دیر بعد دروازے پہ دستک ہونے لگی زرقون کا دل اچھل کر حلق میں آگیا تھا رنگ فق ہو چکا تھا جسم ٹھنڈا پڑ گیا تھا اور دروازے پہ دستک بڑھ گئی تھی۔
"زرقون دروازہ کھولو۔" شمائلہ بھابھی کی آواز تھی۔

اور زرقون نے سہمے ہوئے انداز میں جا کر دروازہ کھول دیا۔
"تمہاری حالت کو کیا ہوا ہے؟" شمائلہ بھابھی نے پلاننگ کے مطابق اپنی ایکٹنگ کا اپنا ڈرامہ شروع کیا تھا ان کے خیال میں جبران اپنی حسرت پوری کر چکا ہوگا اس نے گھنٹے کا ٹائم مانگا تھا اور اب تو گھنٹے اوپر کا ٹائم ہو گیا تھا وہ تسلی کر کے گھر آئی تھیں۔
"زرقون میں تم سے پوچھ رہی ہوں کیا ہوا ہے، مجھے ڈر لگ گئی تھی اس لیے آنے میں دیر۔۔۔" وہ کہتے کہتے برآمدے میں آئیں اور جیسے ہی کچن کے دروازے کی سمت نظر گئی وہ چیخ اٹھیں۔
"جبران!" وہ اس کے اوپر ہی آ گریں۔
"ارے [illegible] قتل کر دیا اسے، ہائے میں مر گئی۔" شمائلہ بھابھی [illegible] پھٹ پڑی تھیں۔
"م۔۔۔ میں نے کوئی قتل نہیں کیا۔ یہ یہ میری عزت خراب کرنے کے لیے آیا تھا۔ اسے۔ اسے آپ نے بھیجا تھا۔ آپ نے سازش کی تھی، پیسے لیے تھے اس سے۔" زرقون زار و قطار رونا شروع ہو گئی تھی۔
"ذلیل، کمینی، الزام لگاتی ہے مجھ پہ؟" شمائلہ بھابھی نے اسے ایک ساتھ کئی تھپڑ دے مارے وہ خود پاگل ہو گئی تھیں کہ بازی کیسے الٹ گئی؟
"میری عزت کا سودا کر کے گئی تھیں آپ نے بھیجا تھا اس کو۔" وہ روتے روتے چیخی۔
"ابھی بتاتی ہوں تجھے پولیس ہی تجھے سیدھا کرے گی، تم قاتل ہو پھانسی دلاؤں گی تمہیں۔" شمائلہ اپنا موبائل ڈھونڈنے لگی اور پولیس کا نام سن کے اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے تھے اور شمائلہ بھابھی کے چنگل اور پولیس کی سزا سے بچنے کے لیے ایک ہی راستہ نظر آیا اور وہ بنا سوچے سمجھے اپنے ہی گھر سے بھاگ نکلی تھی اور شمائلہ بھابھی پلٹ کر اسے ڈھونڈتی رہ گئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

زرقون نے آج عذیر کی ساری وارڈ روب کھول کے صاف کی، پرانے کپڑے نکال کر ملازمہ کو دے دیے کہ کسی کو دے دے اور نئے سارے استری کر کے رکھ دیے تھے۔ عشاء کی نماز کے بعد فارغ ہوئی تو سارے کپڑے اٹھا کر ڈریسنگ روم چلی آئی استری اسٹینڈ وہاں تھا وہ اس کی شرٹس پریس کرنے لگی۔
"میرے ایگزامز کے بعد میرے ساتھ مری اور اسلام آباد چلو گی؟" عذیر کمپیوٹر پہ کچھ انفارمیشن سرچ کر رہا تھا جب اس نے زرقون کو مخاطب کیا۔
"آپ کیوں جائیں گے مری اور اسلام آباد؟" وہ ڈریسنگ روم سے نکلتے ہوئے بولی اور دو تین ہینگرز میں لگی شرٹس جا کر وارڈ روب میں لٹکا دیں۔
"ہنی مون کے لیے۔" عذیر نے چیئر اس کی طرف گھماتے ہوئے کہا اور زرقون جواباً کچھ کہہ ہی نہ سکی۔
"بتائیں نا؟ چلیں گی؟" عذیر اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا وہ دوبارہ ڈریسنگ روم میں آگئی کیونکہ استری کا سوئچ آن تھا۔
"اگر میں نہ جاؤں تو۔" اس نے شرارت سے کہا، لیکن چہرے سے اپنی شرارت ظاہر نہیں ہونے دی تھی۔
"تو؟" عذیر "تو" سے آگے سوچنے لگا پھر بے ساختہ مسکرا دیا۔
"تو میں کسی اور کو ساتھ لے جاؤں گا۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے چیئر دوبارہ گھما کر کمپیوٹر کے سامنے کر لی۔
"واقعی؟ آپ کسی اور کو ساتھ لے جائیں گے؟" زرقون نے یقین چاہا۔
"آف کورس، جب آپ نہیں جائیں گی تو مجھے تو کسی کو ساتھ لے کر جانا ہی ہوگا اتنے دن وہاں گھومنے پھرنے کے لیے وہاں رہنے کے لیے کسی کی کمپنی تو چاہیے نا؟" اس کی انگلیاں کی بورڈ پہ حرکت کر رہی تھیں لیکن باتیں زرقون کے ساتھ کر رہا تھا۔
"یعنی آپ کو بس کسی کی کمپنی سے مطلب ہے،"

"چاہے وہ میری ہو چاہے کسی اور کی؟" زرقون کی بات پہ عذیر کی انگلیوں کی حرکت تھم گئی تھی اس نے ٹھٹک کر زرقون کو دیکھا وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی بات کا رخ بدل چکا تھا عذیر کو اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھنا پڑا وہ مضبوط قدم اٹھاتا اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"کیا آپ کو لگتا ہے کہ مجھے کسی کی کمپنی کی ضرورت ہو سکتی ہے؟"

"آپ نے خود ہی تو کہا ہے؟" زرقون نے چہرہ جھکا لیا۔

"میرے کہنے میں اور آپ کے محسوس کرنے میں بڑا فرق ہے یار۔ میں نے بات کسی اور رنگ میں کی تھی لیکن آپ نے بات کسی اور رنگ میں محسوس کی ہے' اسی لیے پوچھ رہا ہوں کیا آپ کو محسوس ہوتا ہے کہ میں کسی اور کے ساتھ....؟" اس نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

"آئیم سوری..." وہ آہستگی سے بولی۔

"دیکھیے میں آپ کو سوری کرنے کے لیے تو نہیں کہہ رہا اپنی ذات کے بارے میں آپ کی رائے پوچھ رہا ہوں آپ کیا سوچتی ہیں میرے بارے میں؟ اچھا یا برا...؟" وہ اس کے خیالات جاننا چاہتا تھا اسی لیے اصرار کر رہا تھا۔

"آپ اگر واقعی مجھ سے سچ سننا چاہتے ہیں تو میں صرف اتنا ہی کہوں گی کہ میری زندگی کی کسی نیکی کا صلہ ہیں آپ۔ آپ اگر میرا نصیب ہیں تو مجھے اپنے نصیب اپنے مقدر پہ ناز ہے۔" اس نے فخر سے سر بلند کرتے ہوئے کہا تھا لیکن سوچ کی پرواز اچانک ہی نجانے کہاں چلی گئی کہ وہ بے ساختہ رخ موڑ گئی تھی۔

"زرقون...؟" عذیر نے اسے کندھوں سے تھام کے اس کا رخ اپنی سمت موڑا۔ زرقون کے آنسو اس کے رخساروں پہ بہہ رہے تھے۔

"اب یہ آنسو کس لیے؟" اس نے زرقون کا چہرا اونچا کیا۔

"عذیر! میں اتنی محبت' اتنی چاہت [illegible] کے قابل نہیں تھی میری اتنی اوقات [illegible] کہ میں آپ جیسے پڑھے لکھے' سمجھ دار اور اچھے انسان کی ہمسفر بنتی تمیں اپنوں کی ستائی ہوئی' رسوا بدنام آپ کے قابل نہیں تھی یہ" وہ مسلسل رو رہی تھی اور آواز حلق میں اٹک رہی تھی۔

"کون کس چیز کے قابل ہے اور کس چیز کے نہیں ہے یہ تو اللہ بہتر جانتا ہے بالکل آپ کی طرح اپنے مقام پہ اگر میں اپنی ذات کو سوچتا ہوں تو میں بھی یہی کہتا ہوں کہ میں آپ جیسی بیوی کے قابل نہیں تھا سمجھ دار' خوبصورت پاکیزہ اور دنیا کی مکرو فریب سے عاری شاید یہ آپ کے کردار کی مضبوطی' آپ کی پاکیزگی ہی ہے جو مجھے بہت سی چیزوں سے دور کر چکی ہے میں شراب پیتا تھا میں نے وہ چھوڑ دی ہے۔ میری لڑکیوں کے ساتھ فرینڈ شپ تھی۔ وہ چھوڑ دی ہے' میں رات گئے تک گھر سے باہر رہتا تھا میں نے وہ بھی چھوڑ دیا ہے بلکہ اور بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کو میں نے ترک کر دیا ہے صرف اس کوشش میں کہ آپ اچھی ہیں تو میں بھی اچھا بننے کی کوشش کر کے دیکھتا ہوں' کیا لذت ہے اچھائی میں؟ اور میں نے اس کوشش کے بعد ہی دیکھا ہے کہ انسان کا ضمیر مطمئن رہتا ہے اور ضمیر کا اطمینان انسان کو بھی پرسکون رکھتا ہے میں اب بہت ریلیکس رہتا ہوں اور مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے مجھ میں اتنا چینج کیسے آگیا؟ حالانکہ حقیقت میں دیکھا جائے تو ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی انسان خود بخود سدھر جائے اور میرا اپنے آپ سدھر جانا میرے لیے بھی حیرانی کا باعث ہے ورنہ اتنا اچھا تو میں کبھی نہیں تھا۔" اس نے اعتراف کیا۔

"آپ بہت اچھے ہیں عذیر آپ بہت اچھے ہیں۔" زرقون بے اختیار روتے ہوئے اس سے لپٹ گئی تھی اور عذیر اپنے سینے سے لگ کے روتی زرقون کو دیکھ کر اطمینان سے مسکرا دیا تھا اس کی ہچکیاں عذیر کو اپنے سینے میں محسوس ہو رہی تھیں۔

"اب بس کیجیے کیا اس اچھے کی جان نکالنی ہے؟" عذیر نے اس کی کمر کو سہلاتے ہوئے کہا اور زرقون ٹھٹک کر پیچھے ہٹی تھی۔ چہرے پہ شرم کی لالی تھی۔

"ایک بات تو بتایئے؟" عذیر نے اسے متوجہ کیا زرقون نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"کیا کھاتی ہیں آپ؟"

"کیا مطلب؟" زرقون کو اس کے عجیب سے سوال پہ حیرت ہوئی تھی۔

"مطلب کہ بہت صحت مند ہیں آپ' ماشاءاللہ بہت نرم' بہت گداز' اتنی کہ خود بخود محسوس ہو جاتا ہے کہ..." عذیر نے کہتے کہتے سستی تیزی سے بات ادھوری چھوڑ دی اور زرقون کا دل چاہا شرم سے ڈوب مرے۔

"ہاہاہا۔ میں نے آپ کی صحت کی تعریف کی ہے اور تو کچھ نہیں کہا" وہ شرارت سے پوچھ رہا تھا لیکن زرقون اٹھ کر باتھ روم میں گھس گئی لیکن عذیر کے قہقہے کی آواز اسے دیر تک سنائی دی تھی۔

☼ ☼ ☼

اسے خود پتا نہیں تھا کہ وہ کہاں اور کس سمت بھاگ رہی ہے شام گہری ہو چکی تھی اور شام کی سیاہی رات کی سیاہی میں بدلنے لگی تھی وہ بھاگتے بھاگتے ہانپ گئی تو پانی کی شدید طلب ہوئی تھی اس نے نڈھال ہوتے ہوئے سڑک کے دائیں بائیں دیکھا آس پاس کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں سے وہ پانی پی سکتی اور اب پانی کے بغیر مزید چلنا بھی دشوار ہو گیا تھا اس کی ٹانگوں سے جیسے جان نکل رہی تھی۔ ایک دو بار پاس آس پاس سے گزرنے والے منچلوں نے اسے دیکھ کر سیٹیاں بھی بجائی تھیں کسی نے فقرے بھی کسے لیکن وہ کچھ بھی دیکھے اور سنے بغیر اندھا دھند بھاگتی رہی تھی وہ اتنا دور نکل آئی تھی بس اسے یہی خدشہ تھا کہ پولیس اس کا پیچھا کر رہی ہوگی اسے ڈھونڈ رہی ہوگی۔ اور پولیس سے بچنے کے لیے وہ کہاں سے کہاں آگئی تھی وہ اندھیرے میں ایسی ویران اور سنسان جگہ دیکھ کر خوف زدہ ہو گئی تھی کہیں جائے پناہ نہیں مل رہی تھی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا چلتے چلتے وہ پھر آبادی کی طرف مڑی لیکن تب تک حواس ڈوب چکے تھے اسے دور سے آتی گاڑی کی ہیڈ لائٹس تو نظر آ رہی تھیں لیکن یہ دکھائی نہیں دے رہا تھا کہ وہ خود کس سمت میں جا رہی ہے۔ گاڑی بہت تیز رفتار میں آ رہی تھی اچانک سامنے آجانے والی لڑکی کو دیکھ کر ماریہ نے بمشکل بریک لگائے تھے لیکن اتنے میں وہ گاڑی سے ٹکرا کر زمین پہ گر چکی تھی۔ گاڑی کے ٹائر بہت زور سے چرچرائے تھے۔

"اف یہ کون سامنے آ گئی...؟" ماریہ کو کوفت ہوئی تھی لیکن عذیر فوراً ڈور کھول کے نیچے اتر آیا تھا گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں دیکھا وہ لڑکی اوندھے منہ گری تھی اور اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا عذیر نے ایک گھٹنہ زمین پہ ٹکاتے ہوئے لڑکی کو سیدھا کیا اس کی نبض چیک کی اور پھر ماریہ کی سمت دیکھا۔

"گاڑی کا بیک ڈور کھولو۔" اس نے ماریہ کو اشارہ کیا وہ یکلخت بدک گئی تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا...؟"

"یہ زندہ ہے اسے ہاسپٹل لے کر جانا ہوگا معمولی چوٹ ہے زیادہ پریشانی کی بات نہیں ہے۔" عذیر اس کی سانسیں وغیرہ اچھی طرح چیک کر چکا تھا اسی لیے تھوڑا اطمینان ہو گیا۔

"عذیر تم جانتے ہو تم کیا کر رہے ہو؟ یہ لڑکی کون ہے؟ اس حالت میں کیوں ہے سارا الزام ہمارے سر آجائے گا کوئی بھی ڈاکٹر پوچھ گچھ کے بغیر اسے ٹریٹ منٹ نہیں دے گا۔" ماریہ نے اسے باز رکھنا چاہا لیکن عذیر بھی عجیب مزاج کا آدمی تھا جو بات ٹھان لیتا اس سے پیچھے نہیں ہٹتا تھا اور اگر کسی بات پہ دھیان نہ دیتا تو یونہی اگنور کیے رکھتا تھا۔

"ایک ڈاکٹر سے واقفیت ہے ہم دوستوں کی' اس کے پاس لے جاتے ہیں۔" عذیر جو ٹھان چکا تھا وہ اس نے کرنا ہی تھا اس نے خود ہی اٹھ کے ڈور کھولا اور اس لڑکی کو اٹھا کر گاڑی میں ڈال دیا پہلے ماریہ ڈرائیو کر رہی تھی لیکن اب وہ خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا وہ دونوں حیدر آباد کنسرٹ دیکھنے گئے ہوئے تھے۔ صبح انھوں نے یونیورسٹی جانا تھا اسی لیے جلدی واپس آگئے

لیکن اب راستے میں یہ حادثہ ہو گیا تھا۔ عذیر کافی رش ڈرائیونگ کر کے ڈاکٹر اسفر کے کلینک پہ پہنچا تھا۔

عذیر اسے گاڑی سے نکال کے اندر لے آیا تھا۔ کلینک کافی چھوٹا اور مختصر سا تھا ایک روم ڈاکٹر کے لیے اور دو مریضوں کے لیے مخصوص تھے ان کا یہ کلینک چوبیس گھنٹے کھلا رہتا تھا کیونکہ کلینک کے اوپر والے پورشن میں ہی ان کی رہائش تھی۔ عذیر جیسے ہی اس لڑکی کو اٹھا کے اندر کمرے میں لایا اس کی نظریں نہ چاہتے ہوئے بھی مبہوت رہ گئی تھیں وہ لڑکی بلا کی خوبصورت تھی لیکن اس کی حالت انتہائی ابتر ہو رہی تھی نہ پاؤں میں جوتے تھے اور نہ سر پہ چادر۔ عذیر نے سب سے پہلے ماریہ کا پچھلی سیٹ پہ پڑا اسکارف اٹھا کر اس کے گرد لپیٹا تھا بے شک وہ اسے جانتا نہیں تھا لیکن پھر بھی اس نے کسی کی عزت کو ڈھانپنے کی کوشش کی تھی ڈاکٹر اسفر نے اس کا تسلی سے چیک اپ کیا اور اس کے ڈرپ اور چند انجکشن تجویز کیے تھے خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے اسے اتنی کمزوری ہو چکی تھی کہ ڈرپ کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔

"کتنی دیر لگے گی سر؟" عذیر نے ڈرپ ختم ہونے کا ٹائم پوچھا۔

"کم از کم دو یا اڑھائی گھنٹے لگ ہی جائیں گے۔" ڈاکٹر اسفر نے ٹائم دیکھ کر بتایا ماریہ پہلو بدل کر رہ گئی رات کے ساڑھے بارہ بجے کا ٹائم ہو رہا تھا اگر اور انتظار کرتے تو یقیناً "رات کے تین چار بج جاتے۔

"چلو میں تمہیں گھر ڈراپ کر آؤں۔"

"ڈراپ؟" ماریہ کو حیرت ہوئی۔

"یعنی تم پھر یہاں آؤ گے؟"

"ظاہر ہے میں اسے اپنی ذمہ داری پہ یہاں لے کر آیا ہوں اب اسے یہاں چھوڑ کر بھاگ تو نہیں سکتا نا۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"تو پھر میں بھی یہیں رہتی ہوں۔"

"دیکھو ماریہ اتنی رات ہو رہی ہے اور رات گئے تک میرا اور تمہارا گھر سے باہر رہنا ٹھیک نہیں ہے گھر میں سب کیا سوچیں گے؟" عذیر نے اسے سمجھایا اور ماریہ سمجھ بھی گئی تھی۔

"اور اپنے بارے میں کیا بتاؤ گے؟"

"بس کوئی بہانا کروں گا تم بھی کسی کو کچھ مت بتانا مام ڈیڈ خواہ مخواہ پریشان اور خفا ہوں گے۔" وہ اسے ساتھ لیے باہر آ گیا اور عذیر کی ریکوئسٹ پہ ماریہ نے اس راز کو راز ہی رکھا تھا وہ اسے ڈراپ کر کے واپس کلینک پہ چلا آیا جہاں وہ بے ہوش پڑی تھی۔

✡ ✡ ✡

"واک پہ چلیں گی؟" وہ سب ڈنر سے فارغ ہوئے تو اپنے اپنے بیڈ رومز میں چلے گئے تھے لیکن زرقون باہر لان میں آ گئی تھی اور اس کے پیچھے ہی عذیر بھی باہر نکل آیا۔

"لیکن ٹائم تو..."

"ارے یار یہی تو ٹائم ہوتا ہے اندھیرے میں واک کرنے کا۔"

"بہت تجربہ ہے آپ کو؟" زرقون کے سوال میں طنز تھا اور اس کے طنز کو محسوس کر کے عذیر نے فلک شگاف قہقہہ لگایا تھا۔

"بہت جلن ہوئی ہے آپ کو؟" عذیر بھی … سے طنزیہ انداز میں بولا تھا۔

"مجھے کیوں جلن ہوگی؟"

"یہ تو آپ سراسر … رہی ہیں نا بیوی بھی ہو اور وہ اپنا رنگ … نہ ہو یہ ہو ہی نہیں سکتا جیلسی تو بیویوں کی … میں شامل ہوتی ہے۔" عذیر لطف … زرقون کی بے ساختگی پہ۔

"… سے پہلے ہی جھگڑا میرا خیال ہے ہم … جاتا ہے اندر بیڈ روم میں ہی چلتے ہیں۔"

"عذیر۔" زرقون نے خفگی سے پکارا۔

"توبہ اب نہیں جاتا" آپ اور زیادہ شک کریں گی۔" وہ کانوں کو ہاتھ لگاتا ہوا اندر کی طرف بڑھ گیا زرقون کو بہت غصہ آیا تھا پہلی بار اس کا حقیقتاً تھوڑی دیر کے لیے باہر نکلنے کو دل چاہا تھا اور وہ خود ہی

آفر کر کے خود ہی چلا گیا۔ وہ تلملاتی ہوئی کچھ دیر بعد اس کے پیچھے آ گئی عذیر دونوں تکیے ایک ساتھ رکھے آرام دہ انداز میں بیڈ پہ نیم دراز تھا۔

"آپ بیڈ پہ کیوں؟" اس نے پہلا سوال ہی بے مروتی اور غصے سے کیا تھا۔

"کیوں میں اپنے بیڈ پہ سو بھی نہیں سکتا؟" وہ لاپروائی اور حیرت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

"آج آپ کی باری نہیں ہے آپ رات کو بھی بیڈ پہ سوئے اس لیے آپ نے آج صوفے پہ سونا ہے۔"

وہ دونوں باری باری سے بیڈ پہ سوتے تھے۔

"میں صوفے پہ نہیں سوؤں گا۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ آپ … بہت پیاری لگ رہی ہیں۔"

"ہاں؟" زرقون اس کی تعریف پہ ٹھٹک گئی۔

"ہاں اسی لیے تو آپ کو واک پہ آفر نہیں کیا کہ آتے جاتے لوگ آپ کو دیکھیں گے جو مجھے گوارا نہیں ہے۔" اس نے توجیہہ پیش کی۔

"بہانا مت کریں۔"

"میں سچ بولوں یا جھوٹ" شک تو آپ کو پھر بھی رہے گا کیونکہ یہ تو بیویوں کی فطرت میں شامل ہے۔"

"آپ مجھے بہلائیں مت اور صوفے پہ جائیں بیڈ خالی کریں۔" زرقون استحقاق سے کہہ رہی تھی۔

"آج تو میں بھی نہیں جانے والا۔" وہ مزید دراز ہو گیا تھا اور زرقون کو اس کے انداز پہ ہنسی آ گئی تھی۔ اس لیے اس نے رخ موڑ لیا تھا۔

"ٹھیک ہے میں ہی صوفے پہ سو جاتی ہوں۔" وہ صوفے کی طرف بڑھی۔

"ارے نہیں نہیں آپ صوفے پہ کیوں سوئیں گی بھلا؟ آپ بھی بیڈ پہ ہی سوئیں گی آج آپ کی باری ہے۔" عذیر ایک ہی جست میں اس کے سامنے آ گیا تھا۔

"میری باری آپ چھین چکے۔" اس نے مصنوعی خفگی سے کہا تھا۔

"میں آپ کی باری کیوں چھیننے لگا بھلا؟ آپ بیڈ پہ سوئیے شوق سے سوئیے لیکن بس اپنے پہلو میں مجھے بھی … لیے تھوڑی سی جگہ دے دیجیے میں … سو کر تھک گیا ہوں چار ماہ ہو چکے ہیں مجھے … پہ سوتے ہوئے۔" وہ مظلوم سی شکل بنا کر بولا۔

"مجھے بھی چار ماہ ہو چکے ہیں صوفے پہ سوتے ہوئے۔" دونوں کا حساب برابری تھا۔

"آپ صوفے پہ فٹ آ جاتی ہیں میں تو آدھا اوپر ہوتا ہوں اور آدھا نیچے اسی لیے زیادہ ڈسٹرب ہوتا ہوں۔"

"لیکن الگ الگ سونے کا آئیڈیا بھی تو آپ کا ہی تھا۔"

"تو یار اب اکٹھے سونے کا آئیڈیا بھی تو میرا ہے۔" عذیر نے لجاجت اختیار کی۔

"آپ اپنے کہے سے پیچھے ہٹ رہے ہیں۔" زرقون نے اسے جتایا۔

"کب پیچھے ہٹ رہا ہوں۔ بلکہ اپنا کہا پورا کر رہا ہوں۔"

"وہ کیسے؟" وہ خفگی سے بولی۔

"وہ ایسے کہ آج میرا لاسٹ پیپر تھا۔"

"کیا؟" عذیر نے اس کے قریب پٹاخہ چھوڑ دیا تھا وہ یکدم اچھل پڑی تھی۔

"جی!" وہ مسکرا کے بولا آج تو اس کا "جی" بھی ذومعنی سا تھا۔

"آپ... آپ نے بتایا تو نہیں تھا کہ آج آپ کا لاسٹ پیپر ہے؟"

"بس میں نے سوچا کہ رات کو آپ کو سرپرائز دوں گا۔" اس نے بازو پھیلا کر سر جھٹکا۔

"لیکن عذیر..."

"اب لیکن ویکن چھوڑیے اب یہ دیکھیے کہ آپ کا پہلا ایگزام شروع ہو چکا ہے آپ کا ایڈمیشن تو پچھلے چار ماہ سے ہو چکا ہے بس اب کلاسز اٹینڈ کرنا باقی ہے۔" اس نے زرقون کو کلائی سے پکڑ کر اپنے قریب کر لیا تھا۔ زرقون کی نظریں جھک گئی تھیں۔

"میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ جس روز میرا آخری پیپر ہو گا اس روز آپ کا پہلا پیپر ہو گا؟" وہ اس سے پوچھ رہا تھا لیکن زرقون شرم سے چپ تھی۔

"بتائیے نا اب کیا ارادہ ہے؟" عذیر نے اس کے دونوں ہاتھ دباتے ہوئے نرمی سے پوچھا تھا۔ زرقون چہرہ اونچا کر کے اسے دیکھنے لگی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی وہ شخص اسے اپنی محبت اور اعتماد کی وجہ سے فرش سے اٹھا کر عرش پہ بٹھا چکا تھا اتنا بلند کہ وہ خود پہ ناز کرتی تھی۔

پچھلے چار ماہ سے وہ اس کے نکاح میں اور اس کی دسترس میں تھی کسی وقت بھی چاہتا تو اپنا حق وصول کر لیتا لیکن وہ بہکتے بہکتے بھی اپنے آپ کو سنبھال جاتا تھا اور آج اپنا حق بھی اس کی مرضی اور اس کی رضا سے مانگ رہا تھا زرقون دیکھتے ہی دیکھتے معتبر ہو گئی تھی۔

"آپ کے سامنے تو زرقون کا تن بھی حاضر ہے اور من بھی' ان دونوں چیزوں پہ صرف آپ کا حق ہے' آپ مالک' مختار ہیں جو جی چاہے کریں' میں سارے اختیار پہلے ہی آپ کو سونپ چکی ہوں آپ کو اجازت کیوں درکار ہے؟ اپنی چیز ہے آپ کو شرم کیسی؟ آپ کے چھونے سے تو میں پارس بن جاؤں' سہاگن ہو جاؤں گی۔"

وہ کہتے کہتے عذیر کے قریب آگئی تھی اور اس کے سینے پہ سر ٹکاتے ہوئے اپنی تمام رضامندیوں سمیت اپنا آپ اسے سونپ دیا' عذیر یقیناً جواباً اسے کچھ کہتا لیکن اس کی فسوں خیز قربت اور انوکھے اظہار نے مسحور کر دیا تھا سرشاری اور خمار اس کی رگ رگ میں بہنے لگا تھا اس نے زرقون کے وجود کو مضبوط اور استحقاق آمیز انداز میں بانہوں میں سمیٹ لیا تھا اس نے اتنے مہینے صبر کیا تھا اب اس صبر کا اجر تو اس کا حق تھا اور اپنا حق وصول کرنے کے لیے یہ مہکتی رات بھی اس کے لیے کم تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ لڑکی فجر کی وقت ہوش میں آئی تھی اور اپنے قریب کرسی پہ بیٹھے عذیر کو دیکھ کر وحشی سی ہو گئی۔

"ریلیکس۔ ریلیکس۔ آپ کو گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ بالکل محفوظ ہیں کوئی آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔" عذیر نے اپنے تئیں اسے مطمئن کیا تھا۔

"آپ کون ہیں؟" وہ مشکوک اور سہمی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"میں وہی ہوں' جس کی گاڑی سے آپ ٹکرائی تھیں۔" عذیر نے اسے یاد دلایا۔

"گاڑی سے؟" اس نے حیرت سے سوچا اور ذہن پہ زیادہ زور نہیں ڈالنا پڑا تھا کل کا پورا دن اور پورا واقعہ ذہن میں ایک دم روشن ہو گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس کا رنگ فق ہو گیا تھا عذیر اس لڑکی کے چہرے کے تاثرات اور اتار چڑھاؤ نوٹ کر رہا تھا۔ وہ عجیب خوف اور وحشت کا شکار تھی گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ اس کے ہر انداز سے عیاں تھی عذیر سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ معاملہ کیا ہے۔

"رات بھی گزر گئی؟" وہ آہستگی سے بولی۔

"جی رات گزر گئی اور رات یہاں کلینک میں گزری ہے آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" عذیر اسے تسلی دے رہا تھا اتنے میں ڈاکٹر اصغر بھی اندر آگئے وہ فجر کی نماز پڑھ کے آرہے تھے۔ انہوں نے آتے ہی اس لڑکی کا چیک اپ کیا تھا اور اسے ڈسچارج کر دیا۔

"آپ انہیں لے جا سکتے ہیں۔" ڈاکٹر کی اجازت پہ عذیر چونک گیا۔

"لے جاؤں مگر کہاں؟" وہ سوچ کے رہ گیا صبح پانچ بجے کا وقت تھا اور اس نازک وقت میں وہ اسے کہاں لے کر جاتا۔؟ ڈاکٹر اصغر کہہ کے چلے گئے تھے اور عذیر وہیں کھڑا ہیں بیٹھا تھا۔

"یہ دوائیاں ہیں دو دن تک استعمال کرنی ہیں۔" نرس آکر دوائیاں بھی تھما گئی تھی۔

اب تو وہاں اور ٹھہرنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا عذیر خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔

"آئیے میرے ساتھ۔" اس نے اسے اشارہ کیا۔

"لیکن کہاں؟" وہ اب کسی پہ اعتبار کرنا چاہتی بھی تو نہیں کر سکتی تھی۔

"یہ تو مجھے بھی نہیں پتا کہ کہاں؟" وہ کندھے اچکا کے بولا۔

"میں نہیں جاؤں گی۔"

"نہیں جائیں گی تو لوگ شک کریں گے ڈاکٹر اور نرسیں بھی مشکوک ہو جائیں گے۔" عذیر نے اسے حقیقت سے آگاہ کیا۔

اس نے چونک کر عذیر کو دیکھا وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا وہ تو پہلے ہی گھر سے بھاگی ہوئی تھی پھر مشکوک ہوتی تو سیدھی جیل ہی جاتی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے ساتھ باہر آگئی تھی اس نے اپنی گاڑی کا فرنٹ ڈور کھولا تھا وہ نقاہت سے لڑکھڑاتی ہوئی بمشکل چلی اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔ عذیر نے ڈور بند کیا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پہ آگیا تھا۔

"آپ کا نام؟" اس نے گاڑی روڈ پہ ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"زرقون احمد۔"

"تو مس زرقون احمد کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ اس وقت آپ کہاں جانا پسند کریں گی؟ آپ کا گھر' آپ کا اتا پتا؟" وہ گاڑی کی اسپیڈ سلو رکھے ہوئے تھا۔ اس کے سوال پہ زرقون یکدم دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر تڑپ تڑپ کے رو پڑی تھی۔

"میں نے آپ سے آپ کے گھر کا پتا پوچھا ہے آنسوؤں کا پتا نہیں پوچھا۔" عذیر کو اب کوفت ہونے لگی تھی۔

"میرا کوئی گھر نہیں ہے' میرے ماں باپ مر چکے ہیں میں لاوارث ہوں۔" اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں اور عذیر کی پیشانی پہ سلوٹیں پڑ گئیں۔

"پھر آپ کہاں جائیں گی؟"

"کہیں بھی چلی جاؤں آپ مجھے یہیں اتار دیں' کم از کم قبرستان جانے سے تو کوئی نہیں روک سکتا نا؟" وہ اپنے آنسو ہاتھوں سے رگڑ کر پونچھتے ہوئے بولی۔

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کا کوئی گھر نہ ہو؟ ابھی تک آپ کہاں رہ رہی تھیں؟" وہ تعجب سے پوچھ رہا تھا۔

"ابھی تک جس گھر میں رہ رہی تھی وہاں میری جان اور میری عزت محفوظ نہیں تھی اسی لیے اس گھر کو چھوڑ دیا۔" اس نے ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کی بات کی۔ کچھ سمجھ نہیں آرہی کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ جس حالت میں رات آپ میری گاڑی سے ٹکرائی تھیں اس سے یہ تو نہیں لگ رہا تھا کہ آپ نے گھر چھوڑا ہے بلکہ یہ محسوس ہو رہا تھا کہ آپ ایمرجنسی میں گھر سے بھاگی ہیں نہ تو آپ کے سر پہ چادر تھی نہ ہی جوتے۔" اس نے زرقون کے پیروں کی سمت دیکھا جو ابھی بھی جوتوں سے عاری تھے زرقون نے فوراً" پاؤں پیچھے کھینچ لیے تھے۔ لیکن اس طرح کرنے سے وہ حقیقت تو نہیں چھپا سکتی تھی نا؟

"ہاں میں واقعی گھر سے بھاگی ہوں لیکن اس طرح نہیں بھاگی جس طرح آپ سمجھ رہے ہیں' میں اپنی عزت اور اپنی جان بچانے کے لیے بھاگی ہوں اگر گھر سے نہ بھاگتی تو میری بھابھی اپنا پلان ناکام ہونے کے غصے میں مجھے پولیس کے حوالے کر دیتیں۔"

اس نے کہہ ہی دیا وہ آخر کب تک جھوٹ بول سکتی تھی وہ بھی اس شخص کے ساتھ جو اس کی مدد کر رہا تھا۔

"پولیس کے حوالے مگر کیوں؟"

"کیونکہ میں نے ان کے کزن کو قتل کر دیا ہے۔" وہ اتنی بڑی بات اتنی آسانی سے کہہ گئی تھی کہ اسے خود بھی حیرت ہوئی تھی کہ وہ اچانک کیسے بول گئی تھی۔؟

"قتل؟" عذیر کا پاؤں یکدم بریک پہ جا پڑا تھا وہ حیرت زدہ سا اس کی شکل دیکھ رہا تھا اور پھر رفتہ رفتہ زرقون نے سب بتانا شروع کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

آج کی صبح ان کے لیے بہت نئی بہت انوکھی بہت چمکیلی سی تھی زرقون شاور لینے کے بعد روٹین کے

سلام نماز اور قرآن پاک پڑھنے کے بعد بیڈروم سے نکل آئی تھی صبح سب کے لیے ناشتا وہی تیار کرتی تھی بس نوراں ساتھ ساتھ اس کی ہیلپ کروادیتی تھی۔ لیکن آج نوراں اپنے کوارٹر سے کچن میں آئی تو اس کے قدم ٹھٹک گئے زرقون کا نکھرا ستھرا روپ' نم آلود بال' نئے کپڑے اور خوش باش چہرہ بہت کچھ کہہ رہے تھے۔ آج اسے دیکھ کر لگ رہا تھا کہ وہ واقعی شادی شدہ لڑکی ہے اور ابھی ابھی اپنے شوہر کے پاس سے اٹھ کر آئی ہے۔

"ارے ماسی آپ کھڑی کیا دیکھ رہی ہیں یہ ذرا مجھے پیاز کاٹ دیجیے' عمیر بھائی کل آملیٹ کا کہہ رہے تھے۔" زرقون نے فریج سے انڈے نکالتے ہوئے کہا اور پیاز اور چھری ان کے سامنے رکھ دیے۔

"آج تو بولی صاحب کے لیے بھی ناشتا بنانا ہوگا۔"

"کیوں بولی صاحب کے لیے کیوں؟" زرقون کے ہاتھ تھم گئے تھے۔

"وہ رات سے آئے ہوئے ہیں گیسٹ روم میں سو رہے ہیں' سب کے ساتھ اٹھیں گے تو ناشتا تو کریں گے نا؟" نوراں نے انفارم کیا تھا۔

"لیکن رات کو کب آئے تھے؟ ہمیں تو پتا نہیں چلا؟"

"آپ رات کو جلدی سو گئے تھے کمرے کی لائیٹ بند تھی اسی لیے نہیں بتایا آپ کو۔" نوراں نے وجہ بتائی۔

"ہوں! ٹھیک ہے آپ اپنا کام کریں۔" وہ آہستگی سے کہہ کر کام میں لگ گئی اور نوراں پیاز کاٹنے لگی تھوڑی دیر بعد نوراں کو روحانہ بیگم نے بلایا اور وہ چلی گئی' اس لیے زرقون کو اکیلے ہی سب کرنا پڑ رہا تھا۔

"گڈ مارننگ۔"

زرقون' عذیر کے لیے جوس بنا رہی تھی جب دروازے پہ آہٹ ہوئی اور پھر بولی کی آواز سنائی دی۔

"السلام علیکم۔" زرقون نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے گڈ مارننگ کا جواب سلام سے دیا تھا۔

"آپ اتنی جلدی اٹھ جاتی ہیں؟" وہ دونوں ہاتھ جیبوں میں ہاتھ ڈالے بڑی سہولت سے چلتا ہوا اندر آگیا تھا۔

"جی! نماز پڑھنا ہوتی ہے اس لیے جلدی اٹھ جاتی ہوں۔" اس نے اپنے ناگواری دباتے ہوئے تمیز سے جواب دیا تھا۔

"اوہ گریٹ! آپ نماز بھی پڑھتی ہیں۔" وہ ستائش سے دیکھتا کرسی کھینچ کے بیٹھ گیا تھا۔

"میں اتنے دنوں سے یہی سوچ رہا تھا کہ عذیر اتنی آسانی سے اتنا کیوں بدل گیا ہے؟ لیکن آپ کو دیکھ کر پتا چلا کہ وہ کیوں بدل گیا؟ آپ جیسی شرمیلی' باحیا' سمجھ دار' خوبصورت اور جوان بیوی کسی کو بھی ملے تو بندہ بدل سکتا ہے' کوئی بھی مجنوں ہو سکتا ہے آپ کے لیے ــــ آپ ماشاء اللہ چیز ہی ایسی ہیں بڑا خوش قسمت ہے عذیر! جسے بیٹھے بٹھائے آپ جیسا خزانہ مل گیا جس کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے۔" بولی آہستگی سے کہتا اسے سر تا پا دیکھ بھی رہا تھا۔

"دیکھیے بولی صاحب خوش قسمت وہ نہیں خوش قسمت تو میں ہوں جسے عذیر جیسا ہمسفر ملا ہے' عذیر برے نہیں ہیں بس وہ جس ماحول میں رہے ہیں وہ ماحول برا ہے انھیں اپنے آس پاس اپنے جیسا کوئی ملا ہی نہیں اور جب ملا تب وہ فوراً ہی اپنے گرد بنے خول سے نکل آئے' ان کا مزاج' ان کے خیالات' ان کے احساسات آپ لوگوں سے بالکل مختلف ہیں' زمین آسمان کا فرق ہے ان میں اور آپ لوگوں میں مجھے پا کر ان کے اندر کی اچھائی اور احساسات کو راستہ مل گیا ہے' میں یہ سب آپ کو اس لیے بتا رہی ہوں کہ تاکہ آپ کی غلط فہمی دور ہو جائے کہ عذیر برے تھے اور اب اچھے ہو گئے ہیں' بلکہ میں آپ کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ وہ پہلے بھی اچھے تھے وہ اب بھی اچھے ہیں بس اب فرق ہے کہ ان کو خول نہیں چڑھانا پڑتا اس ماحول کے لوگوں جیسا بن کر رہنا چھوڑ دیا ہے انھوں نے اور میرے لیے یہ بہت اچھی اور خوشی کی بات ہے کہ وہ اس ماحول کے رنگ میں مکمل طور پر رنگنے سے بچ گئے ہیں' وہ ایک پرفیکٹ پرسن ہیں اور مجھے ان پہ فخر ہے۔" زرقون عذیر کے بارے میں بولنے پہ آئی تو بولتی چلی گئی تھی۔

"بہت ناز ہے اس پرفیکٹ پرسن پہ؟" بولی کا انداز استہزائیہ سا تھا۔

"خود سے بھی زیادہ ناز ہے ان پہ۔" زرقون نے بہت اعتماد سے کہا۔

"ناز ٹوٹ بھی جاتے ہیں مس زرقون صاحبہ۔"

"اللہ نہ توڑے تو نہیں ٹوٹتے۔" زرقون کا لہجہ مضبوط تھا۔

"دیکھیں گے۔" بولی کہہ کے باہر نکل گیا تھا اور زرقون اس کی بات پہ الجھ کر رہ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ اس لڑکی کی کہانی سننے کے بعد تذبذب کا شکار تھا لیکن پھر بھی اسے اپنے ساتھ اپنے فلیٹ میں لے آیا تھا اس کا ضمیر اس لڑکی کو بیچ راستے میں چھوڑنے پہ آمادہ نہیں تھا اسے واقعی اس لڑکی کی باتیں ڈرامہ نہیں لگی تھیں اسی لیے وہ سوچ میں گم تھا بہرحال پھر بھی وہ اس لڑکی کو تھوڑا آرام کرنے کا موقع دے کر گھر آگیا تھا۔

صبح کے گیارہ بجے کا وقت تھا جب وہ گھر آیا تھا ماریہ فوراً ہی اس کے پیچھے اس کے بیڈروم میں چلی آئی تھی۔

"کیا بنا اس لڑکی کا؟" وہ تفتیشی انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"وہ ڈسچارج ہو گئی ہے۔"

"تو اب کہاں ہے؟"

"میرے فلیٹ میں ہے۔"

عذیر اس وقت کالج میں پڑھتا تھا جب اس کے دو تین دوستوں نے شغل کے طور پہ اپنے الگ الگ فلیٹ لیے تھے اور اکثر ان فلیٹس میں وہ لوگ موج مستی کا پروگرام رکھتے تھے امیر ماں باپ کے بگڑے ہوئے فرزند تھے۔ ایڈونچرز کے لیے کچھ بھی کر سکتے تھے اور انھی کی دیکھا دیکھی عذیر کو بھی فلیٹ خریدنے کا شوق ہوا تھا اس کے ایک دوست کا کہنا تھا کہ گھر والوں سے چھپنے کے لیے فلیٹ ایک بہت اچھی جگہ ہے بندے کے راز محفوظ رہتے ہیں اور تب سے اب تک فلیٹ اس کی ملکیت میں تھا جو واقعی کئی بار اس کے کام آیا تھا ــــ جیسے آج!

"فلیٹ میں ــــ مگر کیوں؟ اسے اس کے گھر بھیجے چلتا کرتے اسے۔" ماریہ کو غصہ آرہا تھا۔

"ماریہ میں ایک انسان ہوں اور دوسرے انسان کی مجبوری سننے اور سمجھنے کے باوجود اتنا بے حس اور بے رحم نہیں ہو سکتا' فی الحال وہ لڑکی کہیں بھی جانے کی پوزیشن میں نہیں ہے' ایک دو روز تک دیکھتے ہیں کہ کیا ہوتا ہے؟" عذیر رات سے جاگا ہوا تھا اب کچھ دیر کے لیے آرام کرنا چاہتا تھا اسی لیے بیڈروم کی سمت بڑھ گیا تھا۔

"ایک دو روز؟ یعنی تم اسے ابھی اور رکھنا چاہتے ہو؟" ماریہ غصے سے بولی تھی۔

"مجبوری ہے۔" وہ کہتے ہوئے بیڈ پہ اوندھے منہ لیٹ گیا تھا۔

"وہ کون ہے؟ معاملہ کیا ہے اس کا؟ کچھ پتا ہے تمہیں؟" وہ بیڈ کے قریب آگئی۔

"ابھی کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کون ہے اور معاملہ کیا ہے؟ فی الحال میں اپنی نیند پوری کر لوں پھر جا کر پوچھوں گا۔" وہ غنودگی میں اتر رہا تھا۔

"نام کیا ہے اس کا؟" وہ جارحانہ انداز میں بولی عذیر کو اس کے اسی جارحانہ اندازوں سے چڑ اور کوفت ہوتی تھی وہ لڑکی کو لڑکیوں کے روپ میں ہی دیکھنا چاہتا تھا۔

"میں تم سے نام پوچھ رہی ہوں۔" وہ چیخی۔

"عذیر ہمدانی۔" وہ جیسے نیند سے بولا۔

"تمہارا نہیں اس کا۔"

"اس کا؟ ہاں زرقون احمد۔" اس نے آنکھیں کھولے بغیر کہا۔

"زرقون احمد۔" ماریہ دہرا کے بولی اور پھر وہاں سے باہر نکل گئی عذیر نے اسے گھر والوں کو بتانے سے منع

کیا تھا اب اگر وہ بتاتی بھی تو عذیر یقیناً "غصے میں آجاتا یا پھر ناراض ہو جاتا" لیکن ماریہ اسے ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسی لیے خود پہ دو دن اور صبر کرنے کا خول چڑھا لیا۔ اور اگلے دو روز عذیر اس کے ہاتھ ہی نہ آیا وہ نجانے کہاں مصروف تھا۔

☼ ☼ ☼

"مبارک ہو مجھے جاب مل گئی ہے۔" عذیر کے ہاتھ میں اپائنٹمنٹ لیٹر تھا اور وہ سب سے پہلے اپنے بیڈ روم کی طرف بھاگا تھا۔

"سچ؟" زرقون کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا۔

"سچ۔" عذیر نے شرارت اور جوش سے کہتے ہوئے زرقون کو بانہوں میں بھینچ کر گھما ڈالا تھا۔

"آپ کو بھی مبارک ہو۔" زرقون ہنستے ہوئے بولی۔

"میری یہ ساری کامیابیوں کا کریڈٹ تمہیں جاتا ہے۔" وہ ابھی بھی شرارت کے موڈ میں تھا۔

"مجھے۔۔۔ وہ کیسے؟"

"وہ ایسے کہ لاسٹ سمسٹر میں تم نے میرا بہت ساتھ دیا ہے، پہلے جتنے بھی سمسٹر گزرے میں انہیں لاپروائی سے لیتا رہا، لیکن اس بار اگلی پچھلی کسر پوری کر ڈالی تھی۔ کیونکہ اس بار میں زیادہ وقت گھر پہ گزار رہا ہوں اور زیادہ وقت گھر پہ گزارنے کی وجہ تم ہو۔" عذیر نے وجہ بتائی تو زرقون بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

"پھر اب تو مشکل ہو جائے گی؟" وہ چہرے پہ پریشانی سجاتے ہوئے بولی۔

"کیسی پریشانی؟"

"یہی کہ اب بھی آپ کا یہی دل چاہے گا کہ آپ گھر پہ رہیں۔"

"آف کورس یار۔" وہ فوراً بولا۔

"تو پھر جاب کون کرے گا؟ یہ لیٹر کس کام کا؟" وہ مصنوعی خفگی سے گھورتے ہوئے بولی تو عذیر اس کی بات کا مطلب سمجھ کے مسکرا دیا تھا۔

"بتائیے کیا کریں گے؟"

"آف کورس یار آفس سے چھٹی کا انتظار کیا کروں گا اور ہر ویک اینڈ پہ سنڈے کا انتظار اور ہر صبح ہوتے ہی شام کا انتظار کیا کروں گا جب تم سے ملنے کے اور گھر پہ رہنے کے چانسز ہوا کریں گے۔" اس نے سکون سے حل بتایا۔

"ماشاء اللہ اپنے انتظار کی کیسی اچھی سیٹنگ کی ہے آپ نے۔" زرقون نے سراہا تھا۔

"تمہارے ساتھ سیٹنگ اللہ نے کروا دی، یہ سیٹنگ تو خود ہی کرنی پڑے گی نا۔" عذیر باتوں باتوں میں اس کے قریب جھک آیا تھا لیکن زرقون ایک پل میں اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے بدک کے دور ہو گئی تھی۔

"یہ کیا طریقہ ہے؟" وہ خفگی سے بولا۔

"آپ کا بھی تو کوئی طریقہ نہیں ہے۔" وہ مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"زرقون۔" وہ پیچھے سے اونچی آواز میں پکارا۔ اور چند سیکنڈ بعد زرقون نے دروازہ کھول کے دوبارہ اندر جھانکا۔

"یہ خوشخبری آنٹی اور انکل کو بھی جا کر سنا دیں بعد میں پتا چلا تو برا لگے گا ان کو۔" اس نے سمجھداری سے کام لیتے ہوئے کہا تھا۔

"پہلے تمہیں تو سناؤں۔" عذیر نے لپک کے اس کی کلائی دبوچی لیکن وہ فوراً ہی ہاتھ چھڑا کے پھسل بھی گئی تب اسے جکڑنے کے لیے عذیر نے اسے بانہوں میں بھینچ کر اندر کھینچ لیا تھا اور زرقون کی ہنسی چھوٹ گئی اس کے ساتھ ہی اس حرکت پہ عذیر بھی قہقہہ لگا کے ہنسا تھا اور یونہی ہنستے ہنستے اس نے گستاخی کر ڈالی زرقون شرم سے بے ہوش ہو گئی تھی۔

"عذیر وہ بولی تمہیں۔۔۔" ماریہ اچانک دروازہ کھول کر روتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی لیکن اس کے قدم جیسے راستے میں ہی پتھر کے ہو گئے تھے زرقون عذیر کی بانہوں میں کھلکھلا رہی تھی اور عذیر۔۔۔!

ماریہ پاؤں سے لے کر سر تک جل گئی تھی چہرہ دھواں

دھواں ہو گیا تھا۔

عذیر زرقون کے گرد سے بازو ہٹاتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"کیا بات ہے؟"

"پھوپی بلا رہی ہے تمہیں۔" وہ کہہ کے پلٹ گئی۔

"کسی کے بیڈ روم میں بغیر اجازت کے اور بغیر دستک کے جانا مینرز کے خلاف ہے۔" عذیر کی ناگوار سی آواز سنائی دی تھی۔

"یہ کسی کا نہیں تمہارا بیڈ روم ہے۔" وہ چبا کے بولی۔

"یہ میرا ہی نہیں میری بیوی کا بھی بیڈ روم ہے۔" وہ کچھ جتا کر بولا تھا۔

"عذیر بھائی شاید اسے خیال نہیں رہا۔" زرقون کو عذیر کا کسی کے ساتھ بھی الجھنا اچھا نہیں لگتا تھا۔

"اسی لیے تو یاد دلایا ہے کہ آئندہ خیال رکھے۔" عذیر کی بات پہ سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی ماریہ کمرے سے نکل گئی تھی زرقون کو پریشانی ہونے لگی جبکہ عذیر لاپروائی سے سر جھٹک کر پھوپی کے پاس پہنچ گیا۔ پھوپی کو کراچی میں کوئی کام تھا اسی لیے وہ اتنے دنوں سے یہیں ٹھہرا ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

"مبارک ہو آپ قاتل کہلانے سے بچ گئی ہیں۔" عذیر نے آتے ہی خوشی کا اظہار کیا تھا وہ پچھلے تین چار روز سے یونیورسٹی میں بزی تھا اور کل سے زرقون کے مسئلے کے لیے پوچھ گچھ کرتا پھر رہا تھا وہ سراغ لگاتے لگاتے زرقون کے محلے میں پہنچ گیا اور خود کو صحافی ظاہر کر کے اس نے ایک دکاندار سے سارے محلے کی روداد پوچھی تھی اور یوں زرقون کا گھر اور قصہ بھی زیر بحث آیا تھا۔ اس دکاندار نے زرقون کے کردار کو سراہا تھا اور وہی کچھ بتایا جو زرقون نے بتایا تھا اور ساتھ میں یہ بھی خبر ملی کہ جبران نامی اوباش لڑکا محض زخمی ہوا تھا قتل نہیں۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" زرقون نا سمجھی سے پوچھ رہی تھی۔

"میں کہہ رہا ہوں کہ وہ جبران زندہ ہے۔ اس کے سر پر گہری چوٹ آئی تھی جس کی وجہ سے بے ہوش ہو گیا تھا۔ بروقت طبی امداد ملنے کی وجہ سے اس کی جان بچ گئی۔ لہٰذا آپ قاتل نہیں ہیں اور آپ کو چھپنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔" وہ آج اس کے لیے خوشخبری لے کر آیا تھا۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں؟"

"میرا اور آپ کا مذاق بنتا ہے کیا۔" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"تو پھر آپ۔ آپ مجھے فیاض بھائی کے پاس لے جائیے میں انہیں سب سچ اور حقیقت بتاؤں گی پلیز مجھے لے چلیے جہاں آپ نے مجھ پہ اتنے احسان کیے ہیں وہاں ایک اور سہی پلیز۔" وہ خود کو آزاد اور ہلکا پھلکا محسوس کرتے ہوئے بے چین ہو گئی تھی۔

"پہلے آپ پوری بات تو سن لیں۔" عذیر نے رسانیت سے کہا۔

"پوری بات؟" وہ ٹھٹک گئی۔

"ہاں دراصل آپ کی بھابھی نے آپ کے بارے میں کوئی اور افواہ اڑا رکھی ہے۔"

"افواہ؟ پلیز عذیر صاحب بتائیے نا کیا معاملہ ہے؟" اسے اب گھبراہٹ سے ہول اٹھنے لگے تھے۔

"یہی کہ آپ کا کسی کے ساتھ چکر چل رہا تھا گھر پہ کسی کو بھی موجود نہ پا کر آپ اپنے آشنا کے ساتھ گھر سے زیور اور نقدی لے کر بھاگ رہی تھیں کہ اچانک جبران آگیا جس کو راستے سے ہٹانے کے لیے آپ لوگوں نے اسے زخمی کر دیا بلکہ جان سے مارنے کی کوشش کی اور خود بھاگ گئیں۔" عذیر نے تفصیل سنائی اور زرقون ساکت رہ گئی۔

"اب کیا خیال ہے آپ کا؟ کیا اب بھی آپ جائیں گی۔" عذیر کوک کا ٹن کھولتے ہوئے منہ سے لگا چکا تھا۔ پھر سوالیہ انداز میں اسے دیکھا تھا۔

"ہوں! ہاں۔ مم۔۔۔ میں جاؤں گی کم از کم فیاض

بھائی کو تو پتا ہے کہ کیا ہوا ہے؟" وہ جانے پہ بضد تھی۔
"او کے تم میرا کام تھا آپ کو منزل تک پہنچانا اور آپ کا ساتھ دینا' ویسے بھی آپ اس فلیٹ میں بھلا کب تک رہ سکتی ہیں۔" وہ ٹن خالی کرتے ہوئے بولا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا زرقون گھٹ گھٹ کے نہیں مرنا چاہتی تھی ایک بار سب کے سامنے بولنا چاہتی تھی دس دن ہو گئے تھے اسے یہاں رہتے ہوئے ایک نہ ایک دن تو یہاں سے نکلنا ہی تھا کوئی انجام بھی تو ہونا ہی تھا۔ سو وہ انجام آج ہی سہی!

"آپ مجھے گھر چھوڑ دیجیے۔" اس نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے چادر اوڑھی اور فیصلہ کن انداز میں کہا تھا عذیر اسے اپنے ساتھ اپنی گاڑی تک لے آیا اور کچھ ہی دیر بعد وہ زرقون کے گھر کے سامنے تھے عذیر نے ہی ہاتھ بڑھا کر دستک دی تھی زرقون ایک بار اندر سے لرز گئی تھی وہ اتنے دنوں بعد فیاض بھائی کا سامنا کرنے والی تھی اور جیسے ہی انہوں نے دروازہ کھولا وہ تینوں لوگ اپنی اپنی جگہ پہ ٹھٹھر سے گئے تھے۔

"السلام علیکم۔" عذیر نے ان سے مصافحہ کرنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا لیکن انہوں نے عذیر کے ہاتھ کو دیکھنا بھی پسند نہیں کیا تھا۔

"کون ہے فیاض! آپ باہر کے باہر ہی رک گئے؟" اندر سے شمائلہ بھابھی کی آواز سنائی دی۔

"میری بہن آئی ہے' منہ کالا کرا کے۔" فیاض احمد نے زہر اگلا۔ اور دوسرے ہی لمحے شمائلہ بھابھی کمرے سے باہر تھیں۔

"ارے تم؟" شمائلہ اسے کسی امیر کبیر ہینڈسم اور خوبصورت لڑکے کے ساتھ دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی۔

"بھائی آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" زرقون کو پتا تو تھا لیکن پھر بھی ان کے منہ سے سن کر شاک لگا تھا۔

"میں غلط کہہ رہا ہوں کیا؟ کم بخت' حرام خور اس یار کے ساتھ بھاگنا تھا تو مجھے کہتی میں [illegible] ساتھ دفع کرواتا' ماں باپ کے نام پہ [illegible] کی کیا ضرورت تھی؟" وہ غصے اور حقارت سے دانت پیس کر کہہ رہے تھے۔

"آپ ہوش میں تو ہیں فیاض صاحب؟ میں آپ کی بہن کو جانتا نہیں ہوں چند روز پہلے ہی میری گاڑی سے ٹکرائی تھیں اور میں انہیں ہاسپٹل لے گیا' بس اس سے آگے میرا اور ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے میں آپ کی امانت آپ کے گھر چھوڑنے آیا ہوں۔"

"میری امانت؟ ہونہہ یہ بد چلن بہن؟ یہ میری کوئی امانت نہیں ہے لے جاؤ اسے وہاں ہی جہاں یہ دس دن گزار کے آئی ہے' دفع ہو جاؤ تم دونوں اس سے پہلے کہ تم دونوں کو کوئی مار کر میں خود پھانسی چڑھ جاؤں۔" فیاض احمد بھڑک اٹھے تھے ان کی آواز پہ پورا محلہ اکٹھا ہو گیا تھا۔

"دیکھیے فیاض صاحب آپ کی بہن کا دامن بے داغ ہے وہ پاکیزہ ہیں آپ خوامخواہ شک کر رہے ہیں۔"

"اس کا دامن داغ دار ہے یا بے داغ' وہ پاکیزہ ہے یا ناپاک مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ بس میں یہ جانتا ہوں کہ اس نے تمہارے ساتھ منہ کالا کیا ہے اور یہ تمہارے ساتھ ہی جائے گی میں اسے اب اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتا' میرے گھر کے دروازے بند ہیں اس کے لیے۔" وہ بولتے ہوئے کف اڑا رہے تھے عذیر نے بہت احتجاج کیا زرقون نے بہت سی صفائیاں دیں اپنا یقین دلایا لیکن وہ بھی آخر فیاض احمد تھے اپنی ضد اور شک پہ مر جانے والے۔

"دیکھ کیا رہے ہو؟ اگر مرد ہو تو اپنے قدموں پہ قائم رہو۔" بس یہ ان کا ایک ایسا وار تھا جس نے عذیر کو ڈٹ جانے پہ مجبور کیا تھا وہ سب بھول گیا کہ اس کی اس حرکت پہ اس کے گھر والوں کا کیا ری ایکشن ہو گا' اسے صرف یاد تھا تو اتنا کہ کسی نے اس کی مردانگی للکاری ہے اور اب وہ پیچھے نہیں ہٹ سکتا سو اس نے پورے محلے کے سامنے زرقون کو اپنی عزت' اپنی بیوی بنا لیا تھا لیکن جاتے جاتے فیاض احمد کے پاس رکنا نہیں بھولا تھا۔

"فیاض صاحب! میں نے اپنی پوری زندگی میں آپ جیسا بے وقوف مرد نہیں دیکھا جس کو اس کی بیوی اندھے بیل کی طرح جس طرف بھی ہانکتی ہے وہ

چل پڑتا ہے یہ بھی نہیں دیکھتا کہ اس کو ہانکنے والا خود کتنے پانی میں ہے؟ اچھے برے کی پہچان نہیں ہے آپ کو جہاں شک کرنا چاہیے وہاں یقین ہے آپ کو اور جہاں یقین کرنا چاہیے وہاں شک کر رہے ہیں۔" عذیر نے شمائلہ بھابھی کو قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"مجھے اس لڑکی سے ملے ہوئے دس دن ہوئے ہیں لیکن پھر بھی میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ لڑکی بد چلن یا داغ دار نہیں ہے' اس کا کردار صاف ہے اور آپ ... آپ اس کے بھائی ہو کر بھی اسے پرکھ نہیں سکے کہ آپ کی بہن کیسی ہے؟ نیک یا بد؟ بس سنی سنائی بات پہ یقین کر لیتے ہیں؟ ہونہہ فیاض صاحب بیوی پہ اعتبار کرنا اچھی بات ہے' لیکن بیوی کی بات پہ آنکھوں پہ پٹی باندھ لینا اچھی بات نہیں ہے اور اسی کی وجہ سے تو آپ کو اپنی بیوی کے کرتوت نظر نہیں آ رہے؟ جس روز یہ پٹی اتر جائے اس روز مجھ سے ضرور ملیے گا' اللہ حافظ۔" عذیر ان کا کندھا تھپتھپا کے زرقون کو ساتھ لیے وہاں سے نکل آیا تھا۔ اس نے سب سے پہلے اس سے نکاح کیا۔

وہ چاہتا تو اسے فلیٹ میں بھی رکھ سکتا تھا' لیکن کب تک رکھتا ایک نہ ایک دن تو سب ظاہر ہونا ہی تھا سو اس نے فیصلہ کیا اور گاڑی اپنے گھر کی سمت موڑ دی تھی جہاں کئی اور مصیبتیں منہ کھولے کھڑی تھیں اور زرقون ان مصیبتوں کا منہ بند کرنے کے لیے ہمہ وقت گھر والوں خصوصاً "روحانہ بیگم کو خوش کرنے کے جتن میں لگی رہتی تھی' ان کا ہر حکم' ہر کام کرنے کے لیے تیار رہتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"زرقون بیٹا کہاں جا رہی ہو؟" وہ سیڑھیاں چڑھ رہی تھی جب پیچھے سے روحانہ بیگم کی آواز سنائی دی۔

"آنٹی وہ عذیر آنے والے ہوں گے' میں چینج کرنے جا رہی ہوں' انہیں میرے لہسن اور پیاز کی مہک والے کپڑوں سے چڑ ہوتی ہے۔"

"او کے اچھی بات ہے' تم چینج کر کے جلدی سے نیچے آؤ مجھے تم سے کوئی ضروری بات کرنی ہے۔" انہوں نے [illegible] کہا۔

"جی [illegible] ابھی آئی ہوں۔" زرقون اوپر آ گئی' اس نے [illegible] کر کپڑے چینج کیے' ہلکی پھلکی جیولری پہنی' [illegible] دوپٹہ اوڑھا اور نیچے آ گئی۔

عذیر کی آفس سے واپسی سے پہلے یہ اس کی روٹین تھی کہ وہ دن بھر کے میلے' ملگجے شکن آلود کپڑے اتار کر دوسرے پہن لیتی تھی اور عذیر اسے فریش چہرے کے ساتھ دیکھ کر سرشار ہو اٹھتا اور اس کی سرشاری کے لیے وہ روزانہ یہ اہتمام کرتی تھی اور ابھی بھی اس نے یہ ہی اہتمام کیا ہوا تھا۔

"جی آنٹی کیا بات ہے؟" وہ اپنا دوپٹہ درست کرتی ہوئی ان کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"بیٹھو بیٹا۔" انہوں نے اپنے قریب بیڈ پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

"جی۔" وہ ان کے پاس بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔

"میں سوچ رہی تھی کہ تمہارے پاس ابھی تک کوئی زیور نہیں ہے' نہ گولڈ کا نہ ڈائمنڈ' اس لیے میرا ارادہ ہے کہ تم کل میرے ساتھ مارکیٹ چلو اور میں تمہیں تمہاری پسند کی جیولری دلا دوں۔" انہوں نے بہت اپنائیت اور چاؤ سے کہا تھا۔

"ارے نہیں آنٹی ایسی بھی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے' مجھے جیولری کا ذرا بھی شوق نہیں' بس کبھی کبھار عذیر کی پسند پہ پہن لیتی ہوں' چند روز پہلے عذیر بھی کہہ رہے تھے کہ ان کی سیلری ملے گی تو وہ میری جیولری بنوائیں گے' لیکن میں نے ان کو بھی منع کیا تھا۔" زرقون نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"بیٹا یہ جیولری شوق نہیں عزت ہے' تم ہمدانی فیملی کی بہو ہو' ملنے ملانے والی عورتیں دیکھیں تو کیا سوچیں گی؟" انہوں نے وجہ بتائی زرقون جواباً "کیا کہتی؟

"لیکن آنٹی جیولری پہ اتنا پیسہ..."

"ارے پیسے کو گولی مارو' میں خود اپنے اکاؤنٹ سے

تمہیں سب پہنچا دے کروں گی" پھر عذیر اور عذیر کے پاپا بھی تمہارے لیے جیولری خواہیں گے۔" انہوں نے زرقون کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دباتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو آنٹی تھینک یو سو مچ۔" زرقون ان کے خلوص پہ بے پناہ خوش ہوئی تھی ورنہ جیولری کا تو اسے واقعی کوئی شوق نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے پھر کل تیار رہنا۔" انہوں نے اسے یاد دہانی کے لیے کہا۔

"ٹھیک ہے آنٹی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور ابھی دروازے تک پہنچی ہی تھی کہ روحانہ بیگم نے پکار لیا۔

"سنو۔"

"جی آنٹی؟" وہ فوراً پلٹی۔

"وہ بولی کی طبیعت خراب ہے صبح سے گیسٹ روم میں پڑا ہے اس سے ذرا کھانے پینے کا پوچھ لو بعد میں عذیر آگیا تو تم اس کے ساتھ بزی ہو جاؤ گی اور تمہیں ٹائم نہیں ملے گا میں نے رات کو ایک پارٹی میں جانا ہے اس لیے تھوڑی دیر آرام کرنے لگی ہوں۔" انہوں نے نارمل سے انداز میں اسے کام کہا تھا۔

"اوکے میں دیکھتی ہوں۔" مجبوراً اسے ہامی بھرنا پڑی اور سر ہلا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس نے راہداری سے گزرتے ہوئے کلاک کی سمت دیکھا۔ عذیر کی واپسی میں بس پانچ دس منٹ ہی باقی تھے۔ وہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی گیسٹ روم کی طرف آگئی اور ابھی اسے گیسٹ روم میں داخل ہوئے دو سیکنڈ ہی ہوئے تھے کہ یک دم گیسٹ روم کا دروازہ بند ہو گیا اور شور مچ گیا۔

"چھوڑو زرقون یہ کیا کر رہی ہو؟ زرقون چھوڑو مجھے۔ تم پاگل ہو گئی ہو۔" بولی بلند آواز سے زور زور سے بول رہا تھا، روحانہ بیگم بڑی تیزی سے اپنے کمرے سے نکلی تھیں، اتنے میں دو تین ملازم بھی بھاگتے ہوئے آگئے۔

"دروازہ کھولو بولی۔ زرقون دروازہ کھولو۔" روحانہ بیگم نے دروازہ پیٹ ڈالا تھا۔

"زرقون ہوش میں آؤ۔ تم جانتی ہو تم کیا کر رہی ہو؟" بولی کی آواز کافی گھبرائی اور روہانسی ہوئی تھی تب تک عذیر بھی راہداری عبور کرتا ہوا اندر آگیا تھا۔

"زرقون کیا کر رہی ہو تم دروازہ کھولو۔" روحانہ بیگم باہر کھڑی چلا رہی تھیں اور عذیر اس سچویشن پہ ہکا بکا رہ گیا تھا۔

"عذیر۔" زرقون اندر سے چیخی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟ اندر کون ہے؟" عذیر قریب آگیا۔

"اندر بولی اور زرقون ہیں۔" روحانہ بیگم نے جس انداز میں کہا عذیر کی پیشانی پہ بل پڑ گئے تھے۔

"زرقون دروازہ کھولو۔" عذیر نے دروازہ پیٹا۔

"عذیر پلیز مجھے۔ مجھے بچائیں عذیر۔" وہ چیخ رہی تھی۔

"بولی میں کہہ رہا ہوں دروازہ کھولو۔"

"زرقون چھوڑو مجھے دروازہ کھولنے دو۔ چھوڑو پیچھے ہٹو۔"

بولی نے کہتے کہتے دروازہ کھول دیا تھا اور اگلے ہی پل وہ دونوں سامنے تھے بولی کی شرٹ پھٹی ہوئی تھی سینے، گردن اور چہرے پہ خراشوں کے نشان تھے جبکہ زرقون کا سجا سنورا حلیہ بالکل درست تھا اس کا [illegible] بے ترتیب ہو رہا تھا۔

"یہ کیا کیا ہے تم نے؟" روحانہ بیگم نے بولی کے سینے پہ پڑنے والی خراشوں سے رستا ہوا خون دیکھا تو غصے سے بھنا گئیں۔

"میں نے کچھ نہیں کیا آنٹی یہ۔ یہ جھوٹ بول رہا ہے ڈرامہ کر رہا ہے۔" وہ شدت غم سے چیخ اٹھی تھی۔

"چٹاخ۔" روحانہ بیگم نے پلٹ کر اس کے چہرے پہ تھپڑ دے مارا تھا۔

"گھٹیا، نیچ ذات، بد چلن اپنے گندے کرتوتوں کا الزام اس پہ لگاتی ہے؟" روحانہ بیگم نے بھی شاکرہ بھابھی جیسا رول لے لیا تھا زرقون پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی رہ گئی وہ ایک بار پھر کسی کو پہچاننے میں غلطی

کر گئی تھی وہ ایک بار پھر ان گھاگ عورتوں کے جال میں آگئی تھی ایک بار پھر اس کا کردار شک اور یقین کے درمیان ڈول رہا تھا۔

"میری تو صبح سے طبیعت ہی ٹھیک نہیں تھی میں بیڈ پہ لیٹا تھا کہ یہ میرے کمرے میں آگئی پہلے میرا حال چال پوچھتی رہی پھر ہاتھ پکڑ کر میرے پاس بیٹھ گئی میں حیران پریشان ہو گیا کہ یہ کیا کر رہی ہے؟ اور میں نے اٹھنے کی کوشش کی کہ یہ میرے گلے پڑ گئی تھوڑی دیر کی قربت کے لیے واسطے دینے لگی جب میں نے انکار کیا تو یہ جنونی ہو گئی۔" بولی اپنی من گھڑت اسٹوری سنا رہا تھا اور پھر عذیر کی سمت پلٹا۔

"ایم سوری عذیر یہ تمہاری بیوی ہے اسی لیے ہم آج تک اس کی عزت کرتے رہے لیکن یہ عزت کے قابل نہیں ہے یہ بد چلن، بد کردار اور داغ دار عورت ہے یہ تمہارے قابل۔۔۔"

"چٹاخ۔" عذیر کا بھاری ہاتھ پوری قوت سے بولی کے چہرے پہ پڑا اور نشان چھوڑ گیا تھا اور ایک تھپڑ سے لڑکھڑا کر بولی سنبھلا ہی تھا کہ اس نے دوسرا تھپڑ بھی دے مارا تھا۔

"ایک تھپڑ تمہارے جھوٹ اور ڈرامے کے لیے ہے اور دوسرا تھپڑ میری بیوی پہ الزام لگانے کے لیے ہے اور اس سے آگے ایک لفظ بھی کہا تو زبان کھینچ کر ہتھیلی پہ رکھ دوں گا۔" عذیر غیض و غضب سے بھر چکا تھا اس کی آنکھوں سے شعلے لپک رہے تھے۔

"پاگل ہو گئے ہو تم؟ تمہیں دکھائی نہیں دیتا کہ یہ کرتوت کس کا ہے؟ اس گھٹیا دو ٹکے کی کمینی نے اپنا رنگ تو دکھانا ہی تھا پہلے تمہیں پھانسا اور اب میرے بھانجے کو؟ میں تو پھر بھی چلو اسے قبول کر لیتے ہیں تو شاید یہ کچھ بہتر ہو جائے لیکن سانپ ہمیشہ سانپ ہی رہتا ہے چاہے اسے ہاتھوں سے دودھ پلاؤ ڈسنے سے باز نہیں آتا۔"

"دیکھیے مام بہتری اسی میں ہے کہ آپ بھی اپنے دائرے میں رہیں ورنہ میں اس وقت کچھ بھی کر سکتا ہوں۔" وہ دھاڑ اٹھا تھا۔

"تم کیوں چیخ رہے ہو پہلے اپنی چہیتی سے تو پوچھ لو۔"

"مجھے کسی سے کچھ بھی پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے میری بیوی بے داغ ہے، بے داغ ہے، بے داغ ہے بس اور کچھ سننا چاہتی ہیں آپ؟" وہ چیخ چیخ کے بتا رہا تھا زرقون کھڑے کھڑے فرش سے عرش پہ پہنچ گئی تھی۔

"مجھے شروع سے ہی آپ کی نوازشات پہ شک تھا مجھے ہر وقت اندر ہی اندر دھڑکا لگا رہتا تھا کہ آپ زرقون پہ اتنی فدا کیوں ہیں؟ مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ اپنا پلان تیار کر رہی ہیں اگر زرقون نے یہ سب کرنا ہی تھا تو اس وقت کیوں کیا؟ پورا دن میں گھر سے باہر ہی تو تھا وہ تب بھی تو کر سکتی تھی؟ عین ٹائم پہ یہ سب ہونا تھا؟" وہ روحانہ بیگم کو جتا رہا تھا اتنے میں عمیر، توشابہ بھابھی اور ماریہ بھی پہنچ گئے تھے سبھی بولی کے طرف دار تھے اور وہ اکیلا زرقون کا طرف دار تھا۔

"ہر مرد فیاض احمد نہیں ہوتا میں بھی فیاض احمد نہیں ہوں مجھے بے وقوف بنانا آسان نہیں ہے تم جیسے دس بولی اور بھی آجائیں تو مجھے بد ظن اور بد گمان نہیں کر سکتے، میری بیوی کا کردار اور چال چلن کیسا ہے یہ مجھ سے بہتر اور کون جان سکتا ہے؟ آئندہ اگر کوئی پلان بنائیں تو سوچ سمجھ کر بنائیے گا یا تو خود کو گولی مار دوں گا یا پھر آپ کے ان چہیتوں کو۔" وہ ماریہ اور بولی وغیرہ پہ نظر ڈال کے زرقون کے پاس آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اوپر چلا گیا تھا۔

"پیکنگ کروا لینا، میں یہ گھر آج اور اسی وقت چھوڑ رہا ہوں۔" اس نے زرقون کو حکم دیا۔

"لیکن عذیر یہ غلط ہے گھر چھوڑنے کی کیا ضرورت ہے؟" زرقون تیار نہیں تھی۔

"کیوں کیا اپنی عزت کے لیے تم نے گھر نہیں چھوڑا تھا؟" وہ الٹا اس سے پوچھ رہا تھا۔

"چھوڑا تھا لیکن ضروری نہیں کہ آپ بھی۔۔۔"

"زرقون تم میری عزت ہو اور میں اپنی عزت کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہوں بے شک مجھے تم پہ اعتماد ہے

لیکن مجھے اپنے گھر والوں پہ کوئی اختیار نہیں ہے یہ ہوس زدہ 'بے حس لوگ کچھ بھی کر سکتے ہیں' تمہیں نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں اس لیے بہتر ہے کہ تم اپنے الگ گھر میں رہو۔" عذیر نے فیصلہ کر لیا تھا اور اپنی بات اپنے فیصلے سے وہ ذرا کم ہی پیچھے ہٹتا تھا۔

زرقون نے بہت کوشش کی تھی روکنے کی' لیکن وہ تیار نہیں تھا' وہ جانتا تھا کہ ماریہ ان کو زرقون کے حوالے سے سب کچھ بتا چکی ہے اسی لیے وہ زرقون سے اور بھی خار کھانے لگے تھے اسی لیے اس نے معاملہ ہی ختم کر دیا تھا وہ روز روز کوئی تماشا نہیں لگوانا چاہتا تھا لہٰذا سب سے کنارا اختیار کر لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

فیاض احمد کی پچھلے چار پانچ دن سے طبیعت خراب تھی وہ آفس سے مسلسل چھٹیاں کر رہے تھے لیکن آج وہ تھوڑی ہمت کر کے جانے کے لیے تیار ہو ہی گئے تھے۔

"اچھی بات ہے آپ کو آفس جانا چاہیے' آفس جانے سے آپ کا دل بہل جائے گا۔" شمائلہ ان کے آفس جانے کا سن کر بہت خوش ہوئی تھی۔

"ہوں! میرا بھی یہی خیال ہے۔" وہ آہستگی سے بولے اور بالوں میں کنگھی پھیر کر باہر نکل آئے۔

"کیا بات ہے شمائلہ' تم پچھلے کئی دن سے پریشان نظر آ رہی ہو؟ خیریت تو ہے نا؟ تمہارے امی ابو کے گھر میں سب خیریت ہے؟" فیاض احمد بیوی سے بڑی اپنائیت سے پوچھ رہے تھے! انہیں بہن کے چہرے کی پریشانی کبھی زندگی میں بھی نظر نہیں آئی تھی لیکن بیوی کے لیے وہ خود پریشان ہو رہے تھے۔

"بس وہ امی وغیرہ سے ملنے جانا تھا آپ ٹھیک ہو جائیں پھر چلی جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔" وہ کہہ کے گھر سے نکل گئے لیکن ان کی طبیعت اتنی خراب تھی کہ وہ نقاہت کی وجہ سے زیادہ دیر آفس میں کام نہ کر سکے۔ ان کے باس نے چھٹی دے کر بھیج دیا تھا وہ دو گھنٹے بعد ہی واپس آ گئے تھے لیکن اپنے گھر کا دروازہ کھلا دیکھ کر ٹھٹک گئے اور آہستگی سے چلتے اندر آ گئے۔

"دیکھو جبران' فیاض آج بڑی مشکلوں سے آفس گئے ہیں ہو سکتا ہے طبیعت کی وجہ سے جلدی واپس آ جائیں خدا کے لیے تم نکلو یہاں سے میں امی کے گھر اگر تم سے بات کروں گی۔" یہ شمائلہ کی آواز تھی۔

"آتے ہیں تو آ جائیں مجھے اب کوئی ڈر نہیں ہے' تم نے زرقون کا لالچ دے کر مجھ سے سونا ہڑپ کیا' پیسے ہڑپ کیے اور مجھے کیا ملا! وہ سالی چکا دے کر بھاگ گئی اور تم آنکھیں پھیر رہی ہو؟ ہونہہ! ایسا نہیں ہو سکتا اتنی آسانی سے تجھے ہضم نہیں کرنے دوں گا مجھ سے جو کچھ لیا ہے وہ واپس کرو میں پائی پائی وصول کروں گا ورنہ تمہارے اس موٹی عقل والے شوہر کو بتا دوں گا پھر وہی تمہاری پسلیوں کا سرمہ بنائے گا۔" جبران حقارت سے اور غصے سے کہہ رہا تھا لیکن باہر کھڑے فیاض احمد پہ جیسے آسمان ٹوٹ پڑا تھا انہیں یوں لگا جیسے کسی نے ان کے وجود کے ساتھ بم باندھ کر ان کے وجود کے پرخچے اڑا دیے ہوں۔

"میرے شوہر کو بتاؤ گے تو خود بھی بچ نہیں سکو گے وہ تمہیں گولی مار دیں گے زرقون پہ نظر رکھنے والے تم تھے تم نے اس کی عزت لوٹنے کی کوشش کی تھی تم نے اس کی عزت پہ ہاتھ ڈالا۔"

"ہاں میں مانتا ہوں کہ میں نے اس کی عزت پہ ہاتھ ڈالا لیکن میرا ساتھ دینے والی تو تم ہی ہو نا؟ سارا پلان تم نے ہی تو بنایا تھا میرے ساتھ برابر کی شریک ہو شمائلہ بیگم۔" جبران خباثت سے ہنس رہا تھا۔

"میرا منہ بند کرنے کا ایک اور طریقہ بھی ہے۔" جبران شمائلہ کو آپشن دے رہا تھا۔

"کیا؟" شمائلہ فوراً تیزی سے بولی تھی۔

"وہ وقت جو زرقون میرے ساتھ نہیں گزار کے گئی وہ تم گزارو' تم بھی کچھ کم تو نہیں ہو؟ میرا مطلب بھی پورا ہو جائے گا اور تم بھی روز روز کے ڈر سے بچ جاؤ گی۔" جبران سودا طے کر رہا تھا شمائلہ کو کرنٹ چھو گیا تھا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"کیوں؟ اپنی نند کا سودا کر سکتی ہو لیکن اپنا نہیں کر سکتیں؟ اچھی نیک تو تم نہیں ہو۔" جبران جانے کیا کیا کہہ رہا تھا لیکن فیاض احمد راکھ کا ڈھیر بن چکے تھے انہیں اپنی گزشتہ باتیں اپنا رویہ یاد آ رہا تھا۔

اپنی ماں کی بیماری' اپنی بہن کی بے بسی' اس کے آنسو سب یاد آ رہے تھے زرقون ہمیشہ ان کے سامنے بولنے کے لیے منہ کھولتی تھی اور وہ ہمیشہ اس کا منہ بند کر دیتے تھے ماں گھٹ گھٹ کے مر گئی لیکن انہوں نے پروا نہیں کی' ان کی بہن ان کے ہی گھر میں عزت چھپاتی رہی اور گھر سے بھاگ نکلی اس کی دوست مہرین کو بھی انہوں نے بدچلن کہہ کر گھر میں آنے سے باز رکھا عذیر ہمدانی کو عیاش قرار دیا' بہن کی اچھائی کو دھتکار دیا اور آج۔ آج کیا ہو رہا تھا ان کی بیوی زیورات اور پیسے کے لیے ان کی عزت کا سودا کر رہی تھی۔

"ٹھیک ہے لیکن ابھی نہیں کچھ دن بعد۔ جب فیاض کام کے سلسلے میں ملتان جائیں گے۔"

"پھر پورے دو دن تمہیں میرے ساتھ ہی رہنا ہو گا۔"

"ٹھیک ہے رہوں گی وعدہ۔" وہ مان چکی تھی اور فیاض احمد ہار چکے تھے وہ آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تھے۔

"فیاض؟" شمائلہ کا رنگ فق ہو گیا تھا وہ شکست خوردہ سے انداز میں آ کر اندر بستر پہ بیٹھ گئے تھے۔

"فیاض کیا ہوا ہے؟" شمائلہ لپک کے پاس آئی اسے لگا کہ فیاض نے جبران کو نہیں دیکھا وہ سائیڈ میں کھڑا تھا۔

"میرے قریب مت آنا شمائلہ بیگم۔" انہوں نے ہاتھ اٹھا کے روک دیا تھا۔

"کیوں فیاض؟" وہ دیدہ دلیری سے پوچھ رہی تھی۔

"میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔" فیاض احمد نے شکستگی کے مارے بمشکل کہا تھا۔

"فیاض؟" شمائلہ اپنی جگہ ساکت ہو گئی تھی لیکن فیاض احمد نے تین بار اسے طلاق دے کر گھر سے نکال دیا جمع پونجی پہلے ہی ہڑپ کر چکی تھی اب اگر جاتا بھی تو خالی ہاتھ۔ حالانکہ حقیقت میں خالی ہاتھ فیاض احمد رہ گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

وہ باہر لان میں کھڑی مالی سے پودوں کی کاٹ چھانٹ کروا رہی تھی۔ جب لان کے وسط میں رکھی ٹیبل پر اس کا موبائل گنگنانے لگا۔

"آپ یہ گلاب کی نیچے والی چھوٹی ٹہنیاں کاٹ دیں اس طرح یہ بے ترتیب پھیلے گا نہیں اور ذرا احتیاط سے کاٹیے گا سارا پودا ہی خراب نہ کر دیجیے گا میں ابھی آتی ہوں۔" وہ مالی کو ہدایت دیتی ہوئی ٹیبل کے قریب آئی موبائل اٹھا کر دیکھا تو حسب توقع عذیر کا فون تھا اسے پتا تھا اس کے نمبر پہ کال کرنے والا صرف ایک ہی تو شخص ہے جو گھر سے آفس جا کر بھی گھر میں ہی رہتا ہے۔

"السلام علیکم۔" اس نے اجنبیت ظاہر کرتے ہوئے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ کس سے بات کرنی ہے آپ نے؟"

"جی مجھے مس زرقون سے بات کرنی ہے۔" وہ بھی اسی کے سے انداز میں بات کر رہا تھا۔

"یہاں کوئی مس زرقون نہیں رہتی' یہاں مسز عذیر ہمدانی رہتی ہیں' آئندہ فون کرنا ہے تو سوچ سمجھ کر کرنا ورنہ میں اپنے شوہر کو بتا دوں گی۔" اس نے جیسے ڈانٹ پلائی۔

"تو آپ ابھی اپنے شوہر کو بتا دیں' میں کوئی ڈرتا ہوں ان سے۔" عذیر بھی بھرپور ایکٹنگ کر رہا تھا۔

"آپ جیسے لوفروں کو کسی کا ڈر نہیں ہوتا اسی لیے تو آفس جا کر بھی آفس کال بناتے رہتے ہیں۔"

"محترمہ منہ دھو رکھیے اور ایک بار پھر اپنا سیل چیک کیجیے' تب آپ کو پتا چلے گا کہ میں آفس کے نمبر سے نہیں اپنے نمبر سے کال کر رہا ہوں۔" اس نے

طنزیہ انداز میں کہا تھا۔

"آپ آفس کا بل بھر دو یا پھر اپنی مبائل کا، بات تو ایک ہی ہے نا۔ دونوں کے بل آپ نے ہی ادا کرنے ہیں۔" زرقون نے جتایا۔

"چھوڑیں اس بات کو یہ بتائیں کہ آپ نے فون کس لیے کیا تھا۔" اس نے سر جھٹکا۔

"تمہیں پیار کرنے کے لیے۔" وہ پھر ناں سیریس ہو گیا۔

"عذیر پلیز۔"

"او کے بتاتا ہوں یار، وہ دراصل تمہاری دوست میرین رات کو اپنے ہزبینڈ کے ساتھ ہمارے گھر آ رہی ہے تمہارے نمبر پہ اس کی کال نہیں مل رہی تھی اس لیے اس نے میرے نمبر پہ فون کیا ہے اس لیے میں نے سوچا کہ تمہیں بتا دوں تاکہ تم کچھ انتظام تو کر لو۔"

"تھینک یو عذیر۔" وہ چہکی۔

"تھینکس فار واٹ؟"

"اتنی اچھی خبر دینے کے لیے۔"

"اپنی دوست کے آنے کی اتنی خوشی ہو رہی ہے؟"

"ہاں بہت زیادہ۔"

"کیوں؟"

"ارے اس میں کیوں کا کیا سوال ہے؟ وہ میری دوست ہے بس۔"

"وہ تمہاری دوست ہے لیکن اس سے ملنا ملانا تو ہوتا ہی رہتا ہے پھر اتنی خوشی کیوں؟"

"کیونکہ وہ ہمارے اس نئے گھر میں پہلی مرتبہ آ رہی ہے ہمارا گھر دیکھے گی تو بہت خوش ہو گی۔" زرقون، میرین کے تاثرات دیکھنے کا تصور کر کے ہی مسکرا دی تھی۔

"او کے میں فون بند کرتی ہوں۔" اس نے فون رکھنا چاہا۔

"بغیر کوئی ٹیکس دیے؟" عذیر معنی خیز لہجے میں بولا۔

"ٹیکس گھر آ کر لے لیجیے گا۔"

"وعدہ۔"

"ہاں پکا وعدہ۔"

"او کے بائے۔" عذیر نے خود ہی فون رکھ دیا وہ ٹیکس دینے کا وعدہ جو کر چکی تھی عذیر کا کہنا تھا کہ وہ اتنی خوبصورت ہے کہ اسے روزانہ صبح و شام خوبصورتی کا ٹیکس دینا چاہیے اور وہ واقعی دیتی رہتی تھی نہ بھی دیتی تو وہ زبردستی لے لیتا تھا۔

"عذیر! گاڑی روکیے پلیز عذیر گاڑی روکیے۔" وہ دونوں اپنی اور بچوں کی شاپنگ کے لیے نکلے تھے کہ راستے میں ایک جگہ اچانک زرقون نے چلانا شروع کر دیا۔

"کیوں کیا ہوا ہے؟" عذیر نے اچانک بریک پہ پاؤں رکھ دیا تھا۔

"گاڑی بیک کریں۔" وہ بے چینی سے بولی۔

"لیکن زرقون بات کیا ہے؟"

"پلیز عذیر آپ گاڑی بیک کریں۔" وہ پریشانی سے کہہ رہی تھی عذیر نے گاڑی بیک کی اور زرقون مطلوبہ جگہ پہ آتے ہی گاڑی کا ڈور کھول کر تیزی سے نیچے اتر گئی تھی اس کے پیچھے عذیر بھی اتر آیا تھا۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی فٹ پاتھ کے قریب چلی گئی یہ ایک بس اسٹاپ تھا وہاں اور بھی چند لوگ کھڑے تھے لیکن ان لوگوں میں ایک ایسا چہرہ بھی تھا جسے پہچان کر عذیر کے قدم چلتے چلتے ٹھٹک گئے تھے۔

"فیاض بھائی۔۔۔" زرقون نے جا کر ان کا بازو تھام لیا ان کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی جھکے ہوئے کندھے اور لاغر جسم دیکھ کر زرقون نے دل پہ ہاتھ پڑا تھا اور آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے خون سے کشش ۔۔۔ اتنے عرصے بعد اس حلیے میں دیکھ کر بھی ان کو پہچان گئی تھی۔

"۔۔۔" وہ اسے دیکھ کر ساکت ہو گئے تھے چہرے کی رنگت زرد پڑ گئی تھی۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا حال بنا لیا ہے آپ نے؟ آپ۔۔۔ آپ ایسے تو نہیں تھے بھائی؟" زرقون کا لہجہ بھر آیا تھا۔

"مجھے میرے کیے نے ایسا بنا دیا ہے، اپنے کیے کی سزا بھگت رہا ہوں۔" نڈھال سی آواز میں انہوں نے بمشکل جملہ مکمل کیا تھا شاید مسلسل بیماری نے ان کو

اس حال تک پہنچا دیا تھا یا پھر پچھتاوے کا ناگ ان کو اندر ہی اندر ڈستے ہوئے اس حال تک لے آیا تھا۔ جو بھی تھا لیکن اس وقت ان کا واقعی برا حال تھا جسے دیکھ کر زرقون کا دل آٹھ آٹھ آنسو رو رہا تھا۔

"بھائی آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟ کیا ہو گیا ہے آپ کو؟" زرقون ۔۔۔ انہیں دیکھ کر رو رہی تھی اور ساتھ ساتھ ان سے استفسار کرتی جا رہی تھی وہاں موجود باقی لوگ بھی متوجہ ہو چکے تھے۔

"زرقون سارے سوال یہیں سڑک پہ ہی کرو گی؟ انہیں گاڑی میں لے چلو۔" عذیر نے آگے بڑھ کے اسے سمجھایا تھا۔ فیاض احمد نے سر اٹھا کر اسے دیکھا وہ شاندار شخصیت کا مالک سمجھ دار اور دیانت دار آدمی ان کی بہن ۔۔۔ اس کی عزت کا محافظ تھا انہیں عذیر کو دیکھ کر فخر ہوا تھا لیکن پھر اپنے اس روز والے رویے پہ ندامت اور پچھتاوا ہوا جب وہ زرقون کو ان کے پاس گھر واپس چھوڑنے آیا تھا اور زرقون کے کردار کے بارے میں صفائیاں پیش کرتا رہا تھا لیکن انہوں نے ایک نہیں مانی تھی دونوں کو بے عزت کر کے نکال دیا تھا لیکن آج وہی دونوں اپنی بے عزتی بھول بھال کر ان کے پاس بھاگے آئے تھے عذیر انہیں تھام کر گاڑی تک لایا تھا زرقون ان کے ساتھ پیچھے ہی بیٹھ گئی۔

"ڈاکٹر کے پاس جانا ہے یا گھر؟" وہ زرقون سے پوچھ رہا تھا۔

"واپس گھر چلیں، ڈاکٹر کو گھر پہ بلا لیتے ہیں۔" زرقون گھر جا کر ان سے اطمینان سے بات کرنا چاہتی تھی اور عذیر نے گاڑی واپس گھر کی سمت موڑ دی۔ اور جیسے ہی ان کی گاڑی گھر میں داخل ہوئی فیاض احمد کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں وہ گھر تھا یا محل؟

"آیئے بھائی صاحب۔" عذیر نے انہیں اترنے میں مدد دی اور دونوں انہیں سہارا دیے اندر لے آئے۔

"مما پاپا۔" زینی اور نومی بھاگتے ہوئے آئے تھے زینی عذیر سے لپٹ گئی تھی اور نومی ماں کی طرف آیا تھا۔

"میری جان۔" عذیر نے جھک کر زینی کو اٹھایا اور گال چومتے ہوئے فیاض احمد کی طرف پلٹا۔

"ان سے ملو یہ تمہارے ماموں ہیں۔" اس نے تعارف کروایا۔

"ماموں؟" زینی نے دھیمی سی جھجکی ہوئی آواز سے کہا۔

"میرے بچے۔" فیاض احمد نے دونوں بچوں کو ساتھ بھینچ لیا تھا اور دھاڑیں مار مار کر رو پڑے تھے بچوں کے ساتھ ساتھ زرقون بھی پریشان ہو گئی تھی۔

"بھائی یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟"

"میں تمہارا گناہ گار ہوں مجھے معاف کر دو، میں تو تمہیں منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں تھا تین سال سے اسی شہر میں بھٹک رہا ہوں لیکن کبھی معافی مانگنے کا حوصلہ نہیں ہوا میں خود مجرم ہوں تمہارا، تمہارے بے داغ دامن کو داغ دار کرتا رہا۔" انہوں نے ہاتھ جوڑ دیے تھے اور زرقون نے ان کے ہاتھ تھام کے چہرے سے لگا لیے تھے۔

"آپ مجھ سے بڑے ہیں مجھے گناہ گار نہ کیجیے۔" وہ روہانسی آواز میں بولی۔

"میرا خیال ہے کہ آپ دونوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو بھی ہوا بہت اچھا ہوا تھا۔" عذیر مسکرا کے بولا وہ اس غمگین ماحول میں خوشگواریت پیدا کرنا چاہتا تھا۔

وہ پچھتاوے اور ندامت کے اس سین کو لمبا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"آپ کے لیے تو اچھا ہی ہوا تھا۔" وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

"آف کورس۔" وہ ہنسا اور فیاض احمد مسکرا دیے تھے۔

"ادھر آؤ میری جان۔" انہوں نے بچوں کو پاس بلا کر گود میں بٹھایا تھا۔ عذیر ڈاکٹر کو فون کرنے کے لیے چل دیا تھا اور زرقون فیاض احمد کے کندھے سے لگ کر بیٹھ گئی آج اس کا دل واقعی شانت ہو گیا تھا۔ اس کی سچائی اپنا آپ منوا چکی تھی۔

۲
دوسرا حصہ

کالج کا گیٹ عبور کر کے مسرت جہاں فوزیہ کے ہمراہ لان کی طرف بڑھیں۔ آج کل پڑھائی زوروں پر تھی اور وجہ تھی فرسٹ سمسٹر کی تیاری۔ اس لیے تقریباً تمام اسٹوڈنٹس ہی غیر حاضری سے اجتناب کر رہے تھے۔ وہ بھی نہایت دلچسپی اور توجہ کے ساتھ اپنے تعلیمی مراحل طے کرنا چاہتی تھیں۔ ذہن کو صرف ایک مقام پر مرتکز کر کے وہ اپنی تمام صلاحیتیں بروئے کار لانا چاہتی تھیں۔ فوزیہ سے ایک دو قدم آگے چلتے ہوئے جوں ہی لان کے بائیں جانب مڑیں ان کی نظر سامنے بیٹھے ہوئے فرجاد سے جا ٹکرائی۔

جو ان سے قدرے فاصلے پر اپنے دوستوں کے ہمراہ گھاس پر براجمان تھا۔ انہیں فوزیہ کے سنگ دیکھ کر ایک طمانیت بھری مسکراہٹ اس کے عنابی لبوں پر ابھر کر معدوم ہو گئی۔ ایک پل کو انہیں یہ ہی لگا تھا جیسے اس کی منتظر نگاہیں ان کو دیکھتے ہی پرسکون ہو گئی تھیں اور اب ان آنکھوں میں انتظار کی بجائے شوق، تجسس اور جانے کون کون سے جذبوں کی پرچھائیاں رقصاں تھیں۔ وہ ایک پل کو نروس ہو گئیں۔ تیزی سے اٹھتے قدم یوں ہلکے پڑ گئے۔ جیسے وہ کسی ٹرانس کی کیفیت میں مبتلا ہو گئی ہوں۔ انہوں نے بس ایک نظر اس کی طرف دیکھ کر نگاہوں کا زاویہ بدل لیا تھا۔ لیکن ان کے دل میں کتنی سوچوں نے ایک دم سر ابھارا تھا۔ پچھلے کئی دنوں سے وہ اس [illegible] نظروں کا سامنا کر رہی تھیں۔ کلاس میں، کلاس سے باہر، لان میں، کینٹین میں، ہر جگہ جہاں کہیں وہ اس کے سامنے آ جاتیں اس کی نگاہوں کا مرکز بن جاتیں۔ وہ انہیں یوں ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا جیسے پلک جھپکے گا تو مسرت جہاں کسی الوژن کی طرح غائب ہو جائیں گی۔ اور اس سے وہ دنیا و مافیہا سے بالکل بے نیاز ہو جاتا۔ وہ بھول جاتا کہ وہ اس وقت تنہا نہیں اس کے ارد گرد بہت سے لوگ موجود ہیں، مختلف کاموں میں مصروف لوگ، لیکن جن کی نظروں سے کچھ چھپ جانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ لیکن اگر وہ اسی طرح اپنے موجودہ رویے پر قائم رہا تو مسرت جہاں کے لیے اس کالج میں اپنی ریپوٹیشن برقرار رکھنا مشکل ہو جائے گی۔ اس سوچ کے ذہن میں [illegible] مسرت جہاں جیسے حواسوں کی دنیا میں آ گئیں۔

"وہ انہیں اس شخص کی حد درجہ [illegible] کرنی ہوگی۔ صرف اس طرح وہ سکون کے ساتھ اپنا تعلیمی کیریئر بنا سکیں گی۔" [illegible] فوزیہ کی طرف دیکھا۔ اپنی سوچوں میں [illegible] وہ یوں ہی چلتی ہوئی برآمدے کی سیڑھیوں تک [illegible] جبکہ فوزیہ کافی فاصلے پر اپنی شریک کلاس سعدیہ سے باتوں میں مصروف تھی۔ [illegible] اور پلٹ کر فوزیہ کی طرف دیکھنے لگیں۔ سعدیہ سے ایک دو منٹ باتیں کرنے کے بعد فوزیہ ان کی طرف بڑھی۔

"توبہ ہے مسرت! کیا کوئی بھوت دیکھ لیا تھا؟" فوزیہ ان کے قریب آتے ہوئے بولی۔

"کیوں...؟"

"تم تو یوں آگے ہی آگے جا رہی تھیں جیسے کوئی

تمہارے پیچھے لگا ہوا ہو' سعدیہ کے آواز دینے پر بھی نہیں رکیں۔ خیر تو ہے نا۔" فوزیہ گہری نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"وہ۔ وہ اصل میں سرایاز کا پیریڈ شروع ہونے میں صرف دو' چار منٹ ہی رہ گئے ہیں۔ ان کا پتا تو ہے تمہیں کہ دیر سے آنے پر اسٹوڈنٹ کو کلاس میں گھسنے نہیں دیتے۔" مسرت جہاں کو جیسے اپنی غائب دماغی اور گھبراہٹ کا معقول جواز مل گیا۔

"سعدیہ یہی تو بتا رہی تھی کہ سرایاز تین دن کی لیو پر ہیں۔ سو آج کا سارا دن بے کار گیا اور تمہاری اتنی عجلت بھی بے کار گئی۔"

"تو پھر میرا خیال ہے کلاس روم میں جانے سے بہتر ہے یہیں لان میں بیٹھا جائے۔" مسرت جہاں نے کہا تو فوزیہ بھی اثبات میں سرہلاتے ہوئے ان کے ساتھ قدم سے قدم ملاتی لان کے نسبتاً" الگ تھلگ گوشے کی طرف بڑھ گئی۔ کتابیں گھاس پر ڈھیر کرنے کے بعد وہ دونوں خود بھی بیٹھ گئیں۔

"مسرت میں چند دنوں سے تم میں کوئی تبدیلی دیکھ رہی ہوں۔ یہ تو میں نہیں جانتی کہ یہ تبدیلی مثبت ہے یا منفی' لیکن میں اتنا جانتی ہوں کہ تمہیں ذہنی طور پر بہت ڈسٹرب کر رہی ہے' کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔"

فوزیہ بچپن سے لے کر اب تک ان کی واحد دوست تھی اور دوست بھی ایسی جسے مزاج آشنا کہا جائے تو غلط نہ ہو گا اور اس کا یہ تجزیہ بھی کسی حد تک درست تھا کہ وہ چند دنوں سے واقعی ڈسٹرب تھیں۔

"فوزیہ! مجھے فرجاد ملک کا دیکھنا اچھا نہیں لگتا۔" انہوں نے معصومیت سے اپنی پریشانی بتائی۔

"کیا مطلب؟ کیا وہ خصوصی طور پر تمہیں دیکھتا ہے؟" فوزیہ مسکراتے لہجے میں بولی۔

"شاید یہ میری غلط فہمی ہو' لیکن اس کا مستقل دیکھنا مجھے بہت برا لگتا ہے۔ اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اسے کس طرح روکوں' یہ کالج ہے جہاں ہم پڑھنے کے لیے آتے ہیں۔ لیکن عجیب بات ہے اسٹوڈنٹس نے کالج کو بھی میرج ہال سمجھ لیا ہے۔" مسرت جہاں کے ایک ایک لفظ سے جھنجلاہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔ غالباً" وہ فرجاد ملک کے اوٹ پٹانگ رویے سے تنگ آچکی تھیں۔

"ارے مسرت! کیسی ہو تم' جانتی ہو فرجاد ملک کالج کی لڑکیوں کے لیے ہاٹ کیک ہے۔ کتنی ہی لڑکیاں اس کی چاہت کا دم بھرتی ہیں۔ اس کی ایک نظر پانے کو جانے کیا کیا جتن کرتی ہیں اور وہ شخص جو اپنا دامن بچاتا رہا ہے۔ زندگی میں شاید پہلی بار کسی کی طرف جھکا ہے۔"

"یعنی تمہارا خیال ہے کہ میں اس کی حوصلہ افزائی کروں۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کروں کہ وہ مجھے اسکینڈلائز کرنے پر تل گیا ہے۔ شکرانے کے نفل ادا کروں اپنی متوقع بدنامی پر۔" مسرت جہاں جلے ہوئے انداز میں گویا ہوئیں۔

"کیا بہت برا لگا ہے تمہیں وہ۔"

"میرا اس سے ایسا کوئی رشتہ نہیں کہ وہ مجھے اچھا یا برا لگے۔ میرے لیے محض وہ ایکس وائی زیڈ ہے۔ مجھے چڑ ہوتی ہے۔ اس طرح کے لوگوں سے جنہیں اپنے سوا کسی کا خیال نہیں ہوتا۔"

"کیا اس نے کوئی بدتمیزی کی ہے؟"

"نہیں لیکن اس طرح میری پوزیشن آکورڈ ہو جائے گی اور مجھے اپنی عزت بہت عزیز ہے۔" مسرت جہاں گھاس کی پتیاں [illegible] جلے بھنے انداز میں بولیں۔

"پتا نہیں کیا وجہ ہے جو وہ تمہاری طرف متوجہ ہوا' ایک مہذب اور شائستہ اطوار کا مالک لڑکا ہے' کم از کم اس سے اوچھی حرکتوں کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ بہرحال تم اسے اوائڈ کرنے کی کوشش کرو۔"

"تمہارا کیا خیال ہے میرے اوائڈ کرنے سے کیا وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائے گا۔ تمہیں فوزیہ اس کی آنکھوں کا حتمی انداز نہیں دیکھا تم نے' یوں دیکھتا ہے جیسے ساری کائنات کو تسخیر کر چکا ہو۔" تب مسرت جہاں کی بے زاریت عروج پر تھی۔ فوزیہ خاموش رہی اتنے میں فرجاد سامنے لان میں کھڑا نظر آیا جو بہت فرصت سے انہیں ہی دیکھ رہا تھا اور اس کا یوں دیکھنا مسرت جہاں کو ایک بار پھر چڑا گیا۔

☆ ☆ ☆

اگلے دن کالج میں آتے ہی غیر ارادی طور پر ان کی متلاشی نگاہوں نے وہاں کا جائزہ لیا تھا جہاں ہر روز اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوتا تھا لیکن آج وہاں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ وہ بے دلی سے ڈیپارٹمنٹ کی طرف بڑھ گئیں پہلے دو پیریڈز کے بعد باقی کا سارا دن بے کار ہی تھا۔ آج فوزیہ بھی نہیں آئی تھی وہ اکیلی تھیں اور شاکر بھائی نے اپنے ٹائم پر آنا تھا۔ سو بوریت سے بچنے کے لیے انہوں نے سوچا کہ لائبریری میں وقت گزار لیا جائے۔

اس وقت بیشتر اسٹوڈنٹس کلاس رومز میں تھے جو فری تھے وہ لان میں ٹولیاں بنائے گپیں ہانک رہے تھے۔ وہ نظریں جھکائے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ کر لائبریری میں داخل ہو گئیں۔ وسیع و عریض لائبریری اس وقت بھائیں بھائیں کر رہی تھی صرف لائبریرین سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھیں لیکن وہ کافی فاصلے پر تھیں۔ مسرت جہاں ابھی اس کی طرف بڑھنے لگی تھیں کہ سامنے رکھے بک ریک کے عقب سے وہ نکل کر ان کی راہ میں حائل ہو گیا۔ ایک لمحے کو تو وہ اسے اپنے سامنے پاکر بدحواس ہو گئیں۔ گھبرائی ہوئی نظروں سے انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی گہری خاموش نگاہیں ان کے چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں وہی بے باک محبت بھری آنکھیں جن سے مسرت جہاں پیچھا چھڑانا چاہتی تھیں۔ وہ کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہتی تھیں اور نہ ہی اسے کرنا چاہتی تھیں محبت جیسی لگژری افورڈ نہیں کر سکتی تھیں اور یہ شخص اپنی آنکھوں سے جانے کیا کیا پیغام دینے لگا تھا۔ اور آج ان کی مسلسل خاموشی سے شہہ پاکر وہ ان کا راستہ روکنے کی ہمت بھی کر چکا تھا۔ اگر وہ اسے روک نہ پائیں تو آنے والا کل کس قدر بھیانک حقیقت لے کر آنے والا تھا' اس سوچ سے ہی لرز اٹھی تھیں۔

"راستہ چھوڑیں ہمارا۔" ایک سرسراتی ہوئی آواز ان کے حلق سے برآمد ہوئی۔ حقیقتاً" فرجاد ملک انہیں بہت پریشان کر رہا تھا۔ ان کی بات کے جواب میں بھی فرجاد ملک ٹس سے مس نہیں ہوا۔

"مسرت جہاں! مجھے بس آپ کے قیمتی وقت میں سے چند لمحے درکار ہیں۔"

"کس لیے؟"

"کچھ ڈسکس کرنا ہے۔ آپ سے۔" فرجاد ملک ہنوز مطمئن لہجے میں بولا۔

"میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتی براہ کرم میرا راستہ چھوڑیں۔" مسرت جہاں نے اپنی اندرونی کیفیت کو چھپاتے ہوئے حتمی انداز میں کہا۔

"لیکن میں ضروری سمجھتا ہوں کہ جو احساس آپ سے متعلق میرے دل کے اندر پنپ رہا ہے اس سے آپ کو آگاہ کروں میں نے آج تک بھی کسی کے بارے میں اس انداز سے نہیں سوچا اور شاید اسی لیے خودداری اور انا مجروح ہونے کے خیال سے میں نے اتنے دن خود کو روکا۔ لیکن جذبوں پر تو کسی کا اختیار نہیں ہوتا نا۔"

"پلیز فرجاد صاحب لفظوں کی حرمت کو ضائع مت کیجیے گا کوئی ایسا مطالبہ کوئی ایسی امید وابستہ مت کیجیے گا جس کا اختیار میرے پاس نہ ہو۔" مسرت جہاں فرجاد ملک کے روبرو بول پڑیں وہ کچھ کچھ جان گئی تھیں۔ کہ فرجاد ملک کے اگلے جملے کیا ہوں گے۔ اسی لیے انہوں نے اسے مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ لیکن شاید فرجاد ملک کے لیے اپنے محسوسات پر بند باندھنا اب ناممکن ہو گیا تھا۔

"میں مانتا ہوں کہ جذبوں کو مشتہر کرنا انہیں بے وقعت کر دینے کے مترادف ہے۔ لیکن محبت کے آگے انسان ایک مقام پر اتنا بے بس ہو جاتا ہے کہ

اسے جذبوں کو اظہار کی زبان دینی پڑی ہے۔ اور آج آپ کے سامنے میں نے اپنی جذبوں کو بھی اظہار کی زبان دے دی ہے۔ یہ آپ کے اختیار میں ہے خواہ ان جذبوں کو اپنے دل میں بسا کر معتبر کردیں۔ خواہ ٹھکرا کر بے توقیر کردیں۔" لفظ ساتھ چھوڑ گئے تھے یا پھر زبان' فرجاد ملک خاموش ہوگیا۔ مسرت جہاں کی ساکت آنکھیں فرجاد ملک کے وجیہہ چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں معصوم التجائیں اور محبت کا بچ امید بن کر چمک اٹھا تھا۔ مسرت جہاں کے لیے یہ لمحے جیسے حیرت کا ایک بحر بیکراں تھے ان کے لبوں پر خاموشی کا قفل لگا ہوا تھا اور آنکھیں —— حیا سے جھکنے لگیں۔

"مسرت جہاں' آج آپ کا کالج میں پہلا دن ہے۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ کالج میں پڑھنے کے لیے جاتے ہیں۔ دیگر سرگرمیوں میں شمولیت ہمیں اچھی نہیں لگتی۔ اسے آپ ہماری نصیحت' تنبیہہ یا پھر حکم جو چاہے سمجھ لیں کہ اپنے خوابوں کی تکمیل میں ہماری عزت و حرمت کا خون مت شامل کیجیے گا۔ جس بے داغ پوشاک میں ملبوس ہیں آپ اس پر ہم ذلت کا کوئی چھینٹا برداشت نہیں کرپائیں گے۔" ایک کوندتا ہوا لہجہ ان کی سماعت کے نہاں گوشوں سے نکلا اور ایک پل کے اندر اندر ان کا سارا وجود جیسے کسی ان دیکھے حصار میں مقید ہوگیا۔ ان کی جھکی ہوئی پلکیں اٹھیں تو فرجاد ملک ان آنکھوں میں ایک لحہ نہ جھانک سکا۔ ان کی نرم آنکھیں عجیب سی سختی لیے ہوئے تھیں کہ فرجاد ملک کو لگا ان سنگلاخ چٹانوں جیسی سختی والی آنکھوں کے آگے ان کی آنکھوں میں سجنے والے خواب کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

"نہیں فرجاد صاحب! جو راستہ آپ نے منتخب کیا ہے۔ میں اس رستے پر چلنا تو کیا اس کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی۔ لیکن آپ سے استدعا ہے کہ میری راہ میں اس طرح حائل ہو کر بار بار میرے سامنے آکر میری شخصیت کو مجروح مت کریں۔" ان کا لہجہ سخت سہی لیکن فرجاد ملک کو ان لفظوں کے پیچھے چھپا خوف نظر آگیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بظاہر پتھر کی طرح سخت نظر آنے والی لڑکیاں موم سے بھی کہیں زیادہ نرم و نازک ہوتی ہیں۔ حالات کی ہلکی سی تمازت انہیں پگھلانے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ اور مسرت جہاں تو اس کے گلشن دل کا واحد گلاب تھیں۔ وہ یہ کیسے برداشت کرلیتا کہ یہ گلاب مرجھا جائے۔

"مسرت جہاں! آپ یہ سوچ کر خوفزدہ مت ہوں کہ آپ کے انکار کی صورت میں میں کسی قسم کے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آؤں گا۔ آپ کی عزت و حرمت مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ آپ کو اختیار حاصل ہے اقرار کا بھی' انکار کا بھی' لیکن انکار کی صورت میں بس اتنی اجازت مجھے دیجیے گا کہ میں آپ کو دیکھ سکوں۔ یہ یاد رکھیے گا کہ کبھی آپ سے سامنا ہوا تو دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر میری نظریں آپ کے چہرے کا طواف ضرور کریں گی۔ آپ مجھے اس سے مت روکیے گا میں کبھی آپ کے رستے میں نہیں آؤں گا نہ ہی میرے کسی عمل سے آپ کو کسی قسم کی پریشانی ہوگی۔ لیکن ایک بات کا خیال رکھیے گا کہ جب بھی میں آپ کے سامنے آؤں تو ان خوبصورت آنکھوں میں حقارت اور اس صبیح پیشانی پر ناگواری کی شکن نہ آنے دیجیے گا کہ محبت کرنے والوں کی خودداری مجروح ہوتی ہے۔" فرجاد ملک اپنی بات مکمل کرکے کسی ہوا کے جھونکے کی طرح لائبریری کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ مسرت جہاں کی آنکھوں کے سامنے دروازے کا خالی فریم تھا جہاں سے ابھی ابھی وہ گیا تھا۔ انہوں نے گردن موڑ کر پیچھے بیٹھی لائبریرین کی طرف دیکھا جو اپنے کام میں مصروف تھیں۔ اور [illegible] سے چلتی قریبی کرسی پر ڈھے سی گئیں۔

کون سی کتاب اور کہاں کا مطالعہ' دماغ کی ساری صلاحیتیں جیسے چوپٹ ہو کر رہ گئی تھیں۔ زندگی کا ایک انوکھا تجربہ ہوا تھا آج انہیں۔ ایک شخص ان سے شدید محبت کا دعوے دار تھا۔ کیا حقیقی رشتوں کے علاوہ کوئی اجنبی بھی آپ سے اس قدر محبت کا دعوا کرسکتا ہے۔ فی الوقت وہ فرجاد ملک کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے کی ہمت خود میں نہیں پارہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

کالج میں داخل ہوتے ہی کچھ فاصلے پر فرجاد ان کو نظر آگیا۔ وہ ایک درخت سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اور اس کی نظریں بڑی بے قراری سے گیٹ پر جمی ہوئی تھیں۔ انہیں آتے دیکھ کر وہ جیسے پرسکون ہوگیا تھا۔ مسرت جہاں نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر حسب معمول سر جھکائے اپنے ڈپارٹمنٹ کی طرف بڑھنے لگیں۔

"مسرت! ایک منٹ بات سنیے۔" بہت دھیمے انداز میں وہ بولا تھا۔ انہوں نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا وہ ان کے بہت نزدیک کھڑا تھا۔ ایک نظر چاروں طرف ڈالی انہیں یہی لگا جیسے اردگرد موجود سب لوگ ان کی طرف متوجہ ہیں سب لوگوں کی نگاہوں میں ان کے لیے تمسخر ہے طنز ہے۔ وہ معنی خیز نظریں انہیں اپنے چہرے پر چبھتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ لیکن کل کی طرح آج وہ اسے اگنور نہ کرسکیں۔ شاید دل میں کوئی چور بیٹھا تھا جو حکم چلا رہا تھا اور وہ اس کی بات ان کر کچھ نہ بولیں۔

"جی۔" ان کے حلق سے برآمد ہوا۔

"مسرت! آپ —— آپ پریشان دکھائی دے رہی ہیں کیا بات ہے؟"

اس کے لہجے میں اپنے لیے پریشانی محسوس کرکے وہ پہلی بار اس کے سامنے مسکرائی تھیں۔ اور فرجاد ملک دھوپ چھاؤں کا یہ روپ دیکھ کر جیسے بالکل ہی دیوانہ ہو اٹھا تھا۔ گیلی گیلی جھیل سی آنکھیں اور کلیوں جیسے نازک ہونٹ' آنسوؤں اور مسکراہٹ کا ملا جلا امتزاج۔

"نہیں کوئی پریشانی نہیں ہے۔" انہوں نے مختصر سا جواب دے کر قدم آگے بڑھانے چاہے۔

"مسرت جہاں! اگر آج —— آپ میرے ساتھ ایک کپ کافی پئیں گی؟" ان کی مسکراہٹ' اور جواب سے اس کی ہمت بڑھ گئی تھی۔

مسرت جہاں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا بے ریا' پرخلوص محبت بھرا یہ چہرہ۔ کیا اس کا باطن بھی اتنا ہی بے ریا اور محبت بھرا ہے' وہ سر جھکائے ان کے جواب کا منتظر تھا اور وہ اس کے متعلق سوچ رہی تھیں۔

"آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔" اس نے استفسار کیا۔

"پہلے دو پیریڈز کے بعد میرے پاس کچھ ٹائم ہے۔ آف ٹائم کے بعد میں کہیں نہیں جاسکتی۔" وہ کہہ کر آگے بڑھ گئیں۔

دو پیریڈ گزرنے کے بعد جب وہ اپنے ڈپارٹمنٹ سے باہر نکلیں تو فرجاد ملک انہیں اپنا منتظر ملا۔ مسرت جہاں نے چادر سے اچھی طرح اپنا وجود چھپا رکھا تھا۔ اس کے پیچھے بائیک پر بیٹھتے ہوئے مسرت جہاں کے دماغ نے ایک بار پھر احتجاج کیا تھا لیکن دل کے آگے اس کی ایک نہ چل سکی۔ فرجاد ملک بائیک چلا رہا تھا لیکن اسے یوں لگ رہا تھا جیسے آج سے ہواؤں میں اڑ رہا ہے۔ جس چہرے کے خدوخال نے پچھلی بہت سی راتوں کو اسے نیند سے محروم کر رکھا تھا۔ جس پیکر کو تراشتے تراشتے اس کی سوچیں اس کا تخیل لہولہو ہوگیا تھا۔ اس کے بالکل قریب براجمان تھا۔ اس کے وجود کی دھیمی دھیمی آنچ آج فرجاد ملک کے وجود و روح میں حسرتوں کی برف پگھلا رہی تھی۔ محبت کی حرارت مل رہی تھی۔ اور اسے یوں لگ رہا تھا جیسے صدیوں سے وہ نفرتوں کے سرد خانوں میں رہتا رہا تھا۔ جہاں محبت نے کبھی جھانک کر نہ دیکھا تھا اور آج۔

آج محبت خود چل کر اس کے پاس آگئی تھی۔ ساری تشنگیوں کا ساری ریاضتوں کا ثمر اسے مل گیا تھا۔ اس کا دل چاہا یہ سفر ساری زندگی پر محیط ہوجائے۔ یہ مانوس خوشبو اس وجود سے اٹھ رہی ہے تمام عمر میں

اسی خوشبو کے حصار میں رہوں۔ دھڑکنیں رک جائیں۔ وقت تھم جائے کائنات ختم ہو جائے لیکن خوشبو مجھ سے دور نہ ہو۔ اور مسرت جہاں کی سوچیں ایک الگ ہی منظر میں الجھی ہوئی تھیں۔

جس شخص کے سنگ ہمقدم، ہمسفر رہنے کا انہوں نے فیصلہ کیا تھا کیا وہ ان کے خاندان کے لیے قابل قبول ہو گا۔ پہلے تو انہوں نے ہر طرح خود کو اس راہ پر چلنے سے روکا تھا۔ اور جب وہ اس راہ پر چل پڑی تھیں تو اب جو بھی ہو جاتا انہوں نے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹنا تھا۔ بائیک رک گئی تو وہ بھی جیسے سوچوں کے بھنور سے نکل آئیں۔ وہ دونوں ایک بہت بڑے ریسٹورنٹ کے سامنے کھڑے تھے۔

وہ سبک روی سے مسرت جہاں کے قدم سے قدم ملائے ریسٹورنٹ میں داخل ہوا۔ محبت کا ہمسفر ہونا انسان کو کتنا معتبر اور خود اعتماد بنا دیتا ہے۔ یہ کوئی اس وقت فرجاد ملک کے حسرت آشنا دل سے پوچھتا۔

نسبتاً" تاریک گوشے میں رکھے ٹیبل پر وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے فرجاد محبت پاش نظروں سے مسرت جہاں کے صبیح چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اور مسرت جہاں کے رخسار شدت حیا سے تمتما رہے تھے۔ ایک انوکھی کسک، انوکھی لذت سی انہیں اپنے رگ و پے میں سرائیت کرتی محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ انجانے خدشوں اور واہموں سے ان کا کمزور سا دل گھبرا بھی رہا تھا۔

"مسرت کہنے کو تو بہت سی باتیں ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ میرے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں جن کی ادائیگی میرے جذبوں کے اظہار کو طمانیت بخشیں کہ تمام الفاظ محض عامیانہ اور سطحی سے لگ رہے ہیں۔ بہر حال میں نہ تو خود الجھنا چاہتا ہوں اور نہ ہی آپ کو الجھانا چاہتا ہوں۔ محبت کے رستوں پر سفر کرنے والوں کو زندگی کا ساتھی بن جانا چاہیے۔ یہ میرا خیال ہے کیا آپ اس سے اتفاق کرتی ہیں؟" فرجاد مسرت جہاں کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا [illegible] اٹھائے اس کی بات بہت توجہ سے سن رہی تھیں۔ محبت کو قبول کرنے کا فیصلہ تو سراسر ان کا ذاتی تھا لیکن شریک زندگی چننے کا اختیار ان کے والدین نے انہیں نہیں دیا تھا۔ یہ حق اماں بی اور ابا میاں کا تھا۔

"میں اس بات کا فیصلہ تن تنہا کیسے کر سکتی ہوں۔ میری زندگی کا فیصلہ اماں بی اور ابا میاں کریں گے۔" وہ پر سوچ انداز میں بولیں۔

"مسرت جہاں! رشتے زندگی کی خوبصورتی ضرور ہیں لیکن انہیں کمزوری نہیں بنانا چاہیے آپ کی زندگی صرف آپ کی ذاتی ہوتی ہے۔ دوسرے جس طرح اپنی اپنی زندگی جی رہے ہوتے ہیں آپ کو بھی اس کا مکمل اختیار ہونا چاہیے۔ میرا نہیں خیال کہ اپنے بارے میں آپ سے بہتر کوئی سوچ سکتا ہے۔"

"لیکن ہمارے ماں باپ بھی تو ہمارے لیے برا نہیں سوچتے۔ انہیں زندگی گزارنے کے بعد ایک مستند تجربہ حاصل ہوتا ہے۔ وہ جہاندیدہ ہوتے ہیں۔ پھر وہ ہمیں پال پوس کر بڑا کرتے ہیں محبت، توجہ، سہولتیں فراہم کرتے ہیں کیا ان کا اتنا بھی حق نہیں ہوتا کہ وہ ہماری زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ خود کریں۔"

"مسرت جہاں! شاید اس مسئلے میں کبھی آپ سے بحث نہ کر سکوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان رشتوں کا مان، اعتبار، محبت میرے دامن میں نہیں ہے۔ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں۔ میں یہ بات آپ کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے نہیں کہہ رہا۔ الحمد للہ مجھے اپنی زندگی میں کبھی ان کمیوں کا احساس بھی نہیں ہوا میں سیلف میڈ انسان ہوں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ میری قوت ارادی دوسروں سے کہیں زیادہ ہے۔ رشتوں کی محبتیں انسان کو نہایت بزدل اور کمزور بنا دیتی ہیں۔ انسان ان محبتوں کے کھو جانے کے ڈر سے اپنے آپ کو اذیت میں مبتلا کیے رکھتا ہے لیکن ان رشتوں کی چھاؤں میں رہنا پسند کرتا ہے۔" فرجاد ان رشتوں سے ناواقف ضرور تھا لیکن ان سے منسلک جذبوں اور احساسات سے عاری نہیں تھا۔ مسرت جہاں کے

سامنے اس نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا سچ بولا تھا کہ وہ سیلف میڈ ہے اس کی زندگی کا کوئی گوشہ کسی اپنے کے زیر بار نہیں ہے۔

"آپ اکیلے ہیں مان لیا لیکن کیا کبھی آپ کو احساس نہیں ہوا کہ اس دنیا میں آپ کے بھی اپنے ہوتے۔" مسرت جہاں کے لہجے میں اس سے عجیب سی نرمی اور مٹھاس در آئی تھی۔

"نہیں۔۔۔ یقین کیجیے مسرت جہاں کبھی میں نے زندگی کو سسکتے دیکھا ہے۔ ایک روٹی کی خاطر کتوں کی طرح جھگڑتے انسانیت کے علمبردار دیکھے ہیں۔ میرا بچپن فٹ پاتھ کو اپنا بچھونا بنا کر گزرا ہے روتے دھوتے سوتے جاگتے کبھی کسی کی گود میں سر رکھ کر ماں کی نرم گرم آغوش کا تصور کرنا بھی ایک عیاشی ہے۔ لوگوں کے جوتے صاف کرتے ہوئے جھڑکیاں کھاتے ہوئے کبھی ذہن میں یہ خیال نہیں آیا تھا کہ آخر میرا اپنا کوئی کیوں نہیں۔ ہاں ذہن میں یہ تصور ابھرتا تھا کہ میں نے بغیر سہارے کے زندگی کو زندگی سمجھ کر جینا ہے۔ اور آج دیکھ لیں آپ کے سامنے ہوں۔ تین کمروں کا فلیٹ میرا ذاتی ہے۔ بہت اعلانہ سہی لیکن زندگی کی ہر سہولت سے آراستہ ہے۔ میں نے تعلیم بھی اپنے بل بوتے پر حاصل کی۔ اور آج اس قابل ہوں کہ پریکٹیکل لائف میں قدم رکھ سکوں۔" فرجاد کا لہجہ بہت ٹھہرا ہوا اور کسی جھیل کی سطح کی طرح پر سکون تھا۔ مسرت جہاں دم بخود اس کی داستان حیات سن رہی تھیں۔ کچھ دیر پہلے کی بوکھلاہٹ اور گھبراہٹ کہیں اڑنچھو ہو چکی تھی۔

"ہاں لیکن اب۔۔۔ اب احساس ہوتا ہے کسی بہت بڑی کمی کا۔ اب دل چاہتا ہے کہ اتنی بڑی دنیا میں ایک صرف ایک میرا اپنا ہو جسے پانے کے بعد کوئی درد کوئی محرومی میرے قریب نہ آسکے۔" فرجاد ملک کی لو دیتی آنکھیں مسرت جہاں کو تک رہی تھیں اور پہلی بار انہوں نے اپنے اوپر ناز کیا تھا۔ فرجاد ملک جیسی شخصیت اس جیسا انسان ان کی ہمراہی کے خواب دیکھ رہا تھا۔ کیا تھا ان میں ایسا جو اس کی نظروں کو بھا گیا اور وہ اس کے دل میں اتر گئیں۔ محض کچھ عرصہ ہی تو ہوا تھا انہیں ایک دوسرے سے ملے اور اتنی جلدی محبت اور محبت کے حصول کی خواہش۔

"مسرت جہاں! آپ بھی تو کچھ بولیں۔"

"میں اپنے بارے میں کیا بتاؤں۔ جس پتھریلی راہ حیات سے گزر کر آپ یہاں اس مقام تک پہنچے ہیں میں اس راستے سے انجان ہوں۔ بچپن سے لے کر اب تک محض محبتیں ہی محبتیں دیکھی ہیں میں نے پانچ بھائیوں کی اکلوتی بہن ہونے کی وجہ سے گھر بھر نے لاڈ اٹھائے ہیں میرے شاید اسی لیے محرومیوں سے ناواقف ہوں۔" مسرت جہاں کی نرم نرم آواز فرجاد کی سماعت کو سہلا رہی تھی۔

"آپ کیا سوچ رہے ہیں؟" مسرت جہاں بولیں تو جیسے وہ ہوش میں آگیا۔

"کوئی خاص بات نہیں، بس یونہی ایک خیال آگیا تھا کہ کیا اتنی سہل زندگی گزارنے والی لڑکی میرے ساتھ گزارا کر پائے گی۔ میں خود ترسی کا شکار نہیں ہوں۔ خود پر بھروسہ ہے مجھے کہ میں زندگی کا ہر سکھ دے سکتا ہوں تمہیں۔ لیکن اس کے لیے کچھ انتظار کرنا پڑے گا۔" فرجاد ملک اچانک آپ سے تم پر آگیا۔ اجنبیت کی ایک اور دیوار ریت کی طرح بھربھری ہو کر ڈھے گئی۔

"میں نے کبھی زندگی کو ان مادی چیزوں کی احتیاجات کے پس منظر میں نہیں دیکھا نہ ہی یہ میری کمزوری ہیں۔ میں زندگی کو بہت سادگی سے گزارنے کی قائل ہوں۔" مسرت جہاں کی بات سن کر فرجاد ملک مسکرا دیا۔ کس خوبصورتی سے انہوں نے اس کے ساتھ کا اقرار کیا تھا۔ کہ انہیں زندگی میں بہت زیادہ کی طلب نہیں ہے۔ وہ مادیت پرست نہیں محبت پرست ہیں۔ اور زندگی گزارنے کی ترجیحات ان کی اپنے ہم عصروں سے مختلف ہیں۔ ویٹر ٹیبل پر کافی رکھ کر جا چکا تھا۔

"مسرت کافی لے لیں۔" فرجاد نے ایک کپ ان کے آگے سرکایا اور دوسرا اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

"میرا خیال ہے بہت دیر ہو گئی ہے اب چلنا چاہیے۔" مسرت جہاں نے گھڑی کی طرف دیکھا جو ساڑھے بارہ بجا رہی تھی۔ صرف ایک گھنٹہ رہ گیا تھا کالج آف ہونے میں۔ شاکر بھائی کا سوچ کر وہ گھبرا گئیں۔

"کیا بات ہے۔ یوں اچانک۔ ابھی کالج آف ہونے میں ایک گھنٹہ باقی ہے آپ فکر مت کریں میں ٹائم پر آپ کو ڈراپ کر دوں گا۔ سکون سے بیٹھ کر کافی پئیں۔" فرجاد اطمینان سے بولا۔

"فرجاد! آپ نہیں جانتے کہ۔۔۔"

"ایک منٹ۔" فرجاد نے مسرت جہاں کی بات کاٹ دی۔

"ایک بار پھر کہیں پہلی بار آپ کے ہونٹوں سے میرا نام نکلا ہے۔ پلیز ایک بار پھر کہیں۔" مسرت جہاں فرجاد کے اس طرح کہنے پر کچھ جھینپ سی گئیں۔ چہرے پر پھیلی شفق کی سرخی نے انہیں اور بھی حسین بنا دیا تھا۔ فرجاد بڑی دلچسپی کے ساتھ ان کے چہرے کے خال و خد دیکھ رہا تھا۔

ہر سمندر کا ایک ساحل ہے
ہجر کی رات کا کنارا نہیں
ہو سکے تو نگاہ کر لینا
تم پہ کچھ نذر تو ہمارا نہیں

کیسے میٹھے خوبصورت لفظ ادا کرتا مسرت جہاں کو وہ بہت اپنا سا لگا۔

☆ ☆ ☆

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ آسمان کے صاف و شفاف چہرے پر سورج کی الوداعی کرنوں نے ایک نظر نواز سرخی پھیلا دی تھی۔ پرندوں کے غول در غول ادھر سے ادھر اڑتے پھر رہے تھے۔ دھوپ اب سادات نگر کی دیواروں پر پہنچ چکی تھی۔

حسب معمول لان میں کرسیاں بچھا کر تمام خواتین خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔

اسی وقت فواد گیٹ سے داخل ہوا۔ کوئی کچھ بھی نہ پایا کہ کیا ہوا۔ فواد نے آگے بڑھ کر آریان کو کلائی سے پکڑا اور تقریباً گھسیٹنے والے انداز میں پھوپھو شبینہ کے پورشن کی طرف بڑھ گئے۔

"ارے، ارے فہدی! ایک منٹ ٹھہرو کیا کر رہے ہو؟" زاہدہ بھی تیزی سے اس کے پیچھے لپکیں۔

ایک صرف اماں بی کے چہرے پر اطمینان تھا لیکن وہاں موجود باقی سب خواتین اس غیر متوقع صورت حال سے کسی حد تک برافروختہ ہو رہی تھیں۔

فواد نے کمرے میں داخل ہو کر آریان کو ایک جھٹکے سے سامنے بیڈ کی سمت دھکیلا اور دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھا دی۔ آریان کے لیے ان کا یہ رویہ ناقابل فہم اور کسی حد تک ناقابل برداشت تھا۔ وہ بیڈ پر بیٹھی ان کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ یہ اس کے سامنے یوں تن کے کھڑے تھے جیسے وہ بھاگنے کا ارادہ رکھتی ہو۔

"کون ہو تم۔ کس خاندان سے تعلق ہے تمہارا؟ بولو۔ سچ سچ۔"

وہ تقریباً چیخ پڑی۔

"ہونہہ، آگے بڑھو، گلا گھونٹو میرا، میں بھی تو دیکھوں ایک مرد کے ہاتھوں میں کتنی طاقت ہوتی ہے۔ میری اصلیت پوچھتے ہو۔ اپنی اصلیت تو جان لو۔ کتنے چہرے ہیں تم مردوں کے، کتنے روپ ہیں۔ ایک وہ مرد تھا وہ شریف زادہ جس کا گندا خون میری رگوں میں زندگی بن کر دوڑ رہا ہے اور وہ بھی مرد ہیں جو بکاؤ چیز کی طرح میری قسمت لگا رہے ہیں، مجھے خریدنا چاہتے ہیں۔ میں تو خود اس زندگی سے تنگ ہوں کب چھپنا چاہتی ہوں میں تمہارے اس معاشرے میں، اس گندے معاشرے میں غلاظت کے ڈھیر پر زندگی گزارنا گوارا نہیں تھا مجھے۔ خودکشی حرام نہ ہوتی تو میں کب کی زندگی کے اس ناگوار بوجھ سے چھٹکارا پا چکی ہوتی۔ مجبور ہوں زندہ رہنے پر۔ میرے ساتھ ساتھ میری اس مجبوری کا بھی خاتمہ کر دو، نجات دلا دو مجھے اس عذاب خانے سے۔" وہ ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔ اس کے چہرے سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ اس کے منہ سے الفاظ نہیں آگ کے انگارے جھڑ رہے تھے۔

"کیا سمجھتے ہو تم مرد لوگ؟ کیا عزت، غیرت، انا، خودداری صرف تمہاری ہی میراث ہے؟ کیا سمجھتے ہو عورت کو کیا صرف نفسانی جذبات کی تسکین کے لیے بنایا گیا ایک کھلونا۔

پہلے اپنی اصلیت تو جان لو، تمہارا اصل روپ کون سا ہے؟ سن لو سید فواد علی شاہ! ان کھلے کان کھول کر سن لو میں کوئی بکاؤ چیز نہیں ہوں، میری عزت اتنی سستی نہیں جس کی تم لوگ بولیاں لگاتے پھرو۔ بہت بڑا نام بہت بڑے آدمی ہو تم، بہت پیسہ ہے تمہارے پاس مگر یہ اپنے ذہن میں بٹھا لو کہ تم جیسے بیسیوں دولت کے شہنشاہ میری عزت کی بولی لگانے اٹھ کھڑے ہوں تو تمہاری ساری دولتیں تک نیلام ہو جائیں گی مگر میری قیمت کبھی نہیں لگا پاؤ گے۔ اپنی اصلیت تو تم جانتے ہیں، میں اپنی اصلیت جانتی ہوں، تم بتاؤ کیا سننا چاہتے ہو۔ کیا بتاؤں تمہیں یہ کہ میری ماں کو محبت کی کیا سزا ملی؟ یا وہ کوٹھے کی زینت کیسے بنی؟ یا یہ کہ میں ایک طوائف زادی ہوں یا یہ کہ میں کوٹھے پہ پیدا ہوئی ہوں، میں ہوں طوائف زادی، اپنی عزت بچانے کے لیے وہاں سے بھاگ کر آئی ہوں اور دو کوڑی کی ہو کر رہ گئی ہوں۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ اپنی عزت کو محفوظ رکھنا چاہتی ہوں۔ اگر خود کو نیلام ہو جانے دیا ہوتا، خود کو گدھوں کے حوالے کر دیتی کہ آؤ مجھے نوچو، کھسوٹو، تو تم جیسے غیرت مند اور عزت دار میرے تلوے چاٹ رہے ہوتے۔ بات کرتے ہو عزت اور غیرت کی۔ ان لفظوں کے تقدس اور عظمت سے آشنائی بھی ہے تمہیں فواد علی شاہ! تم ایک مرد ہو مگر زمانے کو میں نے تم سے زیادہ دیکھا ہے۔ حالات کے تھپیڑے اور وقت کی ٹھوکریں تم سے زیادہ کھائی ہیں۔ تم ان لوگوں میں سے ہو جو آنکھوں پر بنیاد پرستی کا چشمہ لگا کر دنیا کو دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ جن کے نزدیک حقیقت اور اصلیت اچھا اور برا وہی کچھ ہے جو ماں، باپ نے گھٹی کی طرح تمہارے دماغ میں ڈالا ہے یا اخلاق کی کتابوں میں پڑھا۔ مگر میں نے۔۔۔ میں نے دنیا

میں نے جب آنکھ کھولی تو ہر بچے کی طرح میرے کان میں اللہ اکبر کی صدا نہیں گونجی تھی۔ میری سماعت طبلے کی تھاپ اور گھنگھروؤں کی جھنکار سے آشنا ہوئی۔ میں بچپن میں کھلونوں سے نہیں کھیلی۔ کبھی کھلونے نصیب ہی نہیں ہوئے، ٹوٹے ہوئے گھنگھروؤں کے ساتھ کھیلتی تھی میں۔ پھر اسی نے مجھے واجبی سی تعلیم خود دی اور پھر پورے قبیلے سے ناراضی مول لے کر مجھے اسکول میں داخل کروایا۔ اس لیے کہ میری ماں کوئی طوائف نہیں تھیں وہ بھی پڑھی لکھی خاندانی عورت تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ میں اس ماحول میں بس جاؤں، سو انہوں نے مجھے پڑھایا لکھایا۔ مجھے کالج جانا نصیب نہیں ہوا۔ بڑی نائیکہ نے جو جانے کب سے مجھ پر نگاہ رکھے بیٹھی تھی۔ مجھے وہاں کے ماحول اور اس کے رنگ میں رنگنا چاہا، مجھے مجبور کیا جانے لگا اس غلیظ دھندے پر جس سے بچانے کی خاطر ماں نے مجھے تعلیم دلوائی۔ ہم دونوں کے انکار نے انہیں مشتعل کر دیا۔ مجھ سے زیادہ تشدد میری ماں نے خود پر سہا۔ مگر کوئی سمجھوتا نہیں کیا۔ لیکن نائیکہ نے چھپ کر میرا سودا کر دیا۔ میرے ساتھ تو دو اور لڑکیاں تھیں، ہمیں وہاں چھوڑنے کے لیے دو آدمیوں کے علاوہ گھنگھرو بابا بھی ہمارے ساتھ جا رہے تھے اور موقع دیکھ کر گھنگھرو بابا نے مجھے بھگا دیا۔ اس دن میں ان ہی کے چنگل سے نکل کر بھاگی تھی اور آپ کی گاڑی کے سامنے آ گئی۔ میری بدقسمتی کہ میں بچ گئی، کاش مر چکی ہوتی، کم سے کم آپ کے لیے تو ذلت کا باعث نہ بنتی۔" کمرے کی فضا میں ایک بوجھل خاموشی در آئی۔

"آریان۔ آئی ایم سوری۔ مجھے معاف کر دیں کہ میں نے بنا سوچے سمجھے آپ کے ساتھ اس قدر تلخ رویہ رکھا۔ آئی ایم ایکسٹریملی ویری سوری۔"

بہت دیر بعد خاموش فضا میں ڈاکٹر فواد کی جھجکتی ہوئی آواز نے ارتعاش پیدا کیا۔ آریان نے گھٹنوں پر سے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ کیا کچھ تھا اس کی بے خواب نظروں میں رنج، ملال، شکوے، مان کے ٹوٹ

جانے پر کرچی کرچی ہوتا یقین۔

"میں جانتا ہوں کہ معذرت اور معافی کلیہ لفظ بہت رسمی اور چھوٹا محسوس ہوتا ہے' لیکن میں واقعی شرمندہ ہوں۔ آج تک میں نے جانے انجانے میں بھی کسی کا دل نہیں دکھایا' لیکن آج اس گناہ کا مرتکب ہوگیا ہوں۔

دیکھیے آریان! میں پہلے ہی بہت شرمندہ ہوں۔ آپ سے معافی کا خواستگار ہوں۔ پلیز مجھے اور شرمندہ مت کریں۔" ڈاکٹر فواد کے چہرے پر پشیمانی کی تحریر واضح لکھی نظر آرہی تھی۔

"نہیں ڈاکٹر صاحب! مجھ جیسی لڑکی کے لیے آپ شرمندہ نہ ہوں' آپ نے سوری کیا' میں نے مان لیا' لیکن میں اب یہاں رک نہیں سکتی۔"

"کیوں۔؟" وہ اتنا ہی کہہ پائے۔

"آپ یہاں سے مت جائیں۔"

"میں یہاں رک کر سب کی نظروں سے گرنا نہیں چاہتی۔ جن آنکھوں میں کل تک میرے لیے پیار تھا' احترام تھا۔ ان آنکھوں میں اپنے لیے نفرت نہیں دیکھ پاؤں گی میں' اب مزید کسی عدالت کے آگے جوابدہ ہونا نہیں چاہتی۔"

"آریان! اگر میں یہ کہوں کہ آپ کو کسی سوال کا' کسی تحقیر بھری نگاہ کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا تو۔ تو کیا تب بھی آپ کا یہی فیصلہ ہوگا جواب ہے؟"

"اتنے افراد کے درمیان سے آپ مجھے گھسیٹ کر لائے ہیں' آپ کیا سمجھتے ہیں آپ کی اس حرکت کو وہ محض مذاق سمجھ کر نظر انداز کردیں گے۔ نہیں فواد صاحب! ایسا نہیں ہوگا ان سب کے ذہنوں میں میرے لیے شکوک و شبہات آپ نے خود پیدا کردیے ہیں۔"

"آریان! یہ میرا ہیڈک ہے۔ میں نے معاملے کو الجھایا ہے تو سلجھاؤں گا بھی میں خود ہی اور یہ میرا وعدہ رہا کہ آپ سے نہ تو کوئی کچھ پوچھے گا اور نہ ہی کسی کی نظروں میں آپ کے لیے حقارت یا ناپسندیدگی کے عنصر ابھرے گا۔ لیکن آپ وعدہ کریں کہ آپ یہاں سے نہیں جائیں گی۔"

"فی الحال مجھے سوچنے سمجھنے کا موقع دیں۔ یہ سب گھر کے افراد کے رویوں پر منحصر ہے' الجھن ہے میں یہاں رہ جاؤں۔" اس کے لہجے میں ہلکی سی خود اعتمادی اور فیصلے میں کچھ لچک ہوئی تھی۔ ڈاکٹر فواد مسکرا دیے۔

لان میں موجود دھیمی دھیمی سرگوشیاں کرتی خواتین نے سر جھکائے اپنی طرف آتے فواد کو بڑے غور سے دیکھا تھا۔ ان کے چہرے پر موجود گہری شرمندگی کا تاثر بھی سب کی نظروں سے اوجھل نہ رہ سکا۔ بڑی اماں نے گہری سنجیدہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ وہ ان کے قریب آکر خاموشی سے سر جھکا کر کھڑے ہوگئے۔

"بڑی اماں میں سخت شرمندہ ہوں کہ آج ضرورت سے زیادہ ایگزاسٹ ہوگیا۔ یقیناً" میرے اس رویے کی وجہ سے آپ سب کو بھی وقتی طور پر ٹینشن ہوتی ہوگی۔ لیکن میں نے بلاجواز ایسا نہیں کیا۔ دوستوں نے آریان کے ماضی کے بارے میں کچھ باتیں کہیں کہ میں برداشت نہ کرپایا۔ ان سے بھی میرا جھگڑا ہوا اور یہ چوٹ بھی اسی وجہ سے لگی۔" فواد نے اپنی پیشانی کی طرف اشارہ کیا۔

"کیسی باتیں؟ کیا کہا انہوں نے آریان کے متعلق؟" بڑی اماں نے پوچھا۔

"میں وہ باتیں دہرانا نہیں چاہتا' بس آپ سب کے اطمینان کے لیے اتنا بتادوں کہ وہ سب بے بنیاد باتیں تھیں۔ جھوٹ تھیں۔ میرے رویے نے اسے سخت کبیدہ خاطر کردیا ہے' اس کے سامنے مجھے بے حد شرمندگی محسوس ہوئی۔ اس لیے آپ سب سے کہہ رہا ہوں کہ اس سے کسی قسم کی بازپرس مت کیجیے گا۔ میری اس حرکت کی وجہ سے وہ آپ سب کا سامنا کرنے سے کترا رہی ہے' اگر دوستانہ ماحول ملے تو شاید وہ سیٹل ہوجائے۔" ڈاکٹر فواد جیسے سوچ سوچ کر ایک ایک لفظ ادا کررہے تھے۔ پھر انہوں نے سب خواتین پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ سب ہی کی آنکھوں میں یقین

روشن تھا۔ فطری سادگی کے باعث سب نے ہی تسلیم کرلیا تھا کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں ٹھیک ہے۔

✡ ✡ ✡

کالج کی فضا ان دنوں ان دونوں کے لیے ہی بہت خوش گوار تھی۔ شاید ہر محبت کرنے والا جوڑا ابتدا میں اسی خود فراموشی کی کیفیت سے گزرتا ہے کہ اسے خبر تک نہیں ہوتی کہ گردوپیش میں کیا کچھ ہورہا ہے۔

مسرت جہاں نے چوٹی میں بل ڈالتے ہوئے سامنے آئینے میں دیکھا۔ صبیح رخساروں کی چمک میں کئی گنا اضافہ ہوگیا تھا۔ آنکھوں میں ستارے سے جل اٹھے تھے۔ ہونٹ مسکرانا گنگنانا سیکھ گئے تھے۔ یہ گزرے … ان کی ساری زندگی پر محیط تھے۔ زندگی کی خوشیاں ان کے در کی باندی رہی تھیں' لیکن جو خوشی انہیں اس محبت نے عطا کی تھی اس کے آگے تمام خوشیاں ہیچ لگتی تھیں۔

مسرت جہاں کو کالج کے گیٹ پر اتار کر شاکر حسین آگے بڑھ گئے۔ فرحاد روز کی طرح انہیں اپنا منتظر ملا۔ اب ان کے قدم جھجکتے نہیں تھے۔ بلکہ عجیب عجلت میں اٹھتے تھے۔ آنکھوں میں شوق کا ایک جہان آباد ہوجاتا تھا۔ انہوں نے دل سے اٹھنے والے ہر سوال کو رد کردیا تھا۔ دماغ میں پنپنے والی ہر سوچ پر پہرے بٹھا دیے گئے۔ اب ان کی آنکھیں خواب دیکھتی تھیں تو فرحاد کے کان اس کی آواز سننے کو ترستے تھے اور دل اس کے قدموں کی آہٹ سننے کو بے چین رہتا تھا۔ وہ سج سج کے قدم اٹھاتی اس کے قریب چلی آئیں۔

"آج پورے تین منٹ لیٹ ہو تم۔" اضطراری انداز میں فرحاد نے کہا۔

"فرحاد! تھوڑی بہت دیر سویر ہو ہی جاتی ہے۔"

"نہیں ہونا چاہیے ایسا۔ تم نہیں جانتیں انتظار کی اذیت دنیا کی ہر اذیت سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ امید اور ناامیدی کے درمیان جھولتا انسان کس قدر کرب سے گزرتا ہے' تم نہیں جانتیں۔"

"چلیں ٹھیک ہے' آئندہ خیال رکھوں گی اور اب کیا یہیں کھڑے ہونے کا ارادہ ہے۔"

"کینٹین چلتے ہیں' کچھ دیر بیٹھیں گے' چائے پئیں گے' پھر اپنے اپنے ڈیپارٹمنٹ سدھاریں گے۔" فرحاد نے کہا۔ پھر وہ دونوں ساتھ ساتھ کینٹین کی طرف چل پڑے۔ دونوں کے کلاس فیلو آج کل ان دونوں کی محبت کے برننگ ایشو پر ڈسکس کرتے پھر رہے تھے۔ یہ بات بہت سے لوگوں کے علم میں آچکی تھی۔ لیکن انہیں تو جیسے کوئی خاص پروا ہی نہیں تھی۔ کینٹین میں ٹیبل پر آمنے سامنے بیٹھے وہ رازونیاز میں لگے ہوئے تھے۔

"پہلی بار زندگی میں پہلی بار مجھے یہ احساس ہوا ہے کہ زندگی میں میرے لیے بھی کوئی خوب صورتی' کوئی اٹریکشن ہے۔ میرا فلیٹ تمہاری یادوں' تمہاری خوشبوؤں سے آباد ہوگیا ہے۔ مجھے اب تنہائی بری نہیں لگتی۔ اکیلے پن سے وحشت نہیں ہوتی۔ نیند میری آنکھوں سے دور نہیں بھاگتی۔ پلیز میرے ان محسوسات کو امر ہونے دو۔ میری زیست کے سونے رستوں میں میری ہم سفر بن جاؤ۔" فرحاد کا ایک ایک لفظ محبت کے لمس میں گندھا ہوا تھا اور مسرت جہاں کو لگا جیسے وہ ہواؤں میں اڑنے لگی ہوں۔ وہ سمندر سے جھوم کر اٹھنے والی گھٹا بن کر برسا تھا اور مسرت جہاں اس کے لہجے سے بھیگ گئی تھیں۔

"تم مسرت! تمہیں میں نے خود سے بھی بڑھ کر چاہا ہے' مجھے تم پر اپنی ذات سے بھی بڑھ کر یقین ہے' اتنا کہ مجھے گمان ہونے لگا ہے۔ اگر کبھی ساری دنیا بھی مل کر مجھے رد کرنے کی کوشش کرے تو تب بھی تم میری پشت پر ہوگی۔ تم مجھ سے بھی زیادہ مجھے چاہو گی۔ بولو؟ چاہو گی نا؟"

اس کا لہجہ شوخ ہوگیا تھا اور وہ شرمگیں احساس تلے مسکرائے جارہی تھیں۔

یہ اونچا لمبا خوبرو شخص تین' چار ماہ میں انہیں کتنا عزیز ہوگیا تھا۔ حالانکہ کبھی کسی کے ساتھ بہت سارا جیون گزار کر بھی ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہم اسے جانتے

ہیں' لیکن شاید مسرت جہاں اسے اتنا جاننے لگی تھیں' جتنا اپنے آپ کو بھی نہیں۔ بہار کی اولین صبح کی طرح وہ ان کے دل میں اترا تھا۔ ان کا آنگن دل اس کی محبت کی سرمئی دھوپ سے بھر گیا تھا۔ سائبان جیسا وجود ان پر تن گیا تھا۔

"مسرت..... تم... تم بھی تو کچھ کہو' کوئی ایسا لفظ یا چند ایسے حروف جو محبت کا سکون بن کر میرے اندر اتر جائیں۔" فرجاد کے لہجے میں تشنگی اتر آئی۔ مسرت جہاں نے ایک نظر اس کے چہرے اور منتظر آنکھوں کو دیکھا' پھر سر جھکا کر بولیں۔

مجھ کو اتنا کہنا ہے
پھول' بارش' خوشبو' چندا
مجھ کو اچھے لگتے تھے
اب تم اچھے لگتے ہو

"شکریہ مسرت! تمہارے یہ لفظ کسی قیمتی متاع کی طرح میرے دل کے نہاں خانوں میں رہیں گے۔ جانتی ہوں میں تمہاری آنکھوں کو کیا کہتا ہوں؟"

"کیا؟"

"سمندر... گہرا چپ سمندر... اور میں تمہارے اندر سے ایک جذبے' ایک پرشور جذبے کی طرح اٹھ کر اس سمندر کی خاموش سروں میں متلاطم ہو کر بکھر جانا چاہتا ہوں۔ میں تمہارے دل میں ایک ردھم کی طرح رہنا چاہتا ہوں' تمہاری محبت کے خوش گمان احساس کو سانسوں میں بھر لینا چاہتا ہوں' میں چاہتا ہوں دنیا میں جب میرا وجود نہ بھی ہو' تب بھی لوگوں کو تم میں..... میں دکھائی دوں۔"

"فرجاد! ایسی بات تو مت کریں۔ یہ سفر' یہ مسافت آپ کے سنگ کٹ پائے گی' ورنہ میرے حوصلے' میری ہمت اتنی مضبوط نہیں ہے۔"

"مسرت! محبت کا وجود اپنی جگہ مسلم سہی' لیکن دنیا کی روایات ہمیں یوں ایک ساتھ کبھی نہیں ... کی اس نازک سی ڈور کو ہمیں کسی مضبوط رشتے کی گرہ سے باندھنا ہو گا۔ مسرت! میں تمہارے بڑوں سے تمہارا ہاتھ مانگنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن فرجاد- میرے گھر کا کوئی فرد بھی اس رشتے پر راضی نہیں ہو گا۔"

"کیوں..... کیوں راضی نہیں ہوں گے؟ کیا ہمارے جذبے اتنے بے وقعت ہیں' کیا ہماری رائے کی کوئی اہمیت نہیں۔"

"فرجاد! میرا تعلق نجیب الطرفین سادات گھرانے سے ہے۔ ہمارے ہاں صرف سیدوں میں ہی رشتہ دیا جاتا ہے' پھر آپ اکیلے ہیں؟"

"ان سب باتوں میں سے میرے اختیار میں کون سی بات ہے' کیا بتا سکتی ہو؟" فرجاد قدرے تلخ لہجے میں بولا۔

"جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے اس میں کسی قسم کی خرابی ہو تو مجھے رد کیے جانے کا افسوس نہ ہو گا' لیکن جس چیز پر میرا اختیار ہی نہیں اس کی وجہ سے مجھے ریجیکٹ کرنے کا اختیار نہیں ہو گا۔" اس کے حتمی لہجے میں کہے گئے ایک ایک لفظ نے مسرت جہاں کے سامنے اندیشوں کا پنڈورا بکس کھول دیا تھا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے اماں بی' ابا میاں' بھائیوں' بھابھیوں کے چہرے گھوم رہے تھے۔ شکوہ' اعتماد اور بھروسے کا خون کرنے کا گلہ وہ لرزا ٹھیں۔

یہ کون سی طلب جاگ اٹھی تھی ان کے دل میں' کس راہ پر چل پڑی تھیں' کس دوراہے پر آن پہنچی تھیں۔ نہ آگے جانے کا راستہ مل رہا تھا اور نہ پیچھے ہٹنے کا۔ شور نے اتنا غبار اڑا دیا تھا کہ واپسی کا راستہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ آگے جانے کے لیے صرف فرجاد کا سہارا تو تھا اور انہوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"مجھے یہ بتاؤ کہ کیا صرف سادات ہی بلند کردار اور اعلا اخلاق کی وارث ہے۔ کیا اچھائی صرف سیدوں تک محدود ہے۔ اگر ایسا ہے تو دنیا میں رہنے والے باقی سب لوگ تو گھٹیا اور حقیر ہوئے۔" فرجاد کے لہجے میں تلخی آ گئی۔

"فرجاد! آپ کی خوبیاں' آپ کی شخصیت کی اچھائیاں کیا ہیں' یہ تو میں جانتی ہوں نا۔ انہیں تو اس بات کا علم نہیں اور میں نے دل میں آپ کو کیا مقام دیا ہے اسے لفظوں میں واضح کرنا ممکن نہیں۔"

"تو پھر مسرت ایک بار مجھے اپنا ہاتھ مانگنے دو' تمہارے امی' ابا سے خود بات کروں گا' یہ سیدھا راستہ ہے اور اسے اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔"

"فرجاد! میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ جواب انکار میں ہو گا۔ آپ کی کوئی دلیل انہیں قائل نہیں کر سکے گی۔ میرے ابا میاں انتہائی سخت انسان ہیں۔ ایک تن تنہا شخص' جس سے ان کا کوئی رشتہ نہیں' کیوں ان کے سامنے جا کر ان کی بیٹی کا ہاتھ مانگے۔ وہ اس بات کو اپنی توہین سمجھیں گے۔" مسرت جہاں نے کہا تو فرجاد ایک دم سے خاموش ہو گیا۔

گھر کے سب ہی افراد کھانے پر جمع تھے۔ آپس کی باتوں کے دوران کھانا کھانے کے بعد ابا میاں نے قہوے کی فرمائش کر دی۔ صابرہ نے برتن اٹھا لیے اور قہوہ تیار کرنے کچن سدھار گئی۔

"بڑے شاہ جی! باہر کوئی آدمی آپ سے ملنے آیا ہے۔" مالی فضل الٰہی نے ڈرائنگ روم میں جھانک کر کہا۔ مسرت جہاں نے چونک کر سر اٹھایا۔

"کون ہے؟ نام نہیں پوچھا اس کا؟" شبیر حسین شاہ بولے۔

"پوچھا تھا جی پر... مشکل سا نام تھا' ذہن سے اتر گیا ہے؟" مالی فضل نے شرمندگی سے سر جھکا کر کہا۔ شبیر حسین شاہ مسکرائے۔

"تمہارا بھی کوئی جواب نہیں فضل الٰہی... شکر ہے تمہیں اپنا نام یاد رہتا ہے۔ بہرحال اسے ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ' ہم آتے ہیں۔" ان کی بات سن کر فضل الٰہی باہر نکل گیا۔

دروازے پر ہونے والے کھٹکے سے چونک کر اس نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا اور صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ روشن چہرے پر سجی داڑھی' کنپٹیوں کے سفید بالوں نے انہیں بے حد بارعب اور پُرتمکنت بنا دیا تھا۔ لمبے قد اور قدرے وزنی جسم کے مالک شبیر شاہ اس عمر میں بھی قابل رشک صحت و وجاہت کے مالک تھے۔ ڈرائنگ روم کی پرشکوہ سجاوٹ اور نفاست' حویلی کی بلند بالا دیواریں اسے کسی چیز نے متاثر نہیں کیا تھا۔ لیکن پہلی بار شبیر حسین شاہ کو دیکھ کر جیسے ایک لمحے کو اس کے اندر کہیں کچھ ہوا تھا۔

"السلام علیکم۔" اس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے رسمی سے انداز میں ہاتھ ملایا۔

"وعلیکم السلام۔" ساتھ ہی اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی اس کے مقابل صوفے پر بیٹھ گئے۔

"جی برخوردار... آپ کون ہیں اور کس سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہتے تھے؟" شبیر شاہ نے تمہید کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے ڈائریکٹ اس سے اس کی آمد کی بابت پوچھا۔

"جی میرا نام فرجاد ملک ہے اور میں گورنمنٹ کالج میں فورتھ ایئر کا اسٹوڈنٹ ہوں۔" فرجاد ایک پل کو رک گیا۔ شبیر حسین شاہ کی پرسکوت سمندر کی طرح ٹھہری آنکھیں اس کے چہرے پر ٹک گئیں۔

"برخوردار جہاں تک میرا خیال ہے ہم تم سے پہلی بار مل رہے ہیں۔ تم کون ہو؟ آج سے پہلے تک ہم نہیں جانتے تھے۔ اور ہم کیا ہیں یہ شاید تم اچھی طرح نہیں جانتے۔ بہرحال کیا کسی قسم کی مالی معاونت چاہیے ہم سے۔" اجنبیت کا بھرپور تاثر حسین شاہ کے ادا کیے ایک ایک لفظ سے مترشح تھا۔

"میرا خیال ہے شاہ صاحب کہ اپنا مدعا بیان کرنے سے پہلے میں اپنا تھوڑا سا تعارف کرواؤں تو شاید میری بات سمجھنے میں آپ کو زیادہ آسانی ہو۔" شبیر شاہ صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

"میرا تعارف بس اتنا سا ہے کہ میری زندگی اوپر والے کی رحمت کے پیش نظر ہے۔ بچپن سے ہی والدین کی شفقت سے محروم ہوں۔ زندگی میں جو کچھ کیا، جو کچھ پایا، اللہ کے بعد صرف اپنی ذاتی کوششوں سے پایا اور آج کسی قسم کی کمی نہیں ہے مجھے۔"

"تو برخوردار یہ سب تم ہمیں کیوں بتا رہے ہو؟" ان کے سوال پر وہ ایک لمحہ کو خاموش ہو گیا۔ کچھ جھجک، کچھ ہچکچاہٹ نے چند ساعت اس کی زبان پر پہرہ بٹھا دیا۔ پھر وہ بہت دھیمے لہجے میں گویا ہوا۔

"اس لیے شاہ صاحب کہ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ دامنِ سوال دراز کرنے سے پہلے آپ کو اپنے بارے میں آگاہ کروں۔ میں بہت اہم اور ضروری بات کرنے والا ہوں۔ یقیناً" آپ کے سامنے اس طرح بات کرنا مجھے زیب تو نہیں دیتا لیکن میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ میرے والدین حیات نہیں ہیں جو اگر آپ سے بات کرتے۔ ممکن ہے آپ کو میری بات سن کر غصہ آجائے۔ مجھے یقین ہے آپ میری بات توجہ اور ٹھنڈے دل و دماغ سے سنیں گے۔" وہ بات شائستگی سے اپنے مافی الضمیر کو بیان کر رہا تھا۔ شبیر حسین شاہ کی جہاندیدہ نگاہیں اس کے چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں۔

"یہ کھوبرخوردار لفظ جب تک زبان پر نہیں آتے باعزت ہوتے ہیں۔ جب ہونٹوں سے ادا ہو جائیں بے وقعت اور حقیر ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا بولنے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ کون ہو اور کس سے مخاطب ہو؟" ان کی آنکھوں میں سکوت در آیا اور لہجے میں غضب کا ٹھہراؤ۔ چند لمحے سر جھکا کر خاموش بیٹھے رہنے کے بعد وہ جھجک آمیز لہجے میں بولا۔

"شاہ صاحب! میں... میں آپ کی بیٹی مسرت..."

"بس۔" انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔ اس کی بات ادھوری ہی رہ گئی۔ شبیر حسین شاہ کا چہرہ شدت غیض و غضب سے سرخ ہو رہا تھا۔ یقیناً" ان کے اندر ایک جوار بھاٹا اٹھ رہا تھا۔

"تمہاری زبان پر ہماری بیٹی کا نام ایک بار بھی آئے ہم برداشت نہیں کریں گے۔" ان کے لہجے میں سانپ جیسی پھنکار تھی۔

"شاہ صاحب! آپ میری پوری بات تو سنیں۔" فرجاد نے مزید بولنا چاہا۔

"بس! جو سن لیا وہ کافی ہے۔ ہم نا سمجھ نادان نہیں۔ تمہاری بات سننے سے پہلے ہی سمجھ چکے ہیں کہ کیا کہنا چاہتے ہو تم۔ اسے بھی بہت جانو جو تمہیں اتنا بولنے کی اجازت دے دی۔ گھر آئے ہوئے دشمن کو بھی ہم مہمان سمجھتے ہیں اور مہمانوں کے ساتھ بدسلوکی کرنا ہماری روایت نہیں۔" شبیر شاہ نے اپنے غصے پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"شاہ صاحب..."

"شاہ صاحب! میں نے صرف مسرت جہاں کا ہاتھ..." تڑاخ کی بھرپور آواز آئی اور لفظ جیسے اس کے حلق میں اٹک کر ہی رہ گئے۔ اس قدر بھرپور تھپڑ تھا کہ فرجاد دو تین قدم پیچھے لڑکھڑا گیا۔

"اوقات کیا ہے تمہاری۔ نسب کیا ہے تمہارا۔ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو تمہیں تو یہ تک نہیں معلوم کہ تمہارا باپ کون تھا۔ تمہاری ماں کون تھی۔"

"بس شاہ صاحب۔ بس بہت سن لیا میں نے۔ میں

یتیم سہی۔ کم حیثیت سہی۔ آپ بلند نسب سہی لیکن دوسروں کو حقیر سمجھنے کا حق نہیں ہے آپ کے پاس۔" فرجاد کو ان کے لہجے کا طنز کسی بھالے کی طرح دل میں چبھتا محسوس ہوا۔

"جب تم کسی کے دروازے پر جا کر سوال کرو گے تو اسے حق حاصل ہو گا کہ وہ تم سے پوچھے تو سہی کہ تم کیا ہو؟ آئندہ جب کسی دروازے پر اس نیت سے سوال کے لیے جاؤ تو اپنی اوقات ضرور دیکھ لینا۔" شبیر حسین شاہ کے لہجے کی حقارت اسے کسی تازیانے کی طرح لگی۔

"شاہ صاحب آپ بہت بلندی پر ہیں۔ مان لیا کہ اللہ نے آپ کو بہت اونچا مقام دیا ہے۔ شاید اسی لیے اتنی بلندی سے میں آپ کو بہت چھوٹا اور حقیر دکھائی دے رہا ہوں۔ لیکن اگر آج یہ ہی سب کچھ میرے پاس ہوتا۔ میں حیثیت میں آپ کے برابر ہوتا تو شاید آپ کا یہ اونچا قد میرے سامنے دب جاتا۔ یا پھر آپ اپنی بلندی کی بجائے وہاں ہوتے جہاں میں کھڑا ہوں تو یقیناً" میں آپ کو اتنا چھوٹا ہرگز دکھائی نہ دیتا۔"

"بکواس بند کرو اور دفع ہو جاؤ ہمارے ضبط کا اور امتحان مت لو۔" انہوں نے غصے سے دھاڑتے ہوئے فرجاد کو بیرونی دروازے کی طرف دھکیلا تھا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا دروازے سے ٹکرایا اور سنبھلتے سنبھلتے بھی ایک دو قدم مزید پیچھے کو ہو گیا۔ دروازے کی دہلیز اب اس سے دو قدم کے فاصلے پر تھی۔ اس نے دونوں بازو دروازے کے پٹوں پر رکھتے ہوئے شبیر حسین شاہ کی طرف دیکھا۔

"شاہ صاحب! میں جو بات کہنے آیا ہوں وہ مکمل کر کے جاؤں گا۔" ان کا سخت رویہ اس کی ضد کو اور پختہ کر رہا تھا۔

تھوڑے فاصلے پر وہیں برآمدے میں پانچوں کڑیل جوان بیٹھے ہوئے تھے۔ بوڑھے شیر کے دھاڑنے کی آواز بخوبی ان کی سماعت تک پہنچی تھی۔ لیکن انہوں نے کوئی مداخلت نہیں کی۔ اب ڈرائنگ روم کے دروازے سے برآمد ہونے والے اجنبی کو بھی انہوں

نے بہت غور سے دیکھا تھا اور شبیر حسین شاہ کا غضب سے بھرپور چہرہ بھی ان کے چہرے کے عضلات تن کر نقوش کو بگاڑ رہے تھے۔ آنکھوں میں نفرت آگیں انگارے دہک رہے تھے۔ پانچوں بھائی معاملے کی سنگینی کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن کسی میں اتنی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ آگے بڑھ کر ابا میاں سے پوچھ لے۔

"شاہ صاحب! کبھی کبھی اندھیری کوٹھریوں میں بھی روزن کھل جایا کرتے ہیں۔ بعض جذبوں میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ بلند دیواریں بھی ان کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتیں۔ اجازت دیجیے۔" وہ اپنی بات کہہ کر رکا نہیں تیزی سے بیرونی گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ شبیر حسین شاہ چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح بل کھا رہے تھے۔ پشت پر ہاتھ باندھے طویل برآمدے کے چکنے فرش کو بے رحمی سے روندتے ادھر سے ادھر ٹہلنے لگے۔

"زہرا خاتون۔ مسرت جہاں۔" ان کی آواز میں غضب کا اشتعال تھا۔ جیسے آج ان کے سامنے جو چیز آئے گی وہ تہس نہس ہو کر رہ جائے گی۔ ان کی بلند ونگ آواز کسی آنے والے طوفان بلاخیز کا پتا دے رہی تھی۔ مسرت جہاں اور اماں بی اپنی جگہ لرز کر رہ گئیں۔ دونوں نے ایک نظر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ مسرت جہاں کے دل کا چور انہیں سر جھکانے پر مجبور کر گیا۔

اماں بی کی جہاندیدہ نظروں سے خود کو چراتی سمیٹتی وہ اٹھ کر برآمدے میں آگئیں۔ شینا بھابھی اور معصوم بھابھی ابا میاں کے ڈر سے وہاں آنے کی بجائے کچن کے دروازے میں خاموش تماشائی بنی کھڑی سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ شبیر حسین شاہ نے مسرت جہاں کے چہرے پر نگاہیں گاڑ دیں۔ ان آنکھوں میں شکوہ ملامت، مان کی ٹوٹی کرچیاں، اعتماد اور بھروسے کی موت کا کرب کیا کچھ نہ تھا۔ مسرت جہاں نے ایک نظر ان کے پرجلال چہرے کی طرف دیکھا اور پھر ان کی نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے آنکھیں جھکا لیں۔ اماں بی کو تو ابھی تک ان کے اس ناقابل فہم رویے کی سمجھ نہیں آئی تھی۔ شبیر حسین شاہ کسی کو مخاطب کرنے کی بجائے عجیب کاٹ دار انداز میں مسرت جہاں کو گھورے جا رہے تھے۔

"ابا میاں آخر بات کیا ہے؟ آپ بتاتے کیوں نہیں؟" شاکر حسین اپنی فطری عجلت پسندی کے باعث زیادہ دیر صبر نہ کر سکے۔

"اگر بات کہیں تو محض چند الفاظ ہیں، لیکن ان کا پس منظر کس قدر تاریک ہے یہ شاید ہمارے سوا کوئی سمجھ نہ پائے۔ ہم مسرت جہاں سے تفصیلی بات کرنا چاہتے ہیں۔" انہوں نے روئے سخن شاکر حسین سے مسرت کی طرف موڑ دیا۔ مسرت جہاں کی آنکھیں ضرور جھکی ہوئی تھیں۔ لیکن ابا میاں کے چہرے کے تاثرات کا انہیں اچھی طرح اندازہ ہو رہا تھا۔

"مسرت جہاں۔ ہمارے منہ سے نکلے الفاظ آپ کی نظر میں کتنے معتبر ہیں۔"

"ابا میاں! ہم نے ہمیشہ آپ کے الفاظ کی حرمت کا پاس کیا ہے۔" مسرت جہاں نے سر جھکائے جھکائے ہی جواب دیا۔

"آپ غلط کہہ رہی ہیں مسرت جہاں! ہمارے لفظوں کو نامعتبر کیا ہے آپ نے۔ [illegible] گئیں۔ ہم نے کہا تھا مسرت جہاں! [illegible] کے لباس میں آپ ملبوس ہیں ہم اس [illegible] کا ایک چھینٹا بھی برداشت نہیں کریں [illegible] کہا تھا ہم نے۔" شبیر حسین شاہ مسرت جہاں سے مخاطب تھے۔ لیکن ان کی کہی باتیں [illegible] تک ان کے بیٹوں نے سمجھ لی تھیں۔

"جی [illegible] جی ابا میاں۔" مسرت جہاں ہکلا سی گئیں۔ شبیر حسین شاہ کے منہ سے یہ بات سن کر اماں بی کا دل بھی سینے کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب کر ابھرا۔ ان کی نظریں مسرت جہاں کے چہرے پر ٹک گئیں۔

"مسرت جہاں کیا اپنے بعد آنے والوں کے لیے یہ زینہ چنا ہے آپ نے؟" شبیر حسین شاہ انتہائی سخت مزاج سہی۔ لیکن جوان اولاد خصوصاً بیٹی کے ساتھ کیا

سلوک روا رکھنا چاہیے۔ اس سے وہ اچھی طرح واقف تھے۔ اسی لیے ابھی تک ضبط سے کام لے رہے تھے۔ حالانکہ یہ معاملہ ایسا تھا کہ جس پر ضبط کرنا ان کے لیے کسی کڑے امتحان سے کم نہ تھا۔

"ابا میاں ہم نے کچھ نہیں کیا۔ ہمارا یقین کیجیے ہم نے ایسا کچھ نہیں کیا جس سے آپ کی یا ہماری عزت پر کوئی حرف آئے۔" مسرت جہاں بہت آہستگی سے صفائی دینے والے انداز میں بولیں۔

"ہم نے سوال پوچھا تھا مسرت جہاں! آپ سے پوچھے بغیر آپ کی مرضی کے بغیر وہ شخص اتنی جرات نہیں کر سکتا کہ [illegible] کی دہلیز پر پاؤں بھی رکھ سکے۔ [illegible] کا نام لینا خود سوچیے مسرت جہاں کسی اجنبی کی زبان پر آپ کا نام آئے۔ ہماری غیرت اسے زمین میں نہ گاڑ دے گی۔"

"اب بات جب زبان پر آ ہی گئی ہے تو میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ میں بھی فرہاد سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔" لفظ نہیں تھے کوئی بم تھا جو سادات گھر کے در و دیوار کو منہدم کرتا چلا گیا۔ ابا میاں مسرت جہاں کے چہرے پر نظریں ٹکائے عجیب انداز سے انہیں دیکھ رہے تھے، بے یقینی اور بے اعتباری سے۔ شاید انہیں توقع نہیں تھی کہ مسرت جہاں کے منہ سے ایسے الفاظ نکل سکتے ہیں۔

"بے حیا۔ بے غیرت۔ کیا بک رہی ہے۔" اماں بی غصے کی شدت سے کانپتے لہجے میں بولیں۔ لیکن مسرت جہاں نے جیسے یہ الفاظ ادا کر کے اپنے دل کا بوجھ اتار پھینکا تھا، یہ سوچے بغیر کہ ان کا یہ بوجھ اس گھر کے مکینوں کی روحوں کو کس کرب سے ہمکنار کر گیا تھا۔

پانچوں بھائی مشتعل ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ شدت غیظ و غضب سے شاید ان کی زبانیں گنگ ہو کر رہ گئی تھیں۔ غیرت کسی لاوے کی طرح ان کے جسموں میں پکنے لگی۔ ان کے قدم اٹھے تو ماحول کا سکوت ٹوٹ گیا۔ وہ سب اپنے اپنے کمروں کی طرف گئے تھے اور جب واپس پلٹے تو پانچوں کے ہاتھوں میں آتشیں اسلحہ موجود تھا۔ مسرت جہاں، اماں بی، بھابھیاں سبھی اپنی جگہ لرز کر رہ گئیں۔ اس سے پہلے مسرت جہاں نے اپنے لیے کبھی کسی کی آنکھ میں نفرت یا غصہ نہیں دیکھا تھا۔ لیکن اس وقت ہر دیکھنے والی آنکھ انہیں یوں گھور رہی تھی جیسے وہ کوئی بہت حقیر اور اپنے مقام سے گری ہوئی چیز ہوں۔

☼ ☼ ☼

شبیر حسین شاہ اپنے کمرے میں بند تھے۔ اماں بی کے بار بار دروازہ بجانے پر بھی انہوں نے دروازہ نہیں کھولا تھا۔ گھر بھر پر سکوت مرگ طاری تھا۔ جیسے اتنی وسیع و عریض حویلی ویران اور آسیب زدہ ہو۔ کوئی کھٹکا، کوئی صدا نہیں تھی۔ رات کا کھانا تیار تھا، لیکن کسی نے روٹی کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ اماں بی دوسرے کمرے میں سر جھکائے خاموش بیٹھی تھیں۔

ماضی کا ورق ورق ان کے سامنے تھا۔ کہیں کوئی کوتاہی نہیں کی تھی انہوں نے۔ کسی معاملے میں بھی کوئی بھی ان سے سرزد نہیں ہوئی تھی۔ پھر... پھر مسرت جہاں کی تربیت میں ان سے کہاں غلطی ہوئی؟ کہاں کمی ہوئی؟ وہ سمجھنے سے قاصر تھیں۔ انہیں شبیر شاہ کی طرف سے بھی فکر لاحق تھی۔ رات ہو چکی تھی اور انہوں نے دروازہ نہیں کھولا تھا۔

رات کا پہلا پہر تھا۔ لیکن کسی نے مسرت جہاں کے دروازے پر آ کر ان سے کسی قسم کی بات کرنا گوارا نہیں سمجھی تھی۔ کسی ناسور کی طرح کاٹ کر انہیں پھینک دیا گیا تھا اور جب وہ جسم سے الگ ہو چکی تھیں تو پھر اس جسم کا دکھ اس کا درد بھی انہیں محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ وہ یوں ہی سوچوں میں گم بیٹھی تھیں جب ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے دیوار گیر گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ دوسری گھنٹی پر انہوں نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو مسرت۔ مسرت یہ تم ہو نا۔" بے قرار لہجے میں سوال کیا گیا۔ مسرت جہاں کی سماعت کو یقین ہی نہ آیا۔

"اب۔۔۔ فرجاد آپ۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکیں۔
"مسرت! تمہارے ابا میاں کے سامنے دامن سوال دراز کرنے کی جرأت بہت مہنگی پڑی مجھے۔" اس کا آزردہ لہجہ مسرت جہاں کو بھی دکھی کر گیا۔
"میں بہت کم حیثیت سہی مسرت جہاں لیکن اتنی حیثیت ضرور رکھتا ہوں کہ تمہیں زندگی کی ہر خوشی دے سکوں۔"
"فرجاد یہ آپ مجھ سے کیوں کہہ رہے ہیں۔ میں نے کب تقاضا کیا ہے خوشیوں کا میں تو صرف آپ کی محبت پا کر ہی بہت خوش تھی۔" مسرت جہاں دھیمے لہجے میں بولیں۔
"لیکن تمہارے ابا میاں کو تمہارے لیے اعلا نسب خاندانی اور دولت مند شخص کا رشتہ چاہیے اور یہ تینوں چیزیں میرے پاس نہیں۔ انہوں نے بہت حقیر سمجھا۔ شاید دولت ہی ان کے نزدیک واحد معیار ہے انسان کو پرکھنے کا۔" فرجاد کا لہجہ بکھرا ہوا تھا۔ یقیناً جو سلوک اس کے ساتھ کیا گیا تھا وہ کم از کم اس کا مستحق نہیں تھا۔
"اب۔۔۔ اب کیا سوچا ہے آپ نے؟" مسرت جہاں بے چینی سے بولیں۔
"مسرت! تمہاری محبت سے دستبردار ہونا میرے لیے موت سے بھی بدتر ہے۔ مجھے ایسی زندگی نہیں چاہیے جس میں تمہاری محبت تمہارا ساتھ نہ ہو۔ زندگی نے ہر بار مجھ سے دھوکا کیا۔ ہر بار خوشی میرے دروازے پر دستک دے کر لوٹ گئی۔ کیا میرا دل صرف دستکیں سننے کے لیے ہے کیا مجھے خوشیوں کی آرزو نہیں۔ اور اس بار۔ اس بار میں نے سوچ لیا ہے اس خوشی کو واپس پلٹنے نہیں دوں گا۔ تمہیں مجھ سے جدا کرنے کے لیے تقدیر کو بھی دانتوں پسینہ آجائے گا۔" فرجاد کے لہجے میں جذبوں کی سچائی اور مسرت جہاں کو پانے کی تڑپ تھی۔ اور وہ تو جیسے پگھل رہی تھیں جذبوں کی تیز آنچ ان کے وجود کو جلا کر خاکستر کر رہی تھی۔ اس ٹوٹے ہوئے بکھرے ہوئے شخص کی محبت اتنی طاقت ور ہو گئی کہ خون کے رشتوں کی صداقت پر غالب آگئی۔
"فرجاد میں بھی آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ آپ جو کہیں گے میں ویسا ہی کروں گی۔ بس مجھے جدا مت ہونے دیجیے گا۔ مجھے یوں راستے میں مت چھوڑیے گا۔"
"مسرت! سو عیب ہوں گے مجھ میں۔۔۔ مگر یہ ہرگز نہ سوچنا کہ کبھی تمہیں راہ میں چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ مجھے تمہارا ساتھ چاہیے زندگی بھر کے لیے تم۔ تم ملی ہو تو زندگی مجھے زندگی لگنے لگی ہے۔ ورنہ صرف سانس لیتا تھا میں زندگی نہیں جیتا تھا۔ ہر آنے جانے والی سانس دل کو اذیت دیتی تھی۔ لیکن اب۔ اب مجھے جینا اچھا لگتا ہے۔ تمہارے سنگ، تمہارے لیے۔"
لفظوں کی ٹھنڈی پھوار مسرت جہاں کے محبت بھرے دل کو بھگو رہی تھی۔ انہیں ہر ذہنی اذیت و کوفت بھول گئی۔ ایک طمانیت رگ و پے میں دوڑ گئی۔
جب ایک محبت کرنے والا اپنی محبت کی تمام تر شدتیں ان پر لٹا رہا تھا۔ ان کے بغیر جو ایک پل جینے کا روادار نہیں تھا تو پھر انہیں اور کیا چاہیے تھا۔ ان کی آنکھوں کے سبزے پر خوابوں کی شبنم گرنے لگی۔
"مسرت! سیدھا راستہ اپنا کر تمہارے گھر والوں کے سامنے دامن سوال دراز کیا تھا۔ جس کے بدلے میں سوائے تحقیر کے اور کچھ نہ ملا۔ اگر کوئی امید ہوتی تو۔۔۔ تو شاید میں بار بار تمہارے در پر دستک دیتا لیکن وہاں کے در و دیوار سے ٹکرا کر میری صدا بس صدا بہ صحرا ہی ثابت ہوگی۔ اگر تم ساتھ دو تو شاید ہماری محبت کو منزل مل جائے۔"
"میں آپ کے کہنے کے اسی طرح کروں گی۔" بولیں مجھے بتائیں۔
"مسرت! تمہیں اپنا گھر، اپنے والدین، اپنے خون کے رشتے۔ ہر آرام، ہر آسائش چھوڑ کر میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ دنیا کے اس گوشے میں جہاں تمہارے سامنے صرف میری ذات ہوگی اور میرے لیے صرف تم۔۔۔ جہاں محبتیں تقسیم ہونے کی بجائے صرف ہم دونوں کے بیچ رہیں گی اس گوشے کو ہم اپنے خوابوں اور

آرزوؤں سے سجائیں گے۔ بولو مسرت ساتھ دو گی نا میرا۔" فرجاد محبت کی تمام تر شدت اپنے لہجے میں سموتے ہوئے بولا۔ مسرت جہاں تو پہلے ہی اس سرزمین اس گوشے کے سپنے دیکھ رہی تھیں۔
"ہاں۔۔۔ میں ساتھ دوں گی آپ کا۔۔۔"
"سوچ لو مسرت۔ تمہیں ان سب محبتوں سے دستبردار ہونا پڑے گا صرف میری محبت کے لیے۔"
"فرجاد! مجھے بے غرض محبت چاہیے۔ منافقت نہیں۔ ان رشتوں کے نزدیک میری خوشی کی کوئی اہمیت نہیں۔ اور ان کے نزدیک میری ذات کی کوئی حیثیت نہیں تو پھر میں ان رشتوں کو اپنی محبت، اپنی خوشی کی بھینٹ کیوں دوں۔ کس کی خاطر زندگی کو اپنے لیے اذیت بناؤں۔ ان لوگوں کی خاطر جنہوں نے میری محبت کو تحقیر و تذلیل کا نشانہ بنایا۔" مسرت جہاں جذباتی لہجے میں بولیں۔
"ٹھیک ہے مسرت۔۔۔ میں دو دن بعد فون کروں گا۔ تم ان اڑتالیس گھنٹوں میں خوب سوچ لو ایسا نہ ہو کہ بعد میں تمہیں یہ محبتیں رلائیں۔ تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکوں گا میں۔ مجھے تمہاری خوشی عزیز تر ہے اور تمہارا ہر فیصلہ دل و جان سے قبول۔ اگر قدم روک لو گی تب بھی تمہیں مورد الزام نہیں ٹھہراؤں گا۔ اور اگر ساتھ چل پڑو گی تو اس یقین کو تمہارے ہمراہ کر دوں گا کہ منزل پر پہنچ کر تمہیں کبھی اتنی مسافت کے رائیگاں جانے کا افسوس یا پچھتاوا نہ ہوگا۔" فرجاد پر یقین لہجے میں بولا۔
"اور ہاں یہ بتاؤ کل کالج آرہی ہو؟"
"نہیں۔۔۔ کالج آنے پر پابندی لگ گئی ہے۔ میں اپنے گھر کی دہلیز سے باہر پاؤں نہیں رکھ سکتی۔" ان کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔
"وہی روایتی رشتے، وہی روایتی رویے۔" وہ زہرخند لہجے میں بولا۔
"تم پریشان مت ہونا مسرت۔ اپنا خیال رکھنا یہ سوچ کر کہ تم میری امانت ہو۔ دو دن بعد فون پر بات کروں گا۔
اور ہاں کل میں بھی کالج نہیں جاؤں گا۔"
چند مزید باتیں کر کے انہوں نے فون بند کر دیا۔ فرجاد انہیں اتنا عزیز ہو گیا تھا کہ اپنوں سے دوری کا سوچ کر بھی انہیں زیادہ ملال نہیں ہوتا تھا۔ البتہ اس کی باتوں سے اپنی مرضی کے معانی کشید کر کے وہ بہت پرسکون اور مطمئن ہو گئی تھیں۔ دو دن بعد جب۔۔۔ دوبارہ انہیں فون کرے گا تو کس قدر خوش ہوگا جب وہ اسے یہ بتائیں گی کہ وہ اپنے گزشتہ فیصلے پر قائم ہیں۔ وہ اس کے گھر کی چاندنی بننے کو تیار ہیں۔ اور تصور میں خوشیوں سے بھرا اس کا روشن چہرہ دیکھ کر وہ بھی مسکرا دیں۔

☼ ☼ ☼

بہت دیر سے ٹیلی فون کی بیل ہو رہی تھی اس نے کال ریسیو کی اور دوسری طرف کی گفتگو سن کر ساکت ہو گئی۔ کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تو وہ تیزی سے ریسیور رکھ کر پلٹی۔ لاؤنج کے دروازے سے فواد اندر آرہے تھے۔ آریان کا دل دھک سے رہ گیا کہ لیکن خدانخواستہ انہوں نے اس کی کوئی بات نہ سن لی ہو۔ لیکن ان کے سپاٹ چہرے سے اسے کسی قسم کا اندازہ نہیں ہوا۔
"آریان۔۔۔ آپ نہیں گئیں دعوت پر۔۔۔"
انہوں نے اپنے کمرے میں جانے کی بجائے لاؤنج میں ہی صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس سے پوچھا۔ جو دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں چٹخاتی مضطرب سی دکھائی دے رہی تھی فواد نے بڑے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔
"دراصل کمس گیدرنگ مجھے پسند نہیں۔" اس نے جیسے رٹا رٹایا جملہ دہرا دیا۔
ہوں۔۔۔" ان کی آنکھیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اور وہ اندر ہی اندر جزبز ہو رہی تھی۔
"آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں۔۔۔؟"
"نن۔۔۔ نہیں تو۔" ان کے پوچھنے پر وہ گھبرا گئی۔
"آریان! میرا خیال ہے۔ گزشتہ چند دنوں میں کم

کم سے کم ہمارے درمیان اتنی دوستی ضرور ہو چکی ہے کہ آپ اپنی پریشانی اپنی کوئی تکلیف بلا جھجک مجھ سے شیئر کر سکیں۔"

"جی ۔۔۔ جی۔" وہ سر جھکا کر بولی۔

"آپ ۔۔۔ آپ یونہی پریشان ہو رہے ہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ بس امی یاد آجاتی ہیں۔"

"آریان! آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ اپنے چہرے کے تاثرات نہیں چھپا سکتیں امی کے یاد آنے پر آپ اداس ہو سکتی ہیں۔ پریشان اور خوفزدہ نہیں۔"

"یا الٰہی۔ یہ شخص کیا تاثرات کا پوسٹ مارٹم کرنے لگتا ہے۔ آنکھیں ہیں یا ایکسرے مشین۔ بندہ کچھ چھپا بھی نہیں سکتا۔" وہ جھنجلا کر رہ گئی۔

"ٹھیک ہے ۔۔۔ آپ نہیں بتانا چاہتیں تو آپ کی مرضی۔" وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگے۔

"ایک منٹ ٹھہریے پلیز۔" آریان کم سے کم ان جیسا ہمدرد کھونا نہیں چاہتی تھی۔

"ابھی ابھی ستارہ بیگم کے ایک آدمی کا فون تھا وہ اب مجھے دھمکیاں دے رہے ہیں کہ میں خاموشی کے ساتھ ان کا کہا مان لوں اور اسی غلاظت کی دلدل میں واپس چلی جاؤں جہاں سے اپنا آپ بچا کر اتنی اذیتیں کاٹ کر میں یہاں تک پہنچی ہوں۔؟" وہ سر جھکا کر بولی۔

"مثلاً" کیا دھمکیاں دے رہے ہیں وہ۔" فواد گہری سنجیدگی سے بولے۔

"وہ ۔۔۔ وہ اس گھر کے مکینوں کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ وہ لوگ بہت طاقتور ہیں، بہت وسائل ہیں ان کے پاس۔"

"پھر ۔۔۔ آپ نے کیا سوچا؟" فواد بھرپور توجہ سے اس کی بات سننے کے ساتھ ساتھ اس کے چہرے کو بھی بغور دیکھ رہے تھے۔

"ہم ۔۔۔ میں ۔۔۔ میں نے ابھی کچھ نہیں سوچا۔" آریان یہ نہ کہہ سکی کہ اس نے ان کے ہمراہ [illegible] فیصلہ کر لیا ہے اس لیے کہ اس خاندان کی عزت اور شرافت پر اس کی وجہ سے کوئی حرف آئے یہ وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

"آریان! ایک بات تو طے ہے کہ اب آپ وہاں نہیں جائیں گی۔ اس گھر میں آنے کے بعد آپ ہماری عزت ہیں اور ہم اتنی جرأت رکھتے ہیں کہ اپنی عزت کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھنے والے کو اس حال کو پہنچا سکیں کہ دوبارہ وہ کسی کی طرف دیکھنے کے قابل ہی نہ رہے۔ سو یہ خوف اپنے ذہن سے نکال دیں۔ باقی رہا یہ سوال کہ وہ بہت طاقتور ہیں اور اس گھر کے مکینوں کو کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچائیں گے۔ تو یہ بات بھی میں آپ پر واضح کر دوں کہ وہ ایسا کر کے دیکھ لیں انجام ان کے حق میں کس قدر بھیانک ثابت ہو سکتا ہے یہ وہ سوچ بھی نہیں سکتے۔" فواد کا ٹھہرا ہوا لہجہ اور مطمئن انداز کسی حد تک آریان کو بھی طمانیت بخش گیا۔ اس کا خوف کہیں دور جا سویا۔

"آریان! اپنی سوچوں پر خوف کو مسلط نہ ہونے دیں۔ خوف انسان کی شخصیت کو مسخ کر کے رکھ دیتا ہے۔ اس کے اعتماد کو ختم کر دیتا ہے۔ اور میں آپ کی شخصیت کو اس کے تمام تر حسن سمیت دیکھنا چاہتا ہوں۔" فواد دھیمے لہجے میں کہہ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ اور آریان ان کے لفظوں پر غور کرنے لگی۔ اس شخص کے حوالے سے خواب [illegible] آنکھوں کو بہت اچھا لگنے لگا تھا۔ وہ عام [illegible] اور فضول گفتگو نہیں کرتے تھے۔ لیکن چند لفظوں [illegible] بناؤ بھی آریان کو بہت جامع محسوس ہوتا [illegible] اسے محسوس ہو رہا تھا اس کے ارد گرد فواد [illegible] کا نادیدہ لیکن اتنا مضبوط حصار تن [illegible] کہ بیرونی حوادث اسے چھو سکتے ہیں لیکن [illegible] تک پہنچ نہیں سکتے۔ وہ اس کے لیے [illegible] نہ ٹوٹنے والا حصار بن جائیں وہ [illegible] ذات میں رہنے کا فیصلہ تو کرے [illegible] کی مکمل تفسیر بن چکے تھے اور آریان نے ان کی ذات میں رہنے کا فیصلہ دل سے کر لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

تین دن گزر گئے۔ چوتھے دن کا سورج طلوع ہوا تو مسرت جہاں کا انتظار شروع ہو گیا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ ساتھ ان کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ جو وہ کرنے جا رہی تھیں آج تک ان کے پورے خاندان میں ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ شاید سادات گھرانوں کی لڑکیوں کو گھٹی میں گھول کر یہی پلایا جاتا ہے کہ خود پر جبر کیے جاؤ۔ جبر کرتی رہو اور ایک ایک سانس اذیت کے پل صراط پر پنجوں کے بل کھڑے ہو کر گزارو۔ مسرت جہاں نے اپنا آپ آج ان لڑکیوں سے الگ کر لیا تھا۔ انہوں نے جبر کے آگے ہتھیار نہیں ڈالے تھے۔ بلکہ اس کے خلاف تن کر کھڑی [illegible] اپنی خواہشوں کی سربلندی کی خاطر اب [illegible] بھائیوں کی جھکی ہوئی گردنیں بھی ان [illegible] دے رہی تھیں۔

مسرت جہاں کی آنکھوں میں انتظار کے دیپ روشن تھے۔ [illegible] اور پھر چھٹا اور پھر ساتواں دن بھی گزر [illegible] کا دل پسلیوں کی کمزور دیواروں کے بیچ سر [illegible] لگا۔

"محبت کا رشتہ بہت مضبوط ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی باریک دھاگے کی طرح نازک بھی جس کے ٹوٹنے کا پتا بھی نہیں چلتا ۔۔۔ ایک محبت کی خاطر میں نے اپنے پاس موجود ساری محبتیں، سارا امن کھو دیا ہے اور اگر اب وہ محبت بھی مجھ سے منہ موڑ لے تو ۔۔۔" اس سے آگے سوچنا ان کے لیے سوہان روح تھا محبت کا لمس کتنا حیات آفریں ہوتا ہے یہ احساس کہ اس دنیا میں آپ کسی کے لیے اتنے اہم ہیں کہ اگر اس کی زندگی میں آپ نہ ہوں تو زندگی اس کے لیے بے کار اور بے مصرف ہو کر رہ جائے۔

مسرت جہاں کو بھی فرجاد کی محبت کچھ ایسی ہی لگتی تھی۔ انہیں فرجاد نے یہ احساس دلایا تھا کہ اس کی زندگی کی واحد خوشی اور ضرورت مسرت جہاں ہیں اور بس۔ محبت کے اسی یقین نے انہیں سر اٹھانے کی ہمت عطا کی تھی۔ اسی مان کے سہارے وہ اتنا بڑا قدم اٹھانے کو تیار ہو گئیں۔ جو سادات نگر کے باسیوں کے لیے ذلت و رسوائی کا پیامبر ثابت ہونے والا تھا۔ لیکن اب انتظار کرتے کرتے ان کی آنکھیں تھکنے لگی تھیں۔ آٹھ دن بیت چکے تھے اور فرجاد کا کہیں کوئی پتا نہیں تھا۔ نواں دن گزرا اور پھر دسواں دن آگیا۔

[illegible] پیچھے ہٹ گیا۔ محبت نبھانے کا حوصلہ [illegible] تھا یا نہیں؟" مسرت جہاں اپنے دل سے سوال کرتی تھیں۔

اس قدر اذیت تھی اس انتظار میں، کتنا کرب تھا ان دنوں میں، جو وہ امید اور ناامیدی کے درمیان مصلوب ہو کر گزار رہی تھیں۔ دل میں اٹھتے ہزاروں وسوسے اور وہم ان کی امیدوں کو توڑنے کی کوشش میں لگے رہتے لیکن وہیں کہیں موجود محبت کی سچائیاں اس ادھ موئی امید کو پھر سے زندہ کر لیتیں۔ مسرت جہاں گھر سے بالکل لاتعلق ہو چکی تھیں اور شاید خود سے بھی۔ ان کا مطمع نظر صرف فرجاد کا انتظار تھا اور بس فقط شبنا بھابھی گھر میں واحد ہستی تھیں جو ان کی دل جوئی کرنے کی کوشش کرتیں۔ ان کے کھانے پینے کا خیال رکھتیں۔ لیکن عارب بھائی نے چپ سادھ لی تھی کیونکہ جب سے مسرت جہاں نے بھائیوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر فرجاد سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اس دن سے وہ عارب شاہ کے دل سے اتر گئی تھیں۔

"فرجاد ۔۔۔ بس دو قدم ساتھ چل کر تھک گئے اتنی ہی ہمت تھی آپ میں، ارے میں تو آپ کے ساتھ خارزاروں اور پتھریلے راستوں کی ہمسفر بننے کو بھی تیار تھی۔ پھر کیا سوچ کر آپ نے قدم پیچھے ہٹا لیے۔ کیا سوچ کر مجھے یوں تنہا چھوڑ دیا۔ میں نے سب کی نظروں میں گر کر جینا گوارا کر لیا لیکن آپ سے دور ہو کر جینا ۔۔۔ نہیں ۔۔۔ مجھے ایسی زندگی نہیں چاہیے۔"

وہ دل ہی دل میں خود سے ہمکلام تھیں۔ جب کمرے کی خاموش فضا میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے کوئی توجہ نہ دی۔ سوچوں کے خاروں میں الجھتے ہوئے ان کے حواس بالکل ہی نیم مردہ سے ہو چکے تھے۔ تیسری بیل پر انہوں نے طوعاً و کرہاً ریسیور اٹھا لیا۔

"چلو۔۔۔" کسمساہٹ آمیز لہجے میں وہ گویا ہوگئیں۔
"مسرت۔۔۔ میں۔۔۔ میں فرجاد۔" دوسری طرف سے حیات آفریں آواز ان کی سماعت میں اتر کر جیسے ان کی روح کو زندہ کر گئی۔
"فر۔۔۔ فرجاد۔۔۔ آپ۔۔۔ آپ بہت سنگدل ہیں۔"
"مسرت۔۔۔ آئی ایم رئیلی سوری۔۔۔ لیکن میں نے تمہیں بتایا تو تھا کہ چند دن لگ جائیں گے۔"
"لیکن ان چند دنوں میں اپنی خیریت بتانے کے لیے میرا احوال پوچھنے کے لیے آپ کم سے کم فون تو کر سکتے ہیں۔"
"ہاں یہ غلطی ضرور مجھ سے سرزد ہوئی۔ بہرحال اس وقت کیا کر رہی ہو تم؟"
"آپ کے فون کی ہی منتظر تھی۔" مسرت جہاں بھیگے لہجے میں بولیں۔
"میں جانتا ہوں۔ انتظار کی اذیت کو مجھ سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔ زندگی بھر انتظار ہی تو کیا ہے، خوشیوں کا، سکون کا، آسودگی کا اور تمہارا، لیکن اب یہ انتظار ختم ہو جائے گا۔ تم جب میری زندگی میں آجاؤ گی تو سب کچھ مل جائے گا مجھے، تمہارا ساتھ، خوشیاں بھی، سکون اور آسودگی بھی۔" فرجاد ترنگ میں بولتا چلا گیا۔ مسرت جہاں اس کے لفظوں کے زیروبم میں الجھ کر اس سے مزید شکوہ بھی نہ کر سکیں۔ ورنہ ان دس دنوں کی ساری کوفت سارا کرب اس پر انڈیل دیتیں۔
"ہم یہاں سے کہاں جائیں گے؟" عجیب بچوں جیسے اشتیاق بھرے لہجے میں انہوں نے پوچھا۔
"اتنی بڑی زمین پر کہیں نہ کہیں تو ہوگا وہ گوشہ جہاں ہم نے اپنی دنیا بسانی ہے۔ اتنے دن تمہیں بے وجہ انتظار نہیں کرواتا رہا میں۔ اپنا فلیٹ بیچ کر میں نے دوسری جگہ ایک چھوٹا سا مکان خریدا ہے۔ اس کی خرید و فروخت اور میٹنگ میں کچھ وقت لگ گیا۔ بینک اکاؤنٹ ٹرانسفر کروایا ہے ظاہری بات ہے اتنا بڑا قدم اٹھا کر ہم اس شہر میں تو نہیں رہ سکتے نا۔ تمہارے بھائیوں کا تو کوئی خوف نہیں لیکن تمہارا خیال ہے۔ اس لیے ہم یہاں نہیں رہیں گے۔" فرجاد نے دس دنوں کے دوران اپنی مصروفیت کا احوال مسرت جہاں کے گوش گزار کیا۔ مسرت جہاں بھی کچھ مطمئن ہو گئیں۔
"اس وقت دس بج رہے ہیں ٹھیک ایک بجے میں تمہارے گھر کی عقبی دیوار کے قریب تمہارا انتظار کروں گا۔ بہت خیال اور دھیان سے محتاط ہو کر، یہ سوچ لینا کہ اگر اس قدم کی بھنک بھی کسی کو پڑ گئی تو پھر شاید ہم زندگی بھر نہ مل سکیں۔" فرجاد نے کہا۔
"ٹھیک ہے۔۔۔ میں ایک بجے پہنچ جاؤں گی۔" مسرت جہاں نے کہا تو فرجاد نے فون بند کر دیا۔ مسرت جہاں بستر سے اٹھ گئیں۔ اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر کے پہلے انہوں نے اٹیچ باتھ میں جا کر وضو کیا اور پھر کمرے میں آکر جائے نماز بچھائی نوافل ادا کر کے اپنے پالنے والے سے ہم کلام ہوئیں۔
"اے مالک! تو دلوں کے حال جانتا ہے۔ تیری اس دنیا میں ہماری کوئی حیثیت کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس لیے ہم نے ایک فیصلہ کیا جو یقیناً تیرا بھی فیصلہ ہے کہ سب جانتے ہیں تیرے حکم کے بغیر ایک پتا بھی حرکت نہیں کر سکتا کجا انسان ایک سے دوسرا قدم اٹھائے۔ تو نے ہر انسان کو حق اور اختیار دیا ہے کہ [illegible] سے جیسے چاہے جیسے۔ ہم اسی [illegible] کا استعمال کر رہے ہیں پروردگار تو ہماری مدد [illegible] اس مسافت کو ہمارے لیے سہل [illegible]" دعا مانگ کر جب وہ اٹھیں تو ان کا من [illegible] زیادہ پرسکون تھا پہلے اگر کوئی ملال [illegible] کوئی دکھ تھا بھی تو اب اس کا ہلکا سا شائبہ [illegible] وہ مطمئن انداز میں وارڈ روب سے کپڑے نکالنے لگیں۔ چند زیورات اور پہننے کے کپڑے نکال کر بمعہ رسی کے انہوں نے ایک بیگ میں رکھے۔
اور وقت کے گزرنے کا انتظار کرنے لگیں۔ لیکن جیسے گھڑی کی سوئیوں کو بھی علم ہو گیا تھا کہ وہ کیا کرنے جا رہی ہیں۔ سو وہ بھی جیسے رک رک کر، سہم سہم کر چل رہی تھیں۔ ساڑھے بارہ بجے مسرت جہاں نے

اپنے دروازے سے باہر جھانک کر دیکھا ابا میاں کے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی باقی سارا گھر تقریباً اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ دروازے سے نکلنے لگی تھیں جب ابا میاں کے کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ باہر نکل آئے۔ مسرت جہاں نے دروازہ دھیرے سے بند کرتے ہوئے ہلکی سی جھری چھوڑ دی اور اس میں سے باہر جھانکنے لگیں۔ ابا میاں عجب بے چینی کے عالم میں صحن میں ٹہل رہے تھے۔
"یہ کیا؟" وہ دھک سے رہ گئیں۔
"کہیں ابا میاں کو شک تو نہیں ہو گیا کہ میں کیا قدم اٹھانے لگی ہوں۔" انہوں نے سوچا اور آگے بڑھ کر کمرے کی لائٹ آف کر دی۔ گویا دوسروں کو باور کرانے کو کہ وہ سو چکی ہیں۔ ابا میاں بدستور صحن میں ٹہل رہے تھے۔ مسرت جہاں مسلسل کھڑے رہنے کی وجہ سے تھک سی گئی تھیں۔ ٹانگیں اور پیر جیسے شل ہو گئے تھے۔ لیکن خدا معلوم ابا میاں کو کیا بے سکونی، بے چینی اور اضطراب تھا جو وہ صحن میں ٹہلے جا رہے تھے۔
ایک بجنے میں صرف پانچ منٹ باقی تھے۔ مسرت جہاں کی بے چینی اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ انہوں نے ہاتھ میں پکڑی چادر اچھی طرح اپنے وجود کے گرد لپیٹ لی۔ حجاب سے چہرے کو چھپا لیا اور ایک ہاتھ میں بیگ تھام لیا۔ ابا میاں بیرونی دروازے کی طرف جا رہے تھے۔ مسرت جہاں پریشان ہو اٹھیں۔ لیکن یہی موقع تھا ان کے پاس۔ انہوں نے فرجاد سے کہا تھا کہ وہ چھت کی طرف سے آئیں گی۔ سو ابا میاں کے بیرونی دروازے سے نکلتے ہی وہ بلی کی طرح بے آواز قدموں سے تیزی کے ساتھ برآمدے سے ہوتی ہوئی سیڑھیوں کی طرف بھاگیں۔ دل یوں دھڑک رہا تھا جیسے سینہ پھاڑ کر باہر آجائے گا۔ وہ سارے گھر کے چاروں طرف بھرپور نگاہ دوڑاتے ہوئے، وہ بہت تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گئیں۔ آخری سیڑھی چڑھ کر دبے پاؤں تھوڑا آگے جا کر انہوں نے دھونکنی کی طرح چلتے سانسوں کو ہموار کرنے کی کوشش کی۔ بیرونی دروازے کے بند ہونے کی آواز آئی۔ تو وہ چونک اٹھیں۔
"[illegible] ہو کہ ابا میاں میرے کمرے میں جھانکیں اور مجھے نہ پا کر گھر بھر کو میری تلاش میں سرگرداں کر دیں۔۔۔ پتا نہیں میں اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے آئی ہوں یا جلدی میں کھلا ہی چھوڑ کر آگئی۔" وہ خود سے ہم کلام تھیں۔ ایک طرف اپنوں کے جاگ جانے کا خوف اور دوسری طرف یہ خوف کہ پتا نہیں فرجاد آیا بھی ہوگا یا نہیں۔ انہوں نے بہت آرام سے قدم آگے بڑھائے اور حویلی کی پشتی سمت چھت کے آخری کنارے پر آکر نیچے جھانکا۔ حویلی کی دیوار کے ساتھ پچھلی طرف ایک وسیع و عریض پلاٹ یونہی بے کار پڑا ہوا تھا۔ مسرت جہاں کو وہاں نیم تاریکی میں ایک گاڑی اور اس کے ساتھ ٹیک لگائے باتوں میں مصروف دو انسانی ہیولے دکھائی دیے۔ ایک پل کو وہ گھبرا کر پلٹیں۔ یقیناً رات کے اس پہر ان کی وہاں موجودگی بے سبب نہیں تھی۔ اور وہ کم سے کم ان کی نظروں میں نہیں آنا چاہتی تھیں۔ لیکن ان کے پیچھے ہٹنے سے پہلے ہی ان میں سے ایک ہیولا تیزی سے قدرے روشنی میں آیا۔ وہ فرجاد تھا انہوں نے قدرے سکون کا سانس لیا۔ فرجاد نے بہت دھیمی آواز میں پوچھا۔
"نیچے کیسے آؤ گی۔" مسرت جہاں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے ایک منٹ رکنے کو کہا۔ بیگ کی زپ کھول کر رسی نکالی۔ یہ وہی رسی تھی جس سے انہوں نے اپنے گھر کے سب سے بڑے درخت کی ڈال پر جھولا ڈالا رکھا تھا۔ جس جھولے پر ساون میں جھولتے ہوئے گیت گنگنایا کرتی تھیں۔ جو ان کے خوابوں، ان کی سوچوں میں شراکت دار تھا۔ آج جب وہ آنگن، سکھیاں، گڑیا سبھی کچھ چھوڑ کر جا رہی تھیں تب بھی اس جھولے نے اپنے ہونے کا حق ادا کر دیا تھا۔ وہ یہاں بھی ان کی خوشیوں کو حاصل کرنے میں مددگار ثابت ہوا تھا۔ انہوں نے زپ بند کر کے بیگ اوپر سے پھینک دیا۔ جسے فرجاد نے کیچ کر کے ایک طرف رکھ دیا۔ مسرت جہاں نے چھت کی ریلنگ

کے ساتھ رسی کو خوب مضبوطی سے باندھا۔ فرہاد بہت غور سے ان کی ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ لیکن زیادہ بولنے سے گریز کر رہا تھا کہ کہیں اس کی آواز کسی اور کے کانوں میں نہ پہنچ جائے۔ یوں رسی سے لٹک کر نیچے اترنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اس لیے اس نے مسرت جہاں کو کہا کہ وہ اچھی طرح رسی کی مضبوطی کا یقین کر لینے کے بعد نیچے اتریں۔

مسرت جہاں نے رسی کو اچھی طرح کھینچ کر جھٹکے دے کر اس کی پائیداری کا یقین کیا اور پھر کچھ جھجکتے ہوئے انہوں نے منڈیر سے اپنے پیر نیچے لٹکائے۔ دونوں ہاتھوں سے رسی کو مضبوطی سے تھام کر انہوں نے خود کو فضا میں چھوڑ دیا۔ ایک پل کو تو انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے ان کے ہاتھ ان کا بوجھ نہیں برداشت کر پائیں گے اور رسی ان کے ہاتھ سے چھوٹ جائے گی۔ رسی ان کی نرم ہتھیلیوں پہ بری طرح کھب کر انہیں زخمی کر رہی تھی۔ لیکن وہ اس وقت جس کیفیت سے گزر رہی تھیں۔ اس میں وہ نہیں کسی چیز کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ عجیب سا جنون طاری تھا ذہن پر۔ بس فرہاد کو سامنے پا کر آنکھوں میں خوشی کی رمق جاگ رہی تھی۔ رسی زمین سے قدرے اونچی تھی اس لیے فرہاد نے ان کے دونوں بازو تھام کر انہیں نیچے اترنے میں مدد کی اور پھر تیزی سے ان کا ہاتھ تھام کر گاڑی کی طرف بڑھا۔

"چلو عامر۔" پہلے سے گاڑی کے بیک ڈور کھلے ہوئے تھے فرہاد نے بیگ اندر پھینکا اور مسرت جہاں کے ہمراہ پچھلی نشستوں پر براجمان ہو گیا۔ عامر نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی بہت تیزی سے ٹرن لیا۔

پھر ہر گزرتا لمحہ سادات نگر اور مسرت جہاں کے درمیان ان مٹ فاصلہ بڑھاتا چلا گیا۔ مسرت جہاں نے ایک محبت کی آسودگی کی خاطر سب کچھ قربان کر دیا۔ سادات نگر کے دروازے اپنے لیے بند کر کے خود اپنے ہاتھوں خون کے رشتوں کی ہر ڈور توڑ کر ایک نئی دنیا 'نیا جہاں' دریافت کرنے نکل پڑیں۔ شاید ایک محبت کبھی کبھی بہت ساری محبتوں پہ بھاری پڑ جاتی ہے۔ گاڑی اندھیرے میں گم ہو گئی تھی بالکل ایسے ہی جیسے شبیر حسین شاہ کی عزت؟؟؟

☆ ☆ ☆

فواد ذہن میں لفظ ترتیب دیتے ہوئے شہنا پھپھو کے کمرے میں داخل ہوئے تو وہ سامنے بیڈ پر نیم دراز کوئی ڈائجسٹ پڑھنے میں مصروف تھیں۔ برسوں سے ان کی یہ مطالعے والی عادت آج تک نہ چھوٹی تھی۔

"پھپھو آ جاؤں۔" وہ دروازے میں ہی رک کر اجازت طلب کرنے لگے۔

"آ جاؤ۔۔۔" وہ سیدھی ہو بیٹھیں۔

"کیا ہو رہا تھا۔۔۔؟" انہوں نے یونہی برسبیل تذکرہ پوچھا۔

"روز کی روٹین پوری کر رہی تھی۔ ایسی عادت پڑی ہوئی ہے کہ رات کو جب تک کچھ پڑھ نہ لوں نیند نہیں آتی۔"

"پھپھو ——— حقیقتاً" اس مطالعے ہی کے باعث گھر میں سب سے لبرل ہیں آپ" وہ محبت سے بولے۔

"خیر تو ہے بڑا مکھن لگایا جا رہا ہے۔" پھپھو کو اپنا یہ ہونہار بھتیجا بہت پیارا تھا۔

"نہیں پھپھو میں سچ کہہ رہا ہوں [illegible] اس وقت تو میں بہت اہم موضوع پر بات کرنے آپ کے پاس آیا ہوں۔ آپ کو کوئی مصروفیت تو نہیں یا نیند تو نہیں آ رہی۔"

"نیند اور مصروفیت تم سے زیادہ اہم تو نہیں۔ تم بات کرو میں سن رہی ہوں۔" انہوں نے فواد کے کہے کو بہت [illegible] سے ان کو کافی حوصلہ ہوا۔

"بات تو یہ کہ آپ خود کو بالکل غیر جانبدار فریق کے طور پر رکھیں گی۔ دوسرے سادات نگر کی روایات، اقدار اور یہاں کے مکینوں کی سوچ سے ذرا ہٹ کر اس معاملے کو پرکھیں گی۔" فواد انہیں ہموار کرتے ہوئے بولے۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ تم بات کرو۔ زیادہ سسپنس کری

ایٹ مت کرو۔"

"پھپھو موضوع آریان کی ذات اور اس کا ماضی ہے۔ جس سے کچھ دن پہلے مجھے آگاہی ہوئی ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ کو بھی ساری تفصیل بتا کر اس مسئلے کا حل تلاش کیا جائے جو اب درپیش ہے۔" فواد کے منہ سے یہ بات سن کر پھپھو سیدھی ہو بیٹھیں۔ دوسرے لفظوں میں ہمہ تن گوش ہو گئیں۔

"آریان کے ماضی کے متعلق بولو۔۔۔ میں سن رہی ہوں۔"

"پھپھو۔۔۔ آپ کو یاد ہو گا چند دن پہلے شام کے وقت آپ سب [illegible] موجود تھے جب میں آریان کے ساتھ [illegible] غیر مہذب انداز میں پیش آیا تھا۔ یقیناً [illegible] کو یہ بہت ناگوار گزرا ہو گا یاد ہے نا [illegible] جب میں اسے گھسیٹ کر کمرے میں لے گیا [illegible]"

"ہوں۔۔۔ آگے بولو۔"

"اس دن میرا اپنے دوستوں سے جھگڑا نہیں ہوا تھا۔ بلکہ دو اجنبی میرے کلینک پر آئے تھے غنڈہ ٹائپ شخص تھے اور انہوں نے مجھے آ کر بتایا کہ آریان ان کی ملکیت ہے اور اسے خاموشی سے ان کے حوالے کر دیا جائے۔ جب میں نے ان سے پوچھا کہ ان کا آریان سے کیا تعلق ہے تو ان بدمعاشوں نے بتایا کہ آریان ایک طوائف زادی ہے اور کوٹھے سے بھاگی ہوئی ہے۔" ایک پل کو رک کر انہوں نے شہنا پھپھو کے تاثرات دیکھے۔ وہ بہت دل جمعی سے ان کی بات سن رہی تھیں۔ پھر انہوں نے الف سے لے کر ی تک ساری بات تفصیل سے بتا دی۔ آریان سے ہونے والی گفتگو کا حرف حرف کہہ ڈالا۔

"اب بتائیں پھپھو! کیا اسے گھر میں رکھنا چاہیے یا دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دینا چاہیے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو فواد ——— احمقانہ باتیں مت کرو۔ وہ تو پہلے ہی بہت دکھی ہے۔ اس کی دل جوئی کرنے اور اس کے زخموں پر مرہم لگانے کی بجائے اسے مزید چرکے لگانے کی بات کرتے ہو۔۔۔ وہ جو بھی تھی وہ اس کا ماضی تھا جس پر اس کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ اگر اپنی مرضی سے اس گندگی میں رہنا پسند کرتی تو وہاں سے بھاگتی ہی کیوں۔ اب جبکہ وہ سادات نگر میں ہے اس کی جان اور اس کی عزت کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے بیٹے۔" شہنا پھپھو کے لہجے میں آریان کے لیے ترحم سمٹ آیا۔ فواد کو اس پل اپنی پھپھو بہت پیاری لگیں حساس اور مثبت انداز فکر رکھنے والی۔

"بس یہی چاہتا تھا میں۔۔۔ اس کی مجبوری کو سمجھا جائے۔ اس وقت وہ اکیلی ہے تنہا ہے اس کا ساتھ دینے والی اس کی ماں اس وقت ان ظالموں کے چنگل میں ہے سو ہمارا فرض ہے کہ اس کی مدد کریں۔"

"بالکل۔۔۔ لیکن یہ کوئی مسئلہ تو نہیں۔ تم وہ مسئلہ بیان کرو جو اب درپیش ہے۔"

"اصل میں وہ لوگ آریان کا پیچھا کرتے ہوئے سادات نگر کی دہلیز تک پہنچ چکے ہیں مجھ سے بات کرنے کے بعد وہ رکے نہیں بلکہ انہوں نے درپردہ آریان پر دباؤ ڈالنے کے لیے ٹیلی فونک رابطہ رکھا۔ بار بار اسے فون کر کے پریشان کر رہے ہیں کہ ہمارے ساتھ چلو ورنہ سادات نگر کی بہو بیٹی کو ہم اٹھا کر لے جائیں گے۔ وہ بہت پریشان ہے۔"

"بات تو ہے پریشانی کی اور صرف اس کے لیے ہی نہیں ہمارے لیے بھی۔" شہنا پھپھو پرسوچ انداز میں بولیں۔

"اسی لیے تو آپ کے پاس آیا ہوں کہ اب کیا کیا جائے؟؟"

"میرا خیال ہے سب کو اعتماد میں لینا پڑے گا۔ اماں بی سمیت۔"

"نہیں پھپھو۔ آپ کے سوا کسی کو بھی علم نہیں ہونا چاہیے۔"

"فہدی! جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ بالکل ناممکن ہے۔ گھر کے افراد سے کوئی بھی بات زیادہ دیر چھپی نہیں رہ سکتی۔ اور خود سوچو اماں بی جو اسے اتنا چاہتی ہیں جب انہیں یہ پتا چلے گا کہ ان سے کچھ چھپایا گیا ہے تو انہیں کتنا افسوس ہو گا۔ میرا خیال ہے بتانا بہتر ہے دوسری

صورت میں سب کی ناراضی مول لینی پڑے گی۔"

شبنا پھپھو بالکل ٹھیک کہہ رہی تھیں بڑی اماں آریان سے بہت محبت سے پیش آتی تھیں۔

اگلے دن شبنا پھپھو نے اماں بی سے تفصیلی بات کی اور توقع کے عین مطابق ان کے دل میں آریان کے لیے جو محبت تھی وہ جوں کی توں رہی بلکہ اس کے دکھ سن کر اور بڑھ گئی تھی۔ انہوں نے سب خواتین کو اپنے پاس بلایا سوائے حدیقہ کے۔ کیونکہ وہ دوسروں کے دکھوں سے حظ اٹھانے والوں میں سے تھیں۔ اور ان سب سے آریان کے متعلق ہر بات کہہ کر انہیں یہ بھی کہا کہ جلد سے اپنے اپنے شوہروں کو اس مسئلے پر رام کرنے کی کوشش کریں کہ اس بے سہارا لڑکی کو مشکل سے نکالا جاسکے۔

سب خواتین نے موقع دیکھ کر شوہروں سے بات کرلی اور سب ہی آریان کی فیور میں نظر آرہے تھے۔ حدیقہ اور شاکر چونکہ اس گھر کے کسی مسئلے میں شامل نہیں ہوتے تھے۔ اس لیے انہیں اب بھی اس معاملے سے دور ہی رکھا گیا تھا۔

بڑی اماں سمیت گھر کے سب مرد و خواتین آریان کے حق میں تھے سوائے عارب تایا کے ان کو شبنا پھپھو کچھ نہیں بتانا چاہتی تھیں۔ لیکن اماں بی نے کہا کہ "اسے اعتماد میں لے لو یہ نہ ہو کچھ عرصہ بعد اسے کہیں سے بھنک پڑ جائے اور تمہاری جان کے لیے مصیبت بن جائے پہلے ہی تمہاری زندگی بہت تنگ ہے پھر اور زیادہ تنگ ہو جائے گی۔" سو انہوں نے ایک دن جب عارب تایا کا موڈ کچھ بہتر تھا جو کہ شاذ و نادر ہی ہوتا تھا۔ آریان کی بات چھیڑ دی۔ لیکن جو شدید ردعمل عارب تایا کی طرف سے دیکھنے میں آیا۔ شبنا پھپھو پریشان ہو گئیں۔

☼ ☼ ☼

مہندی رچے گورے گورے پاؤں اس کے سامنے تھے کمرے میں نیم تاریکی تھی شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے بالکل اس کی زلفوں کی طرح۔ غلام عباس نے سامنے مخملیں بستر پر محو خواب وجود کو دیکھا۔ یوں لگتا تھا کائنات ہی سمٹ کر مجسم ہو کر سامنے آگئی ہو۔ لمبی لمبی گہری آنکھیں جن پر سیاہ پلکوں کا چھتنار سایہ فگن رہتا تھا۔ اور اس وقت بھی سرخی مائل گورے گالوں پر وہ پلکیں اپنا سایہ کیے ہوئے تھیں۔ نیم وا گلابی ہونٹ جیسے کوئی گیت گانے کو مچل رہے تھے۔

اس گھر میں بے شمار کمرے تھے لیکن غلام عباس کو یہی لگتا تھا کہ زندگی بس اسی کمرے میں مقید ہے۔ جانے کیوں اس کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی سانسیں سہل ہو جاتی تھیں۔ سینے میں سلگتی ارمانوں کی چتا پر جیسے شبنم کی ٹھنڈک اترنے لگتی تھی۔ اس نے ہاتھوں میں پکڑے موتیے کے ڈھیروں پھولوں کو ایک نظر دیکھا پھر دبے قدموں آگے بڑھ کر اس نے وہ سارے پھول ان گورے گورے پیروں پر ڈھیر کر دیے یوں جیسے کوئی داسی دیوی کے چرنوں میں پھول دان کر رہا ہو۔ نرم گداز ہوئے پیروں کو شاید نرم نرم پھولوں کا لمس ناگوار گزرا تھا وہ کچھ کسمسائے اور پھر جیسے ساری کائنات ہی متحرک ہو گئی محو خواب وجود ایک توبہ شکن انگڑائی لے کر بیدار ہو چکا تھا۔ سیاہ گھور آنکھیں نیند کے خمار سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ غلام عباس نے نگاہیں چرالیں۔

"کیا وقت ہو گیا غلام عباس۔ کیا [illegible] جل اٹھی ہیں؟" دھیمی سی آواز غلام عباس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"جی بی بی۔" غلام عباس کا سر جھکا ہوا تھا اور نگاہیں زمین میں [illegible] نہیں جانے کیا بات تھی وہ ان آنکھوں میں [illegible] سکتا تھا۔ پورے دن میں [illegible] بے حد قیمتی اور مقدس ہوتے تھے [illegible] اس کمرے میں پھول لے کر آتا تھا۔

"غلام عباس! تم سے کتنی بار کہا ہے ہمارے پاؤں اس قابل نہیں جن پر تم یہ پھول نچھاور کرو۔ ایسا کر کے تم ان کے پاکیزگی کو بھی مجروح کرتے ہو اور میری ذات' میری روح کے زخموں پر سے کھرنڈ اترنے لگتے ہیں۔ پاکیزگی' پارسائی' پاکدامنی' محبت میں ان لفظوں سے ناآشنا ہو چکی ہوں۔ ان پھولوں کی نرمی سے میرے زخموں کا مداوا ممکن نہیں۔" درد جب لفظوں میں ڈھل کے آتا ہے تو سننے والے کی سماعت کو بھی زخمی کر جاتا ہے۔ غلام عباس نے تڑپ کر اس کی جانب دیکھا۔

"ایسا مت کہیں بی بی! آپ کیا جانیں آپ کیا ہیں۔ میں نے پہلے بھی آپ سے کہا ہے کہ مجھے [illegible] نہ کریں۔ اپنی زندگی پر میرا کوئی اختیار نہیں میں نے کبھی اختیار کی تمنا بھی نہیں کی۔ بس چند لمحے صرف چند لمحے مجھے عطا کر دیں غلام عباس کسی سے کچھ نہیں مانگتا نہ ہی آپ سے کسی چیز کا طلب گار ہے بس ایک خواہش ایک آرزو ہے اس کو پورا کرنے دیں۔" غلام عباس کی آنکھیں [illegible] بھیگی ہوئی تھیں۔ چاندی کی [illegible] رنگ تھیں۔ جس جگہ چہروں [illegible] ہو جائے کون کیا ہے۔ کیسا ہے؟ سمجھ [illegible] آئے۔ وہاں ایسا بے ریا مخلص کیا بھی پائے گا۔

"آج ایک بات پوچھیں غلام عباس۔ کیا بتاؤ گے؟"

"پوچھیں بی بی۔"

"تم روزانہ میرے لیے پھول کیوں لے کر آتے ہو؟"

"پتا نہیں کیا بات ہے بی بی! لیکن آپ کو آواز دے کر جگانا مجھے اچھا نہیں لگتا۔ اور چھوتا اس لیے نہیں کہ میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتا۔ آپ کی پاکیزگی مانع ہوتی ہے۔ اس لیے آپ کو جگانے کا مجھے یہی طریقہ سمجھ میں آیا۔" غلام عباس کا لہجہ بہت دھیما تھا اور جانے کیوں اسے لگا جیسے اس کی محبت کے اس انداز پر کانپ اٹھی تھی۔ اس کا زخم زخم وجود بھلا محبت کے اس انداز کا کہاں متحمل ہو سکتا تھا۔ اس کی پلکیں لرزنے لگیں۔ گرم گرم آنسو اس کی آنکھوں کے کناروں پر تھرکنے لگے۔ اپنے پھیلے ہوئے گھنیرے بالوں کو سمیٹ کر اس نے جوڑے کی شکل دی اور بہت خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ غلام عباس کچھ دیر تو اس کے بولنے کے انتظار میں کھڑا رہا اور جب وہ کچھ نہ بولی تو وہ بھی نہایت خاموشی سے کمرے سے نکل گیا۔ سامنے کرسی کا لباس بھرے اور دیگر سنگھار کی چیزیں رکھی [illegible] باہر کا ماحول اپنے آپ میں آنے لگا تھا۔ سسکیوں کے ہوتے ہی دھیمے دھیمے سانولے سر لہروں کی طرح اٹھنے لگے تھے۔

"محبتیں پانے کا جو طریقہ تم نے چنا تھا۔ آخر اس کا انجام یہی ہے کیا بغاوت کبھی راس بھی آئی ہے۔ باغی کی سزا موت ہے۔ تم۔ تم خود دیکھ لو۔ ہر گزرتے دن اور رات میں کتنی بار مرتی ہو تم۔ کیا جینا اس کو کہتے ہیں؟"

کچھ دھندلے عکس اس کی آنکھوں کے سامنے آرہے تھے۔ اس کے کچھ اپنے بھی تو تھے جن کو وہ کھو چکی تھی اور جب کچھ کھو جاتا ہے تو اتنی بڑی کائنات میں اس کو تلاش کرنا کہاں ممکن ہوتا ہے اور اب۔ اب یہ غلام عباس۔ یہ ایک بار پھر اس کے رستوں کے کانٹے چننے نکل کھڑا ہوا ہے۔ یہ جانے بغیر کہ وہ کانٹے چن نہیں سکے گا ہاں محبت کے خارزار میں گھسیٹ کر اسے مزید زخمی ضرور کر دے گا۔

☼ ☼ ☼

صبح کا وقت تھا۔ سادات نگر کی چہل پہل حسب معمول تھی بچے سب ہی اسکولوں کو جا چکے تھے۔ فواد کو ایمرجنسی میں فون آیا تھا وہ بھی کلینک جا چکے تھے۔ انیقہ کے پیپرز ہونے والے تھے۔ اس لیے وہ کالج جانے کی بجائے گھر پر ہی تیاری کر رہی تھی۔ رات گئے تک پڑھنے کی وجہ سے وہ ابھی سوئی ہوئی تھی۔ روبیہ اور آریان اسکول جانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ کہ انہیں شبنا پھپھو والے کمرے سے بلند آوازیں سنائی دیں۔ روبیہ تیزی سے آگے بڑھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ پپا کسی بات پر اس کی مما کو ڈانٹ رہے ہیں۔ شبنا پھپھو کی آواز نہیں آرہی تھی۔ عارب تایا ہی دھاڑے جا رہے تھے۔ پھر اس نے دیکھا کسی طوفان کی طرح وہ اپنے کمرے سے نکلے اور اماں بی کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ اماں بی چاشت کی نماز سے فارغ ہو کر

تسبیح کرنے میں مصروف تھیں جب وہ اندر داخل ہوئے۔ ان کے خطرناک تیور اماں بی کو پہلی نظر میں ہی دکھائی دے گئے۔

"اماں بی۔ یہ کیا ہو رہا ہے اس گھر میں۔ کیا سن رہا ہوں میں۔" آتے ہی بلا تمہید انہوں نے قدرے سخت لہجے میں اماں بی کو مخاطب کیا۔

"عارب بیٹا۔ سکون سے بیٹھ کر بات کرو، جو بھی کرنی ہے۔ کیا سن لیا تم نے؟" اماں بی کا سکون قابل دید تھا۔

"ایک طوائف زادی اس گھر میں کس لیے رہ رہی ہے۔ اماں بی کیا آپ کے اصول ختم ہو چکے ہیں، مر چکی ہیں سادات نگر کی روایات۔" عارب شاہ سخت برافروختہ تھے۔

"عارب پہلے اپنے لہجے کو درست کرو کہ کس سے مخاطب ہو.... یہ مسئلہ اٹھے گا میں جانتی تھی۔ اسی لیے میں نے سب کو بلایا ہے۔ اگر انتظار کر سکتے ہو تو چند لمحے انتظار کر لو۔ ہر بات واضح ہو جائے گی۔" اماں بی انہیں جواب دینے کے بعد دوبارہ اپنی ادھوری تسبیح کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ عارب شاہ پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ لیکن جانے کس مصلحت کے تحت خاموش ہو گئے۔ پھر کچھ ہی دیر میں گھر کے تقریباً تمام فرد اماں بی کے کمرے میں جمع ہو گئے۔

"میرا خیال ہے کہ جس کے بارے میں گفتگو ہونی ہے اسے بھی بلا لیا جائے۔" اماں بی ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولیں۔ اور شہنا پھوپھو جا کر آریان کو اپنے ہمراہ لے آئیں۔ آریان کو اماں بی نے اپنے قریب بٹھا لیا اور طائرانہ نظر کمرے میں موجود افراد پر ڈالی۔ سب ہی خاموش اپنی اپنی جگہ سوچوں میں گم بیٹھے تھے۔

"میں ایک بہت اہم موضوع پر بات کرنا چاہتی ہوں، لیکن اس سے پہلے یہ جاننا چاہوں گی کہ سادات نگر کے مکینوں کے لیے میرے کہے کی کیا اہمیت ہے۔"

"اماں بی! یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ آج بھی اور آنے والے کل بھی اس گھر کے ہر فیصلے پر آپ کی مہر تصدیق ثبت ہوتی ہے۔ ابا میاں نہیں ہیں تو کیا ہوا ہمارے نزدیک آپ کا کہا ہوا بھی اتنا ہی محترم اور معتبر ہے جتنا کہ ان کا تھا۔" اظہر چچا سلیقے سے بولے۔ اماں بی طمانیت بھرے انداز میں مسکرائیں۔

"تو بس پھر ٹھیک ہے۔ آریان بچی کے بارے میں پچھلے کچھ دنوں کے دوران ہونے والے انکشاف کے بارے میں آپ سب جان ہی چکے ہوں گے۔ میں نے آپ سب کو اس لیے بلایا ہے تاکہ اپنے فیصلے سے آگاہ کر سکوں کہ آریان اب اسی گھر میں رہے گی۔ انیقہ، روبیہ، مہوش اور لاٹا کی طرح۔ آپ میں سے کسی کو کوئی اعتراض تو نہیں۔" انہوں نے بات ختم کرتے ہوئے عمیق نظروں سے سب کے چہروں کے تاثرات دیکھے سوائے عارب شاہ کے سب نارمل انداز میں بیٹھے ہوئے تھے۔

"ہمیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے اماں بی! جب آپ نے فیصلہ کر لیا ہے تو پھر آپ کو کسی کی رائے لینے کی ضرورت نہیں۔" بابر چچا بھی اماں بی کے حمایتیوں میں شامل ہو گئے۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے بابر۔ ایک بیٹی کے باپ ہو کر سمجھ نہیں سکتے کہ اس جیسی ———— لڑکی کو اپنے گھر میں رکھیں۔"

اذیت کے کڑے احساس نے [illegible] دیا تھا آریان کو، لیکن افسوس کہ وہ [illegible] دھارے پر بہتا ایک بے وزن وجود [illegible] اس کے ساتھ جو سلوک بھی کرتیں [illegible] تھا۔ بابر چچا نے ہاتھ اٹھا کر عارب شاہ [illegible] سے روک دیا۔

"عارب بھائی.... بس.... آپ نے کہا ہم نے سن لیا۔ آپ مسلسل ایک پاک باز اور معصوم لڑکی کو تحقیر کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ آپ کو یہ قبول نہیں تو ٹھیک ہے آپ اس کے لیے اپنے پورشن کے دروازے بند کر دیں۔ لیکن سادات نگر سے نکالنے کا فیصلہ آپ اکیلے نہیں کر سکتے۔ اس گھر میں پانچ خاندان آباد ہیں۔

آریان کو آپ ٹھکرا رہے ہیں، ہم سب نہیں۔ یہ میرے ساتھ رہے گی، جس طرح مجھے مہوش عزیز ہے۔ آریان بھی ویسی ہی ہے میرے لیے۔ اٹھو بیٹا! آج کے بعد تم ہمارے ساتھ رہو گی۔ زاہدہ بیگم۔ آریان بیٹی کو اپنے ساتھ لے جائیے۔" بابر چچا نے پہلے آریان اور پھر زاہدہ چچی کو مخاطب کیا۔ زاہدہ چچی خاموشی سے اٹھیں تاکہ آریان کو اپنے ساتھ اپنے پورشن میں لے جائیں۔ آریان نے ایک نظر اماں بی کی طرف ڈالی۔ اماں بی بابر چچا کے فیصلے سے بہت مطمئن اور خوش دکھائی دے رہی تھیں۔

✡ ✡ ✡

کلینک میں داخل ہوتے ہی فواد کو کچھ غیر معمولی محسوس ہوا۔ آفس میں سر پکڑے بیٹھا کاشف اپنے سامنے پڑے پانی کے ادھ بھرے گلاس کو یوں گھور رہا تھا جیسے ہپناٹزم کی مشق کر رہا ہو۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟" فواد نے اس کا کندھا ہلایا۔

"یہ ہی تو افسوس ہے کہ ابھی تک کچھ ہوا کیوں نہیں؟" وہ تو جیسے جلا بیٹھا تھا۔

"یہ بھلا کیا بات ہوئی۔" فواد مسکراتے ہوئے اس کے سامنے والی چیئر پر بیٹھ گئے۔

"تم سے اگر اپنا مریض نہیں سنبھالا جاتا تو کوئی پنجرہ منگوا دو جس میں طوطے کی طرح بند کر دیں اسے۔ حد ہو گئی۔ کلینک کو پاگل خانہ بنا کر رکھ دیا ہے۔"

"یار! بے ضرر سا شخص ہے وہ کیا کہہ دیا اس نے تمہیں؟"

"اللہ جانے! صبح سے کہے جا رہا ہے مجھے جانے دو' میں نے جانا ہے' میں آ رہا ہوں۔ میں جاؤں گا' میں آؤں گا۔ اللہ جانے کون سے سیارے کی مخلوق اٹھا کر لے آئے ہو' کون سی بولی بولتا ہے' میری تو عقل سے باہر ہے۔" کاشف جل بھن کر بولا۔

"اچھا میں دیکھتا ہوں۔" ٹیبل پر سے [illegible] اسکوپ اٹھا کر وارڈ کا راؤنڈ لینے چلے [illegible] نذیر اور اکبر نے اسے بری طرح جکڑ رکھا تھا اور نرس اس کے بازو میں انجکشن لگانے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن اس کی مسلسل موومنٹ کی وجہ سے وہ اس میں ناکام ہو رہی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے... یہ کیا طریقہ ہے؟" فواد گرج کر بولے۔ نذیر اور اکبر نے گھبرا کر مریض کے بازو چھوڑ دیے۔

"جس رویے سے بچانے کی خاطر میں نے اسے یہاں ایڈمٹ کیا ہے، تم لوگ وہ ہی سلوک اس کے ساتھ روا رکھو گے تو کیا فرق پڑے گا اس کی شخصیت پر... احمق کہیں کے۔" آخری لفظ فواد نے خود کلامی کے سے انداز میں کہے۔

"سر جی! اس کی دوائی اور ٹیکے کا ٹائم ہو گیا ہے۔" نرس نے کہا۔

"لیکن دوا سے پہلے اسے کچھ کھانے کو دو۔"

"پر سر! یہ کچھ کھاتا بھی تو نہیں۔ یہ دیکھیں صبح اس نے کیا حال کر دیا میرا۔" نذیر نے اپنا گال آگے کر کے دکھایا۔

"ہاں سن چکا ہوں... بہر حال تم جاؤ کچھ لے کر آؤ کھانے کے لیے میں کوشش کرتا ہوں۔" فواد کہہ کر بہت آرام سے اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"بابا..." بہت ملائمت سے اسے پکارا تو وہ چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔

پتا نہیں ان کے سامنے وہ اس قدر سلجھا ہوا کیوں بن جاتا تھا۔ وہ آج تک سمجھ نہیں پائے تھے کہ ان کے سامنے تو کبھی اس نے کوئی ہیجان انگیز حرکت نہیں کی تھی۔

"مجھے جانے دو... میں نے جانا ہے۔ میں آ رہا ہوں... میں جاؤں گا... میں آؤں گا۔" بے ربط الفاظ اس کے منہ سے نکل رہے تھے۔

(تیسری اور آخری قسط آئندہ شمارے میں ملاحظہ کریں)

✡ ✡

شعاع عمر

غیبت کا گناہ

حضرت ابراہیم بن ادہم غیبت کرنے والوں کی سخت سرزنش کرتے۔ غیبت اسے کہتے ہیں کہ کوئی کسی کا اس کی غیر موجودگی میں اس طرح تذکرہ کرے جو کہ اسے ناپسند ہو۔ ایک حدیث میں وضاحت اس طرح ہے۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غیبت کی حقیقت دریافت فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تمہارا اپنے بھائی کا اس طرح تذکرہ کرنا جو اسے ناپسند ہو۔" صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر وہ بات اس میں موجود ہو تو کیا پھر بھی غیبت ہو گی۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"یہی تو غیبت ہے اور اگر وہ بات اس میں نہ پائی جائے تو پھر یہ بہتان ہو گا۔"

چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کو ایک دفعہ ایک ضیافت میں مدعو کیا گیا آپ نے لوگوں سے کسی کی غیبت سنی تو فرمایا۔

"عجیب بات ہے کہ پہلے لوگ گوشت سے پہلے روٹی کھاتے تھے۔ مگر یہاں دیکھتے ہیں کہ لوگ اپنے بھائی کی غیبت کر کے روٹی سے پہلے اس کا گوشت کھا رہے ہیں۔" پھر آپ وہاں سے اٹھ گئے اور کھانا نہ کھایا۔

صدف عبداللہ۔ یو اے ای

محبوب عمل

حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ تھے۔ انہیں اس دنیا میں اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی حاصل تھا۔ ایک دفعہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔

"اے میرے رب! تجھے میرا کون سا عمل زیادہ پسند ہے تاکہ وہ کام زیادہ کیا کروں۔" اللہ کا ارشاد ہوا۔

"مجھے تیرا وہ عمل تمام کاموں سے زیادہ پسند آیا کہ جب بچپن میں تمہاری ماں تمہیں مارتی تو تم مار کھا کر پھر اسی طرف دوڑتے تھے۔"
(تذکرہ غوثیہ)

حمیرہ مہتاب۔ سعودی عرب

کھانے کے متعلق بعض سنن طیبہ

○ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گرم کھانا لایا جاتا تو آپ اس کو اس وقت تک ڈھانپ کر رکھتے جب تک اس کا جوش ختم نہ ہو جاتا اور فرمایا۔

میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ "سرد کھانے میں عظیم برکت ہے۔" (دارمی' مدارج النبوت)

○ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے بعد پانی نوش نہ فرماتے کیونکہ مضر ہضم ہے۔ جب تک کھانا ہضم کے قریب نہ ہو پانی نہیں پینا چاہیے۔ (مدارج النبوت)

○ کھجور یا روٹی کا کوئی ٹکڑا کسی پاک جگہ پڑا ہوتا تو اس کو صاف کر کے کھا لیتے۔ (مسلم)

○ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھاتے ہی سو جانے

کو منع فرماتے (یہ دل میں قساوت پیدا کرتا ہے)۔ (زاد المعاد)

○ کسی دوسرے کو کھانا دینا یا کسی سے کھانا لینا ہو تو داہنا ہاتھ استعمال کرنا چاہیے۔ (ابن ماجہ)

آمنہ ۔۔۔ لاہور

پہلی کرن

☆ جس نے مخلوق سے کچھ مانگا وہ خالق کے دروازے سے اندھا ہے۔

☆ حیات کا دروازہ جب تک کھلا ہے غنیمت جانو' وہ جلد ہی تم پر بند کر دیا جائے گا اور نیکی کے کاموں کو جب تک تمہیں قدرت ہے غنیمت سمجھو۔

☆ موت سے پہلے یادِ خدا میں عزت ہے کیونکہ کاٹنے کے وقت ہل چلانا اور بیج بونا حماقت ہے۔

☆ سارے ملک کا بگاڑ ان تین گروہوں کے بگڑنے پر ہے' حکمران جب بے علم ہوں' عالم جب بے عمل ہوں اور فقیر جب بے توکل ہوں۔

☆ محبت کامل نہیں ہو سکتی' جب تک قربانی نہ دی جائے۔

☆ صادق وہ ہے کہ جب دیکھو تو ویسا ہی پاؤ کہ جیسے سنا تھا۔

☆ ہر بچے کی پیدائش اس بات کا پیغام ہے کہ اللہ ابھی انسان سے مایوس نہیں ہوا۔

افشاں چوہدری ۔۔۔ ملتان

ایک اور دانت

دندان ساز کی بیٹی نے اپنے محبوب سے پوچھا۔

"آج اچھا موقع تھا تم کلینک گئے تھے کیا آج بھی تم نے میرے پاپا سے رشتے کی بات نہیں کی؟" نوجوان نے پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے جواب دیا۔

"نہیں! حسبِ معمول آج بھی میری ہمت جواب دے گئی اور میں ایک اور دانت نکلوا کر خاموشی سے واپس چلا آیا۔"

تانی چوہدری ۔۔۔ کسور ڈلوکے

بڑی مرچیں

○ ہر عورت خوب صورت ہوتی ہے۔ سوائے گھر کی عورت کے۔

○ آپ سینما دیکھ کر اتنے خوش نہیں ہو سکتے جتنا ایک عورت پڑوس کے گھر جھانک کر خوش ہوتی ہے۔

○ سمجھدار جج پہلے عورت کی عمر دریافت کرتے ہیں۔ اور تب کہیں جا کر سچ بولنے کا حلف اٹھواتے ہیں۔

○ یاد رکھیے! ناجائز اخراجات ناجائز آمدنی ہی سے پورے ہو سکتے ہیں۔

○ اپنی نقدی کی حفاظت کرو۔ اصولوں کی حفاظت دیکھا جائے گا۔

○ عورت کے نزدیک سب سے حسین عورت وہ ہے۔ جو اسے آئینے کے سامنے دکھائی دے۔

○ خواتین فارغ اوقات میں بچوں کے سر سے جوئیں نکالتی ہیں بے شک جوئیں ہوں یا نہ ہوں۔

فوزیہ ثمر بٹ ۔۔۔ گجرات

تعبیر

یہ راتوں کے آگے سرخرو ہوں
چاند سے آنکھیں ملا کر بات کرتی ہوں
کہ میں نے عمر میں دیکھا ہے پہلی بار
میری نیندیں میرے خوابوں کے آگے سر اٹھا کر
چل رہی ہیں!

پروین شاکر

اسماء ۔۔۔ لاہور

سرگوشیاں

سفر کا آغاز تیز رفتاری سے کیا ہے تو دیکھو رکنا نہیں ورنہ تمہارا اپنا ہی غبارِ راہ تمہیں دبوچ لے گا۔

○ زندگی نجانے کس کس کا انتظار کرتی ہے اور موت بن بلائے مہمان کی طرح اچانک آجاتی ہے۔

○ در ہمیشہ وا رکھنے چاہئیں کہ کچھ لوگ دستکوں کے عادی نہیں ہوتے اور صدا دیے بغیر لوٹ جاتے ہیں۔

○ جو دوسروں کو شک کی نظر سے دیکھتا ہے' وہ حقیقت میں اپنے کردار کی برائیاں دوسروں میں تلاش کر رہا ہوتا ہے۔

○ محبت میں یہ قباحت ہے کہ جس سے محبت ہو جائے' اس کو آسانی سے آزاد نہیں کیا جا سکتا۔ اسے آزاد کرنے سے دل کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔

○ غصہ ایک چور ہے جو انسان کے اچھے خیالات چوری کر لیتا ہے۔

نوشین اقبال نوشی' گاؤں بدر مرجان

جنٹلمین

مسٹر برائن امریکی سامان لادنے میں مصروف رہا۔ درمیان میں کیپٹن غلام حسین نے ایک دو بار اسے توجہ دلائی کہ پاکستانیوں کا سامان بھی لوڈ کرا دے لیکن اس نے سنی ان سنی کر دی۔ جب فارغ ہوا تو اس نے سامان کے وزن کی جمع تفریق کے بعد بے پروائی سے کیپٹن غلام حسین سے کہا۔

"پاکستانی تو اس پرواز سے نہیں جا سکتے۔"

"کیوں نہیں جا سکیں گے؟" کیپٹن غلام حسین نے مسٹر برائن کی ناک سے ناک ملا کر دانت پیستے ہوئے پوچھا۔

ایک تھرڈ ورلڈ ملک کے ایک جونیئر فوجی سے مسٹر برائن کو قطعاً اس اشتعال انگیز رویے کی توقع نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ "ترلے منتیں" کرنے کے بعد وہ پاکستانیوں کو آئندہ کسی پرواز سے بھجوا دے گا لیکن غلام حسین سیاستدان تو تھا نہیں اس نے اک پاکستانی کو آواز دی۔

"شہزاد ذرا اسٹین گن دینا مجھے۔"

یہ ذات شریف جس کا نام شہزاد تھا بڑے مستعد ثابت ہوئے انہوں نے اسٹین گن کا رخ آسمان کی طرف کیا۔ اسے کاک کیا' سیفٹی کیچ اتارا اور کیپٹن غلام حسین کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"Gun Loada' cocked safty catch Removed"

غلام حسین نے اسٹین گن پکڑتے ہوئے مسٹر برائن سے پوچھا۔

"مسٹر برائن! پاکستانی کیوں نہیں جا سکتے اس فلائٹ سے؟" مسٹر برائن نے دور ایک نظر گوروں کی طرف دیکھا جو کتوں اور لڑکیوں کی چاپلوسی میں مصروف تھے اور پاکستانی فوج پر نگاہ کی جو پاس ہی نظم و ضبط سے اپنے افسروں کے اگلے احکامات کے منتظر کھڑے تھے۔

"ٹھہرو' ٹھہرو جائیں گے جائیں گے۔ اسی فلائٹ سے جائیں گے۔"

مسٹر برائن کی ساری لاپروائی کافور ہو گئی۔ پورے واقعے میں چند سیکنڈ لگے ہوں گے' کسی کو خبر بھی نہیں ہوئی کہ دو اہم ملکوں کی خارجہ پالیسی کن نشیب و فراز سے گزر گئی۔

(جنٹلمین سبحان اللہ از اشفاق حسین)

حرمت روا اکرم ۔۔۔ ڈلوال

اقوالِ آخری

☆ تھکن سود کی طرح ہوتی ہے' ادائیگی نہ ہو تو بے حساب بڑھتی اور جمع ہوتی رہتی ہے جب تک کوئی بھلا آدمی بھلے طریقے سے بے باق نہ کروا دے۔

☆ فیصلہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کے اندر غلطی کا امکان گھاس کی اس نرم کونپل کی طرح ضرور ہوتا ہے جو کسی بھی جگہ' کسی بھی لمحے سر اٹھائے چپ چاپ لہرانے لگتی ہے۔

☆ ہمت بھی عجیب پھولے ہوئے غبارے جیسی ہوتی ہے ذرا ناموافق بات کی سوئی چبھی مشکل ہی نہیں حالات و حالت تک بدل دیتی ہے۔

☆ جعلی عکس ڈالنے والا علم ہو یا اعداد و شمار' ہمیشہ نتیجہ توقعات کے برعکس ہی لاتے ہیں۔

☆ نقصان وہ نہیں جو آپ کو ذاتی دکھ سے بٹھا دے نقصان تو وہ ہے جو کسی کو آپ کی نظروں سے گرا دے۔

☆ روزنوں میں اندھیرا آئے تو صرف انہیں کوسنے مت بیٹھ جائیے' ممکن ہے آپ کے ایک چراغ جلانے سے کسی کے اندر کی کچھ تاریکی کم ہو جائے۔

سیدہ نسبت زہرا ۔۔۔ کہروڑ پکا

بشریٰ محمود

انیقہ انا، کی ڈائری میں تحریر
ظفر اقبال کی غزل

جو غم ملا جبیں کے شکن میں چھپا لیا
دل کی گداز ... کو پتھر بنا لیا

جو آہ تھی سسکتی شبی ساتھ لے گئی
جو اشک تھا ہوائے سحر نے اڑا لیا

کاغذ کے پھول سر پہ سجا کر چلی حیات
نکلی برونِ شہر تو بارش نے آ لیا

اک میں ہی ... نہیں، تو بھی قریب ہے
اپنی ہی ذات سے ذرا بھی پتا کیا

اک عمر جس کی یاد پہ رہ کر بچے رہے
پہنچے اوٹ ... میں کہ وہی تیر کھا لیا

ہم بھی شکستِ شوق پہ نالاں رہے مگر
دل نے آسمان ہی سر پہ اٹھا لیا

ہم نے کہ بختِ خفتہ نہ جاگ اٹھے ظفر
معمورۂ ازل سے دل بے صدا لیا

حورالعین اقبال، کی ڈائری میں تحریر
اعتبار ساجد کی نظم

بساطِ جاں پہ عذاب اترتے ہیں کس طرح
شب ورود دل پر عذاب اترتے ہیں کس طرح
کبھی عشق ہو تو پتا چلے
یہ جو لوگ سے ہیں چھپے ہوئے پسِ دوستاں
تو یہ کون ہیں؟
یہ جو لوگ سے ہیں چھپے ہوئے پسِ جسم و جاں
تو یہ کس لیے؟
یہ جو کان ہیں میرے آہٹوں پہ لگے ہوئے
تو یہ کیوں بھلا؟
یہ جو ہونٹ ہیں صفِ دوستاں میں سلے ہوئے
تو یہ کس لیے؟
یہ جو اضطراب رچا ہوا ہے وجود میں
تو یہ کیوں بھلا؟
یہ جو سنگ سا کوئی آ گرا ہے وجود میں
تو یہ کس لیے؟
یہ جو دل میں درد جڑا ہوا ہے خفیف سا
تو یہ کب سے ہے؟
یہ جو پتلیوں میں ... کوئی خفیف سا
تو یہ کب سے ہے؟
یہ ... میں کوئی برف سی ہے جمی ہوئی
تو یہ کس لیے؟
یہ جو دوستوں میں نئی نئی سے کمی ہوئی
تو یہ کیوں بھلا؟
یہ جو لوگ پیچھے پڑے ہوئے ہیں فضول میں
انہیں کیا پتا، انہیں کیا خبر؟
کسی راہ کے کسی موڑ پر جو انہیں ذرا

مشعال جنید، کی ڈائری میں تحریر
احمد فراز کی غزل

وحشت تھی مگر چاک لبادہ بھی نہیں تھا
یوں زخم نمائی کا ارادہ بھی نہیں تھا

خلعت کے لیے قیمتِ جاں یوں بھی بہت تھی
پھر اہلِ وفا زرِ لبادہ بھی نہیں تھا

ہم مرحبا کہتے ترے ہر تیرِ ستم پر
سچ یہ ہے کہ دل اتنا کشادہ بھی نہیں تھا

ہم خون میں نہلائے گئے تیری گلی میں
اور تو کہ سرِ بام ستادہ بھی نہیں تھا

یارو کوئی تدبیر کرو تم کہ وہ ہم سے
ناخوش تھا مگر اتنا زیادہ ابھی نہیں تھا

آخر کو تو گل ہو گئے سورج سے مسافر
اور میں تو چراغِ سرِ جادہ بھی نہیں تھا

پاگل ہو فراز آج جو رہ دیکھ رہے ہو
جب اس سے ملاقات کا وعدہ بھی نہیں تھا

سیدہ نسبت زہرا، کی ڈائری میں تحریر
نوشی گیلانی کی غزل

عذاب دربدری سے نکلنا چاہتے ...
اب اس کے خیمۂ خوشبو میں رہنا چاہتے ...

صدائے گل کی طرح، موجِ صبا کی ...
تیری گلی سے کسی دن گزرنا چاہتے ...

تلاشِ رزق میں بھٹکی ہوئی تکان کے ...
پرندے اپنے گھروں کو پلٹنا چاہتے ...

ہمیں نہ دیکھ زمانے کی گرد آنکھوں سے
تجھے خبر نہیں ہم تجھ کو کتنا چاہتے ...

وفا ہے شرط تو پھر اپنے درمیان ابھی ...
یہ لوگ کس لیے دیوار رکھنا چاہتے ہیں ...

امیرِ شہر سلامت، مصاحبان سمیت
ہم ... ان سے مکرنا چاہتے ہیں ...

فوزیہ ثمر بٹ، کی ڈائری میں تحریر
خوبصورت غزل

لمحے لگتے ہیں دل دکھانے میں
وقت لگتا ہے پھر منانے میں

گھاؤ لفظوں کا بھر نہیں سکتا
بات بنتی نہیں بنانے میں

گلشنِ دل کو تباہ مت کرنا
صدیاں لگ جائیں گی بنانے میں

فصلِ گل نے جو بے قرار کیا
ہم لگے گھر کو پھر سجانے میں

دمِ آخر بھی منتظر تھا وہی
آپ نے دیر کر دی آنے میں

شگفتہ سلیمان

حمیرہ مہتاب ——— سعودی عرب

پلک جھپکتے ہی دُنیا اُجاڑ دیتی ہے
وہ بستیاں جنہیں بستے زمانے لگتے ہیں
فراز ملتے ہیں غم بھی نصیب والوں کو
ہر اک کے ہاتھ کہاں یہ خزانے لگتے ہیں

کرن عدنان ——— کراچی

خزاں میں چاک گریباں تھا میں، بہار میں تو
مگر یہ فصل ستم آشنا کسی کی نہیں
میں آج زد پہ اگر ہوں تو خوش گمان نہ ہو
چراغ سب کے بجھیں گے ہوا کسی کی نہیں

صدف عبداللہ ——— یو اے ای

کوچۂ یار سے ہر فصل میں گزرے ہیں مگر
شاید اب جاں سے گزر جانے کا موسم آیا

فرزانہ ——— کراچی

تھا جنہیں زعم وہ دریا بھی مجھی میں ڈوبے
میں کہ صحرا نظر آتا تھا سمندر نکلا
شہر والوں کی محبت کا میں قائل ہوں مگر
میں نے جس ہاتھ کو چوما وہی خنجر نکلا

نسرین حنان ——— کراچی

تھکا گیا ہے سفر اُداسی کا
اور اب بھی ہے مرے شانے پر سر اُداسی کا
میں تجھ سے کیسے کہوں یار مہرباں میرے
کہ تو علاج نہیں میری ہر اُداسی کا

شعال جنید ——— کراچی

فراز اس شہر میں کس کو دکھاؤں زخم اپنے
یہاں تو ہر کوئی مجھ سا بدن پہنے ہوئے ہے

امبر اسلم ——— اوکاڑہ

چلو کہ آج کوئی بچپن کا کھیل کھیلیں
بڑی مدت ہوئی بے ساختہ ہنس کر نہیں دیکھا

شافعہ ——— لاہور

میرے احساس کے زخموں نے جگایا مجھ کو
نیند تو ٹوٹی مری، خواب تمہارے ٹوٹے

ربیعہ ——— قیوم آباد

مجھے سمیٹ سکو تو معجزہ ہوگا
بکھر گیا ہوں خلا میں دھنک کی طرح

رباب ——— حافظ آباد

کوئی کرتا ہی نہیں ذکر وفاداری کا
ان دنوں عشق میں آسانی ہی آسانی ہے

انجم خان ——— ملتان

باہر تو کوئی دُشمن جاں اپنا نہیں تھا
یارو ہمیں اندر کے خدوخال نے مارا
آئے جو نظر چہرے بظاہر تھے فروزاں
افسوس انہی چہروں کے افعال نے مارا

ناصرہ گیلانی ——— فیصل آباد

مرتے رہے ہم لوگ سدا وقت کے ہاتھوں
ماضی نے ہمیں مارا، کبھی حال نے مارا
کچھ نقش سلامت ہیں جو چہرے پہ کہ ابھی
گزری ہوئی صدیوں کو مہ و سال نے مارا

صنوبر ——— کوئٹہ

ہم فقیروں کو دنیا سے سروکار نہیں
ہم زمانے میں فقیروں کی طرح رہتے ہیں
لوگ کہتے ہیں ہم کو تو حیرت کیسی ہے
ہم خدا کو بھی خدا کہتے ہیں

افشاں خان ——— پشاور

پیچ در پیچ سلسلے دل کے
مجھے تیری، تجھے کسی کی تلاش

امبرین ——— لاہور

سکون ملتا ہے رونے سے دل کو بھی اگر
شدید ہو کبھی موسم تو بارشیں مانگوں

مہک سہیل ——— لاہور

گفتگو کرنے کا کچھ اس میں ہنر ایسا تھا
وہ میری بات کا مفہوم بدل دیتا تھا

بشریٰ الطاف ——— گوجرانوالہ

جنوں میں ہوش کے سب سلسلے بھی ساتھ رہے
وفا کرتا ہے لیکن فاصلے بھی ساتھ رہے
کوئی اب وہ ہوا تو راس آئے گی کبھی اس کو
محبت کی ساری منطقیں بھی ساتھ رکھتا ہے

رفعت اشفاق ——— کراچی

دھیان رکھنا ہر اک آہٹ پر
شاید ابھرے صدا کہیں اس کی

طاہرہ مغل ——— لاہور

کیسے اب رہ کر تجھے تلاش کروں
کیوں گئیں میری بدحواسیاں نہ گئیں

سملہ خان ——— کراچی

اسے کہو بہت نامراد شے ہے جنوں
اسے کہو کہ مجھے ہے بہت جنوں اس کا

حور العین اقبال ——— کراچی

خواہشوں کی محرومیاں مت پوچھ مرے ہم نفس
کہ میری نس نس میں خوابوں کا زہر اترا ہے

نمرہ، اقرا ——— کراچی

ہم ہی کریں کوئی صورت انہیں بلانے کی
سنا ہے ان کو تو عادت ہے بھول جانے کی
جفا کے ذکر پہ تم کیوں سنبھل کے بیٹھ گئے
تمہاری بات نہیں بات ہے زمانے کی

یاسمین کنول ——— پسرور

پانی پہ بھی ریت پہ تڑپی، چھپی کبھی
بنتی رہی ہے دُکھ کا بھی عنوان محبت
ہم نے پڑھے ہیں اتنے فسانے کہ بس
لگتا ہے ہر فسانے کی ہے جان محبت

ثمینہ، زبیدہ ناز شیخ ——— کراچی

رشتوں کو توڑتے ہیں، ذرا احتیاط کرنا
رُخ اپنا موڑتے ہیں ذرا احتیاط کرنا
ایسا نہ ہو کہ ایک دن پچھتاؤ عمر بھر ہی
تم مجھ کو چھوڑتے ہیں ذرا احتیاط کرنا

نمل تاج، زبیدہ پاشی ——— کراچی

اپنا آنچل سنبھال کر چلنا
چھیڑ خانی ہوا کی عادت ہے

عالیہ، مریم تو ید ——— کراچی

دل کو تمہاری یاد کے آنسو عزیز تھے
دُنیا کا کوئی درد سمونے نہیں دیا
ناصر یوں اس کی یاد چلی ہاتھ تھام کر
میلے میں اس جہان کو کھونے نہیں دیا

مدیحہ، ندا ——— کراچی

جو گرہ لگی ہے گرہ دل میں کھل نہیں سکتی
تو لاکھ ملتا رہے ہم سے دوستوں کی طرح

ثمینہ اکرم ——— لیاری کراچی

مختصر لفظوں میں بے حساب یہ مزاج زندگی
رابطہ سب سے ہے، مگر واسطہ نہیں

عنوی اکرم ——— کراچی

ہر چارہ گر کو چارہ گری سے گریز تھا
ورنہ ہمیں جو دُکھ تھے بہت لادوا نہ تھے

نرجس رانی ——— ساہیوال

وہ ریت کر کے میرے خواب کی زمینوں کو
میرے وجود میں دریا تلاش کرتا ہے
گنوا کے مجھ کو کسی عہد خوش گمانی میں
وہ شاید اب کوئی مجھ سا تلاش کرتا ہے

فرزانہ سہیل ——— میاں چنوں

تم نے گم کر دیا تھا دانستہ
اب بھرے شہر میں مجھے ڈھونڈو

حمنہ حبیب ——— عبدالحکیم

یہ ورق ورق تیری داستاں
یہ سبق سبق تیرے تذکرے
میں کروں تو کیسے کروں الگ
تجھے زندگی کی کتاب سے

تانی چوہدری ——— آکسفورڈ یوکے

جب سے چھوڑا ہے تو نے ساتھ میرا
میں کسی کو بھی چھوڑ سکتا ہوں
ہو گیا ہوں میں سنگدل اتنا
دل کسی کا بھی توڑ سکتا ہوں

ریحانہ علی جمع

وعدہ

میں ستارے توڑ کر لاؤں گا تیرے واسطے
اس کا وعدہ میرے جان و دل پہ ایسا چھا گیا
میں بہت خوش تھی مجھے اک چاہنے والا ملا
وہ ہمارے گھر "ستارہ لان" لے کر آ گیا

کلام۔عذرا صادق
انتخاب : سارہ حنیف۔۔۔ کراچی

چل رہا ہے

ادھر ناکے پہ ناکہ چل رہا ہے
ادھر ڈاکے پہ ڈاکا چل رہا ہے
ادھر منصوبہ بندی کے ہیں چرچے
ادھر کاکے پہ کاکا چل رہا ہے

کلام ڈاکٹر انعام الحق جاوید
شافعہ۔ کراچی

مقام شکر

"کیا کبھی کسی نے تمہیں اپنے ہاں کام کاج یا کوئی ملازمت وغیرہ کرنے کی پیشکش کی۔" ایک صاحب نے ایک پیشہ ور بھکاری سے پوچھا۔

"جی ہاں۔۔۔ صرف ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا تھا۔" بھکاری نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔

"ورنہ لوگوں نے میرے ساتھ ہمیشہ ہمدردی اور محبت کا ہی سلوک کیا ہے۔"

سلمیٰ ۔۔۔ فیصل آباد

رہنمائی

خمار زدگان کی ایک محفل سے ایک صاحب جانے کے لیے اٹھے تو میزبان انہیں چھوڑنے دروازے تک آیا۔ جب وہ صاحب لڑکھڑاتے ہوئے دروازے سے نکلنے لگے تو میزبان نے کہا۔

"جب تم فٹ پاتھ پر پہنچو گے تو تمہیں دو ٹیکسیاں نظر آئیں گی۔۔۔ جو تمہارے بالکل قریب ہو اس میں بیٹھ جانا۔۔۔ اس کے برابر والی میں بیٹھنے کی کوشش نہ کرنا کیونکہ وہ وہاں موجود نہیں ہوگی۔"

روبینہ بیگم۔۔۔ لاڑکانہ

اف یہ عورتیں

ایک ریاضی دان کا کہنا ہے کہ مردوں کے مقابلے میں عورتیں ریاضی کی زیادہ ماہر ہوتی ہیں کیونکہ وہ اپنی عمر کو ہمیشہ دو سے تقسیم کرتی ہیں۔ اپنے لباس کی قیمت کو دو سے اور اپنے شوہر کی تنخواہ کو تین سے ضرب دیتی ہیں۔

وہ اپنی بہترین سہیلیوں کی عمروں میں پانچ سال جمع کرتی ہیں۔ اور۔۔۔ اور۔۔۔ اور۔"

صغریٰ علی۔۔۔ غوثیہ آباد

ایک سے بڑھ کر ایک

ایک نوجوان کی چند دنوں بعد شادی ہونے والی تھی۔ اس کے قریبی دوست اسے مشورے دے رہے تھے کہ پہلے دن سے ہی بیوی پر رعب ڈالنا اگر بیوی سے ڈر گئے تو تمام عمر مجبوری میں گزرے گی۔ ایک دوست نے ایک ترکیب بتائی کہ کمرے میں ایک عدد بلی چھوڑ دینا۔ کوئی دلہن بلی سے خوفزدہ ہوگی اور تم بلی کو مار کر دلہن پر رعب جمانا۔ بس سمجھو کہ پھر جیت تمہاری ہوگی۔

شادی والی رات نوجوان نے ایسا ہی کیا کہ کسی طرح ایک عدد بلی بیڈ روم تک پہنچا دی۔ جب وہ خود اندر جانے لگا تو پتا چلا کہ دروازہ بند ہے اور اندر سے دھم دھم کی آوازیں آ رہی ہیں۔ کچھ دیر کے بعد دروازہ کھلا تو دلہن صاحبہ ایک ہاتھ میں ڈنڈا سنبھالے اور دوسرے ہاتھ میں بلی کو دم سے اٹھائے فرمانے لگیں۔

"ارے آپ! دیکھیں اس کم بخت نے مجھے تنگ کیا۔ میں نے سوچا کہ آپ کے آنے سے پہلے اس کا کام تمام کر لوں۔"

توبیہ خان۔۔۔ راولپنڈی

بین الاقوامی کہاوتیں

○ جہاں دو آدمی اکٹھے ہوں وہاں مت رکو۔ (پاکستانی کہاوت)

○ سویرے سونے کو سویا رہنے دو ورنہ بیدار ہو کر وہ یقیناً "بھیڑیا" بن جائے گا۔ (ترکش کہاوت)

○ اگر تم خود ترقی نہیں کر سکتے تو دوسروں کو ترقی کرتا دیکھ کر آنکھیں بند مت کرو۔ (جرمن کہاوت)

○ تلوار اور عورت کی چلتی ہوئی زبان کو روکنا ہی اصل بہادری ہے۔ (روسی کہاوت)

○ روتی عورت اور بیمہ ایجنٹ کی باتوں پر کبھی اعتبار مت کرو۔ (جاپانی کہاوت)

○ آپ کا دماغ بڑھ تو سکتا ہے لیکن عورت کی عمر ساری زندگی نہیں بڑھتی۔ (فارسی کہاوت)

○ ساس ری ساس تیرا کون سا دانت سیدھا۔ (بنگلہ دیشی کہاوت)

○ اگر کوئی کتا آپ پر بھونک رہا ہے تو آپ اس پر بھونکنا شروع مت ہو جائیں۔ (یونانی کہاوت)

ریحانہ حسین۔۔۔ کوٹلہ مغلان

بیویات

امریکن بیوی : ہر لمحہ اس سوچ میں رہتی ہے کہ کب موجودہ شوہر سے طلاق لوں تاکہ اس طلاق کے نتیجے میں اچھی خاصی رقم اینٹھ سکوں۔ نیز وہ اس مسئلے پر بھی غور و فکر کرتی ہے کہ اگلے شوہر کے لیے کوئی تگڑی آسامی ڈھونڈوں تاکہ اس سے طلاق لے کر مزید رقم حاصل کر سکوں۔

برطانوی بیوی : یہ شوہر کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی بلکہ ہر روز ایک نئے بوائے فرینڈز کو۔۔۔ بلکہ اپنے شوہر کو بھی مشورہ دیتی ہے کہ وہ دو چار گرل فرینڈز بنا لے۔ آخر کار یہ شوہر سے علیحدگی اختیار کر لیتی ہے۔

برازیلین بیوی : شوہر کے آرام و سکون کا بہت خیال رکھتی ہے۔ اسی لیے وہ سر شام گھومنے پھرنے باہر نکل جاتی ہے۔ تاکہ اس کا شوہر آرام سے گھر میں بیٹھ کر فٹ بال کا میچ دیکھ سکے۔

جاپانی بیوی : اپنے شوہر کا اتنا ہی زیادہ خیال رکھتی ہے جتنا زیادہ خیال وہ اپنے ڈیجیٹل کیمرے، نئی کار اور موبائل فون کا رکھتی ہے۔

چائنیز بیوی : اپنے شوہر کو طرح طرح کے چائنیز کھانے پکا کر کھلاتی ہے حالانکہ اس کا شوہر اس سے بہتر چائنیز کھانے پکا سکتا ہے۔

افریقن بیوی : اپنے شوہر پر ہر وقت اپنے قبیلے کی دھاک بٹھانے کے لیے بہادری کے قصے سناتی ہے۔ نا صرف یہ بلکہ اپنے شوہر پر ان کا عملی مظاہرہ بھی کرتی ہے۔

پاکستانی بیوی : ایک عدد شوہر کے مل جانے پر اس سوچ میں غرق ہو جاتی ہے کہ بڑی مشکل سے ہاتھ آیا ہے شوہر نما، کہیں کھو کر بیچ کے جانے نہ پائے کہیں۔

توبیہ۔۔۔ اسلام آباد

بے چارگی

"مائی ڈیئر! تمہیں خط لکھنا کتنا مشکل ہے جب میں پہلی بار لکھنے بیٹھی تو ایک بچے نے چاکلیٹ گرا دی۔ جب دوسری مرتبہ لکھنے بیٹھی تو میرے پین کی انک ختم ہو گئی۔ اب تیسری بار تمام نقد اور ادھار دے کر بیٹھی ہوں تو دماغ سے مضمون ہی غائب ہو گیا ہے۔"

عفیفہ۔۔۔ کراچی

☆ ☆

کرن کا دستر خوان

خالدہ جیلانی

چکن ہرا مسالا

اجزا :

چکن	ایک کلو
نمک	حسبِ ذائقہ
ادرک ٬ لہسن (پسا ہوا)	ایک کھانے کا چمچہ
ہری پیاز	50گرام
دھنیا	ایک گڈی
پودینہ	ایک گڈی
آئل	50گرام
سویا	آدھی گڈی
دہی	50گرام
ہری مرچ	25گرام
میتھی	10گرام
گرم مسالا	دس گرام

ترکیب :

چکن کو کیوب کی شکل میں بوٹیاں بنوالیں۔ کسی برتن میں تیل ڈال کر گرم کریں اور اس میں ادرک ٬ لہسن کا پیسٹ ڈال کر بھونیں بھن جائے تو اس میں چکن کے ٹکڑے ڈال کر اچھی طرح بھون لیں ہری پیاز ٬ ہرا دھنیا ٬ پودینہ ٬ سویا اور ہری مرچ کو گرینڈ کر لیں۔ چکن جب اچھی طرح بھن جائے تو اس میں پیسا ہوا ہرا مسالا شامل کریں ہرے مسالے اور چکن کو اتنا بھونیں کہ خوشبو آنے لگے اور تیل مسالے سے الگ ہو جائے اب اس میں دہی بھی شامل کر دیں۔ تقریباً" پندرہ منٹ تک پکائیں۔ آخر میں اس میں میتھی اور پسا ہوا گرم مسالا ڈال دیں۔ پانچ منٹ مزید پکا لیں۔ چکن ہرا مسالا تیار ہے گرم گرم چپاتیوں کے ساتھ نوش فرمائیں۔

کاجو اور مرغی کا سالن

اجزا :

چکن	250گرام
کاجو	40گرام
لہسن	10گرام
ہری پیاز	تین عدد
کارن فلور	10گرام
میدہ	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسبِ ذائقہ
آئل	50گرام
سویا سوس	دو چائے کے چمچے
دکنی مرچ	5گرام
شکر	10گرام
مرغی کی یخنی	20گرام

ترکیب :

مرغی کے کیوبس بنوالیں۔ یہ بغیر ہڈی کے ہوں گے۔ میدہ ٬ دکنی مرچ ٬ سویا سوس کا پیسٹ بنا کر چکن کیوبس پر لگا دیں۔ کڑاہی میں اتنا تیل ڈالیں کہ کیوبس فرائی ہو سکیں۔ تیل گرم ہونے پر چکن کیوبس کو بقیہ تمام اشیاء کے ہمراہ فرائی کر لیں۔ جب چکن اچھی طرح بھن جائے تو چولہے سے اتار لیں۔ ہری پیاز کو باریک پرتوں کی شکل میں الگ الگ کر لیں۔ ۔۔۔ کرنے سے پہلے ہری پیاز سے سجا کر پیش کریں۔

چکن زیرا

اجزا :

چکن	ایک کلو
ادرک ٬ لہسن (پسا ہوا)	20گرام
زیرا (پسا ہوا)	25گرام
پیاز (باریک کٹا ہوا)	25گرام
ٹماٹر	50گرام
ہلدی پاؤڈر	10گرام
لال مرچ پاؤڈر	20گرام
نمک	15گرام
آئل	75گرام
گرم مسالا	5گرام
لیموں کا رس	10گرام

ترکیب :

مرغی کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں بنوالیں پیاز کو باریک کاٹ لیں۔ دیگچی میں آئل گرم کریں اور اس میں پیاز شامل کر کے فرائی کریں۔ پیاز براؤن ہو جائے تو اس میں ادرک ٬ لہسن ڈال دیں۔ ساتھ ہی زیرا بھی شامل کر دیں۔ چند منٹ اس مسالے کو بھونیں اس کے بعد اس میں مرغی بھی شامل کر دیں نمک ٬ لال مرچ ٬ ہلدی اور ٹماٹر ڈال کر اتنا بھونیں کہ خوشبو آنے لگے چکن بھن جائے تو اس میں تھوڑا پانی شامل کر کے تقریباً" دس منٹ تک پکنے دیں۔ جب گوشت گل جائے اور چکن کا پانی خشک ہو جائے تو اس میں گرم مسالا ڈال دیں۔ مزے دار چکن زیرا تیار ہے۔

ریڈ چکن

اجزا :

چکن	آدھا کلو
تیل	ایک کھانے کا چمچہ
ٹماٹر کا پیسٹ	چار کھانے کے چمچے
سرکہ	دو کھانے کے چمچے
ہرا دھنیا (پسا ہوا)	حسبِ ضرورت
مکھن	ایک کھانے کا چمچہ
لہسن (پسا ہوا)	ایک چوتھائی چمچہ
چینی	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسبِ ذائقہ

ترکیب :

چکن کو دھو کر اچھی طرح صاف کر لیں۔ پھر ایک پین میں ایک کھانے کا چمچہ تیل گرم کریں اب اس میں چکن ڈال کر چار سے پانچ منٹ فرائی کریں پھر اس میں ٹماٹر کا پیسٹ ٬ سرکہ ٬ پسا ہوا ہرا دھنیا ڈال کر اتنا پکائیں کہ گوشت گل جائے اور تمام پانی خشک ہو جائے اب اس میں مکھن بھی شامل کر لیں اور پسا ہوا لہسن بھی ڈال کر اچھی طرح بھون لیں اب اس میں چینی ملائیں اور کچھ دیر چمچہ چلائیں یہاں تک کہ چینی گل جائے۔ آپ سالن میں حسبِ ذائقہ نمک شامل کر سکتی ہیں۔ ریڈ چکن تیار ہے روٹی یا چاول کے ساتھ نوش فرمائیں۔

چکن چیز سینڈوچ

اجزا :

چیز سلائس	آٹھ عدد
چکن روسٹ	ایک پیالی
مایونیز	حسبِ ضرورت
مکھن	حسبِ ضرورت
سلاد کے پتے	چار عدد
کھیرا	ایک عدد
ٹماٹر	حسبِ پسند
ڈبل روٹی کے سلائس (بڑی ڈبل روٹی)	ایک پیکٹ

ترکیب :

سب سے پہلے آپ ڈبل روٹی کے توسوں کے کنارے کاٹ لیں پہلے سلائس پر آپ مکھن لگائیں اور پھر مایونیز لگائیں اس کے روسٹ کیا ہوا چکن بریڈ پر رکھیں اور اس کے اوپر سلاد کا پتا رکھیں پھر اس کے اوپر چیز سلائس پھر کھیرے کے سلائس اور سب سے آخر میں ٹماٹر کے سلائس رکھ دیں۔ اس کے بعد اس کو بریڈ سے کور کر دیں۔ آپ کا چیز چکن سینڈوچ تیار ہے کیچپ کے ساتھ نوش فرمائیں۔

☼ ☼

حسن و صحت

ادارہ

ماسک آپ خود تیار کریں

جسم میں سب سے زیادہ اہمیت چہرے کو حاصل ہے مختلف ادوار میں مختلف طریقوں سے ان کو خوب تر رکھنے کے لیے کوششیں کی گئی ہے۔ چہرے کو خوب صورت رکھنے کے لیے ماسک بہت ضروری ہے جلد کے بارے میں معلومات ہونے سے پہلے اس کی حفاظت کے بارے میں معلومات ازحد ضروری ہے آپ۔ کن کن طریقوں سے اپنے چہرے کو نکھار سکتی ہیں۔

انڈے کا ماسک: آپ ایک انڈے میں ایک لیموں نچوڑ کر اچھی طرح مکس کرلیں۔ یاد رہے کہ ان دونوں چیزوں کو اچھی طرح مکس کرنا ہے اور یہ ماسک پندرہ سے بیس منٹ تک چہرے پر لگایا جاتا ہے۔ یہ ماسک خشک چہرے پر لگایا جاتا ہے۔ چند قطرے لیموں کے انڈے کی زردی میں اچھی طرح مکس کرلیں یہ بھی ایک اچھا ماسک ہے۔

دودھ کا ماسک: خشک جلد کے لیے ایک اور ماسک ہے اور وہ یہ کہ زردی میں دودھ ملا کر اسے اچھی طرح پھینٹیں اور پھر یہ ماسک بھی پندرہ سے بیس منٹ تک لگایا جا سکتا ہے۔

کھیرے کا ماسک: کھیرے کا گودا نکال کر اسے اچھی طرح مسل لیں اور پھر اسی گودے کو چہرے پر لگائیں تقریباً روزانہ دس سے پندرہ منٹ تک [illegible] کریں اس ماسک سے جلد نرم و ملائم ہو جاتی ہے۔
کھیرے کو اچھی طرح چھیل کر اس کے اندر سے بیج نکال لیں اور اسے کش کرلیں اب اس میں خشک پاؤڈر دودھ ملا لیں اور تقریباً آدھا چمچہ شہد ملا لیں اور تین چار قطرے لیموں کے بھی ملا لیں یہ ماسک بھی چہرے کے لیے بہت مفید ہے۔

شہد کا ماسک: چند قطرے لیموں کے شہد میں اچھی طرح ملا لیں۔ یہ پندرہ سے بیس منٹ تک چہرے پر لگایا جاتا ہے۔ یہ ماسک باریک جھریوں کو ختم کرنے اور جلد کو نرم و شگفتہ رکھنے کے لیے ہے۔
شہد اور لیموں دو ایسی چیزیں ہیں کہ آپ تقریباً ہر ماسک میں ان کا استعمال کر سکتی ہیں۔ بعض خواتین کو یہ بہت موافق آتا ہے۔

ٹماٹر کا ماسک: ٹماٹر کا ماسک بھی بہت اچھا ہے۔
ٹماٹر کا سارا اندرونی گودا نکال لیں اب اسے اچھی طرح مسل لیں۔ جب یہ اچھی طرح کچلا جائے تو اس میں ایک چائے کا چمچہ خالص شہد بھی مکس کرلیں یہ ماسک پندرہ سے بیس منٹ تک چہرے پر لگایا جا سکتا ہے۔ اس سے چہرے کی رنگت نکھر جائے گی۔

گاجر کا ماسک: پہلے آپ گاجر کا سارا پانی مشین کے ذریعے نکال لیں۔ پھر جو اس کا برادہ ہے اسے فریج میں رکھ دیں۔ جب دیکھیں کہ یہ برادہ ٹھنڈا ہو گیا ہے تو آپ اسے روئی کی مدد سے چہرے پر لگا سکتی ہیں۔ یہ عمل آپ روزانہ کر سکتی ہیں یہ عمل رنگ گورا کرنے میں مدد دیتا ہے۔

مٹی کا ماسک: ملتانی مٹی میں تھوڑی سی ہلدی ملا کر دو قطرے زیتون کا تیل چند قطرے اسکن ٹانک ملا کر پندرہ سے بیس منٹ تک چہرے پر لگائیں۔ یہ [illegible] خشک جلد کے لیے ہے۔
[illegible] ملتانی مٹی میں عرق گلاب حل کرلیں۔ اگر [illegible] خشکی ہے تو پھر اس میں گرم دودھ گھول لیں۔ یہ ماسک بھی بہت فائدہ مند ہے۔

مولی اور بیسن کا ماسک: آپ مولی کے بیجوں کا پاؤڈر لیں اور اس کے برابر بیسن لیں۔ اب ان دونوں کو دودھ میں گھول لیں۔ یہ ماسک چہرے پر لگانے سے داغ دھبے دور ہوتے ہیں اور چہرا صاف و شفاف ہوتا رہتا ہے۔

مٹی اور شہد کا ماسک: ملتانی مٹی اور شہد کو بھی ملا کر اس کا ماسک چہرے پر لگایا جا سکتا ہے۔ یہ جلد کو تر و تازہ رکھتا ہے۔

☆ ☆

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ ۱۹۷۸ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں سال ۱۹۸۱ء کے شمارے کے سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

ذوالقرنین

حکیمہ جبیں ــــ کوئٹہ سید آباد

س : کس موسم میں محبت سستی ہوتی ہے؟

ج : گرمی کے موسم میں۔

س : عورت کے پاس سب سے قیمتی چیز کون سی ہے؟

ج : حیا۔

عائفہ صدیقی ــــ کراچی

س : کیا بات ہے آخر آپ ہماری بھابھی کو سمجھتے کیا ہیں ہاں نہیں تو؟

ج : میں آپ کی بھابھی کو سمجھنے والا کون؟

توحید صدیقی ــــ کراچی

س : سنا ہے محبت اندھی ہوتی ہے۔ بہری اور گونگی وغیرہ بھی ہوتی ہے کیا یہ ٹھیک ہے؟

ج : سنی سنائی باتوں پر اچھے بچے کان نہیں دھرتے۔

ناز نازش گل ــــ کراچی

س : فروری کے شمارے میں کالم (خطے بہ دہلا) کے اوپر جو تصویر شائع ہوئی ہے وہ آپ کی ہے؟ اگر آپ کی ہے تو کتنے سال پرانی ہے؟

ج : میری نہیں ہے۔

س : ماہنامہ "کرن" کے فروری کے شمارے میں آپ کے نام کے ساتھ میں نے انشا کا اضافہ دیکھا کیا آپ پیارے انشاجی کے بیٹے ہیں؟

ج : جی ہاں۔

رابعہ مختار روبی ۔ کراچی

س : پڑوسی اگر عیب دار ہوں تو؟

ج : چپ سادھے رہیے۔

فرحت جبیں ــــ کراچی

س : آپ اتنے پیارے پیارے جواب کیسے دے دیتے ہیں؟

ج : کرسی پر بیٹھ کر قلم سے لکھ کر۔

شگفتہ قریشی ــــ کراچی

س : السلام علیکم کیا وجہ ہے کہ کرن کے ذوالقرنین صاحب میرے سوالوں کے جواب نہیں دیتے؟

ج : انہیں سمجھاؤں گا کہ آپ کے سوالوں کے جواب ضرور دیا کریں۔

گلنار شگفتہ گل ــــ راولپنڈی

س : میں نے ایک جگہ پڑھا ہے کہ ذوالقرنین کا مطلب "دو سینگوں والا" ہے کہیں واقعی ــــ؟

ج : کسی گھٹیا کتاب میں پڑھا ہوگا۔

س : اوئے ہوئے ــــ آخر نہ رہ سکے اور تصویر چھپوا دی۔ مگر حیرت ہے کہ تصویر کے سر پر کافی بال ہیں جبکہ بقول آپ کے آپ کے سر پر فقط "دس" بال ہیں سچ سچ بتائیں یہ تصویر کس کی ادھاری ہے ــــ؟

ج : اپنے پڑوسی کی۔

فیروز جہاں ــــ خانیوال

س : اس انسان کی کیا سزا ہو جو گزرا ہوا وقت بھول جائے؟

ج : اس کی سزا قدرت خود ہی دے دے گی۔ آپ اس چکر میں نہ پڑیں۔

صائمہ گل ــــ بہاولپور

س : اگر کوئی مرد شادی کے دن سہرے کے پیچھے روئے تو کیا سمجھنا چاہیے؟

ج : نکاح کے وقت اس نے اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اس کے والد بزرگوار نے زبردستی کروائی ہے "ہاں"۔

آنسہ شفیق رحمن ــــ بہاولپور

س : سنا ہے تم نے "ماہی میتے" کا "مگر" چرا لیا ہے؟

ج : کھا بھی لیا۔

س : جلدی کا کام شیطان کا دیر کا کام؟

ج : انسان کا۔

دلشاد انصاری ــــ سکھر

س : میں نے سنا آپ ایک دن مٹھائی کا ٹوکرا سر پر دھرے جلوس میں سب سے آگے سٹ پٹائے چلے جا رہے تھے۔ کیا یہ سچ ہے؟

ج : پھر وہی کہ سنا ہے آپ گنجے ہیں سنا ہے آپ مٹھائی کا ٹوکرا لیے جا رہے تھے بھئی جو آنکھوں سے نہ دیکھے صرف سنا ہو اس کا کیا اعتبار۔

شہناز فیضی ــــ کراچی

س : سنا ہے کہ آپ نے جو فلسفیانہ تصویر اوپر دی ہے وہ آپ کی نہیں کسی اور کی ہے؟

ج : درست سنا ہے میری تصویر گم کر دی اور جس کسی کی تصویر بھی ہاتھ لگی وہ چھاپ دی ایڈیٹر صاحب نے۔

فوزیہ ناز ــــ کراچی

س : میں نے آج تک مردوں کو روتے نہیں دیکھا اس کی وجہ؟

ج : خود میری سمجھ میں ابھی تک نہیں آئی۔

س : تارے کب نظر آتے ہیں؟

ج : جب آنکھیں کھلی ہوں۔

س : آپ کی تصویر آئی دیکھی ہم نے غور سے سب ادا اچھی مگر یہ خاموشی کی ادا اچھی نہیں؟

ج : تردید کرتے کرتے میں تو تھک ہی گیا۔

عینی طفیل ــــ کراچی

س : سنا ہے آپ اس محفل سے برخاست ہونے والے ہیں کیا بہنوں کے سوالات سے گھبرا گئے؟

ج : یہ کسی دشمن کی اڑائی لگتی ہے سال بھر سے جما بیٹھا ہوں مگر یہ افواہ ساتھ نہیں چھوڑتی۔

شہلا تبسم نقوی ــــ کراچی

س : یہ فروری کے شمارے میں سوالات کی تعداد زیادہ کیوں ہے؟

ج : تاکہ آپ لوگوں کے شکووں سے محفوظ رہ سکیں۔

نسیم سحر فوزیہ ــــ سیالکوٹ

س : کل میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ آپ سر جھکائے ٹوپی پہنے بڑی مسکین سی صورت بنائے سڑکوں پر جھاڑو دے رہے تھے کیا یہ واقعی درست ہے یا ــــ یا؟

ج : یہ بات آخر سیالکوٹ والیو آپ کے ذہن میں کیوں آئی۔

☼ ☼

پیاری قارئین!
السلام علیکم!
ہمیشہ خوش رہیں اور خوشیاں بانٹیں۔
کرن کے اجرا کا مقصد محض تفریح ہی نہیں بلکہ بامقصد تحریریں بھی آپ تک پہنچانا ہے۔ آپ کے خطوط ہمیں بتاتے ہیں کہ ہم اپنے مقصد میں کس حد تک کامیاب ہیں۔
کسی بھی افسانے یا مکمل ناول کا مطلب محض ایک خیالی تفریحی کہانی نہیں ہے بلکہ اس میں ایک مضبوط پلاٹ ایک آغاز اور ایک باقاعدہ انجام کے ساتھ آخر میں کوئی نہ کوئی پیغام بھی ہوتا ہے۔
ہم جو دیکھتے سنتے اور محسوس کرتے ہیں ان کو الفاظ میں ڈھالنا تخلیق کار کی صلاحیتوں پر منحصر ہے کہ وہ حساتی دنیا کے کتنے روپ دکھا سکتا ہے۔ اس کی تحریر جب قارئین کے سامنے آئے تو وہ محض لفاظی ہی نہ ہو۔ بلکہ اچھی تحریر کا معیار یہ ہے کہ آخر تک قاری کو اکتاہٹ کا احساس نہ ہونے دے۔ اور وہ تحریر قاری کو باندھ کر رکھے۔ ادیب یا تخلیق کار بہت محنت کرتا ہے' مطالعہ کرتا ہے اور جب متاثر ہوتا ہے تو لکھتا ہے اس کی تحریروں میں ان لوگوں کا عکس بھی آجاتا ہے' جن کی تحریروں سے متاثر ہو کر اس نے لکھنا شروع کیا الفاظ و بیان کی مماثلت' واقعات وجذبات کی یکسانیت ادبی سرقہ نہیں کہلاتا۔ یہ اس ادیب کی بھی کامیابی ہے۔ جس سے متاثر ہو کر لکھا جارہا ہے۔ یا جن کی تحریر کا رنگ نئے لکھنے والوں کی تحریروں میں نظر آرہا ہو۔
لیکن تخلیق کاری کی رفتار اس وقت مدھم پڑجاتی ہے۔ جب فکر کی راہیں مسدود ہوجائیں اور سوچ کا دھارا رواں نہ ہو۔ بہترین مطالعہ فکری راہیں کھولتا ہے' [illegible] ہے۔ اور سوچ کی وسعت کو بڑھاتا ہے۔ [illegible] ہوگا تو ناقص عمل ظہور میں آئے گا اور [illegible] ناقص عمل

آپ کو بڑی شہرت سے ہم کنار کرے گا۔
کرن نے ہمیشہ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ یہ بات تقریباً سب ہی جانتے ہیں کہ خواتین ڈائجسٹ' کرن' اور شعاع ایک ہی ادارے کے رسائل ہیں اور ایک ہی جگہ سے چھپتے ہیں۔ پچھلے ماہ ہمیں نئی قاری' بہن مہرالنساء نے "خواب سراب" کے نام سے تحریر بھیجی جو راحت جبیں کے ناول "زرد موسم" کے کچھ پیراگراف سے نقل کرکے تحریر کی گئی تھی۔ ہماری قاری بہنوں نے خطوط لکھ کر ان کے اس غلط عمل کی نشاندہی کی ان کے اس فعل سے نا صرف راحت جبیں کی دل آزاری ہوئی بلکہ قارئین کے دل کو بھی ٹھیس پہنچی ہے۔
لہٰذا نئی لکھنے والی مصنفہ اس بات کا دھیان رکھیں۔ متاثر ہونا الگ بات ہے مگر دوسروں کی محنت کو اپنے نام کرلینا کسی بھی تخلیق کار کے ساتھ سراسر زیادتی ہے۔ امید ہے تمام نئی تخلیق کار اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اپنی صلاحیتیں منوائیں گی اور [illegible] شہرت حاصل کریں گی۔
اللہ آپ کا اور ہمارا حامی وناصر ہو۔

انعم [illegible]

کبھی سوچا نہ تھا [illegible] رائٹر کی کہانیاں اتنے شوق سے پڑھتی [illegible] "تانے میرے نام" میں اپنی شکایت [illegible] کروں گی۔ یہ تو کمال ہی ہوگیا۔
[illegible] کی طرف میں بعد میں آتی ہوں پہلے آپ [illegible] کہ "باروفا" میرا پسندیدہ ناول ہے۔ ایسا تو نہیں [illegible] میں نے اسے بار بار پڑھا مگر جس دن سے پڑھا یہ میری یادداشت میں ہے۔ یہ ناولٹ 98ء یا 99ء میں چھپا تھا اور تعریف کے لیے یہ عرصہ بہت زیادہ ہے۔ نگہت آپ کو اس قدر اچھا ناول لکھنے پر مبارک باد۔
اب میں نگہت کے خط کی طرف آتی ہوں۔ آپ باروفا

کی کہانی خلاصے کی صورت دہرا چکی ہیں' سو اب مجھے اسے پھر سے دہرانے کی ضرورت نہیں' میں سیدھے سیدھے منصور فاروقی اور وجدان مصطفیٰ کے کردار اور کہانی کے فرق کو بیان کردیتی ہوں۔ دونوں کرداروں کی کہانی الگ انداز سے شروع ہوتی ہے' یہ بات آپ کے خط کے آخری گوشوں سے صاف ظاہر ہے' اس لیے اس کی وضاحت نہیں' اب چلتے ہیں دونوں کرداروں کی [illegible] کی طرف۔ منصور' رابعہ سے رشتے سے انکار برداشت ہو کے گھر سے چلا جاتا ہے' جبکہ وجدان اپنے گھر کی شدید مخالفت کے باوجود [illegible] تک کہ ملیحہ کی شادی کا دن بھی [illegible] ملیحہ کو نئی زندگی کی دعائیں دیتا اپنے گھر لوٹ [illegible] نے اس کے حواس چھینے وہ ملیحہ کی اگلے [illegible] والی موت بھی نہیں تھی بلکہ جس [illegible] محبت کو اپنا مذاق اڑاتا محسوس کرنے پر مجبور [illegible] کی ماں کی ملیحہ کے لیے وہ رضامندی تھی جو اس کی موت کے بعد وجدان کو ملی۔
منصور نے ناراضی میں گھر چھوڑا' جبکہ وجدان نے مکمل بے خودی میں' اس کی یادداشت متاثر ہوئی اور وہ نفسیاتی مریض بن گیا۔ منصور کو رابعہ تصور کی شکل میں نظر آتی تھی جبکہ وجدان ملیحہ کی شبیہہ کو اس کی حقیقی آمد محسوس کرتا لیکن بعد میں یہ بات مصنفہ نے تفصیل سے یوں بیان کی کہ وہ شیزوفرینیا کا شکار ہوچکا تھا۔
منصور اللہ کی طرف متوجہ ہونا چاہتا تھا مگر رابعہ کی شبیہہ اسے دنیا کی طرف متوجہ کرتی تھی۔ یہاں آپ نے اللہ سے محبت اور انسان سے محبت میں واضح فرق ظاہر کرکے دونوں کو ایک دوسرے کی ضد قرار دیا' جبکہ وجدان' ملیحہ کی شبیہہ کو دیکھ کر اللہ سے ناراض ہوا تو اللہ سے رشتہ استوار ہونے کے بعد بھی ملیحہ اس کے ساتھ ہی رہی' حتیٰ کہ علاج ہونے کے بعد بھی وہ مرتے دم تک اعلانیہ ملیحہ سے محبت کرتا رہا۔ سعدیہ نے آپ سے ہٹ کر اللہ اور انسان سے محبت تفریق نہیں کی' نہ یہ کہا کہ انسان سے محبت اللہ سے دور لے جاتی ہے۔ بلکہ اپنے پورے ناول میں انہوں نے پہلی سوچ اپنائی کہ انسانوں سے محبت' اللہ تک جانے کا راستہ ہے چاہے وہ محبت کسی بھی رشتے سے ہو۔ کسی بھی روپ میں ہو۔
منصور پر خدیجہ کی ذمہ داری اور وجدان پر شایان کی

ذمہ داری' دو الگ باتیں ہیں۔ خدیجہ' "باروفا" کا سائیڈ رول [illegible] شایان اکلوتا مین رول' اور یہ بھی ہو تا تب بھی مولو [illegible] اتفاق' وجدان کو یوں ہی تو نہ چھوڑ دیتے جو کہ اب [illegible] ترک کرچکا تھا۔ وہ بہرحال اسے نارمل زندگی کی طرف ہی آتے۔ منصور نے اپنا گھر اپنی مرضی سے چھوڑا اور پھر روحانیت کا راستہ اختیار کیا یہاں تک کہ خدیجہ کی ذمہ داری اٹھا کر بھی مرتے دم تک اس نے اپنے گھر والوں سے کوئی رابطہ نہ کیا' جبکہ وجدان بے خودی میں گھر سے نکلا اور پھر نفسیاتی پیچیدگیوں کی وجہ سے دس سال گھر سے دور رہا اور پھر جیسے ہی اسے واپسی کا راستہ ملا وہ کوئی ناراضی ظاہر کیے بغیر گھر لوٹ آیا۔ نا صرف یہ بلکہ اس نے بے خودی میں گھر سے چلے جانے پر شرمندگی کا اظہار کرکے اپنے ماں باپ سے معافی بھی مانگی۔
پیاری نگہت! آپ کا اعتراض کہ رائٹرز آپ کے کردار اور کہانیاں چرا لیتی ہیں' ممکن ہے درست ہو مگر سعدیہ پر یہ الزام بے جا ہے' اگر آپ خط لکھنے سے پہلے ناول کے اختتام کا انتظار کرلیتیں تو آپ کی غلط فہمی یقیناً دور ہوجاتی۔ محض کچھ سین پڑھ کر کردار مکمل چرانے کا الزام لگا دینا نا صرف زیادتی ہے' بلکہ آپ جیسی سینئر رائٹر سے اس رویے کی امید بھی نہیں کی جاسکتی۔ پرانے لکھنے والوں کا ایسا سلوک نئے لکھنے والوں کی حوصلہ شکنی کے مترادف ہے۔
آخر میں یہ ہی کہوں گی جن بہنوں نے "باروفا" پڑھا تھا اور اب "عشق آتش" بھی پڑھا ہے۔ فیصلہ کریں' کیا واقعی وجدان کا کردار "باروفا" سے چرایا ہے' یا یہ صرف ایک بے بنیاد الزام ہے۔ باقی کرن پر تبصرہ آئندہ ماہ ہی کروں گی۔

شیبا عشرت۔۔۔ لاہور

مدیرہ صاحبہ! امید کرتی ہوں کہ آپ خیریت سے ہوں گی۔ کرن کی فہرست میں میں سب سے پہلے مستقل سلسلے پڑھتی ہوں' جس میں سب سے پہلے "کرن دسترخوان" پڑھتی ہوں۔ لیکن پتا نہیں کیوں اس بار میں نے "تانے میرے نام" سے ابتدا کی' جس میں سب سے پہلے ہی نگہت سیما کا خط تھا۔ نگہت سیما جتنے سالوں کا آپ کا تجربہ ہے اتنی میری عمر ہے۔ میں سعدیہ راجپوت کی طرف سے

بالکل نہیں بول رہی۔ بلکہ میں ایک عام بات کر رہی ہوں۔ میں نے آپ کا پورا خط بہت غور سے پڑھا ہے اور اس کا ایک ایک لفظ سمجھنے کے بعد خط لکھ رہی ہوں۔" آپ نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ "میں یہ نہیں کہتی کہ سعدیہ نے لفظ بہ لفظ نقل کی ہے، لیکن انہوں نے منصور، مولوی اللہ یار کا پورا کردار وجدان، عبداللہ کے کردار میں ڈھال دیا ہے۔"

یہ یقیناً "آپ کا وہم، آپ کی غلط فہمی ہے اور یہ بات کچھ اس طرح سے ثابت ہو رہی ہے کہ آپ ہی کے اس خط میں آپ نے خود ہی یہ بات بھی تحریر کی ہے کہ "اگر "عشق آتش" کا پہلا حصہ انہوں نے کہیں کسی اور کا نہیں لیا تو..." آپ کی اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے بھی اپنی زندگی میں بہت ساری کہانیاں نہیں پڑھیں بہت سارے رائٹرز سے آپ ناواقف ہیں، بالکل اسی طرح ہو سکتا ہے کہ سعدیہ راجپوت نے بھی "یار وفا" ناولٹ پڑھا ہی نہ ہو۔ نگہت سیما جی میرے پاس کرن ڈائجسٹ کا پچھلے پندرہ سال کا پورا ریکارڈ موجود ہے اور ان میں موجود کہانیاں، الفاظ، جملے، اقتباس، پلاٹ کہیں نہ کہیں سے ایک دوسرے سے ملتے جلتے نظر آتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ قطعی مطلب نہیں کہ وہ تمام کے تمام رائٹرز نقل کرتے ہیں اور دوسروں کی کہانیوں کو سامنے رکھ کر ایک نئی کہانی تیار کر لیتے ہیں اور اگر ایسا ہے تو پھر آپ بھی تو ایک رائٹرز ہیں آپ نے بھی بہت سارے رائٹرز کو پڑھنے کے بعد ہی قلم اٹھایا ہے تو یقیناً "آپ بھی دوسروں کی نقل کرتی رہی ہوں گی۔ میری بات، میرے الفاظ آپ کو برے لگے ہوں تو میں معافی چاہتی ہوں۔

ایڈیٹر صاحبہ! میں نے فروری کے مہینے میں "بالکونی" کے نام سے ایک افسانہ بھیجا تھا۔ چھوٹی سی گزارش ہے صرف اتنا بتا دیں کہ وہ قابل اشاعت ہے کہ نہیں۔ میرے لیے سب سے خوشی کی بات یہ ہے کہ میں ایک سال سے باقاعدگی سے خط لکھ رہی ہوں اور اپریل کے مہینے میں پہلی بار میرا خط شامل کیا گیا تھا اور ہو سکے تو میرا یہ خط بھی شامل کیا جائے۔ خدا کرن کو ترقی عطا فرمائے۔ (آمین)

صدف عبداللہ ۔۔۔ لاہور

جون کا پرچہ ہاتھوں میں ہے، عرصہ دراز سے کرن کی خاموش قاری ہوں پر کبھی خط لکھنے کے بارے میں سوچا نہیں وجہ وقت کی کمی ہے۔ خیر اس بار جس چیز نے قلم اٹھانے پر مجبور کیا ہے وہ نگہت سیما کا خط ہے۔ قصہ پڑھ کر واقعی ورطۂ حیرت میں پڑ گئے۔

اس خط میں نگہت نے کہا ہے کہ سعدیہ راجپوت کا "عشق آتش" کا کردار عبداللہ (وجدان) ان کے ناول "یار وفا" کے کردار اللہ یار (منصور فاروقی) کی نقل ہے۔ جو یقیناً "ایک حیران کن بات ہے۔

نگہت! میں نے آپ کا ناول "یار وفا" پڑھا ہے۔ اور اس کے کردار (اللہ یار) کو بہت غور سے پڑھا ہے۔ پر مجھے کہیں سے بھی مماثلت نظر نہیں آئی۔

اللہ یار بے شک گھر چھوڑ کر چلا جاتا ہے اور وہ رابعہ کے عشق میں بے گانہ ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ پر ہو نہیں پاتا اس کا رشتہ عقل و خرد سے بہرحال برقرار رہتا ہے۔ (اس کا ثبوت وہ خط ہے جو وہ اپنے بیٹے عبداللہ کو مرنے سے پہلے لکھتا ہے اور رابعہ کے ہاتھ میں دیتا ہے کہ یہ خط اس کے بیٹے تک پہنچا دینا جس میں اس نے اپنا تعارف اور گھر کا ایڈریس لکھا ہے۔) جبکہ دوسری طرف وجدان (ملیحہ کی موت کے بعد) مکمل ہوش و خرد سے بے گانہ ہو کر شیزوفرینیا کے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے اور علاج کے بعد ہی اپنی دنیا میں واپس آتا ہے۔ اللہ یار کی رابعہ مرتی نہیں بلکہ اس کی شادی ہو جاتی ہے اور اللہ یار کی فاطمہ سے شادی (حادثاتی) طور پر ہوتی ہے۔ ان کا ایک بیٹا عبداللہ ہوتا ہے جو بعد میں وکالت کے پیشے سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ جبکہ ملیحہ عین اپنی شادی کے روز چل بستی ہے جو عبداللہ کا کہنا مان کر شادی پر راضی ہو جاتی ہے اس کی موت کے بعد وجدان شادی نہیں کرتا بلکہ [illegible] کی پرورش میں اپنی پوری زندگی صرف کر دیتا ہے اور آخری بات وجدان کی موت طبعی ہوتی ہے جبکہ منصور فاروقی کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ اس جرم کی پاداش میں کہ وہ زمینداروں کے خلاف پرچہ کٹواتا ہے [illegible] زمیندار نا صرف اللہ یار کو اٹھا کر لے جاتے ہیں بلکہ اس کے گھر کی عورتوں کی بھی بے حرمتی کرتے ہیں، جس کی وجہ سے اللہ یار کی بیوی (فاطمہ) کو ہارٹ اٹیک ہو جاتا ہے دوسری طرف رابعہ اللہ یار کی قبر پر روز فاتحہ پڑھنے آتی ہے اور عبداللہ بعد میں اس کا انتقام لیتا ہے۔ "یار وفا" میں خواتین کی بے حرمتی کو موضوع بنایا گیا ہے، جس کا شکار اللہ یار کا خاندان بھی ہو جاتا ہے۔

مجھے حیرت صرف اس بات کی ہے کہ سعدیہ راجپوت کے ناول کا موضوع صرف عشق پر مبنی ہے۔ اس میں رشتوں کے تقدس کا ذکر ہے۔ وقت گزر جانے کا ملال ہے، پچھتاوا ہے، لاحاصل کی جستجو ہے۔ ہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اس کے کچھ سین "یار وفا" سے ملتے ہیں [illegible] الوژن کا شکار ہونا، عالم بے خودی میں گھر سے نکل جانا مگر صرف کچھ سین کے مل جانے سے ہم کسی پر چوری کا الزام نہیں لگا سکتے۔

نگہت سیما بہرحال ایک معتبر نام ہے۔ اور ان کی تحریریں بلاشبہ لکھنے والوں کے لیے مشعل راہ ہیں پر انہیں اس طرح کہنا زیب نہیں دیتا۔ اگر آپ کو ایسا محسوس بھی ہوا تو آپ سعدیہ سے براہ راست رابطہ کرتیں اور اس غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کرتیں۔ یوں خط شائع کروا کے قارئین کا ذہن خراب کر رہی ہیں۔ سینئرز تو نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اگر سعدیہ آپ کی تحریر سے متاثر ہیں تو میرا خیال ہے کہ یہ نگہت سیما کی کامیابی ہے کہ لوگ آپ کی تحریر سے بہت کچھ سیکھتے ہیں اور فالو کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

خیر مجھے جو محسوس ہوا میں نے اس خط میں بیان کر دیا باقی (واللہ و اعلم)

ام رومان ۔۔۔ عبدالحکیم

حسب معمول چودہ کو ملا۔ سب سے پہلے مستقل سلسلوں کی طرف گئے۔ اپنا نام نہ پا کر بے حد افسوس ہوا لیکن خیر کیا کر سکتے تھے سو صبر سے سلسلے وار ناول پڑھنے شروع کیے سب سے پہلے شگفتہ بھٹی کا "گوشہ عافیت" پڑھا حسب توقع بہت اچھا اینڈ رہا۔ اس کے بعد فوزیہ یاسمین کا "دست کوزہ گر" پڑھا۔ واہ فوزیہ جی کیا نادر سوچ ڈالی آپ نے خرم کے دل میں "بس جلد از جلد ان کی شادی کروانے" مجھے تو خرم کے فیصلے پر بہت خوشی ہوئی بس کوئی اور زیادتی نہ کرے یہ بہترین داؤ نکالا آپ نے۔ نبیلہ عزیز کے "دردل" کی بہت اچھی اسٹوری جا رہی ہے۔ ضوباریہ ساحر کا "امیر موسم ہجراں" بھی بہت اچھا لگا اگلی قسط کا شدت سے انتظار رہے گا۔ نایاب جیلانی کے ناول کا بھی بہت انتظار ہے۔ "یادوں کے دریچے سے" میں نبیلہ عزیز اور مسکان خان کے انتخابات پسند آئے۔ "نعمان اعجاز اور فیروز سبزواری" کے انٹرویوز بھی بہت پسند آئے۔ آپی پلیز شاہد خان آفریدی کا انٹرویو یا پھر ان کو "قارئین کی عدالت میں" ضرور بلائیں۔ کرن کے باقی سلسلے بھی بہت اچھے جا رہے ہیں۔

چودہ اگست کے حوالے سے حسب روایت ہم قارئین سے سروے کر رہے ہیں، ان سوالات کے جوابات ہمیں جلد سے جلد روانہ کریں تاکہ اگست کے شمارے میں شامل اشاعت ہو سکیں۔

سوالات

شاعر نے کہا۔

نہ تو علم میری اساس تھا، نہ میں رمز عشق شناس تھا
فقط اک ہنر مرے پاس تھا یہ جو بارور نہیں ہو رہا
مرے چار سمت یہاں وہاں، مرے ہر خیال کی دھجیاں
کہ حریم حرمت حرف میں کوئی معتبر نہیں ہو رہا

1۔ اس بارے میں آپ کیا کہتی ہیں؟

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا

2۔ ہمارے روح و بدن کو کون کون سے معرکے درپیش ہیں، اور ان معرکوں کو کیسے سر کیا جا سکتا ہے؟

3۔ ہم صرف باتیں کرتے ہیں، چائے کی پیالیوں میں انقلاب اٹھا دیتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے، کیا آپ نے انفرادی طور پر کوئی ایسا عمل کیا جس سے کسی کو انفرادی یا اجتماعی طور پر فائدہ ہوا؟

الدین اور اس کے گھر والے شہباز اور اپنے آگے کسی کو خاطر میں نہ لانے والے مگر ان کو یہ نہیں پتا دنیا ان سے بھی دو ہاتھ آگے نکل چکی ہے۔ اصل میں ایسے لوگ احساس برتری کا شکار ہوتے ہیں' خود کے علاوہ سب میں عیب نظر آتے ہیں جو یہ بھول جاتے ہیں بے عیب ذات صرف وہ ذات ہے جو سب کا خالق ہے۔

"چوڑی" سلویٰ علی بٹ کی تحریر عورت کے منہ پہ ایک زناٹے دار طمانچہ تھی۔ مادی خواہش پوری کرنے کے لیے کمال نے عزت کا سودا کرلیا' عورت کی ازلی ہوس زر کے لیے۔

باقی مستقل سلسلے بھی اچھے تھے۔ آواز کی دنیا سے متعلق کوئی معلومات نہیں' اس لیے مجھے تو یہ مسلسل ایویں ہی لگتا ہے۔

انیلہ گل رنوشین گل۔۔۔ ایبٹ آباد

کرن جون کی گرم تپتی دوپہر کو مل گیا۔ سرورق دیکھے بغیر فہرست کی جانب بھاگے۔ لیکن یہ کیا نایاب جیلانی کا تو نام ہی فہرست میں نہیں تھا۔ وہ مسلسل تین ماہ سے غائب ہیں۔ پلیز کرن کے لیے ہر ماہ ضرور لکھا کریں۔ اس کے بعد "کہنے میرے نام" میں پہنچے۔ "عشق آتش" کے بارے میں نگہت سیما کا طویل خط پڑھا اور افسوس بھی ہوا' لیکن ہم نے ان کا ناولٹ نہیں پڑھا' اس لیے ہم تو سعدیہ راجپوت کے ہی شکر گزار ہیں کہ ان کے توسط سے اتنا اچھا ناول پڑھنے کو ملا۔ ثمینہ اکرام اور فوزیہ ثمرت کے تبصرے اچھے لگے۔ اس کے بعد اداریہ پڑھا اور بے ساختہ سوچا کہ پاکستان کے حالات کبھی ٹھیک بھی ہوں گے۔ نایاب جیلانی اور تمنہ ریاض سے تو مل چکے' اب نبیلہ عزیز اور نادیہ جہانگیر کو اس سلسلے میں لے کے آئیں۔ نادیہ پلیز مکمل ناول بھی لکھیں' اتنا عرصہ ہو گیا ہے آپ کو کرن میں لکھتے ہوئے "قارئین کی عدالت میں" نعمان اعجاز سے مل کے اچھا لگا۔ عالم شاہ کے بارے میں ان کے خیالات عجیب سے لگے۔ "آواز کی دنیا" میں ہم فرحت علی کو پہلے بھی مل چکے ہیں۔ اس لیے پڑھے بغیر نبیلہ عزیز کے پاس پہنچے' سدیجہ اور عدیل کا ٹکراؤ اچھا لگا۔ نبیلہ عزیز بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ "دست کوزہ گر" کی پندرہ اقساط [illegible] ہیں۔ لیکن ناول نہایت سست روی کا شکار [illegible] عافیت" بھی اختتام پذیر ہو گیا۔ شکر [illegible] نہیں چلا۔

مکمل ناول میں نفیسہ سعید کا "ازل ربا" بہت اچھا لگا۔ "شہر طلب" بھی اچھا لگا۔ [illegible] اور سلویٰ علی بٹ بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ باقی کرن کے تمام سلسلے نہایت مختصر تھے۔ "مجھے یہ شعر پسند ہے" میں نبیلہ عزیز کا انتخاب اچھا ہے۔

ثمینہ بلوچ۔۔۔ کرم داد قریشی

دیدہ زیب اور دلکش گیٹ اپ کے ساتھ کرن کا تازہ شمارہ نظر نواز ہوا۔ حسن و صحت کی باتیں دلچسپ رہیں۔

ناول ابھی تک ایک ہی پڑھ سکی ہوں جو اپنے نام کی طرح خوب صورت تھا۔ "شہر طلب"

ایسے ایسے ہماری حقیقی زندگی میں اکثر جنم لیتے رہتے ہیں۔ لیکن انہیں اس خوب صورتی سے الفاظ کی شکل دینا شاید سفینہ یاسمین ہی کا حصہ تھا۔ پوری تحریر پر ان کی مضبوط گرفت رہی۔ ناول کا اختتام توقع کے برعکس رہا اور یہ ان کے فن کا بہترین نمونہ ہے۔ مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح اچھے رہے۔ مگر نگہت سیما کے خط نے چونکا دیا۔ ہم نے "تار وفا" نہیں پڑھا' اس لیے کچھ کہہ نہیں سکتے۔ مستقل سلسلوں میں اشعار کے صفحات بڑھادیں۔ اگست میں کرن کتاب بارش کے پکوان دیں' تاکہ بارشوں کا لطف دوبالا ہو جائے۔

شازیہ ملک۔۔۔ میرپور خاص

کچھ وجوہات کی بنا پر میں خط نہ لکھ سکی [illegible] ماہ "عشق آتش" پڑھ کر رہی [illegible] بہت خوب صورت ناول تھا' سمجھ میں نہیں [illegible] کن الفاظ میں تعریف کروں' بہت منفرد اور [illegible] ناول تھا۔ آپ کی تحریر نے بہت رلایا' کہانی [illegible] لگ رہا تھا کہ یہ سب ایک حقیقت ہے [illegible] سعدیہ بہت مبارک۔

سعدیہ جی [illegible] اس کہانی کے کردار نگہت سیما کے ناول [illegible] سے چرائے ہیں تو مجھے بہت افسوس ہوا [illegible] کہ یہ ایک غلط فہمی ہو۔

[illegible] تے ہیں اس ماہ کے شمارے کی طرف حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کو منور کیا۔ سب سے پہلے فوزیہ سعید کا ناول پڑھا' پتا نہیں یہ کیا انا سا ناول کہانی بہت اچھے موڑ پر آگئی ہے۔ پلیز ایسا نہ کریں۔

☆ ☆